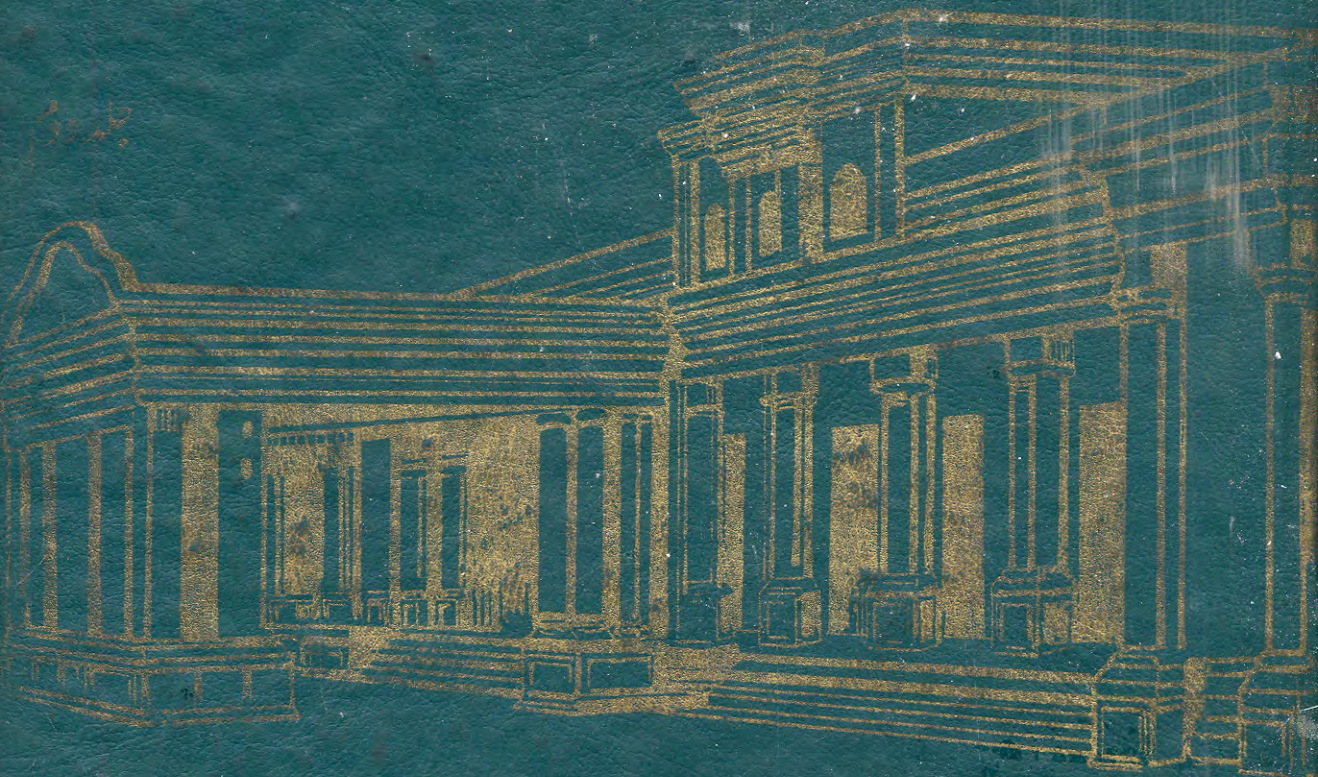


زوداد

مقدمہ مرتبہ میرزا مہتاب اولیو

۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء



کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حق و باطل کا عظیم معرکہ

مقدمہ مرزائیت بہاولپور ۱۹۳۵ء

جلد دوم

عالی جناب محمد اکبر خاں صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور
نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

بحیثیت

مسماة غلام عائشہ مدعیہ و عبد الرزاق مدعا علیہ

مدخلہ
عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور

ناشر

اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) علی ڈپوس روڈ، لاہور

ترتیب

- ۷۵۷ : ۱ بحث مسماة غلام عائشہ مدعیہ
- ۷۸۷ : ۲ انتباه حضرت مولانا محمد مالک صاحب مدظلہ العالی
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ و سرپرست اعلیٰ
اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) لاہور
- ۷۸۹ : ۳ بحث تحریری جلال الدین شمس مختار مدعا علیہ

بحث مدعيه

۹ لغایت ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مدعیہ کی جانب سے مدعا علیہ کے گواہان کے کذب و فریب سے
 بھرپور بیانات و جرح کا دلائل و براہین سے نہایت باطل شکن جواب
 دیا گیا جس کا اندازہ مدعیہ کی پیش کردہ بحث کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے۔

ادارہ —————

بحث مدعیہ از ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں۔

مدعا علیہ کے احمدی ہونے سے قبل مدعیہ اور مدعا علیہ دونوں احمدی اعتقاد کے مطابق کافر تھے۔ ان میں سے مدعا علیہ نے جب مذہب احمدیت قبول کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مدعیہ بدستور کافر رہی۔ اس لیے ایک کافر اور مسلمان کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ اور نسخ ہو گیا۔

اور اہل کتاب کا نکاح مسلمان کے ساتھ اس لیے جائز ہے کہ قرآن شریف میں ہے کہ ان امتوں کی عورتیں سے مرد باہمی نکاح کر سکتے ہیں جن کو قرآن مجید سے پہلے کتاب عطا کی گئی یہ مذکور نہیں کہ قرآن کے بعد یا کسی دوسری کتاب کے نازل ہونے والی امت پر یہ آیت حاوی ہوگی آئینہ صداقت صفحہ ۳۵ پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب جس اسلام کو پیش کرتے ہیں۔ وہ اور اسلام ہے۔ مدعا علیہ مرزا صاحب کا منفق ہونے کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔ اور مدعیہ یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مشرک ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور نازل ہوں گے اس لئے مشرک کے ساتھ مسلمان کا نکاح کی صورت میں نہیں قائم نہیں رہ سکتا۔ ختم النبوة کے متعلق سال ۱۸۹۹ء تک بقول مرزا صاحب محمود صاحب مرزا غلام احمد صاحب کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اب مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت اس وقت قابل سماعت ہو گا۔ جب کہ یہ آیت ختم النبوة منسوخ ہو جائے۔ اور کسی حکم شرعی اور ضروریات دین کا منسوخ ہونا یا اس کا دعویٰ کرنا کفر و ارتداد ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور نبی امتی نہیں ہو سکتا اور آگے کہتے ہیں کہ جس مذہب میں امتی نبی نہ ہو سکے۔ وہ شیطانی مذہب ہوا۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا۔ کہ حضور علیہ السلام سے قبل جو انبیاء تھے۔ اور جو اپنی امتوں کو نبی نہ بنا سکتے تھے۔ ان کے مذاہب شیطانی ہوئے۔ اور سابقہ نبیوں کے مذاہب کو شیطانی کہنے والا کافر ہی سمجھا جائے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلعم کے تمام کمالات کا ظلی ہوں اور دوسرے انبیاء ایک ایک صفت کے ظلی تھے۔ اس لیے تمام انبیاء کو اپنے آپ سے کم تر کہنا تمام انبیاء کی توہین ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے بقول مرزا صاحب چونکہ اسلام میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ تو اس سے معلوم آیا کہ اس سے زیادہ کمال والے نبی کے آنے سے زیادہ خرابی کا احتمال ہو گا اس لیے رسول اللہ صلعم کے بعد دوسرے کسی نبی کے آنے کی نہرت نہیں ہے۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی پیش گوئی متواتر ہے۔ اور متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب چونکہ اس کے منکر ہوئے اس لیے کافر ہوئے۔

مرزا صاحب صحیح فرماتے ہیں کہ حسب تصریح قرآن مجید رسول اُسے کہتے ہیں کہ جس نے احکام و عقائد دین جس پر عمل کر کے درجہ حاصل کئے ہوں۔ اور رسول کی حقیقت اور جاہلیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم بذریعہ جبرئیل علیہ السلام حاصل کرے۔ اس لیے جب تک جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ احکام نہ پہنچیں خود مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق کوئی نبی نہیں نبی ہو سکتا۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور رسول اللہ صلعم بھی عیسیٰ علیہ السلام کا ظل ہیں۔ خود مرزا صاحب بھی عیسیٰ علیہ السلام کا ظل ہیں اور ایک دفعہ عیسیٰ علیہ السلام کا اور ظلی آئے گا۔ آئینہ کلمات ۳۲۴ ۳۲۵ رسول اللہ صلعم کو عیسیٰ علیہ السلام کا ظل کہنے سے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلعم کا ظلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور مرزا صاحب آپ نے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل کہتے ہیں۔ اس لیے سمجھا جائے گا کہ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم سے افضل ہیں اور یہ کفر کی حد تک پہنچے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ازل سے خاتمیت دی گئی تھی۔ رسول اللہ صلعم کی خاتمیت سے مفہوم ختم نبوت سے ہے۔ اور وہ اپنے لیے ختم حقیقی ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلعم خاتم مجازی ہونے یہ صریح کفر اور توہین ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم حقیقت کا حلول کئی دفعہ ہوا۔ اور ان لوگوں میں ہوا۔ جن کے نام احمد اور محمد تھے۔ لیکن انہوں نے دعوت نبوت نہ کیا۔ اس لیے مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت بھی اس وجہ درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ کہ ان میں حقیقت محمد کا حلول ہوا۔ اور کہ ان کا نام احمد تھا۔ مرزا صاحب کے کلام میں بہت سے متناقض اقوال ہیں مدعیہ کی طرف سے جو قول مرزا صاحب کے خلاف پیش کیا گیا۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ کی طرف سے دوسرے اقوال جو اہل اسلام کے موافق ہیں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

اس لیے مرزا صاحب کا عقیدہ قائم کرنے کے لیے مخالف اقوال کو زیادہ ترجیح دی جائے گی موافق اقوال کی نسبت سمجھا جائے گا کہ وہ پہلے کے ہیں۔ اور صحیح عقیدہ مخالف اقوال کے مطابق ہے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اور ٹھیک متعین نہیں ہوا۔ کہ ان کا دعویٰ کیا تھا ان کے اپنے علمائے اہل اختلاف ہے۔

اہل تصوف کے حوالہ جات ہمارے مقابلہ میں پیش کئے جانے درست نہیں۔ کیونکہ متعدد وجوہ ہیں تصوف کا سوال نہیں۔ بلکہ شریعت کا ہے۔ تصوف کا کوئی حوالہ اگر شریعت کے مخالف ہو۔ تو وہ قابل اعتماد نہیں مطلق

سے غلطی ہوئی ممکن ہے نخبذیر الناس کے حوالہ سے جو یہ کہا گیا ہے کہ مولا نا محمد قاسم صاحب بھی ختم زمانی کے متکر ہیں۔ اس عبارت کے بعد اس کا رد موجود ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳ سطر ۷، صفحہ ۱۰ کی عبارت بھی اس ضمن میں ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جس کا ایک ٹھوٹ ثابت ہو گیا۔ اس کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں بجز المرقع کے حوالہ سے جو فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ علماء معمولی معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ دے دیا کرتے ہیں اس کتاب کی جلد خاص کے صفحہ ۳۵ پر یہ عبارت ہے۔ کہ کفر کا فتویٰ اجب دیا جاتا ہے۔ کہ اس پر اتفاق ہو۔ اور مشکل کے کلام کی تاویل نہ ہو۔ اور متفق علیہ ہو۔

نبوۃ تشریحی کے یہ معنی ہیں کہ جس کی وحی میں تبلیغ ہو۔ امر ہو۔ نہی ہو۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ نبوۃ تشریحی کے یہ معنی ہیں کہ نبوۃ مستقلہ جو۔ یعنی بدوں تو سل حضور صلعم ہو۔ صاحب کتاب ہو۔ اور شریعت سابقہ کا نسخہ ہو۔ ملا علی قاری کا قول ختم النبوة کے متعلق عام عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں کیونکہ بعض اوقات کل کا اطلاق جزو پر کیا جاتا ہے۔ ملا علی قاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل تھے۔ اور جو قول ان کا فریق ثانی کی طرف سے نقل کیا گیا ہے۔

ان کے کل مضمون کو دیکھنے پر ان کی مراد عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد و الف ثانی کا قول بھی تمام عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔ ان کی آگے کی عبارت دیکھی جاوے وہ خود اس کی دکالت کرتی ہے کلمات نبوۃ ملنے سے مراد نہیں کہ جس شخص میں کلمات ہیں وہ نبی ہو جائے۔ ملاحظہ ہو مکتوبات ۲۴۸ حصہ چہارم ص ۵۰۰ حج اکرامتہ میں جو دجالوں کے متعلق حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں تیس کے آگے زیادہ کے الفاظ میں لیکن حوالہ میں یہ الفاظ نہیں دے گئے۔

شرح فضول الحکم ص ۱۱ پر ولایت کو بھی اصطلاحاً نبوۃ کہا گیا ہے۔ اس حوالہ کی رو سے نبی متبع نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا صاحب نے الیقین ص ۶ پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے اپنے آپ کو تشریحی نبی ثابت کرتے ہیں۔ کتاب حقیقت النبوة ص ۷ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے اندر کسی لفظ کے حقیقی معنی پائے جاویں۔ وہ اس لفظ کا حقیقی مصداق تھا۔ تو مرزا صاحب نے جب صاحب شریعت کے حق بیان فرمائے اور بتلایا کہ یہ معنی ان میں پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مدعی صاحب شریعت نبوۃ کے ہیں

۱۰ اکتوبر ۳۳ھ

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں۔

بحث مدعیہ :-

کفر ثابت کرنے کے لیے صرف ایک بات کفریہ ثابت ہو جانے سے کفر عائد ہو جاتا ہے اسلام ثابت کرنے کے لیے تمام جوئیہات اسلام کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ گواہ نبرا مدعا علیہ نے کہا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے سب فقیر پھر میری نظر میں سے نہیں گذرا جو اس وقت تک شائع ہو چکا ہے۔ فتوحات یکہ کی نسبت گواہ نبرانے یہ بیان کیا ہے۔ کہ اس نے اس کتاب کو مکمل طور پر نہیں دیکھا۔ گواہ نبرانے شرح فقہ اکبر کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ شرح فقہ اکبر کس کی مصنفہ ہے۔۔۔ پھر ارا الحق کے اصول تکفیر کے متعلق بھی گواہ نبرانے لا علمی بیان کی ہے۔ اشارات فریدی سالم کتاب کے مطالعہ سے بھی انکار کیا ہے۔ منصب رسالت کے متعلق بھی گواہ نے کہا ہے۔ کہ میں نے سالم کتاب نہیں پڑھی کتاب محیط کے پورے مطالعہ سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ عہدیہ مجددیہ کے مصنف کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ علم نہیں ہے۔ اور نہ اس کا مصنف معلوم ہے۔ جو اجمع الشواہد کے مصنف سے بھی لا علمی ظاہر کی گئی ہے۔ جو پینال برٹش رولڈ مال کے مصنف سے بھی لا علمی ظاہر کی گئی ہے۔ ہدیہ مجددیہ دونوں فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ مگر اس کا حوالہ فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جو اجمع الشواہد جو پینال برٹش رولڈ مال جج الگراہ۔ شہاب علی البیضاوی۔ الازار احمدیہ جبات جاوید۔ ہر دو فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہیں مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق ہے۔ محض مسلمان ہونے سے کسی کی تحریر مسلم قرار نہیں دی جا سکتی۔ اجماع کے متعلق گواہ نے جرح ۹، مارچ ۱۹۳۲ء میں کہا ہے۔ کہ بلا کسی استثناء کے تمام امت کی مسئلہ پر اجماع کرے تو اس کو اجماع کہا جائیگا۔۔۔ اور اسی جرح میں یہ بھی مندرج ہے کہ تمام امت کے مسئلہ بزرگ اور اکابر سے مانستے ہوں۔ اشارات کے متعلق ایک جگہ یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے خواجہ محمد بخش صاحب سے سبقاً سبقاً سنی اور ایک جگہ ہے۔ کہ مولانا رکن الدین سے سنی۔ مالا محکو کتاب خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب ہوئی۔ ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء کی جرح میں یہ مانا گیا ہے :-

کہ جو چندہ نہ دے وہ بیعت سے فارغ ہے۔ لیکن احمدی رہے گا۔ آئینہ صداقت میں ہے کہ جو بیعت میں داخل نہیں وہ کافر ہے۔ یہ مسلم ہے کہ نبی کسی مشرک کا رخصتہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ ۱۲۔

سال تک حیات مسیح کے مشا کے فائن رہے۔ اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ابھی کیا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب صحیح بخاری ہے۔ گواہ نبرانے بیان کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں بعض احادیث غیر معتبر ہو سکتی ہیں۔ اور جرح الامارچ ۲۳۷ء میں گواہ نبرانے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابیں مسلم ہیں۔

گواہ نے ۲ مارچ ۱۸۷۷ء میں یہ کہا ہے۔ کہ احکام جو بذریعہ جبرئیل نازل ہوئے تو کوئی امر نہیں۔ مرزا صاحب کے قول مندرجہ ذیل اوہام کلاف ص ۲۳۷، ۲۳۹ کے خلاف ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ جہاں جبرئیل علیہ السلام ایک حکم بھی لادیں۔ ختم النبوة کے خلاف ہے۔ گواہ نے کہا کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کو جو وحی ہوتی ہے۔ وہ ایک ہے۔ حالانکہ علم الکتاب جس کا حوالہ خود گواہ نے دیا ہے۔ صفحہ ۱۱ پر درج ہے۔ کہ لفظ وحی کا اطلاق اولیاء اللہ کے الہام پر نہیں ہو سکتا۔ گواہ نے مرزا صاحب کی وحی کے متعلق کہا ہے۔ کہ وہ کوئی قرآن کے معارض نہیں۔ حالانکہ صحیح احادیث کے متعلق بھی یہ کہا گیا ہے۔ کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہوں گی تو مانی جائیں گی۔ ورنہ نہیں۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ نے گواہ ۱۷ سے مختلف بیان کی گواہ ۱۷ کہتا ہے۔ کہ جن کو کتاب ملی ہو۔ گواہ ۱۷ کہتا ہے کہ جن کو پہلے کتاب ملی چکی۔ گواہ ۱۷ نے بیان کیا ہے۔ کہ ابن مسعود جلیل القدر صحابی تھے کتاب ازالہ اوہام ص ۵۶۶ میں ہے کہ ابن مسعود معمولی آدمی تھا۔ گواہ ۱۷ نے بیان کیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی مطابقت کے لیے اس کے واسطے اس کے واجب الاطاعت اماموں یا اس کی دینی مطابقت مسلم ہے۔ آگے کہا ہے کہ میرے نزدیک مرزا صاحب اور خلیفہ اول خلیفہ ثانی کے افواہ مستند ہیں۔ اس کے اور میرے نزدیک اور کوئی شے مستند نہیں۔ گواہ ۱۷ نے تفسیر صنادیدی الہی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ جو فریقین کی غیر مسلم ہے اس طرح کتب ذیل کو اکابر دہریہ۔ اقرباب الاعتدال فی بیان شہاب با نور احمدیہ، ہدیرہ تجویدیہ، حیات جاوید، فریقین کی غیر مسلم کتابیں ہیں جو گواہ ۱۷ نے پیش کیں اس طرح گواہ ۱۷ نے کہا ہے۔ کہ شرح شفا کل نہیں پڑھی۔ ہدیرہ مجددیہ کا مصنف نامعلوم ہے۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ ۱۷ نے۔ ۲۱ مارچ کو یہ بیان کی کہ وہ آگ بن کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ اور سوال مکرر میں کہا ہے کہ مسلمان اہل کتاب ہیں۔

گواہ ان فریق ثانی نے ایمان کی تعریف میں چند باتیں بیان کی ہیں۔ اس سوال پر یہ کہا ہے کہ یہ باتیں مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ کافی نہیں۔ ان کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے سے ایک شخص کافر ہو جاتا ہے۔ ہماری طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ باوجود ایک شخص کے ایمان میں ان باتوں کا

موجود ہوتا۔ جو گواہان نے بیان کی ہیں۔ اسے مسلمان نہیں بناتا۔ اگر وہ مرزا صاحب کو نبی مانے۔ مرزا صاحب کے جو اقوال عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ظاہر کئے گئے۔ وہ مرزا صاحب کے دعوے نبوت سے قبل کے ہیں۔ یعنی سال ۱۹۰۱ء سے قبل کے۔ مدعیہ کی طرف سے جو مرزا صاحب کے خلاف کفریہ الزام لگائے گئے ہیں ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے تازہ تصانیف کے حوالہ جات پیش کئے گئے۔ آخری حوالہ سال ۱۹۰۶ء کی تصنیف سے ہے۔ تفاسیر متقدمین کے متعلق مقدمہ ابن خلدون کا جو یہ حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ تفاسیر المتقدمین مملوۃ غث و سینین یہ صحیح نہیں ہے۔ تین ایڈیشنوں کی کتابوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں۔ الا ان کنتہم و مقولاتہ مشتمل علی البغث و السمین۔

جن تفاسیر میں فریق ثانی کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ تفاسیر میں اہلبیاد کی عصمت کے خلاف باتیں ہیں۔ اگر بعض تفاسیر میں ایسی باتیں ہیں تو وہ ترویج کے لئے تالیف کیے گئے ہیں۔ جو تفاسیر مدعیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ وہ مختصر ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر کے قائل نہیں یہ غلط ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں اس عبارت کے آگے جو *mate* کی گئی ہے۔ درج ہے کہ وہ صرف متعین کتابوں کو غیر منبر سمجھتے تھے نہ کہ تفسیر کو۔

تفسیر اتفاق کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ موخر صرف کیا گیا ہے۔ اور وہ اس موقع پر زبردستی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اور جو مطلب اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ مقدمہ موخر عبارت سے صحیح نہیں ہے۔ کلمات کفر اور چیز ہے۔ اور کسی کو کافر قرار دینا دوسری چیز بجز الراقی کے جو حوالہ جات فریق ثانی کی طرف سے دیئے گئے کبھی ان کے متعلق یہ درج ہے۔ کہ وہ کلمات معتبر ہیں۔ لیکن ان پر کوئی فتویٰ نہیں جن علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اس کے متعلق وہ علماء ان واقعات سے جو ان کی طرف منسوب کئے جا کر ان پر فتویٰ کفر لگایا گیا ہے۔ برہان ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گواہ فریق ثانی نے اپنی جرح مورخہ ۱۵ مارچ ۱۳۳۳ء سے تسلیم کر لیا ہے۔ ان علماء دیوبند نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ کافر نہیں کہا۔ بلکہ سمجھتے رہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور معذور ہیں۔ جو کتاب حسام الحرمین اس غرض کے لیے پیش کی گئی۔ اس میں سب سے پہلے مرزا صاحب کا نام درج ہے۔ علمائے حرمین نے بعد میں اہل دیوبند کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لیا ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی۔ کہ اہل دیوبند کے عقائد بھی مرزا غلام احمد صاحب جیسے ہیں۔ خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے پوری تحقیق سے مرزا صاحب کے نام خط لکھا۔ یہ درست نہیں

کیونکہ خواجہ صاحب کے سامنے صرف چند کتب مصنفہ مرزا صاحب پیش کی گئیں اور حکیم نور الدین صاحب سے گفتگو کی گئی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہو سکا۔ کہ خواجہ صاحب نے مرزا صاحب کی ان کتابوں کو جو ان کے پاس پہنچیں گی کا مطالعہ کیا۔

خواجہ صاحب کو دوسری اشاعتوں کی تاہید مرزا صاحب کی کتابوں سے کی گئی اور کسی دوسری کتاب یا رسالہ سے نہیں کی گئی۔ خواجہ صاحب نے اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۴۲ پر مرزا صاحب کے مکاشفات کو غلط مانا ہے۔ خواجہ صاحب کے آگے جو کتابیں مرزا صاحب کی پیش ہوئیں ان میں مرزا صاحب نے محشیت کا دعوے کیا ہوا ہے۔ نبوہ کا نہیں۔ اور یہ فریق ثانی کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اس وقت تک مرزا صاحب آپ اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔

خواجہ صاحب کی بشارت اس لیے مدعا علیہ کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے وہ اذوال کفر بہ جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ شائع نہیں ہوئے تھے۔

گواہ ملانے یہ بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے کسی مرید کے قول و فعل کا اعتبار نہیں ہا و تکیہ مرزا صاحب کی اصل کتاب کا حوالہ نہ ہو اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشارات فریدی میں سے جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ وہ اس وقت تک معتبر نہیں۔ جب تک کہ خواجہ صاحب کی کسی اصل کتاب کے حوالے سے نہ ہو۔ کتاب اشارات فریدی حسب تسلیم گواہ ۱۷۱ فریق ثانی خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع اور شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ملائکہ الدین کی کوئی توثیق نہیں کی۔ خواجہ صاحب کی تصدیق کے متعلق بھی خود مولف کا اپنا بیان ہے۔ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتاب فوائد فریدی کے صفحات ۲۹، ۳۰ قابل ملاحظہ ہیں۔ اس سے پایا جائے گا کہ جماعت احمدیہ کے متعلق خواجہ صاحب کا اپنا کیا خیال تھا، فرقہ احمدیہ کو ناری فرقہ قرار دیا۔

اور گواہ ملانے تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ان کا فرقہ، فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ خواجہ

صاحب سال ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے۔

ضروریات دین کی تادیل کرنے والا کافر ہے۔ اس کی تردید میں فریق ثانی کی طرف سے اس قسم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ کہ ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قرار دیا تھا۔ حدیث میں ارتداد کے الفاظ میں جس حدیث کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس حدیث کو کتاب الشہ پر پیش کیا جاوے

موجود ہوتا۔ جو گواہان نے بیان کی ہیں۔ اسے مسلمان نہیں بناتا۔ اگر وہ مرزا صاحب کو نبی مانے۔ مرزا صاحب کے جو اقوال عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ظاہر کئے گئے۔ وہ مرزا صاحب کے دعوے نبوت سے قبل کے ہیں۔ یعنی سال ۱۹۰۱ء سے قبل کے۔ مدعیہ کی طرف سے جو مرزا صاحب کے خلاف کفریہ الزام لگائے گئے ہیں ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے تازہ تصانیف کے حوالہ جات پیش کئے گئے۔ آخری حوالہ سال ۱۹۰۶ء کی تصنیف سے ہے۔ تفاسیر متقدمین کے متعلق مقدمہ ابن فلدون کا جو یہ حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ تفاسیر المتقدمین مملوۃ غث وسمین یہ صحیح نہیں ہے۔ تین ایڈیشنوں کی کتابوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں۔ الا ان کنتم و مقولاتہ مشتمل علی البغث و السمین۔

جن تفاسیر میں فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف باتیں ہیں۔ اگر بعض تفاسیر میں ایسی باتیں ہیں تو وہ ترمذی کے پہلے نا بید کے لیے نہیں ہیں۔ جو تفاسیر مدعیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ وہ مختصر ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق جو کہا گیا ہے۔ کہ وہ تفسیر کے قائل نہیں یہ غلط ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں اس عبارت کے آگے جو علامہ کی گئی ہے۔ جرح ہے کہ وہ صرف متعین کتابوں کو غیر منہر سمجھتے تھے۔ نہ کہ تفسیر کو۔

تفسیر اتفاق کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ مؤخر صرف کیا گیا ہے۔ اور وہ اس موقع پر زبردستی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اور جو مطلب اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ مقدمہ مؤخر عبارت سے صحیح نہیں ہے۔ کلمات کفر اور چیز ہے۔ اور کسی کو کافر قرار دینا دوسری چیز بجز الیق کے جو حوالہ جات فریق ثانی کی طرف سے دیئے گئے دیکھی ان کے متعلق یہ درج ہے۔ کہ وہ کلمات معتبر ہیں۔ لیکن ان پر کوئی فتویٰ نہیں جن علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اس کے متعلق وہ علماء ان واقعات سے جو ان کی طرف منسوب کئے جا کر ان پر فتویٰ کفر لگایا گیا ہے۔ یہ واضح ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گواہ فریق ثانی نے اپنی جرح مورخہ ۱۵ مارچ ۱۳۲۷ء سے تسلیم کر لیا ہے۔ ان علماء دیوبند نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ کافر نہیں کہا۔ بلکہ سمجھتے رہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور مہذرب ہیں۔ جو کتاب حسام الحرمین اس غرض کے لیے پیش کی گئی۔ اس میں سب سے پہلے مرزا صاحب کا نام درج ہے۔ علمائے حرمین نے بعد میں اہل دیوبند کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لیا ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی۔ کہ اہل دیوبند کے عقائد بھی مرزا غلام احمد صاحب جیسے ہیں۔ خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے پوری تحقیق سے مرزا صاحب کے نام خط لکھا۔ یہ درست نہیں

کیونکہ خواجہ صاحب کے سامنے صرف چند کتب مصنفہ مرزا صاحب پیش کی گئیں اور حکیم نور الدین صاحب سے گفتگو کی گئی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہو سکا کہ خواجہ صاحب نے مرزا صاحب کی ان کتابوں کو جو ان کے پاس پہنچیں کل کا مطالعہ کیا۔

خواجہ صاحب کو دوسری اشاعتوں کی تاہم مرزا صاحب کی کتابوں سے کی گئی اور کسی دوسری کتاب یا رسالہ سے نہیں کی گئی۔ خواجہ صاحب نے اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۴۲ پر مرزا صاحب کے حاشیات کو غلط مانا ہے۔ خواجہ صاحب کے آگے جو کچھ میں مرزا صاحب کی پیش ہوئی ان میں مرزا صاحب نے محدثیت کا دعویٰ کیا ہوا ہے۔ بنوہ کا نہیں۔ اور یہ فریق ثانی کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اس وقت تک مرزا صاحب آپ اپنے آپ کو محدث کہتے تھے۔

خواجہ صاحب کی بشارت اس لیے مدعا علیہ کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے وہ اذوال کفر یہ جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ شائع نہیں ہوئے تھے۔

گواہ ۱ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے کسی مرید کے قول و فعل کا اعتبار نہیں تا وقتیکہ مرزا صاحب کی اصل کتاب کا حوالہ نہ ہو اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشارات فریدی میں سے جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ وہ اس وقت تک معتبر نہیں۔ جب تک کہ خواجہ صاحب کی کسی اصل کتاب کے حوالے سے نہ ہو۔ کتاب اشارات فریدی حسب تسلیم گواہ ۱ فریق ثانی خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع اور شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے بلا رکن الدین کی کوئی توثیق نہیں کی۔ خواجہ صاحب کی تصدیق کے متعلق بھی خود مولف کا اپنا بیان ہے۔ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتاب فوائد فریدی کے صفحات ۲۹، ۳۰ قابل ملاحظہ ہیں۔ اس سے پایا جائے گا کہ جماعت احمدیہ کے متعلق خواجہ صاحب کا اپنا کیا خیال تھا، فرقہ احمدیہ کو ناری فرقہ قرار دیا۔

اور گواہ ۱ نے تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ان کا فرقہ، فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ خواجہ صاحب سال ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے۔

ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر ہے۔ اس کی تردید میں فریق ثانی کی طرف سے اس قسم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ کہ ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قرار دیا تھا۔ حدیث میں ارتداد کے الفاظ میں جس حدیث کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس حدیث کو کتاب السنہ پر پیش کیا جاوے

اگر مطابق ہو تو قبول کیا جاوے۔ ورنہ نہیں۔ اس کے متعلق خطاب، حقائق اور پیکچا ابن جعفر امامہ دین کے لیے ہیں۔ کہ یہ حدیث، بیہ نیوں تے گھڑی ہے ۱۰

حدیث بلا سند معتبر نہیں۔ فریق ثانی نے کہا ہے کہ حدیث بلا سند معتبر ہے۔ لیکن جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ کہیں نہیں کہ حدیث بلا سند معتبر ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمۃ الفکر ص ۳۱۲ منصب امامت کے حوالہ سے یہ غلط کہا گیا ہے۔ کہ جو نکاح اور دوسرے معاملات میں ہر ایک شخص سے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے ویسے ہی معاملہ ہوگا۔ بیسے تمام مسلمانوں سے۔ منصب امامت میں دراصل یہ بات درج ہے کہ جو دعویٰ اسلام کرنے ہیں کفر اس کا پھینچا ہوا ہے۔ اسلام ان کا ظاہر ہے۔ دعویٰ کی تصدیق شعائر اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دست بردار نہیں ہیں۔ ان سے یہ معاملہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ص ۹۴

کسی اہل کتاب مرد سے مسلمان لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی احمدی لڑکی کسی غیر احمدی سے نکاح کرے تو وہ نکاح فسخ نہیں کر دیا جاتا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی رو سے شریعت اسلامیہ کا یہ ایک نیا حکم سمجھا جائے گا کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں جا سکتی ہے۔ اور نیا حکم شریعت میں پیدا کرنا بالالتفان کفر ہے۔ اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ مزید ہونے کے مسئلہ سے جدا ہے۔ یعنی اگر مسلمان عورت عیسائی یا یہودی ہو جائے تو اس کا نکاح قائم نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ مزید سمجھی جائے گی۔ اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔ مزاج محمد صاحب کی کتاب ملائکہ اللہ ص ۶۶ پر ہے کہ واضح ہو کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس لیے احمدی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے کرنے سے روکتے ہیں۔

(دستخط بحروف اردو صاحب مجلس محمد اکبر)

بقیہ کارروائی کے لیے مسلسل کل پیش ہو۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(دستخط بحروف اردو صاحب مجلس محمد اکبر)

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مقابرا حاضر ہیں۔

۱۰ مدعیہ۔ مفسرین کے اقوال میں جو ربط و ایصال درج ہے۔ وہ قصص کے متعلق ہے۔ اصل احکام

نے متعلق نہیں۔ یعنی اصل احکام کی تفسیر میں رطب و ایلین نہیں صرف قصص میں ہے۔ جس کی صحت کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ یہی رائے ابن خلدون کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸ اور اقسام میں فرق ہے۔ جن اولیاء اللہ کے متعلق آیات قرآن کے مکاشفات بیان کئے گئے ہیں انہوں نے اپنی عبارتوں میں ان آیات سے اقتباس کیا ہے۔ ان میں الہام ظاہر نہیں کیا علم الکتاب میر درد رحمت اللہ علیہ سے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں، ان کے متعلق اس کتاب کے صفحہ ۶۱، ۶۵ پر درج ہے کہ وہ ان آیات سے اقتباس کر رہے ہیں۔ گواہ نے اپنی جرح مورخہ ۹ رمانچ ۳۳ء میں تسلیم کیا ہے۔ کہ کسی خصوصی مسئلہ پر تمام کی تمام امت اجماع کرے تو اس کی تسلیم ضروری ہے۔

ارشاد المغول کا جو حوالہ اجماع کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ ان میں ان الفاظ کو کی بحث ہے کہ جو اجماع پر دلالت کرتے ہیں اس میں الفاظ لا علم خلافاً محالاً خلاف فہم کے الفاظ ہیں ان کو اجماع کے الفاظ شمار نہیں کیا گیا مسئلہ تنازعہ یعنی ختم النبوة میں الفاظ اجمعت الامتہ اور اجماع کا لفظ پیش کیا گیا ہے۔ جس سے اجماع ثابت سمجھا جاسکتا ہے۔ متواتر مضمون کے متعلق امام رازی کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ مسم النبوت سے اس کی تردید اس کے نیچے قواخ الرحمت ص ۶۹۵، ۶۹۵ پر دی گئی ہے۔ مرزا صاحب نے متواتر مضمون کو زبردست دلیل قرار دیا ہے۔ (شہادت القرآن ص ۳۱۷) گواہ نے اجماع کے متعلق جو حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ ان کی مقدمہ مؤخر عبارت پوری نہیں پڑھی۔ مسئلہ ختم النبوة میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

آیات قرآن، احادیث، آثار صحابہ۔ اقوال بزرگان، فیصلہ مفسرین۔ فیصلہ ائمہ لغت۔ فیصلہ ائمہ فقہا مجتہدین۔ مدعیہ کی طرف سے سات آیات خاتم النبیین کی تفسیر میں پیش کی گئی ہیں۔ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی آیت اس کی تفسیر میں پیش نہیں ہوئی مدعیہ کی طرف سے ایک گواہ نے دوسرے ذائد احادیث اس کے ثبوت میں بتلائی ہیں۔ اور ۱۷ حدیثیں مختلف بیانات میں صاف اور صریح طور پر پیش کی گئی ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے گواہ نے صرف ایک حدیث اور وہ بھی ضعیف درجہ کی پیش کی ہے اور گواہ نے دو حدیثیں بیان کی ہیں۔ بزرگان کے اقوال کے متعلق گواہ نے مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ قرآن اور حدیث کے خلاف کسی قول یا بزرگ کا قول معتبر نہیں ہے۔ آثار صحابہ میں ابن جریر کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔ اور وہاں ۶۲ حوالوں سے اسے ثابت کیا گیا ہے۔ اور تمام صحابہ کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے دو اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ پہلا قول حضرت عائشہ کا بلا سند کے ہے۔ دوسرا

قول حضرت علی کا ہے۔ جو درمنثور سے نقل کیا گیا ہے۔ درمنثور کے متعلق گواہ ۱ کا یہ بیان ہے کہ وہ تفسیر کی کتاب ہے اور اس میں گواہ کے نزدیک رطب و یابس ہیں۔ جو ماننے کے قابل نہیں۔ اقوال بزرگان کی فہرست میں مدعیہ کی جانب سے ۲۲ اقوال پیش کی گئی ہیں۔ اور مدعا علیہ کی جانب سے ۱۶۸ جات دیے گئے ہیں جن میں سے دو حوالے صحیح الکرامہ اور اقتراب الساعۃ سے ہیں جو فریقین کے مسلمات میں سے نہیں ہیں۔ مفسرین کے فیصلہ جات کی تحت میں مدعیہ کی طرف سے ۱۵ فیصلہ پیش کئے گئے ہیں اور مدعا علیہ کی طرف سے اس معنی کے تعین کے لیے پیش کئے گئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کی طرف سے اس معنی کے تعین کے لیے کوئی بھی حوالہ نقل نہیں کیا گیا۔ لفظ خاتم کے لغوی معنی ثابت کرنے کے لیے تین حوالے دیے گئے ہیں۔ ان میں ایک شہاب کا حوالہ فریقین کا غیر مسلم ہے۔

۱۸ لغت کے ۱۶۸ جات مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں جن میں سے ایک کتاب مفردات کے متعلق صاحب اتفاق لکھتے ہیں کہ قرآن کے معنی کے متعلق اس سے بہتر رائے زنی پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مدعا علیہ کی طرف سے صرف ایک حوالہ منجید کا پیش کیا گیا ہے۔

احکام فقہاء کے تحت ۱۶۸ جات منجانب مدعیہ پیش ہونے ہیں جن میں سے بحر الرائق کو گواہ ۱ مدعا علیہ نے مسلم اور مستند مانا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی حوالہ فقہاء کا پیش نہیں ہوا۔ گواہ ۱ مدعا علیہ نے اپنے بیان مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء میں یہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن اور مرفوع منقول حدیث کے خلاف کوئی اور دلیلیں سموع نہیں ہوں گی۔ حدیث نوحاش ابراہیم مکان صدیقاً نبیاً۔ جو مدعا علیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ سند کے اعتبار سے غیر صحیح۔ لفظوں کے اعتبار سے مثبت، کی گئی ہے۔ سند کے اعتبار سے غیر صحیح لفظوں کے اعتبار سے مثبت مدعا علیہ نہیں۔ صحیح معنی کے لحاظ سے ہمارے موافق ہے۔ سند کے لحاظ سے میزان الاعتدال تقریباً تہذیب مدارج النبوة گواہ ۱، ۲ کی جرح میں پیش کی گئی ہے۔ میزان الاعتدال اور تقریباً تہذیب جرح و تعدیل کی کتابیں ہیں۔ اور اس کے مصنف امام فخری حدیث مانے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی کتاب برکات دعائیں یہ لکھا ہے کہ بہ ایک فن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔ میزان الاعتدال کے مصنف نے بھی ابن معین ادیبی بن معین جرح کے امام ہیں اس کے قول کے حوالہ سے انہوں نے کہا ہے کہ ابن ماجہ ٹھیک راوی نہیں ہیں۔ غیر معتبر ہے۔ لوعائش ابراہیم... الخ ابن ماجہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس طرح حدیث مجرد ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب ازالہ اوہام ص ۲۱ پر لکھا ہے کہ حدیث بشرطیکہ جرح سے خالی ہو۔ معتبر ہوگی۔

ملا علی قاری۔ حافظ حدیث اصلاً جائز نہیں ہیں۔ نہ امام جرح اور معتقدین میں گواہ ملنے سے اسے تسلیم کیا ہے۔ ملا علی قاری نے بھی حدیث مذکورہ بالا کو صحیح نہیں کیا۔ حدیث کے شروع میں لفظ لولا استعمال ہوا ہے۔ اور لوجس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا۔ گواہ ملنے سے اس اصول کو جرح ۸ مارچ ۳۳۔ میں تسلیم کیا ہے۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱۲ پر اس حدیث کے متعلق یہ درج ہے کہ اگر ابراہیم زندہ ہوتے تو نبی ہوتے مگر اللہ کے علم میں بہ تھا۔ کہ حضور صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کا انتقال ہو گیا۔ ابن ماجہ کے جن عمالہ بات سے حدیث لوعاشق ابراہیم نقل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے متصل حدیث مذکورہ بالا جلع ابن ابی اوفی سے نقل ہے۔ کنز العمال سے ایک حدیث یہ پیش کی گئی کہ یا مانت خاتم المهاجرین فی الجموعہ... لیکن اس کتاب میں صحیح اور غیر صحیح دونوں حدیثیں ہیں۔ اس کی صحت اور سند کے متعلق کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔ مضمون کے اعتبار سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں کیونکہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت تھی۔ ذہنی تھی۔ اور اس کے آخری ہاجر حضرت عباس تھے۔ اس کے بعد وہ ہجرت بند ہو گئی۔ اس لیے حضرت عباس خاتم المهاجرین شمار کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے اعلان فرمایا تھا۔ کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اور گواہ ملنے سے اس کے یہ معنی بتلائے ہیں۔ کہ کسی قوم کی ہجرت مکہ سے مدینہ کی طرف باقی نہ رہی (جرح ۲۸ مارچ ۳۳ء)

آثار صحابہ میں حضرت عائشہ کا قول قول لوعاشق خاتم النبیین دلائل لانی بعدی۔
 ذہنی ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ حدیث بھی مستند اور معنی کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ حوالہ مکملہ مجمع البہار سے جو لغت کی کتاب ہے۔ اور پیش کیا گیا ہے۔ کوئی سند پیش نہیں کی گئی اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب سے اسے پیش کیا گیا ہے۔ یہ قول رسول اللہ صلعم کے قول کے مخالف ہے۔ لہذا جب کسی صحابی کا قول رسول اللہ صلعم کے قول کے مخالف ہو۔ تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ حدیث لانی بعدی سے اس کا تعارض ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہ کی سند سے رسول اللہ صلعم کی حدیث کے مطابق ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ معنی کے لحاظ سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں کیوں کہ حضرت عائشہ یہ فرماتی ہیں۔ کہ کہو تم خاتم النبیین نہ کہ لانی بعدی یعنی مقام مدح میں خاتم النبیین کا لفظ استعمال کرو۔ لانی بعدی کا لفظ نہ کہو۔ کیونکہ اس سے دونوں مطالب آپ کا بالذات افضل ہونا۔ اور آپ کے بعد دوسرے کسی نبی کا نہ آنا پیدا ہونے میں۔ حضرت علی کے جس قول کا حوالہ گواہ ملنے سے دیا ہے۔ اس کی سند میں اور کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔

بزرگان احوال کے سلسلہ میں گواہ مانے بیان کیا ہے۔ کہ صحیح احادیث جہاں نطقی ہیں۔ اور اعتقادات میں قطعی کا اعتبار ہوتا ہے۔ حقیقات کام نہیں آتے۔ کتاب حج الکرامۃ ہمارے مسلمات سے نہیں ہے۔ اس لیے ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کے معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام تصانیف صحیح اور معتبر ہوں جس میں اس قسم کا التزام نہ ہو۔ وہ معتبر نہیں ہوگی۔ موضوعات ملا علی قاری میں ان کی رائے اور عقیدہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ بلکہ موضوع حدیثوں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ملا علی قاری کی دوسری کتاب میں عقائد کے متعلق جیسے شرح شفا۔ شرح فقہ ابراہیم وغیرہ ان میں عقیدہ عام مسلمانوں کے مطابق ظاہر کیا ہے۔ فتوحات کبیرہ جلد ۵ صفحہ ۵۶ کا حوالہ غیر متعلق ہے۔ ثانی جلد ۵ صفحہ ۲۹۵ میں محی الدین ابن عربی سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے۔ اور گواہ مانے تسلیم کیا ہے۔ کہ ہر ایک کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اس اصطلاح کے خلاف مطلب لینا درست نہیں ہے۔ لہذا قیامت صلا پر ہے۔ کہ صوفیائے کرام کی عبارت پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کے الفاظ کی اصطلاح جانتے کے بعد پھر اگر اس کے بعد شریعت کے مخالف ہو۔ تو اسے پھینک دیں گے۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح سمجھنے کے لیے یہی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ گواہ مانے یہ کہا ہے۔ کہ انہوں نے صوفیائے کرام کی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اور گواہ مانے یہ کہا کہ فصوص الحکم اور فتوحات کمل پڑھنے کا موقع اُسے نہیں ملا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاحات کے لیے مستقل تصنیف کبریت احرار ہے۔ اور نبوت کے معنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں خبر دینے کے ہیں۔ اس کو وہ باقی بتلاتے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح والی نبوت کو ختم بتلاتے ہیں۔ کبریت احرار اور اس کے شیخ کے نزدیک رسالت کے معنی تبلیغ کے ہیں۔ اور نبوت ولایت کے مقابلہ پر ہے۔ فتوحات جلد ۳ باب ۳۸ شیخ کی اصطلاح میں مشرح ہوتا ہے۔ اور نبی اور رسول ہوتا ایک چیز ہے اور فصوص الحکم صفحہ ۲۲ پر ہے۔ کہ کسی قسم کی نبوت چاہے۔ تشریحی یا غیر تشریحی باقی نہیں رہی۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے کتاب یواقیت جلد ۲ بحث ۲۵ ص ۳۸ پر لکھا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا حضور صلعم کے بعد خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو۔ یا مخالف اگر وہ مملکت ہے۔ تو اس کی گردن مار دیں گے۔ ورنہ اس سے گزریں گے۔ عبد الکریم جس کا جو حوالہ کتاب انسان کامل سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ بھی صوفیائے کرام کی اصطلاح معلوم ہونے کے بعد حق مدعا علیہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کے ص ۲۸ و ۲۹ پر ہمارے موافق عبارت موجود ہے۔

کتاب تحذیر الناس کے صفحہ ۲ کی عبارت ناخر زمانی کے بند ہوتے کی تفسیر کر رہی ہے ص ۲۸، پر

بالفرض کا لفظ قابل ملاحظہ ہے۔ اس کتاب کے صند پر خاتم النبیین مجتبیٰ آخری نبی کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی کتاب مناظرہ عجیبہ شرح تحذیر الناس کے صند پر لکھا ہے۔ کہ ابنا دین ایمان ہے۔ کہ بعد رسول اللہؐ کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں۔ جو اس میں تامل کرنے۔ اس کو کافر سمجھتا ہوں۔

مشنوی مولانا روم کا یہی ایک شعر پیش کیا گیا ہے۔ کہ نبوة حاصل ہو سکتی ہے۔ اس شعر میں نبوت کا جو لفظ استعمال ہوا اس سے کالات نبوت مراد ہے۔ نہ کہ نبوة فی نفسہ۔ حوالہ تفسیرات النبیین میں بھی لفظ تشریح اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کو اکب در یہ حکم مجرّح صاحب امر وہبہ ہماری غیر مسلم ہے۔ اس میں بھی لفظ تشریح اسی معنی میں استعمال ہو رہے۔ جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس مصنف نے اپنی دوسری کتاب تاویل الحکم میں لکھا ہے۔ کہ تشریحی اور غیر تشریحی دونوں قسم کی نبوت بند ہے۔ ص ۲۸۷، ۲۸۸ کتاب اقتراب الساعۃ ہماری مسلم نہیں ہے۔ اس لیے اس کا حوالہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے اور خود لڑاب صدیق حسن خاں صاحب نے کتاب نفع البیان ص ۲۸۷ پر خاتم النبیین کی تفسیر ہمارے مطابق کی ہے۔ فیصلہ مفسرین فریق ثانی کی طرف سے کوئی پیش نہیں کیا گیا۔ کتاب سراج منیر میں لفظ خاتم کے معنوں میں پہلا معنی اخیر کا لکھا گیا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا معنی زینت دینے والا لکھا ہے۔ اور اسی مفسر کا آخری فیصلہ تفسیر ختم النبوة میں مدعیہ کے موافق ہے۔ کتاب سراج المنیر لغت کی کتاب نہیں بلکہ تفسیر کی کتاب ہے۔ شہاب ہمارے نزدیک غیر مسلم ہے۔ اس لیے کہ فقہ کے کوئی امام نہیں اور نہ ان سے کوئی سند پکڑی جاتی ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے بھی ختم النبوة کے معنی بھی آخری نبی رکھے ہیں۔ روح المعانی کا حوالہ بھی ہمارے موافق ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ختم النبوة کے معنی آخری نبی کئے گئے ہیں۔ اس کتاب روح المعانی کے صند پر ایک عبارت جو المراد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اس کا پورا حل کرتی ہے۔ اس ضمن میں ص ۶۷ قابل ملاحظہ ہے۔

مدعا علیہ کی جانب سے متجدد جو حوالہ مہر یا انگوٹھی کے معنی کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ وہ لفظ مفرد خاتم کا پیش ہوا ہے۔ حالانکہ اسی کتاب کے اندر مضامین ہو کر آخری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں بحث مضامین کے اندر ہے۔ لہذا یہ حوالہ غیر متعلق ہے۔ ص ۱۶۴ اس کے سوا اور سب متعارف لغاتیں خاتم کے معنی مدعیہ کے موافق بیان کرتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطالب شاعرانہ تخیلات کے تحت میں مبالغہ کی طرز پر بعض الفاظ بمثل خاتم المہدین۔ خاتم المفسرین کے استعمال سے حل نہیں کئے جاسکتے۔ عربی کا جو شعر خاتم

کا معنی بیان کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بھی قرآن مجید میں استعمال شدہ لفظ کا معنی حل نہیں ہوتا گواہ ملانے سے تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شعر شریع میں حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مابعد کے زمانہ کے شاعر کا ہے۔

مرزا صاحب نے سال ۱۹۱۰ء کے بعد فائز التبتیین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن پہلے معنی بدل دینے ہیں۔ علی اور بروزی بنوۃ کی اصطلاح صرف مرزا صاحب کی قائم کردہ ہے۔

مرزا صاحب نے کتاب ایام الصلح ۱۳۶۱ھ پر ختم النبوة کے مسئلہ کو پورے طور پر حل کیا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جو آیات فائز التبتیین کے معنی میں پیش کی گئی ہیں۔ ان کا جواب فریق ثانی کی طرف سے تاویلات سے دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی مراد حدیث اور تفسیر سے متعین کی گئی تھی۔

مرزا صاحب نے ایام الصلح کے حوالہ مذکورہ بالا میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لانبی بعدی میں نفی عام ہے۔ وحی رسالت سوائے نبیوں کے اور دوسرے کسی کی نسبت استعمال نہیں کی گئی۔ انبیاء کو اکمل محمودی اترتی ہے وہ وحی نبوۃ کہلاتی ہے۔ مرزا صاحب نے ایام الصلح ۱۳۶۱ھ پر وحی نبوۃ کی یہ تعریف کی ہے۔ کہ کیونکہ جس میں شان نبوۃ باقی ہے۔ اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوۃ ہے۔ دوسری جگہ سراج المنیر میں ص ۱۳۱ پر ہے۔ کہ نبی کی وحی۔ وحی نبوۃ کہلائے گی۔ ازالہ ادہام ص ۳۱۵ پر لکھا ہے۔ کہ وحی رسالت وہی ہے۔ جو بتوسط جبریل ہوگا وہ ملانے ۷۔ مارچ کی جرح میں تسلیم کیا ہے۔ کہ جس میں نئے حکم ہوں۔ وحی تشریحی ہے۔ مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے۔ کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔

مرزا صاحب ازالہ ادہام ص ۲۲۱ پر لکھتے ہیں کہ وحی نبوۃ پر تو ۱۳ سو برس سے مہر لگ گئی۔

مدعیہ کے گواہان نے یہ نہیں کہا کہ وحی مطلق بند ہے۔ بلکہ وحی رسالت بند ہے۔ اور گواہ ملانے اپنے بیان میں کہا ہے۔ کہ گواہان فریق مخالف کہتے ہیں کہ وحی اب کی پر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ہمارے گواہ ملانے کہا ہے۔ کہ ادعائے نبوۃ اور ادعائے وحی نبوت بھی کفر ہے۔

آیت وما کان بشیء... الخ سے مراد ہے۔ کہ انسان کا خدا سے مہکلام ہونا تین طریق پر ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ وحی نبوۃ انبیاء سے مخصوص ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوت جاری رہ سکتی ہے۔ یہاں لفظ بشیء سے مراد نبی ہی ہے۔ عام بشیء نہیں اگر وحی سے مراد وحی نبوت لی جاوے تو عام بشیء مراد نہیں ہوگا۔

واجینا الی ام موسیٰ... کی آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی نبوۃ نہیں کیونکہ ام موسیٰ

عورت تھیں عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ حضرت مریم کے متعلق جو آیات پیش ہوئی ہیں۔ ان کا بھی یہی جواب ہے۔

ذوالقرنین کے متعلق جو آیت ہے اس سے بھی یہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ان کو جو وحی ہوئی وہ وحی نبوت تھی۔ کیونکہ ان کے متعلق دو نازل ہیں ایک پہر کہ وہ نبی تھے۔ دوسرا یہ کہ نبی نہ تھے۔ راجح یہی ہے۔ کہ وہ نبی نہ تھے۔ اگر نبی تھے تو وحی عزت بھی جائے گی۔ اگر نبی نہ تھے۔ تو جو وحی انہیں ہوئی۔ وہ وحی نبوت نہ تھی۔ اسی طرح حواریں کی طرف بھی وحی نبوت نہ تھی۔ حضرت ابراہیم کی اہلیہ کی طرف بھی جو عورت ہونے کے وحی نبوت نہیں ہو سکتی تھی۔ صوفیائے کرام کے متعلق یواقیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں ہے۔ مستحب لہ کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ دعا قبول کرنے کے ہیں گواہ ماننے اس کے یہ معنی لیے ہیں۔ کہ اگر جواب نزد سے اور کلام نہ کرے۔ تو وہ اور معبود ان باطل کے مرید ہو جائیں گے۔

حبیب کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اور نہ کسی نے مراد لی ہے۔ اس آیت میں واذا ساء ملک عبادی عنی فانی قریب..... الخ میں حبیب کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اسی طرح آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ الخ اس سے مراد موت کے فرشتوں سے ہے اس سے وحی نبوت کا اجراء ثابت نہیں ہوتا۔ آیت ربيع الدرجات ذوالعرش... الخ میں یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ فرشتے کا ارتقا وحی الہی لیکر اللہ کی نظر استجاب پر رہے نہ کسی اور دنیوی جاہ و جلال پر آیت کنتھ خیراۃ..... الخ بھی اجراء نبوت کے لیے غیر متعلق ہے۔

آیت تنزل الملائک والروح کا بھی اجراء نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان آیات سے احمدیہ جماعت کے وجود سے پہلے کسی صحابی۔ تابعی یا مفسر نے ان آیات سے اجراء نبوت پر دلیل نہیں پکڑی اسے تفسیر بالرائے کہا جائے گا۔ جو غیر معتبر سمجھے جائے گا۔ اسی طرح جو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ان سے بھی اجراء نبوت ثابت نہیں ہوتی۔

بزرگان کی زبان پر فرشتوں کا گفتگو کرنا اور چیز ہے۔ اور ان سے فرشتوں کا کلام کرنا اور چیز۔ حدیث داؤد علی عیسیٰ کو مرزا صاحب نے کتاب ازالہ اوہام میں اسے مجروح قرار دیا ہے۔ اور اگر حدیث تسلیم کر لی جاوے تو یہاں وحی بمعنی الہام ہے۔

فتوحات مکہ کا جو الہام پیش کیا گیا ہے۔ کہ اس میں وحی تشریحی کو محققین انبیاء کے ساتھ بتلایا گیا ہے جو ہمارے مدعا کے موافق ہے ۵

کبریتِ احرار صلت پر یہ تقریب کی گئی ہے۔ کہ وہی تشریحی جو دجی نبوت ہے۔ وہ بند ہو چکی۔ اور یہی علیہ السلام پر کوئی جدید وحی نہ ہوئی۔ اور ادلیاء پر جو دجی ہوتی ہے۔ وہ بھی الہام ہے۔ اور وحی الہام بند نہیں۔ بلکہ جاری ہے۔

مجدد صاحب نے جس کلام الہی کا ذکر کیا ہے۔ وہ وحی ہے۔ جو محمد میں پر ہوتی ہے۔ اور وہ وحی الہام ہے۔ دجی نبوت نہیں ہے۔

مولانا روم کے جو اشعار اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ وہاں دجی نبوتی کا ذکر ہے۔ دجی نبوت کا نہیں۔

منصبِ امامت سے جو حوالہ اس غرض کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ کہ دجی نبوت جاری ہے۔ وہاں صرف یہ اصطلاح بتلائی گئی ہے۔ کہ انبیاء اللہ پر جو الہام ہوتا ہے۔ اسے مجازاً دجی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے سوا کسی کے لیے ثابت ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الہام جو انبیاء اللہ سے ثابت ہے۔ اسے دجی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے سوا کسی اور کو ثابت ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ اور کبھی کتاب اللہ مطلق الہام کو خواہ انبیاء اللہ سے ثابت ہو۔ خواہ ادلیاء اللہ سے دجی کہتے ہیں۔ امام غزالی کا جو حوالہ الینو اقیات جلد ۲ ص ۵۷ سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ وہاں تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

روح المعانی کا جو حوالہ اجراء نبوت کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ اس کا دار و مدار حدیث موسیٰ ابن سمان پر ہے۔ جسے خود مرزا صاحب نے مجرد قرار دیا ہے۔ حجج الکرامہ کے مصنف کوئی نسبت بڑے عالم نہیں اس لیے ہمارے لیے ان کا کوئی قول حجت نہیں۔ وہ غیر مقلد ہیں اور ان کے ساتھ مقلدین کی لڑائی رہی ہے۔ اس لیے حجج الکرامہ ہمارے لیے مسلم نہیں ہے۔

انسداد وحی کے متعلق مدعیہ کی طرف سے چھ آیات پیش کی گئیں۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد دجی نبوت مسدود ہے۔ اور اس کے متعلق ۲۵ یا ۲۶ احادیث بیان کی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دجی نبوت مسدود ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ بیشک دجی منقطع ہو چکی ہے۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۰۔ حضرت ابو بکر کا قول ہے۔ کہ دجی منقطع ہو چکی اور دین پورا ہو گیا۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۸۔

علم الکتاب ص ۱ پر ہے۔ کہ اعتقاد دجی کہ آئن نیز مثل الہام دو قسم است..... ومنقطع شدند

کارخانہ جی۔ بعد خاتم الانبیاء۔ مسیلمہ کنزاب کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے تاریخ قمیس ہنخاری ۱۱ اشادات فریدی کے حوالہ جات ۹ مارچ ۱۹۲۲ء کی جرح میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کو صرف دعوتِ نبوت کی وجہ سے کافر سمجھا گیا۔ اور صحابہ نے اجماع کیا کہ وہ کافر ہے۔

ذریعہ البغایا کے معنی لعنت کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جرح گراہ ۱۲ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء میں مرزا صاحب کی کتب ذیل لہجۃ النور ص ۱-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳ سے ثابت کیا گیا ہے کہ ذریعہ البغایا جرمی یا حرام زادہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان حوالہ جات میں بغیہ یا بغایا کے تحت معنی بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب لعنت نالقی جلد ۱ ص ۱۰ منہتی الارب جلد ۱ صفحہ ۳۹ سے یہ دکھایا گیا ہے کہ بغیہ کے معنی زانیہ کے ہیں۔

دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی

محمد اکبر

عدالت

بقیہ فاروانی کے لیے مسل کی پیش ہو۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء

دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی۔

محمد اکبر

۱۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء

فریقین اور ان کے مختاران حاضر ہیں۔

تتمہ بحث مدعیہ

مرزا صاحب نے فتوحات کی عبارات سے جہی میں یہ ذکر ہے۔ کہ نبوتِ تشریحی بند ہے۔ یہاں تلال کیا ہے کہ جو شخص نبوت کے ساتھ شریعت کا دعوے کرے یہ نبوت خاتم النبیین کے خلاف ہے اور اس کے نبی ہو سکتا ہے۔ تشریحی کے معنی صاحب شریعت ہونا۔ جو مرزا صاحب نے مراد لیا ہے کہ اس کے ساتھ کتاب، مستقل ہو۔ احکام نئے ہوں۔ بعض پہلے احکام کا قسح ہو۔ یہ معنی تشریحی کے نہ کسی لعنت کی کتاب میں ہیں اور نہ حدیث و تفسیر اور نہ قرآن شریف میں۔ نہ مرزا صاحب نے اور گواہان مدعا علیہ نے کہیں اس کا ثبوت دیا ہے۔ اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبوتِ تشریحی کی خود شیخ مصنف فتوحات کے کلام سے کر دی جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نبوت کی ہم نے تفسیر کی ہے ایک نبی محض ایک رسول محض

اور ایک نبی اور ایک رسول دونوں اس سے ہماری مراد نبوت تشریحی ہے کہ اولیاء کے لیے نہیں ہوتی اس عبارت میں تشریح کے معنی بیان کر دیئے۔ کہ اولیاء کے مقابل ہے۔ کہ جس کو شریعت اور عرف اور اصطلاح اسلام میں نبوت کہتے ہیں۔ اس کو شیخ نے نبوت تشریحی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اب نبوت تشریحی سے معنی جو مرزا صاحب نے لئے مراد نہیں لیے جاسکتے۔

گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب کے مدعی شریعت ہونے پر جو تریاق القلوب کی عبارت پیش کی ہے اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی مراد نبی صاحب شریعت اور ملہم اور محدث کا حکم بیان کرتا ہے۔ نہ کہ نبی غیر صاحب شریعت کا۔ یہ جواب صحیح نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے قریب نبی تشریحی وہی تھا۔ جو نبی صاحب شریعت ہو۔ یہ جدید اصطلاح سال ۱۲۱۳ء میں پیدا ہوئی ہے۔ لہذا تریاق القلوب جو سال ۱۱۷۰ء سے قبل کی ہے۔ اس میں وہ معنی مراد نہیں ہو سکتے دو سرا مرزا صاحب نے خود یہ جواب نہیں دیا بلکہ وہ مکرر اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اس لیے گواہان کا جواب منکلم کی اپنی مراد کے خلاف سے۔ فرقی ثانی کی طرف سے تین آیات اجراء جی اور نبوت رسالت کے باقی ہونے کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ معنی کسی ایک محدث اور مفسر یا مہمابہ سے منقول نہیں۔ یہ معنی خود انہوں نے ایجاد کئے ہیں۔ اگر ان معنی کو صحیح مان لیا جاوے تو پھر وہ ہونہ کہ جس کے ساتھ کتاب مستقل ہو اور شریعت مستقل ہو اور پہلی شریعت کے کل یا بعض احکام کا فتح ہو۔ جو مرزا صاحب کے نزدیک بھی یہی ہے۔ اور اس کا مدعی کافر ہے۔ اس کا باقی ہونا بھی ان آیات سے ثابت ہو جائے گا۔ کسی نبی کی توہین باتفاق کفر ہے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے انبیاء کی توہین کی ہے۔ منجملہ ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ یہ ایک فرضی مسیح کے متعلق ہے۔ اور بطور الزام کے کہا گیا ہے۔ گواہان کا یہ جواب درست نہیں ہے۔ کہ یہ الفاظ جن کو توہین قرار دیا گیا ہے۔ بطور الزام کے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس واسطے کہ گواہان مدعا علیہ نے ازالم اوہام مولانا رحمت اللہ صاحب اور مفتی مولوی آل حسن صاحب امر دہلی اور ہدیۃ الشیعہ مولانا محمد قاسم صاحب کی بہت سی عبارات نقل کی ہے۔ اور خود بھی اپنے بیانات میں ان مصنفین کی یہ عبارت بھی نقل کر دی ہے۔ کہ یہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ الزام کے طور پر لکھا ہے۔ جو عیسائیوں کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ در نہ ہم ایسا نہیں لکھ سکتے۔ مرزا صاحب انجام استہکم میں یہ کہتے ہیں۔

کہ میں نے جو کچھ جھلا بڑا کیا ہے وہ یسوع کو کہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کیا۔ مرزا صاحب کی کتاب سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور عیسیٰ ایک ہی ہیں۔ چنانچہ گواہان کی جرح میں بھی یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یسوع مسیح ایک ہیں۔ مرزا صاحب نے ایک جواب تریاق القلوب ص ۳۹، ۳۹۱ پر یہ دیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ توہین کی ہے۔ بدعتی سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لیے۔ اس سے یہ الزام نہیں آتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی جاتی۔ مرزا صاحب نے قبول کیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا ہو جائے۔ اور نقض امن نہ ہو۔ یہ توہین باعث کفر اور ارتداد ہے۔ جو مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے۔

مرزا صاحب اعجاز احمدی ص ۳۳ پر لکھتے ہیں کہ میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا یہ انسانی کارروائی نہیں خبیث ہے۔ وہ اشان جو نفس سے کاملوں اور راست بازوں پر زبان د رازی کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راست باز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جو کچھ کہا باذن الہی ہے۔

جن جن باتوں سے گواہان مدعی نے جو الفاظ توہین کے بیان کئے ہیں نہ اس میں فرخی عیسیٰ کو گالیاں دی گئی ہیں۔ نہ الزام ہے۔ بلکہ مرزا صاحب اپنی تحقیق بیان فرماتے ہیں۔ لہذا ہر فقرہ مرزا صاحب کے کفر اور ارتداد کا باعث ہے۔ ضمیمہ انجام آتم صفحہ ۷ کے حوالے سے جو توہین کے الفاظ مدعیہ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے مرعہ گالیاں ثابت ہوتی ہیں۔ ان گالیوں کو مرزا صاحب نے آنا مدلل اور محقق کر کے بیان کیا ہے۔ کہ جس کا حاصل یہ ہے۔ خدا علیم وخبیر کے نزدیک بھی ما اقر اللہ یہ تمام عیوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر موجود تھے۔ دافع البلاء کے آخری صفحہ کی جو عبارت معہجہ بی طرف سے بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے یہ دیا ہے۔ کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضور کا لفظ نہیں فرمایا۔ یہ وجہ توہین کی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ مرزا صاحب یہ جواب دے رہے ہیں۔ عیبائوں کا اور ان مسلمانوں کا۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو سب تمیظوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں جواب بالکل غلط ہیں۔ یہ وجہ کہ استدلال لفظ حضور نہ ہونے سے ہے۔ یہ گواہان نے خود اپنی طرف سے پیش کر کے اس کو رد کیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ کا ہرگز یہ منشا نہیں۔ دوسرا جواب بھی بالکل غلط ہے اس واسطے کہ مسلمان میں ایسا کسی کا عقیدہ ہی نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء سے افضل ہیں۔ عیسائی قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ مرزا صاحب حوالہ مذکورہ بالا میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں۔

کہ میں انہیں بے شک ایک راست باز آدمی جانتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انہیں نبی نہیں سمجھتے ورنہ راست بازی کا وصف کا فر میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی ایک موجب توہین ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ اس کے آگے خدا معلوم وہ بھی درست ہے یا نہ۔ اس کی تصریح آگے عارضہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ درج ہے کہ یہ جو ہم نے یہ کہا..... ہمارا ایمان محض نیک نیتی کے طور پر ہے..... افضل اور اعلیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ورنہ کے استعمال سے ما قبل عبارت کی تردید نہیں ہوتی۔ بلکہ یہاں ما قبل اور مابعد کا ایک معنی نکلتا ہے۔ آگے کی عبارت میں الناظر ذیل کہ اسی وجہ سے نہ لہنے قرآن میں یہی کلام حضور کہا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب قرآن کی تفصیل فرماتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﷺ کو جو حضور نہیں فرمایا اس کی وجہ صرف یہی ناپاک قصے تھے۔ تو نو یا خدا کے علم میں بھی مرزا صاحب کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ان ناپاک قصوں سے ملوث تھے کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور نہ کہا۔ اس عبارت سے چند نتیجے نکلتے ہیں۔ خدا خدائی کے قابل نہیں عیسیٰ علیہ السلام نبوت کے قابل نہیں۔ نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ بد معاش اور رنڈی بازوں کو مل جاتا ہے۔ اور اس سے تمام تردید اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتد نبوت کی کھلی توہین ہے اس سے مرزا صاحب کا فراد مرتد ہوئے۔ لفظ حضور کے عدم استعمال کے متعلق جو اعتراض گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعیہ پر کیا تھا۔ وہ خود مرزا صاحب پر وارد ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں یہ کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ اور پھر کشتی نوح میں لکھتا ہے کہ ممکن نہیں کہ تینوں کی پیش گوئیاں مل جائیں۔ آگے ازالہ اوہام صحت کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی جھوٹی پیش گوئیاں زیادہ تھیں اور سچی کم۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی نہ تھے۔

اعجاز احمدی ص ۱۴۰ کی عبارت کے الفاظ مذکورہ بالا سے بھی تحت میں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف قرآن کے اعتبار پر پیمانہ مانا گیا۔ ورنہ یہودیوں کو ان پر سخت اعتراض تھا۔ حاشیہ کتاب کشتی نوح ص ۱۵۰ کی عبارت سے عیسیٰ علیہ السلام کی صاف توہین ظاہر ہوتی ہے۔ جو کفر کی حد تک پہنچتی ہے۔

اس عبارت میں مخاطب بھی مسلمان ہیں

جب مرزا صاحب تے عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے سے انکار کیا۔ اور خود اس منصب کو اپنے لیے تجویز فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے آپ کو نشان میں اعلیٰ اور افضل بتلایا۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ معجزات کہاں ہیں۔ جو ہر شان میں بڑھے ہوئے ہوں۔

اس وجہ سے مرزا صاحب کو اس کی ضرورت پڑی۔ کہ ان تمام معجزات کا بالکل عیاں کر کیا کہ پہلی ان کو مسمرینہ بتلایا کہ نہیں شہید ہ بازی بتلایا کہ نہیں پڑھیں کے کھلونوں سے تشبیہ دی۔ کہیں قابل نفرت بتلایا۔ حالانکہ یہ تمام معجزات قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ اور امت کا اس پر اعتقاد ہے۔

مگر مرزا صاحب نے سب کا انکار کر دیا۔ اور اس توہین سے سب کا فرہوئے اور ان چیزوں کو مشرکاً خیال فرما کر ساری امت کو بھی مشرک کہا جو ایک دوسری وجہ کفر کی ہے۔

مرزا صاحب نے نہ صرف دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ خود حضور سرور عالم کی بھی توہین کی ہے۔ مثلاً تحریر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے عین ہزار معجزات تھے۔ اور ان کے اپنے تئیں لاکھ۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے لیے معجزات کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ نشان کیا ہے معجزہ خارق عادت کو کہتے ہیں۔ مرزا صاحب براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۵۶ پر لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو پیش گوئیاں ہیں۔ وہ اس قدر مثالوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر خارق ہیں۔

مرزا صاحب نے رسول اللہ صلعم کی عینیت کا دعوے کیا ہے۔ اور عینیت کا دعوے کرنا صریح کفر ہے۔ گویا ان فریق ثانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ عینیت جسمانی نہیں تھی۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جسم دو تھے۔ اور روح ایک تھی۔ تو یہ عقین تنازع ہے جو سب کے نزدیک باطل اور موجب کفر ہے اور اگر مرزا صاحب میں دو روہیں تھیں۔ تو کون سی روح تھی اگر رسول اللہ صلعم کی تھی۔ تو نبوت اس روح کے ساتھ رہی۔ مرزا صاحب کو چہرہ نبی کہنا کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس ضمن میں فریق ثانی کلموں سے فتوحات کتب وغیرہ سے جو صوفیائے کرام کے اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ وہ بالکل بے عمل اور مدعا علیہ کے کفر اور ردیہ کے لیے مفید ہیں۔ اس لحاظ سے کہ جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی پہلے کی عبارت حذف ہے۔ بعض کی بالبد کی عبارت حذف ہے۔

اور بعض جگہ یہ مطلب لیا گیا ہے۔ جو مصنف کی تفریح کے بالکل خلاف ہے۔ بعض جگہ ترجمہ میں غلطی کی ہے۔ اس کے علاوہ کلبتہ تمام حوالوں کا جواب یہ ہے۔ کہ جس قدر عبارات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ

تلبہم اجمعین کی نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک شخص بھی مدعی نبوت نہیں ہے۔ نہ مدعی رسالت ہے نہ مدعی
 وحی نبوت ہے نہ مدعی وحی رسالت ہے انکی تصریحات بھری ہوئی ہیں۔ کہ کوئی ولی اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ
 کا ہو۔ اور امت محمدیہ میں سب سے افضل ہو۔ جیسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیوں کی
 جماعت میں سے جو سب سے کتر نبی ہیں۔ ان کا سران کے قدم کے نیچے رہتا ہے۔ یعنی کوئی ولی کتنے ہی
 ہی اعلیٰ درجہ کا ہو۔ وہ نبیوں میں ادنیٰ مرتبہ کے نبی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس سے نیچے رہتا ہے بلکہ
 بھی نہیں ہو سکتا۔ افضل تو کیسے ہو سکتا ہے۔ مقام نبوت میں کوئی ولی جا نہیں سکتا۔ فوراً فنا ہو جائے گا۔ اعلیٰ درجہ
 کے جو بھی اولیاء ہیں ان کی حالت ایسی ہے۔ کہ جیسے ہم نیچے سے ستارے کو دیکھتے ہیں۔ مقام نبوت سے
 کسی ولی کو کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کسی کے کلام میں کوئی ایسی بات ہو۔ مثلاً کہ میں فلاں نبی کے مقام میں گیا۔ یا کہہ دے کہ
 میں مقام محمد میں گیا تو ان کا مطلب ان کی حسب تصریحات یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں نے ان مقامات کی
 دور سے زیارت کی۔ یا جیسے کسی خاص تقریب کے وقت کسی خاص شاہی مکان کے دیکھنے کی۔ عام رعایا
 کو دیکھنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔

اور اس مکان کو جا کر دیکھتا ہے تو یہ کہنا اس کا صحیح ہے کہ میں اس مکان میں گیا۔ اس مکان
 میں بیٹھا۔ مگر اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مکان کا ملک ہے یا وہ اس کی جگہ ہے۔ زیادہ اس کا مدعی
 ہے یا وہ اس مرتبہ کے لائق ہے۔

جیسا حضرت مجدد صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام سرور عالم صلعم کے دسترخوان کے
 شریک اور ہم جلیس ہیں۔ اگرچہ سب آپ کے طفیلی ہیں مگر دوسرے اولیاء اللہ کو کل وہ پس خوردہ اور
 بقیہ کھانے والے میں مرزا صاحب مقام نبوت کے مدعی ہیں۔ وہ جس چیز کو اپنے لیے ثابت کرتے ہیں۔
 بطریق استحقاق۔ اور بطریق منصب ثابت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے کلام میں اگر کوئی ایسی چیز ہوگی۔
 تو بے شک مرزا صاحب کا اس سے کفر اور ارتداد ثابت ہوگا۔ بخلاف دوسرے اولیاء کے۔ مرزا صاحب
 کے بھی بظاہر یہ الفاظ ہیں۔ کہ میری کوئی وحی قرآن کے مخالف نہیں۔ مگر مرزا صاحب کے یہ الفاظ بھی الفاظ
 ہیں کہ جن کے اندر معنی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ص ۸۶ ایام الصلح پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن اور
 حدیث کے معنی بیان کرنے میں۔ بہر حال ان کا کلام معتبر ہوگا۔ لہذا جتنے حوالے فریق ثانی کی طرف سے مدعیہ
 کے خلاف پیش کئے ہیں۔ ان میں ایک بھی حوالہ ان کے لیے مفید نہیں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام جناب رسول اللہ صلعم کی ایک ایک صفت میں ظلی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظلی ہیں جو کمالات کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ وہ مرزا صاحب میں مجتمعاً پائے جاتے ہیں۔ یہ عبارت قول فیصل سے نقل کی گئی تھی۔ اب نشہیہ الاذہان کے جلد ۱ ص ۳۱ پر بھی یہی عبارت ہے۔

خطبہ الہامیہ ص ۱۳ پر مرزا صاحب انا فتحناک فتحا مینا اور آیت سبحان الذی امری بعبودہ.... الخ ص ۱۹۴ پر اپنے لیے ثابت فرما کر معنی یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ کی فتح سے مرزا صاحب کے زمانہ کی فتح بہت بڑی اور ظاہر ہے۔ مسجد حرام میں نور کامل نہ تھا۔ اور مسجد اقصیٰ یعنی مرزا صاحب کی مسجد کے گردا گرد نور اس درجہ کامل ہو گیا ہے۔ کہ اس کے اوپر ترقی ممکن نہیں۔ حاشیہ در حاشیہ خطبہ الہامیہ صفحہ کی عبارت سے آدم علیہ السلام کی توہین ہوئی ہے گواہ مدعیہ ص ۳۷ نے تریاق القلوب صفحہ ۷۳ سے یہ ثابت نہیں کیا۔ کہ مرزا صاحب اس کے تنازع کے قائل ہیں بلکہ اس سے اور قول فیصل کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو ظلی بروزی نبی کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی نبوت محمدیہ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ یہ بالکل لغو اور پیہودہ خیال ہے۔ دوسرا رسول اللہ صلعم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔

اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ اس عبارت پر گواہ مدعا علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ اس سے تنازع ثابت ہوتا ہے۔ اس سے کوئی تنازع ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ گواہ عد ۳ نے تنازع ثابت کیا ہے۔ جب عبارت مذکورہ بالا سے حضور سرور عالم صلعم کی توہین اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ان کی توہین بھی بہ ضرورت ثابت ہوگی۔ تو اب جس قدر اشعار گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء علیہم السلام میں مرزا صاحب کے پیش کیے ہیں۔ ان سب کے معنی بجز توہین کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ ۱۵ آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے نفع صد ہوگا۔

مرزا صاحب نے ان تمام چیزوں کا بالکل انکار کر دیا ہے۔ یہ لفظ بے شک کہا ہے کہ حشر اجساد ہے۔ مگر جب جنتی جنت میں رہیں گے۔ اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے۔ تو پھر قبر سے پھر کون نکلے گا اور نفع صد سے جمع کس کو کیا جائے گا۔ اس بحث کو مرزا صاحب نے از الہ میں مفصل بیان کیا ہے لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ مسلم ضروریات دین سے ہے اور ایسا مسلم ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے متبعین اور گواہان مدعا علیہ ہی اس کا انکار نہ کر سکے۔

مگر محض الفاظ ہیں۔ معنی کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح سے اگر اور تمام ضروریات دین کا کوئی شخص انکار کر دے

اور لفظ وہی کتہا رہے۔ تو اسلام کا ایک رکن باقی نہیں رہ سکتا۔

اور اسلام چند الفاظ کا نام رہ جاتا ہے۔ اور یہ باتفاق کفر و ارتداد ہے۔ چونکہ حشر اجماعاً تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے۔ اور ایک آیت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لہذا کم سے کم ایک وجہ یہ مرزا صاحب کے کفر کی ہے۔ اور چونکہ قبروں سے اٹھنا بھی ضروریات دین سے ہے۔ اور قبروں سے اٹھنے والے کو وڑوں کیا اور بولیں ہیں۔ اور مرزا صاحب نے ہر ایک کا قبر سے اٹھنے کا انکار کیا لہذا بیشمار اس وجہ سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت سے انکار ہے۔ تو حوض کوثر بھی نادرہ۔ انا اعطینک الکوثر سے بھی انکار ہوا اور یہ بھی کفر ہے۔ اس شفاعت کبریٰ کے انکار کا بھی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس عقیدہ سے بل حراط بھی نادر سمجھی جائے گی۔

شہادت القرآن ص ۶۷ پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں نفع ضرور سے مراد قیامت نہیں۔ بلکہ اسلامی طاقت کا کم ہونا اور امور فتن کا اٹھنا۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی ہمدی اور مجدد کو لے جاوے۔ ص ۲۳ پر ہے۔ کہ لڑائیوں اور مباحثات کے شور اٹھنے پر نفع ضرور ہوگا۔ چشم معرفت ص ۸۶ پر ضرور سے مراد مسیح کو خود لیا گیا ہے۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۲ پر بھی یہی عبارت ہے۔

مدعا علیہ لم اپنے اقرار سے احمدی یا مرزائی مذہب کو قبول کیا ہے۔ اور مرزا صاحب کو دیسا ہی نبی سمجھتا ہے۔ جیسے اور انبیاء علیہم السلام بھی در نکاح کے وقت وہ اس مذہب پر نہیں تھا۔ گواہان مدعیہ اور بحث سے یہ امر قرآن حدیث اجماع امت سے ثابت ہو گیا۔ کہ مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ سے منع ہو گیا امکان بنوۃ کے سلسلہ میں جو آیات فریق ثانی کی طرف سے بیان کی گئی ہیں۔ ان سے صحابہ کرام سے لے کر مرزا صاحب کے وقت تک کسی نے امکان بنوۃ کا استدلال نہیں کیا۔ قرآن کے محاورات میں رسول اللہ صلعم کے زمانہ کے لوگوں کو یایہا الذین اصنوا اور یایہا الذین کفروا اور یایہا الناس :-

سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور یایہا آدم سے تمام اولاد آدم مراد ہے۔ اس میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہیں ہے۔ آپ صلعم پر اس آیت کا نازل ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کہ اس میں آپ کے بعد کے انبیاء کا ذکر ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات بطور حکایت حال ماضیہ کے نازل ہوتی رہیں۔ پہلی آیت فریق ثانی کی طرف سے سورۃ اغراف کی پیش کی گئی ہے۔ اور یہ قصہ آدم علیہ السلام کی ابتداء و آفرینش سے شروع کیا گیا ہے۔

اور امت محمدیہ صلعم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی واقعہ دوسرے پیرایہ میں سورۃ طہ میں نقل

کیا گیا ہے۔ کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ یہ حکم لگایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آیت خود فریق ثانی سے ذریتہ آدم مراد ہے۔ نہ کہ امت محمدیہ۔ نہ اس کے متعلق کوئی سند فریق ثانی کی طرف سے پیش کی گئی۔ یا نبی آدم کا حکم جو رسولوں کے متعلق تھا۔ وہ آیت خاتم النبیین سے ختم ہو چکا۔ اس کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ابن جریر جو یہ تسلیم مرزا صاحب ربیع المفسرین میں انہوں نے یہ دعوت پیش کی ہے۔ کہ یہ عہد جو آیت موعودہ میں ہے۔ بعالم ذریتہ لیا گیا ہے۔ ابن جریر جلد ۸ ص ۱۲۷ یہ آیت نکلی ہے۔ خاتم النبیین والی آیت مدنی ہے۔ جو یقیناً اس کے بعد کی ہے۔ اس لیے اس دوسری آیت کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو ختم کر دیا۔

دوسری آیت اللہ العظیمی..... الخ کے استدلال میں فریق ثانی کی طرف سے حال اور استقبال دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ جو درست نہیں۔ اور گواہ نے تسلیم کیا ہے۔ کہ دونوں معنی حقیقی ہیں اور مشترک میں دو معنی حقیقی مراد نہیں ہو سکتے۔ مضارع حقیقتاً استمرار کے لیے نہیں آتا۔ اختلاف کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی آئے گا۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ اس وقت میری اور میرے خلفاء کی سعادت پر عمل کرنا۔ یہ حدیث جرح میں فریق ثانی نے تسلیم کی ہے۔ گواہ نے صراط الذین انعمت علیہم کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ اسے خدا تو ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیرا نام ہوا۔ اس آیت سے اجراء نبوة کو کوئی تعلق نہیں ذریتہ کا لفظ جہانی نسل پر لولا جاتا ہے۔ روحانی پر نہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہ ہونے کی وجہ سے اس آیت کا اجراء نبوة پر کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے جو ظالم ہوں گے ان کو عہد نہیں پہنچے گا۔ اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ قیامت تک حضرت ابراہیم کی اولاد سے نبی ہوتے رہیں گے بلکہ ان کی اولاد میں ہونگے چنانچہ ہوئے اور خاتم النبیین پر ختم ہو گئے۔ جو بھی آیت ثبوت کی پیش کی گئی ہے۔ اس آیت کے اندر رسول کے لفظ سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیے گئے ہیں۔ جو نیا آخر الزمان میں۔ اور یہی غیر حقیقت الوری ص ۲۱ میں درج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عہد میں داخل نہیں ہوئے۔ اس لیے اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اس امت میں کوئی نبی آئے گا۔

اس ضمن میں جو دوسری آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد یعنی کی پڑھی گئی ہے۔ اس سے یہ عہد مراد نہیں۔ بلکہ دوسرا عہد مراد ہے۔ جو عہد تبلیغ رسالت ہے۔ پہلا عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد ہے۔

آیت فادک لک مع الذین الخ میں معیت اور رفاقت کا ذکر ہے۔ درجہ اور منصب ملنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تائید میں ایک حدیث سچے تاجروں کے متعلق پیش کی گئی۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ معیت سے مراد نبوت نہیں۔ بلکہ صرف رفاقت ہے۔ اس آیت کا آخری حصہ وحسن وادبک رقیقا دلالت کرتا ہے۔ کہ معیت سے مراد رفاقت ہے۔ نبوت نہیں۔ رسول اللہ صلعم نے نے ہی اس قسم کی معیت سے رفاقت ہی مراد لی ہے۔ شان نزول اس آیت میں کا بتلائے کہ معیت سے رفاقت ہی مراد ہے۔ آیت ما کان اللہ لیلینا من المؤمنین... الخ سے یہ نہیں نکلتا کہ خبیث اور طیب کی تمیز کے لیے نبی کی ضرورت ہے۔ اس میں علی ما انتم علیہ سے صوابہ مراد ہیں۔ اور یہ آیت انہیں کے زمانہ کے متعلق ہے۔

آیت کل ھدینا۔۔۔۔ الخ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ آئندہ ایسا ہی ہدایت دیا کرے گا جس کو چاہیگا۔ اپنے بندوں میں سے یہ ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ اس میں بھی آئندہ نبوت اور رسالت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

آیت وعد اللہ الذین منکم۔۔۔۔ الخ میں مکم سے مراد صحابہ ہیں اور دوسرا خلافت فی الارض کے معنی نبی بنانے کے نہیں ہیں۔ خلافت ارضی کا لفظ ان نبیوں کے متعلق ہے۔ جو زمین میں حکمران بھی تھے۔

فریق ثانی نے داد و علیہ السلام کو غیر تشریعی نبی کیا ہے۔ حالانکہ وہ تشریحی ہیں۔ ان پر زبور نازل ہوئی تھی۔ جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ اس آیت میں ان لوگوں کو تشبیہ دی گئی۔ اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے۔ کہ بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے۔ نبوت وغیرہ نہیں۔ لہذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہوگی۔ جو صحابہ کی خلافت سے پوری ہو چکی رسول اللہ صلعم کی نبوت عام ہے۔ سورت زممر کی آیتوں سے جو اجراء نبوت کا استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے جواب کے لیے یہ کافی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی نبوت آخر وقت تک قائم ہے اور جدید نبی کی ضرورت نہیں گواہ دعا علیہ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر نہیں مرزا صاحب سراج منیر صفحہ ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایسے ہی وہ نبی کہہ کر پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ دوسری حدیث جو حضرت ابو بکر کی فضیلت میں نقل کی ہے۔ اس سے الا ان یكون نبی سے مراد وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حقیقی طور پر نبی بلکہ

بہشت مجدد امتی ہو کر آئیں گے۔ دوسری حدیث جو حج الکرامہ سے پیش کی گئی ہے۔ وہ مثبت مدعا نہیں کیونکہ اس میں نبوت سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ کی نبوت ہے۔ بعد کے آنے والی نبوت نہیں مشکوٰۃ والی حدیث میں تبلیغ النبوة سے مراد خلافت نبوت کے طریق پر ہے۔ نہ کہ خود نبوت پر یعنی نبی ہوں گے دوسری حدیث جو مشکوٰۃ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت میں نقل کی گئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جنت کے تمام اولیٰین و آخرین سے یہ دونوں افضل ہوں گے۔ سوائے جمیعین اور مرسلین کے۔ یہاں دنیا میں نبی آنے کا کوئی ذکر نہیں۔

ذیقین ثانی نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ جہاں کوئی مسئلہ قرآن اور حدیث میں مصرح نہ ملے وہاں فقہ حنفی پر عمل ہو گا۔ اور دوسرے گواہ نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ مسئلہ فسخ نکاح قرآن حدیث کا مصرحہ نہیں۔ تو یہ مسئلہ ان مسائل سے ہوا جن میں فقہ حنفی پر عمل ہو گا۔ اور فقہ حنفی کی عبارت ثانی سے جرح میں بھی پیش ہو چکی ہیں۔ اور گواہان نے بھی پیش کیا کہ مرتد کے احکام میں سے نکاح کا فسخ ہونا ہے۔ گواہ ط نے اپنی جرح یکم مارچ میں تسلیم کیا ہے۔ کہ اگر مرتد ہو جائے تو عام فتویٰ ایسی ہے۔ کہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ دوسرے گواہ نے ۲۱ مارچ کی جرح میں یہ کہا ہے۔ کہ تعامل یہ ہے۔ کہ فسخ سمجھا جائے گا۔

دستخط صاحب مجلس بحروف اردو

محمد اکبر

عدالت۔ بحث مدعیہ ختم ہے۔ مدعا علیہم کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بحث کے لیے تیار نہیں آئیں مہلت دی جاوے۔ کیونکہ بہت سی نئی باتیں ایسی پیش کی گئی ہیں۔ کہ جن کے لیے جدید حوالہ جات کی ضرورت ہے۔ اور وہ حوالہ جات اس وقت ان کے ہمراہ نہیں۔ وہ دکھلانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ اس امر کے متقی ہیں کہ انہیں ہدنت دی جاوے۔ اس غرض کے لیے عمل پر سوں پیش ہو۔ ۱۲ اکتوبر

۱۹۳۳

دستخط صاحب مجلس بحروف اردو

محمد اکبر

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انتباہ!

برائے حضرات قارئین کرام:

حضرات قارئین! ہم بطور انتباہ یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس بحث کو پڑھنے کے بعد جواب الجواب کا حصہ جو مولانا ابوالوفار شاہ جہانپوری کی طرف سے پیش کیا گیا اور چھ سو صفحات پر مشتمل ہے ضرور مطالعہ فرمائیں اگر آپ صرف یہ حصہ پڑھ کر جواب الجواب کا حصہ نہیں پڑھیں گے تو آپ علمی اقدار اور ایمانی جذبات پر بڑا ہی ظلم کریں گے اور عقلی و فطری تقاضوں کو پامال کریں گے کیونکہ اس قسم کی تحریرات کو مطالعہ کرنے والے پر عقلاً و فطراً لازم ہو جاتا ہے کہ دونوں پہلوؤں کو دیکھے اور ان کا تقابلی کرے اور پھر فیصلہ کرے۔

ہم اجمالاً یہ بتا دینا چاہتے ہیں۔ یہ ساری بحث ایک فریب اور دھوکہ کا مرقع ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ تلبیس و مکر کا ایک جال ہے اس میں نہ دلائل ہیں اور نہ حقیقت سے کوئی واسطہ اور نہ ہی ان باتوں کو اصل بیانات پر بحث کہا جاسکتا ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد دعویٰ نبوت کو علماء ربانیہ نے پہاڑوں کی طرح بلند و مضبوط دلائل سے کفر ثابت کیا تھا۔ اس تمام بحث میں اس کا ذرہ برابر بھی جواب یا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکا۔ محض اپنے خیالات و ادوہام کو اس انداز کے ساتھ پیش کیا ہے کہ عوام کو یہ تاثر دیں کہ علماء کی جماعت نے مرزا سیت کا جو کفر ثابت کیا ہے ہم نے اس کا رد کر دیا اور جواب دے دیا ان کی یہ روش بالکل قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے:

اور آدمیوں سے بہت سے آدمی ایسے بھی
ہیں جو اللہ کے بارہ میں بغیر کسی علم کے
خصومت اور جھگڑا کریں جن کے پاس نہ علم ہے
نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب و دلیل وہ اپنی جانب
کو پھیرے ہوئے (مسخ و تحریف میں مبتلا ہے) تاکہ
لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَجَادِلُ فِي اللَّهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ
مُّنِيرٍ ثَانِي عَطْفُهُ لِيُضِلَّ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ط

اللہ رب العزت امت کو ہر گمراہی سے بچائے حق کو سمجھنے اور اس کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ رب العزت ہر شر اور فتنہ سے اور بالخصوص فتنہ یسوع الدجال سے محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین

ناچیز نے اپنی پوری ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ حضرات قارئین کو اس بات پر متنبہ کرنا ضروری سمجھا اور دیانت کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مقدمہ میں مندرجہ مخالف نے جو کہا ادارہ کو اس کی اشاعت کی تاکید کی تاکہ میل و نہار کا فرق دیکھ لیا جائے اور حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہان پوری کی بحث کو پڑھ کر یہ فرمان خداوندی ذہن و دماغ میں رچ جائے :

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى
الْبَاطِلِ فَيَدْحَغُ فَآذَاهُ
زَاهِقٌ
کہ بلکہ ہم تو اسی طرح حق کو باطل کے اوپر
دے مارتے ہیں پھر وہ حق (اپنی ضرب
سے) باطل کا بھیجا نکال ڈالتا ہے اور
ناگماں (ہر ایک دیکھ لیتا ہے کہ) باطل
مٹ چکا اور نیست و نابود ہو گیا۔

تو یہ جواب الجواب الحمد للہ حق و صداقت اور ایمان و توحید کا ایک بھاری اور مضبوط گرز ہے جس سے باطل کی قائم کی ہوئی چٹانیں پاش پاش ہو گئیں۔

اللَّهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزْنَا
اِتِّبَاعَهُ اَللَّهُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ
بَاطِلًا وَاَرِزْنَا
اِجْتِنَابَهُ رَبَّنَا لَا تُزِغْ
قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا
وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ
وَصَلَّى اللهُ عَلٰى صَفْوَةِ
السَّبِيَةِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِينَ سَيِّدِنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى
اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ
اٰجْمَعِينَ۔

احقر محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ

لاہور

سرپرست اعلیٰ اسلامک فاؤنڈیشن (ڈبیرٹی)

لاہور

بحث تحریری ادعا علیہ

مجلد ۷۷- دسمبر ۱۹۳۳ء لغایت ۵ مارچ ۱۹۳۴ء

عقائد جماعت احمدیہ

گو ایمان مدعا علیہ نے اپنے بیانیوں میں بالوضاحت یہ ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ کا مسلمان اور مومن ہے اور ضروریات دین سے کسی نہرہمت خفہ کا قطعاً منکر نہیں ہے۔ اس طرح اس کے مطاع و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی تمام جماعت شریعت کی دوسرے کسی اسلامی عقیدہ کی منکر نہیں ہے۔ اور شریعت کی رد سے جن انہوں کو ماننے اور کرنے سے ایک انسان مسلمان اور مومن ہوتا ہے۔ وہ سب باتیں ان میں اپنی جاتی ہیں۔ اور بقول مسیح موعود علیہ السلام وہ بباگ و بباہا کرتے ہیں۔

مصفیٰ مارا امام و مقتدا!	ما مسلمانیم از فضل خدا!!
ہم بریں از در دنیا بگذریم!	اندیریں دین آدہ از ما دریم!
یادہ عرفان ما از جام ادوست!	آن کتاب حق کہ ذراں نام ادوست
دامن پائش بدست ما مدام!	آن رسول گش محمد ہست نام
ہر چیز تو ثابت شود ایمان است	آفتدائے قول اور جان است

(سراج منیر مطبوعہ ۱۸۶۷ء لاہور و روضۃ الامام ٹاٹل)

جن امور کے ماننے یا کرنے سے شریعت اسلامی کی رو سے کوئی انسان مسلمان و مومن ہو سکتا ہے وہ گو ایمان مدعا علیہ نے قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رو سے بالتفصیل اپنے بیانات میں ذکر کر دیئے ہیں۔ خلاصہ کے طور پر ان امور کا ذکر کرتا ہوں (۱) خدا تعالیٰ پر ایمان (۲) ملائکہ پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان (۵) آخرت پر ایمان (۶) قضا و قدر پر ایمان (۷) کلمہ شہادتین کا اقرار (۸) نماز کا قیام (۹) زکوٰۃ کی ادائیگی (۱۰) روزہ ماہ رمضان (۱۱) بشرط استطاعت حج بیت اللہ :-

اور یہ امور مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے ثابت ہیں :-

(۱) والذین یؤمنون بالغیب (۱) المفلحون (بقرہ ۷۷) (۲) آمن الرسول بما أنزل
الیہ من ربہ والتمؤمنون کلّ آمن باللہ و ملکاتہ و کتیبہ و رسالہ و نفیق بین
أحد من رسالہ (بقرہ ۷۷) (۳) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نبی الاسلام علیٰ خمسین شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبدہ و رسولہ

واقام الصلوٰۃ وابتاء الزکوٰۃ والحج و صوم رمضان -

درمشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم کتاب الایمان (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث بخاری و مسلم میں مروی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر حضورؐ سے چند سوال کئے اور حضورؐ نے ان کے جوابات دیئے۔ جبرئیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے۔ جاء یعلمکم دینکم جو تمہیں تمہارا دین سکھاتے آئے تھے۔ ان کے سوالوں میں سے ایک سوال ایمان کے متعلق اور ایک اسلام کے متعلق بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کے سوال

(ما الایمان) پر فرمایا ان تو من باللہ وملائکته وکتابہ ورسوله و الیوم الآخر و

تومن بالقدر خیر و شر و اور سوال (ما الاسلام) کے جواب میں فرمایا الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله و تقیم الصلوٰۃ و تؤتی الزکوٰۃ و تصوم

رمضان و تحج البيت ان استطعت الیه سبیلاً -

مشکوٰۃ ص ۱۰ مطبوعہ مجتہبی دہلی کتاب الایمان

چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ جرح کے جواب میں ان کو تسلیم کر چکا ہے۔

اور کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ فقہ اکبر مع شرح طبع دائر المعارف حیدرآباد دکن کے ص ۳۴ پر ہے۔ اصل توحید و ما یصح الاعتقاد علیہ یجب ان یقول امنت باللہ و ملائکته و کتابہ و رسوله و البعث بعد الموت و القدر خیر و شر و من الله تعالی و الحساب و المیزان و الجنة

و النار حق کلمہ - _____ پھر اس کے ص ۳ پر اس کی شرح میں جو ابو منصور محمد بن

محمد حنفی ماثریدی سمرقندی نے کی ہے لکھا ہے۔ فمن اراد ان یکون من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال بلسانہ لا اله الا الله محمد رسول الله و صدق بقلبه معناه فهو مؤمن وان لم یعرف

الفرائض و المحرمات - _____ چنانچہ یہ سب باتیں بفضلہ تعالیٰ جماعت احمدیہ میں

پورے طور پر پائی جاتی ہیں اور احمدی ان پر عامل ہیں۔ اور یہی عقائد و اعمال بانی جماعت احمدیہ علیہ النجیۃ کے تھے۔ اور اپنے انہی کے ماننے اور کرنے کی اپنی جماعت کو تلقین کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) "اے برگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے۔ عیظ و غضب میں آکر جس سے مت بڑھو۔ میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو پورے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکبیر سے تمام لا۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔"

امنت بالانبياء و ملائكتہ و كتبه و رسلہ و البعث بعد الموت و اشهد ان لا اله الا الله وحده
لا شريك له و اشهد ان محمدا عبدك و رسوله فالتقوا الله و لا تقولوا السنت مسلماً و اتقوا الملك
الذى اليه ترجعون۔

(ازالہ اوہام حصہ اول ص ۷۱)

(۲) ”اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو اہل سنت و الجماعت مانتے ہیں۔
اور کہہ لیں کہ لا اله الا الله محمد رسول الله کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں“ (آسمانی
فیصلہ ص ۷۸۔ دسمبر ۱۸۹۱ء)

(۳) پھر فرماتے ہیں ”ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله آما بالله و ملائكتہ
و رسلہ و كتبه و الجنة و النار و البعث بعد الموت۔ یعنی ہم ایمان لائے ہیں خدا تعالیٰ پر اور اس
کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور جنت و نار پر اور حشر و نشر پر“
(انوار الاسلام ص ۳۳ مطبوعہ ۱۸۹۵ء)

(۴) فرماتے ہیں۔

”التعليم للجماعة لا يدخل في جماعتنا الا الذي دخل في دين الاسلام و اتبع كتاب الله
و سنن نبينا خيرا و نام و آمن بالله و رسله الكريم الرحيم و بالهشرو و النشر و الجنة
و الجحيم و بعد و يقربانه لن يتبعي و بنا غير دين الاسلام و يموت على هذا الدين
عين الفطرة متمسكا بكتاب الله العلام۔ و يعمل بكل ما ثبت من السنة و القرآن
و اجماع الصحابة الكرام“

(مواعظ الرحمن ص ۹۱ سنہ ۱۹۰۶ء)

یعنی ہماری جماعت میں سے وہی ہو سکتا ہے جو دین اسلام میں داخل ہو اور خدا تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول کریم درحیم پر ایمان لائے۔ اور ایمان لائے حشر و
نشر اور جنت و نار پر۔ اور وعدہ کرے اور اقرار کرے کہ وہ بجز اسلام کو کسی اور دین کو ہرگز اختیار نہ کرے گا۔ اور مرے گا
اسی دین پر مضبوط پکڑتے ہوئے خدا تعالیٰ کی کتاب کو۔ اور کہ عمل کرتا رہے گا ہر اس چیز پر جو ثابت ہو سنت نبوی ص اور
قرآن پاک سے اور صحابہ کرام کے اجماع سے۔

(۵) اور آپ تقدیر کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”خدا کی افضا و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم
مصیبت کو دیکھ کر اور بھی آگے قدم رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے“ (کشتی نوح ص ۱۱۱)

پھر فرماتے ہیں۔

قبضہ تقدیر میں دل نہیں اگر چاہے خدا ! پھیروے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

ان حوالوں کے علاوہ دیگر حوالجات کے لیے جن میں عام عقائد و اعمال کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو نور الحق حصہ اول ص ۱ اور کشتی نوح ص ۱۱ اور تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۱ اور التبلیغ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۷ ۳۸۸ اور کتاب مواہب الرحمن ص ۶۵ اور ایام الصلح ص ۸۶ ۸۷ ان سب حوالجات کے لیے دیکھنا چاہیے مطبوعہ میان گواہ مدعا علیہ ص ۳ تا ۷

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال اس امر میں بالکل واضح ہیں کہ آپ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ از روئے شریعت اسلام کسی مسلمان مؤمن میں جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ جماعت احمدیہ اور بانے جماعت میں من کل الوجہ پائی جاتی ہیں۔ تو اس سے احمدی مدعا علیہ کا قطعی طور پر مسلمان ہونا ثابت ہے۔

(۱)

مختار مدعیہ کا اعتراض

مختار مدعیہ نے حوالجات منقولہ بالا کے متعلق ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مدعا علیہ کے گواہوں نے مرزا صاحب کے بعض حوالجات جن میں اسلامی عقائد ماننے کا اقرار ہے۔ کل نوپین کئے ہیں جن سے بتایا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے عقائد بھی مسلمانوں کے ہیں۔ یہ ہمارے لیے مفید ہیں۔ کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے۔ لیکن بعد میں ان عقائد سے پھرے۔ جب تک مرزا صاحب کے دماغ میں نبوت کا خیال نہیں تھا۔ اور دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس وقت تک یہ اسلامی عقائد کے بڑھ چڑھ کر دعویٰ ہیں۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۳ء میں دعویٰ نبوت کیا اور پیش کردہ کتب ۱۹۰۶ء سے پہلے کی ہیں۔

سو یہ مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے اور اس کے سامنے ہی اپنی جہات کا اعتراف۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے جن کتب کے حوالجات پیش کئے ہیں۔ ان میں ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کے حوالے بھی درج ہیں۔ جب کہ بقول گواہ مختار مدعیہ ۱۹۰۳ء حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ کیونکہ اس نے ۲۴ اگست کو جواب سوال عدالت تسلیم کیا ہے کہ ازالہ ادہام کی تالیف تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔ اور ازالہ ادہام ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے۔ اس لیے ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کا حوالہ جب کہ گواہ مدعیہ ۱۹۰۳ء کے نزدیک حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ اور نیز ان حوالجات میں ایک حوالہ مواہب الرحمن مطبوعہ ۱۹۰۳ء کا اور ایک حوالہ کشتی نوح مطبوعہ ۱۹۰۳ء کا بھی ہے۔ جو ۱۹۰۶ء کے بعد لکھی گئی ہیں جبکہ بقول مختار مدعیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کر دیا تھا۔ اور کافر ہو گئے تھے۔ لیکن حق بر زبان جاری مختار مدعیہ کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ ان حوالجات میں جن عقائد کا ذکر ہے۔ ان سے واقفی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ اسلامی عقائد ہیں۔ مگر یہ ۱۹۰۶ء سے پہلے کے ہیں۔ اس لیے ان سے استدلال کرنا درست نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ گواہان مدعا علیہ کا استدلال اسی صورت میں غلط ثابت ہو سکتا ہے کہ مختار مدعیہ ۱۹۰۶ء کے بعد کی کتابوں سے ان کی تردید دکھا دیتا۔ مگر چونکہ وہ کوئی تردید پیش نہیں کر سکا اس لیے یہ حوالجات بدستور

قائم ہیں اور گواہانِ مدعا علیہ کا ان سے استدلال کرنا بالکل صحیح اور بر محل ہے۔
پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے مواہب الرحمن مبلوغہ ۱۹۰۳ء پیش کی گئی ہے۔ لیکن مدعیہ کی طرف سے کفریہ عقائد ثابت کرنے کے لیے بدر ۵ مارچ ۱۹۰۵ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے (یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ شمس) اور توجید کے خلاف ۱۵ مئی ۱۹۰۶ء (یعنی حقیقۃ الوحی۔ شمس) کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی کوئی تحریر مدعا علیہ کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔ جس میں ایمان کا اقرار اور عقائد کفریہ سے انکار ہو۔

گواہانِ مدعا علیہ نے جو حوالے پیش کئے ہیں ان میں جن عقائد کا ذکر ہے۔ انہی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخر تک قائم رہے۔ اور ان کی تردید مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب سے پیش نہیں کی۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ آخر تک آپ کے وہی عقائد رہے جو اپنی پہلی کتابوں میں لکھے چکے تھے۔ اور اس بات کو ہر عقلمند آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص اپنے عقائد اپنی کسی کتاب میں بیان کر دے اور پھر اس کے بعد کسی کتاب میں ان کی تردید نہ کرے تو اس کے وہی عقائد سمجھے جائیں گے جو اس نے اپنی پہلی کتاب میں لکھے تھے۔ لیکن اس واضح جواب کا ہوتے ہوئے بھی مختار مدعیہ کی نسلی نہ ہونے کے لیے میں حقیقۃ الوحی جو ۱۹۰۶ء میں چھپی ہے اور چشمہ معرفت ۵۵ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی چند تحریریں ذیل میں لکھ دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ آیت الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ سے لے کر مفلحون۔ تک لکھ کر فرماتے ہیں: "خدا ان آیات میں فرماتا ہے کہ متھی وہ لوگ ہیں کہ جو پوشیدہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے مالوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں دینے ہیں۔ اور قرآن شریف اور پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں وہی ہدایت کے سر پر ہیں۔ اور وہی نجات پائیں گے۔ ان آیات سے یہ تو معلوم ہوا کہ نجات بنیہر نبی کریم پر ایمان لانے اور اس کی ہدایت نماز وغیرہ کے بجا لانے کے نہیں مل سکتی۔ اور جھوٹے ہیں وہ لوگ جو نبی کریم کا دامن چھوڑ کر محض خشک توجید سے نجات ڈھونڈتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ۱۳۳-۱۳۴)

اور فرماتے ہیں: "اللہ وہ ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا لہذا یہ ضروری ہے۔ کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے تبھی اس کا ایمان معتبر اور صحیح سمجھا جائے گا۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوے" (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۲)
اور فرماتے ہیں: "میرا یہ ذاتی تجربہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچے دل سے پیروی کرنا اور آپ سے محبت رکھنا انجام کار انسان کو خدا کا پیارا بنا دیتا ہے" (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۱)
اور فرماتے ہیں: "پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وفاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لیے جس امر کو تلاش کرنا چاہیے وہ شخص اسلام میں موجود ہے" (چشمہ معرفت ص ۲۹۸)

اور فرماتے ہیں۔ اس نے (یعنی خدا نے۔ شمس) محض اپنے فضل سے زمیر سے کسی ہنر سے مجھ پر توفیق دی ہے۔ کہ میں اس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاق کلام کی پیروی کرتا ہوں اور اس سے محبت رکھتا ہوں۔ اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے۔ جو بانی طاقتوں کا مظہر ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۴)

اور فرماتے ہیں۔ ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عزتی میں الہام پاتے ہیں۔ تاہم اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلم کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں۔ (چشمہ معرفت ص ۲۱)

اور آیت ۱۲۱ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے اور جسے گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں قرآن مجید سے ایمانیات ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۱۱ میں مع ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔ اور ہندوؤں کو اسلام کی طرف رغبت دلانے ہوئے فرمایا ہے:

”ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لائیں کہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور حقیقہ الراجحی سے جو امور مختار مدعیہ نے اپنی کمال نادانی سے خلاف توحید سمجھ کر پیش کئے ہیں۔ اکثر ان سے براہین احمدیہ میں موجود ہیں جب کہ گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ کے نزدیک بھی آپ مسلمان تھے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کی طرف سے بدرہ مارچ ۱۹۰۵ء کا والہ پیش کیا گیا ہے جس میں دعوے نبوت کا ذکر ہے لیکن مدعا علیہ کی طرف سے اس کے بعد کی کوئی تحریر پیش نہیں کی گئی۔ صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ مدعا علیہ کی طرف سے اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کا والہ پیش کیا گیا۔ اور یہ ایک خط ہے جو اپنے ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کو اپنی وفات سے تین دن قبل ایڈیٹر اخبار عام کے نام تحریر فرمایا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:

”میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ میں مستقل طور پر لپٹے تیس ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بنانا ہوں۔ اور شریعت اسلامیہ کو منسوخ کی طرح فرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ ہی لکھنا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بناو پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ کثرت بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ

زمانوں کے وہ راز میرے پرکھوتے ہیں۔ کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھوتا۔ اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میزبان نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرنا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام یا کہ بکثرت پیشین گوئی کرنے والا۔ اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے ان معنوں سے میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں تاکہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح امتی بھی ہوگا۔ اور نبی بھی ہوگا۔

یہ آخری مکتوب ہے۔ جو اپنی وفات سے تین دن پیشتر آپ نے تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے ”میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سید و آقا بیان فرمایا۔ اور ہر ایک بات سے جس کی وجہ سے اسلام سے قطع تعلق ہو بیزارگی کا اعلان فرمایا۔ پس اس آخری تحریر سے ثابت ہے کہ آپ کا مذہب سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں تھا۔ اور مدعا علیہ کو بھی اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ جیسا کہ جواب دعوئے سے ظاہر ہے۔ اس لیے دعویٰ مدعیہ خارج ہونا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات پر اعتراضات

مذکورہ بالا حوالجات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ توحید باری کے متعلق بالکل واضح ہے لیکن مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے غلط مفہوم لے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ آپ اسلامی توحید کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک اور اس کی مانند ٹھہراتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو ایسی صفات سے متصف مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں نہیں ہیں۔

(۱)

میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔ (کتاب البریہ ص ۵۷)

مختار مدعیہ نے اس کشف سے یہ استدلال کیا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ (نعوذ باللہ) خدا ہونے کے مدعی ہے۔

کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس کی الوہیت مجھ میں موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی میں الوہیت نہیں ہو سکتی ولی ہو یا نبی اور ایسا شخص جو یہ کتا ہودہ اگر کوڑ مرتبہ بھی لا الہ الا اللہ کہے تو وہ قابل قبول نہیں۔ اس لئے مرتد ہوا اور اس کا نکاح فسح ہونا چاہیے۔

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کشف اور روایا سے یہ کبھی نہیں سمجھا کہ آپ خدا بن گئے ہیں اور نہ کبھی آپ نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہ ایک نہایت رکیک اور ذلیل مغالطہ ہے جو زردشن میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس امر کو مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ آپ کا عقیدہ نہیں بلکہ وہ ایک روایا ہے۔ چنانچہ جو الفاظ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام سے پڑھے ہیں ان میں بھی یہ امر موجود ہے کہ ”میں نے خواب میں دیکھا اور خواب میں ہی میں نے یقین کیا کہ میں خدا ہوں“ کیا یہ عبارت صاف طور پر نہیں بتاتی کہ اس سے پہلے کشف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اپنی خدائی کا دعویٰ کا اظہار مقصود نہیں۔ بلکہ ایک کشف اور روایا ہے جو تعبیر طلب ہے۔ اور دینا جانتی ہے کہ جو امر خواب میں دیکھا جائے وہ حقیقت پر محمول کیا جانا ضروری نہیں۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چاند، سورج، ستارے مجھے سجدہ کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا یٰ اَبَتِ اِنِّیْ رَاۤیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسُ وَّالقَمَرَ اٰتِیَہُمْ لِیَسْجُدَ لِی سَاجِدِیْنَ (یوسف ص ۱)

اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے لیے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آیت اَللّٰہُ یَسْجُدُ لَہٗ مِنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ - (الحج)

سے ثابت ہے کہ ستارے اور سورج و چاند صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور کسی کے لیے نہیں۔ تو کیا مختار مدعیہ یہاں بھی یہ نتیجہ نکالے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو روایا میں سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا تو انہوں نے درحقیقت خدائی کا دعویٰ کیا۔

(۲) اصل بات یہ ہے کہ روایا میں ایسے نظارے دکھلائے جاتے ہیں۔ جو عالم اجماع میں اگر ہوں تو شریعت کے بالکل خلاف ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روایا میں دیکھنا کہ آپ کے ہاتھ میں سونے کے دو گنگن ہیں (بخاری کتاب الروایا مسلم الجزء الثانی ص ۲ کتاب الروایا) حالانکہ سونے کا پہننا مرد کے لیے ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

(۳) اسی طرح ارشاد رحمانی میں مولانا فضل الرحمن صاحب کے متعلق ان کے مرید دیوبندیوں کے مسلم مفکر مولوی محمد علی نوگیری لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اپنی والدہ سے صحبت کی اور اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر ہم بہت گھبرائے۔ حضرت سے عرض کیا۔ فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا دلی ہوگا۔ ماں کی صحبت سے اشارہ

خاکساری ہے۔ اور بھائی کے قتل سے مراد نفس کا مار ڈالنا ہے۔ صوفیہ نے لکھا ہے کہ تازما در خود جنت نشود
 و برادر خود نہ کشتہ کامل نشود۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت عرصہ ہوا والدہ سے صحبت کرتے ہوئے تو میں نے بھی
 اپنے آپ کو دیکھا تھا مگر بھائی کا قتل کرنا مجھے یاد نہیں پڑتا فرمایا کہ اتنی ہی کسر ہے؟ (ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص ۵۵)
 (۴) اور بھی ایسی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رأیت رجبی فی صورۃ
 شباب اہمرد ققط لہ و فرقة من شعرو فی رجبکینہ نعلان من ذہب (الحديث)۔

(البیواقیت والنجوا ہر جلد ۲ صفحہ ۱۶۳۔ نیز احادیث المصنوع فی احادیث الموضوع ص ۱۷ مطبع فاروقی دہلی) کہیں اپنے
 رب کو ایک بے ریش جوان کی شکل میں دیکھا جس کے بال کان کی تو تک پہنچے ہوئے تھے اور اس کے پاؤں میں سونے
 کا جوتا تھا۔ اور اس کے متعلق المنزع فی احادیث الموضوع الامام العلامة نور الدین علی بن سلطان القاری الہرزی
 مطبوعہ معتبائی ص ۱۳ میں لکھا ہے کہ حدیث ابن عباس صحیحہ لا ینکرہ الا معتزلی ہے۔
 کہ ابن عباسؓ نے یہ حدیث صحیح ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور علامہ محمد طاہر مہرئی فرماتے
 ہیں کہ حدیث ”رأیت رجبی فی صورۃ شباب لہ و فرقة صحیحہ“

(ذکرہ الموضوعات بر حاشیہ المنزع فی احادیث الموضوع ص ۱۷ یعنی یہ حدیث صحیح ہے)

کیا محتار دعبہ حضرت یوسف علیہ السلام اور خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روپا کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ نبیوں
 کا خواب چونکہ وحی ہو کرتا ہے۔ لہذا حقیقت پر محمول ہونا چاہیے۔ اور وہ یہ تسلیم کرے گا کہ اللہ تعالیٰ بے ریش تو جوان کی صورت
 میں ہے۔ اور سونے کے جوتے پہنا کرتا ہے۔ اور یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتقاد تھا؟ (نعمذ باللہ من ذلک)
 ”ایسے کشوف اور حالات دوسروں پر بھی گزرے ہیں“

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صرف یہی ظاہر نہیں کر دیا کہ یہ خواب ہے بلکہ آئینہ کمالات اسلام میں اس
 روپا کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ ”رأیت فی المنام فی عین اللہ کہ میں نے خواب میں اپنے
 آپ کو خدا دیکھا یعنی بعین اللہ رجوع الظل اذ اُصلہ و عیبوبتہ فیہ کما یجری مثل ہذا
 العالمت فی بعض الاوقات علی المحبتین“

(آئینہ کمالات اسلام ص ۱۵)

یعنی اپنے آپ کو عین اللہ دیکھنے سے ظل کا اپنے اصل کی طرف رجوع اور اس میں غائب اور محو ہونا مراد ہے
 جیسا کہ اس قسم کے حالات بعض اوقات عاشقانِ الہی پر طاری ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ واقعہ آپ کے ساتھ مخصوص
 نہیں ہے بلکہ دوسرے مقربانِ پارگاہِ الہی بھی اس سے مشرف ہونے رہتے ہیں۔ چنانچہ جیسے آپ نے اس روپا میں یہ دیکھا

حاشیہ: ۱۔ اعلیٰ حضرت سے مفصود شاہ محمد آفاق قدس سرہ ہیں۔ (ارشاد رحمانی ص ۷۵)

کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔ اور میں ایک سو راج دار برتن کی طرح ہو گیا ہوں یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی نعل میں دبایا ہو اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہو گئی اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ میرا کوئی بھی ذرہ باقی نہ رہا اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا کہ میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی اور اس کی ربوبیت مجھ میں موجزن ہے۔ حضرت عزت کے نیچے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے۔ (۲۱ الفاظ) وضرت حول قلبی سرادات الحضرة ودق نفسی سلطان العبودت) سونہ تو میں میں رہا اور نہ میری کوئی نمنا باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی۔ اور

رب العالمین کی عمارت نظر آئے گی۔ (عربی عبارت)

انهدمت عمارة نفسی ککرها و تراءت عملات رب العالمین وانحط اطلال وجودی
وعفت بقايا انانیتی وما بقیت ذرة من هویتی)

میں اس وقت یقین کرنا تھا کہ میرے اعضاء میرے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں اور میں خیال کرتا تھا کہ میں اپنے سارے وجود سے ممدوم اور اپنی ہویت سے قطعاً نکل چکا ہوں۔ اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو پہلے تو میں نے آسمان اور زمین کو اجالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا کہ انا زیننا السماء الدنيا بمصابیح (کتاب البرہ ص ۶۹)

یہ وہ کشف ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے دیکھا ہے۔ ایسا ہی حضرت سید عبدالکریم جلی اپنی کتاب الانسان الکامل جلد ۱ صفحہ ۴۴ میں فرماتے ہیں۔

ومنہم ای من اهل تجلی الصفات من تجلی الله علیه بصرفة القدس و تکونت
الاشیاء بقدر تہ فی العالم الغیبی و کان علی نمودجہ فی العالم
العینی و فی هذا التجلی سمعت صلصلة الجرس فانحل ترکیبی و اضمحل
رسمی وانحی اسمی فکنت لشدت ملائقت مثل الخرقۃ البالیۃ المعلقۃ
فی الشجرة العالیۃ تذهب بها الريح الشدیدۃ شیئاً فشیئاً لا ابصر شہوداً
الذین و رعداً و سحباً یطربونوا و بجاراً تموج بالنار و لتفت السماء

والارض وانا في انظلمات بعضها فوق بعض فلم تنزل القدره لتخترع بي
 ما هو الا توى فالدقوى وتخترق بي ما هو الا هوى فالدهوى الى ان ضرب الجلال
 على سداق المتعال وولج جمل الجمال في سمر الخيال ففتق في المنظر الاله على
 رتق اليد اليمنى فحينئذ تكونت الشمس والعماء ونودي بعد ان استوى
 القللك على الجودي ايها السماء والارض انبيا طوعا اذكرها قانتا اتينا
 طائعتا

ترجمہ :- اور ان کا بسن میں سے جن پر الہی صفات کی تکمیلی ہوئی وہ بھی ہیں۔ جن پر خدا تعالیٰ نے صفت قدرت کی تکمیلی
 فرمائی جس سے اشیاء عالم بخارجی کے نور پر عالم غیبی پر ہویدا ہو میں پھر کہتے ہیں کہ جب چھ پر یہ تکمیلی ہوئی تو میں نے گھنٹی کی آواز
 سنی۔ پس میرے جسم کی ترکیب و بناوٹ جانی رہی۔ اور میں اپنے سارے وجود سے معذور ہو گیا۔ میرا نام و نشان باقی نہ رہا۔ اور
 اس دباؤ کی شدت کے سبب میں ایک بند درخت میں لٹکے ہوئے چتھیرے کی طرح ہو گیا جس کو نذہ ہوا تھوڑا تھوڑا کر کے اڑانے
 لے جا رہی تھی۔ میں ظاہر میں سوائے چکوں اور گروں کے کوئی چیز نہ دیکھتا تھا۔ اور بادل انوار پر سارا تھا اور سمندر آگ میں ہو گیا
 مار رہا تھا۔ اور آسمان اور زمین ایک دوسرے میں داخل ہو کر ملیں گے اور میں سخت اندھیروں میں ہو گیا۔ پس قدرت میرے
 ذریعہ سے انوی سے انوی چیز بتاتی گئی اور محبوب سے محبوب چیزوں کو بھاڑتی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت عزت و جلال کے نیچے
 چھ پر لگائے گئے۔ . . . پس اس وقت اشیاء پیدا ہوئیں اور بادل جو دھواں سا تھا صاف ہو گیا۔ اور بعد اس کے جو کشتی
 جو دی مقام پر بظہر گئی آواز دے گئی کہ اسے آسمان اور زمین تم دونوں طوعا یا کر باہری اطاعت کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر
 اطاعت کرتے ہیں۔

یہ کشف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف سے جس پر شمارہ مجید نے اعتراض کیا ہے۔ بالکل ہی
 مطابقت ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس پر بھی یہی استدلال کرے گا کہ حضرت سید عبد الکریم جلی نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔
 اور حضرت اقدسؑ نے اس کشف کے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے۔

”لا تعنی بہذا الواقعة کما یجعی فی کتب اصحاب وحدۃ الوجود وما نفعی
 بذالک ما هو مذهب الحلولیین بل هذا الواقعة توافق حدیث النبی صلی

اللہ علیہ وسلم یعنی بذالک حدیث البخاری فی موتبہ قرب النوافل لعباد اللہ الصالحین جمل آئینہ کمالات اسلام
 ص ۱۲۰
 ہماری مراد اس واقعہ سے یہ نہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود کی کتب میں مراد لی جاتی ہے۔ اور نہ ہی
 ہماری مراد قائلین حلولی کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ واقعہ نوا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے موافق ہے۔ جو بخاری میں

اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے لیے مرتبہ قریب نوافل میں بیان ہوئی ہے۔

اور وہ بخاری کی حدیث یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

« لا يزال عبدی يتقرب اِلَى بالنوافل حتى اُحِبُّهُ فاذا اُحِبَبْتَهُ كُنْتُ مَعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ

دبصرة الذي يبصر به ويدا القى يبطن به اور جملہ التي يمشى بها»

بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۹ ص ۹۱، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں کہ پس جب میں اس سے محبت کروں تو میں اس کا مکان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ میں جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ گواہ مدعیہ نواس روایا اور کشف سے دعویٰ الوہیت نکالتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب البریہ میں یہی کشف بیان کر کے اس سے مسیح کی الوہیت کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”اب حضرت پادری صاحبان سوچیں اور غور کریں۔ اور ان الہامات کا یسوع مسیح کے الہامات سے مقابلہ کریں اور پھر انصافاً گواہی دیں کہ کیا یسوع کے وہ الہامات جن سے وہ اس کی خدائی نکالتے ہیں۔ ان الہامات سے بڑھ کر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر کسی کی خدائی ایسے الہامات سے نکل سکتی ہے تو میرے الہامات سے نعوذ باللہ میری خدائی یسوع کی نسبت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور سب سے بڑھ کر ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ آپ کی وحی میں صرف یہی نہیں کہ جس نے تجھ سے بیعت کی اس نے خدا سے بیعت کی۔ اور نہ صرف یہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور آپ کے ہر ایک فعل کو اپنا فعل ٹھہرایا ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ دما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی آپ کے تمام کلام کو اپنا کلام ٹھہرایا ہے بلکہ ایک جگہ تو تمام لوگوں کو آپ کے بندے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ قل یا عبادى یعنی کہدو کہ اے میرے بندو (کتاب البریہ ص ۶۹-۷۱)

اور دیوبند لوگوں کے مسلم معتد اور پیشوا جناب مولانا محمد اسماعیل شہید اسی کے قریب قریب فرماتے ہیں:-

”اور بغیر اٹھے حدیث انا عندنا ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکر فی۔

(میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں۔ اور میں اسی کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے۔ بعض تعلق اور اضطراب کے کہ جراثیم اٹھایا غنا۔ خلعت مکالمہ اور سرور اس کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی وحشت انس سے بدل جاتی ہے۔ اور مقامات فناء اور بقاء کے پردہ اختفاء سے ظاہر ہوجاتے ہیں۔ اس وقت دیرائے وحدت میں ڈوب کر اس کی عجب حالت ہوجاتی ہے اور کلمہ انا الحق (یعنی میں خود خدا ہوں) اور لیس فی عجبتی سوحی اللہ

(یعنی میرے جب میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے)۔ کہنے لگتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ اور آگ چاروں طرف سے احاطہ کرتی ہے۔ تو اجزائے لطیفہ آگ کے نفس و جوہر لوہے میں

اثر کر کے اس کو اپنا ہم شکل اور ہم رنگ اور ہم صفت بنا لیتے ہیں۔ تب جلانا اور جھوننا جو آگ کی خاصیت میں سے ہے۔ اس لوہے کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر میں بھی وہ لوہا آگ کے انصال سے سرخ ہو کر مثل آگ کے بن جاتا ہے۔ اگرچہ دراصل وہ لوہے کا لوہا ہی ہے۔ لیکن بسبب هجوم آگ کے صرف آثار اور احکام آگ سے اس کو حاصل ہو گئے ہیں۔ گو وہ آثار اور احکام ابھی تک بھی آگ ہی کے ہیں لیکن اگر لوہے کو اس وقت زبان ہوتی تو وہ ضرور پکارا ٹھٹکا کہ میں وہ آگ ہوں جس سے کاروبار طباطخوں اور لوہاروں اور سناروں وغیرہ ارباب صنائع کے انجام پاتے ہیں۔ پس اسی طرح پر جذب کو کشش جانی نفس کا ملہ اس طالب کو بحر احیاء کی طرف کھینچتی ہے تو پھر یہ مشمت خاک مثل پارہ آہن اپنی اصلیت کو فراموش کر کے کلمہ انا الحق وغیرہ کہنے لگتا ہے۔ کیا تم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ *ما فعلتہ عن امری* یعنی کشتی کا ٹوڑنا وغیرہ) میں نے خود نہیں کیا۔ اور جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ میں اس وقت اپنے بندے کا کان ہو جاتا ہوں کہ سنتا ہے مجھ سے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں کہ دیکھتا ہے مجھ سے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں کہ پکڑتا ہے مجھ سے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں کہ بولتا ہے۔ مجھ سے، مگر یہ بات بہت باریک اور مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں تو وہ اس سے انکار بھی نہ کرے کیونکہ جب وادی مقدس میں آگ نے کہا تھا *انی انا اللہ رب العالمین* (یعنی میں رب جہانوں کا ہوں) اگر نفس کا ملہ اس اشرف موجودات کا کہ نمونہ ذات الہی کا ہے۔ کلمہ انا الحق کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔“

(سوانح احمدی ص ۶۸-۶۹)

۱) چنانچہ شیخ فرید الدین صاحب عطار رحیل صوفیہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: ”جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت میں سزا پا حق ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ تجویب نہیں ہوتا۔“ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۹)

۲) کتاب خزائن اسرار الکلم شرح فصوص الحکم کے مقدمہ کے صفحہ ۲۳۲ میں لکھا ہے۔

”آیت ان الذین یمایعونک انما یمایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیسہم سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم عین اللہ تھے۔ اور صحابہ کرام وقت اس بیعت کے مشاہد حق تعالیٰ کے تھے۔ بیچ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مظہر اکمل اس کے ہیں۔ پھر تاکید فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس معنی کی اور کہا کہ ہاتھ اللہ کا اوپر ہاتھ صحابہ مباحین کے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم عین اللہ ہیں۔ مشاہدے میں صحابہ مباحین کے اور ہاتھ رسول اللہ صلعم کا ہاتھ اللہ کا ہے۔ اس مشاہدے میں“

سلف صالحین کے اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن اختصار کی غرض سے انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اب میں اس روایا کی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھی حکمت تبتلا ہوں۔

اس روایا میں درحقیقت اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ جو اس مقدمہ میں پیش ہے کہ آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمان اور صراطِ مستقیم پر تھے۔ یا نعوذ باللہ صراطِ مستقیم سے برگشتہ اور کافر۔ سو یہ روایا جواب ہے۔ اس سوال کا کہ آپ صراطِ مستقیم پر تھے اور آپ کے مسلمان تھے۔ چنانچہ آج سے چھ سو سال پیشتر علامہ عبد الفتی التاہلی اپنی کتاب تعییر الانام فی تعبیر الاحلام میں لکھتے ہیں۔ ”من رأی کاندہ صام الحق سبحانہ و تعاطی اہتدی انی الصراطِ المستقیم“ (تعییر الانام جلد ۱ صفحہ ۹) جو شخص دیکھے کہ گویا وہ خود خدا ہو گیا ہے۔ تو وہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا۔ یعنی وہ صراطِ مستقیم پر ہو گا۔ یہ تعبیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود نہیں کبھی بلکہ آپ کے وجود سے کئی سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اس سوال سے یہ بھی ثابت ہے کہ خواب میں انسان اپنے آپ کو خدا دیکھ سکتا ہے۔

۷۔ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے۔

یہ تو ایک کشفِ نقاب ہم حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ دربارہ توجہ الہی درج کرتے ہیں۔ آپ اپنا الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ ”یعنی تو کہدے کہ اسے لوگوں میں تمہاری مانند ایک بشریوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اور تمام خیر قرآن میں ہے“ (دافع البلاء ص ۱۱)

اور فرماتے ہیں۔ ”اے سنتے والوستو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اس کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔۔۔۔۔ وہ وہی وعدہ لا شریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں۔ اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں“ (الوصیت ص ۹)

اور فرماتے ہیں۔ ”تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لیے زبردست نشان دکھائے جس نے مجھے اس زمانہ کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لانا وہ سعادت سے محروم اور خدا لان میں گرفتار ہے“ (کشتی نوح ص ۲۸)

خالق الارض و السماء ہونے کا دعویٰ

فقہار مدعیہ کے علاوہ گواہ مدعیہ علف نے اس کشف کے آخری حصہ پر جس میں زمین و آسمان کے خلق کا ذکر ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خالق کہا۔ اور اگر کوئی شخص خدائی کا دعویٰ کرے اور اپنے آپ کو خالق جانے وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خواب ہے۔ کیونکہ گواہ مذکور نے آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶ کے الفاظ راایتی

فی المناہر لکھو اگر نیز مجھ کو لکھو یا ہے کہ ”میں نے خواب میں دیکھا“ اور جو معاملہ خواب میں دکھائی دے اس کو واقعہ پر محمول کرنا اور خواب دیکھنے والے کا عقیدہ قرار دینا حد درجہ کی سفاہت ہے۔ یا پرلے درجہ کی شرارت۔ فنکار مدعیہ کے اس کشف پر اعتراض کے جواب میں اوپر بنا دیا جا چکا ہے۔ لہذا اس جگہ میں صرف تین باتوں پر غور کرنا باقی ہے۔

(۱) کیا خواب میں آپ نے موجودہ زمین و آسمان کے بنانے کا ذکر کیا ہے؟

(۲) اگر نئے زمین و آسمان بنانے کا ذکر ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟

(۳) کیا آپ اپنے آپ کو موجودہ زمین و آسمان کا خالق سمجھتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کو؟

پہلی بات کے متعلق تو خود کشف کے الفاظ سے ثابت ہے کہ اس میں موجودہ زمین و آسمان کا ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ رُویا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں“

اب دوسری بات کے معلوم کرنے کے لیے کہ آپ نے نئی زمین اور نئے آسمان سے کیا مراد بیان فرمائی ہے میں حضرت اقدس کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں آپ نے اس کشف پر مولویوں کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

”ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا۔ اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے“ (چشمہ مسیحی ص ۳۳)

اور فرماتے ہیں: ”خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہے جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے۔ جو خدا سے ظاہر ہوتے اور خدا ان سے ظاہر ہو گا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اس کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی“ (کشتی نوح ص ۵)

اور فرماتے ہیں: ”ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے“

(حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

اور فرماتے ہیں: ”مجملاً صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر ان کو جنبش دینے کے لیے کچھ آسمانی کارروائی ظہور میں آئے گی اور ہولناک نشان ظاہر ہوں گے۔ نب لوگ جاگ اٹھیں گے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جو قریب قیامت ہے۔ جس کی بیویوں نے ہر دوی ہے۔ اور کیا یہ وہی انسان نہیں جس کی نسبت اطلاع دی گئی تھی کہ اس امت میں سے وہ مسیح ہو کر آئے گا جو عیسیٰ بن مریم کہلائے گا۔ تب جس کے دل میں ذرہ بھی سعادت اور رشد کا مادہ ہے۔“

خدا نعالے کے غضبناک نشانوں کو دیکھ کر ڈرے گا۔ اور طاقنت بالا اس کو کھینچ کر تن کی طرف لے آئیں گی۔ اور اس کے تمام تعصب اور کینے جل جائیں گے جیسا کہ ایک خشک تنکا بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر بھسم ہو جاتا ہے۔ غرض اس وقت ہر ایک رشید خدا کی آواز سن لے گا۔ اور اس کی طرف کھینچا جائے گا اور دیکھے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہے۔ نردہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان۔ جیسا کہ مجھے پہلی اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا تھا کہ میں نے ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنایا۔ ایسا ہی یہ مغرب ہونے والا ہے۔ اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس زمانہ کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ لہذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا میں ہی موجب ہوا۔ اور ایسے استعارات خدا کی کلام میں بہت ہیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۳)

اور نئے آسمان اور نئی زمین کا مجاورہ حضرت اقدس ہی کا کشف میں موجود نہیں بلکہ ایک عظیم الشان تغیر کے لیے پہلی کتابوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ انجیل میں پطرس حواری کا قول ہے: "اس کے وعدے کے مطابق ہم ایک نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راست بازی مبی رہے گی۔" (پطرس ۱۱) اور عہد نامہ قدیم میں یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے: "دیکھو میں نے آسمان اور نئی زمین کو پیدا کرتا ہوں اور جو آگے تھے ان کا پھر ذکر نہ ہوگا اور وہ خاطر میں پھرنے آدیں گے۔ تم میری اس نئی خلقت سے ابدی خوشی اور شادمانی کرو۔" (یسعیاہ ۶۵/۱۸)

اور علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں:۔

”اب چرخ کی ہیں نئی ادائیں
چھڑے جو گئے نئے افسانے
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں
سیارے ہیں اب نئی چمک کے
اب صورت ملک دیں نئی ہے

چلنے لگیں اور ہی ہوا میں
نغمہ وہ رہا نہ وہ نرانے
اب رنگ زانہ ہے دگر گوں
وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے
افلاک نئے زمین نئی ہے۔“

(مشنوی صبح امید ص ۵)

ان تصریحات کی موجودگی میں ہر ایک غفلت مند بخوبی جان سکتا ہے کہ شاہد نے جو نتیجہ اس روایا سے نکالا ہے۔ وہ حضرت اقدس کی تحریروں کے بالکل برعکس ہے۔ اور آپ کے منشاء کے صریح خلاف اور یہ اس نے صرف عدالت کو مغالطہ دینے کے لیے کیا ہے۔ ورنہ آئینہ کمالات اسلام میں اسی روایا کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صریح ارشاد بھی موجود ہے:۔

”وَأَلْقَىٰ فِي قَلْبِي أَن هَذَا خَلْقُ الَّذِي رَأَيْتَهُ أَشَارَةً إِلَىٰ تَأْيِيدَاتِ سَمَاوِيَّةٍ وَارْضِيَّةٍ
وَجَعَلَ الْأَسْبَابَ مُوَافِقَةً لِلْمَطْلُوبِ وَخَلَقَ كُلَّ فَطْرَةٍ مِّنْ مَّنَاسِبَةٍ مُّسْتَعِدَّةٍ لِلْمُحَوَّقِ

بالصالحين الطيبين والقي في باني ان الله ينادي كل فطره صالحه
من السماء ويقول كوني على عداة لنصرة عبي دار حنوا
ليده مسارحين ع (آئینہ کمالات سلام ص ۵۶)

اور میرے تئیں میں یہ اتفاق کیا گیا کہ روایا میں نئے آسمان اور نئی زمین کی خلق کا جو میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ سماں اور ارضی تائیدات اور اسباب کو مطلوب کے موافق بنانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور ہر فطرت جو پاکیزہ صابغین کے ساتھ ملنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اس کو طیار کرتا ہے۔ اور میرے دل میں یہ بھی ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نیک فطرت کو آسمان سے آواز دے گا اور کہے گا کہ تو میرے بندے کی نصرت کے لیے تیار ہو جا اور اس کی طرف تیزی سے جاؤ۔

پس شاہد مدعیہ کا اس تشریح کو عمداً نظر انداز کر کے عدالت کو مغالطہ دینا اسے ایک ثغر شاہد کی حیثیت سے بالکل گرا دیتا ہے۔

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اس اقرار سے بھری پڑی ہیں کہ زمین و آسمان و ما فیہما کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ آپ آئینہ کمالات اسلام ہی میں جس سے شاہد نے حوالہ دیا ہے۔

”انی اعتقد من صمیم قلبی ان للعالم صانعا قدیرا وواحداً اقادراً کریماً مقتدراً علی کل

ما ظہروا و اختفیٰ ع (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۴)

کہ میں صمیم قلب سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس جہاں کا ایک واحد صانع ہے جو ہر ایک ظاہری اور پوشیدہ چیز پر مقتدر اور قادر ہے۔ اور فرماتے ہیں: جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ اس نے نیکیوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو۔ (کشتی نوح ص ۱۵)

اور فرماتے ہیں: یعنی ہمارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر فرار کپڑا یعنی اول اس نے اس دنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھ دن میں سب کو بنایا اور پھر دن سے مراد ایک ہزار سال ہے) اور پھر عرش پر فرار کپڑا یعنی تنفرہ کے مقام کو اختیار کیا۔ (چشمہ معرفت ص ۱۱)

اور فرماتے ہیں :-

” اے خالق ارض و سما برین در رحمت کشتا

داتی تو آں درد مراکز دیگر اں پنہاں کنم “ (در زمین)

اور فرماتے ہیں :-

اور فرماتے ہیں :-

” اے قدیر و خالق ارض و سما!

اے رحیم و مہربان و رہنما!

(حقیقۃ الہمدی ص ۱)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ تو اپنے آپ کو اس ردیائی بنا پر موجودہ زمین و آسمان کا خالق کہا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے خالق السماء والارض ہونے سے انکار کیا۔ پھر باوجود اس کے شاہد کہ آپ کی طرف یہ دعویٰ منسوب کرنا اور افتراء اور بہتان ہے۔

(۳)

اللہ تعالیٰ کو تین دوسے سے تشبیہ دی

گواہ مدعیہ ملانے اپنے بیان میں ایک یہ بھی اعتراف کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو تین دوسے سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ لیس کے مثلہ شیخی کا مصداق ہے۔ یہ گواہ مدعیہ کا نہایت ہی قابل نفرت مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قلماً یہ عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تین دوسے کی طرح ہے۔ بلکہ آپ کا عقیدہ لیس کے مثلہ شیخی..... کے مطابق ہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

” وہ وہی واحدہ لا شریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں اور وہی بے مثل ہے۔ جس کا کوئی نانا نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفت نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے۔ باوجود دور ہونے کے، اور درہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ مثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے نہ کوئی قسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔“ (الوصیت۔ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

اور فرماتے ہیں، ” خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تشریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک یہ آیت ہے۔ لیس کے مثلہ شیخی وهو السميع البصیر یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“ (چشمہ معرفت صلا ۲۶ مطبوعہ ۱۵ مئی ۱۹۰۵ء) اور فرماتے ہیں :-

” پس سمجھانے کے لیے پہلی صفت کا نام غضب اور دوسری صفت کا نام محبت رکھا گیا ہے۔ لیکن نہ وہ غضب انسانی غضب کی طرح ہے اور نہ وہ محبت انسانی محبت کی طرح ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ لیس کے مثلہ شیخی یعنی خدا کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں۔“ (چشمہ معرفت صلا ۳۵) ان حوالہ جات سے جول ۱۹۰۶ء کے بعد کے میں ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے بڑا سزا کی کیفیت سمجھانے کے لیے غضب اور محبت کے

الفاظ استعمال کئے ہیں اور فرمایا ہے۔ اذکر اللہ عذکر کعبا لیا عکم جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو ویسے اللہ کو یاد کرو۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں نصرت کی حقیقت سمجھانے کے لیے تخیل اور فرض کے طور پر ایک مثال دی ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھانے کے لیے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں۔ کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے۔ جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا و طول اور عرض رکھتا ہے۔ اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی ناریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔ (توضیح المرام ص ۵۵)

آگے فرماتے ہیں۔ پس ہی ایک عام فہم مثال اس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر ایک جزو خدا تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادما تہ پیرہ میں ظاہر کر رہی ہے۔ اور کمال درجہ کی اطاعت سے اس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے۔ (توضیح المرام ص ۵۶)

اور حدیث میں آتا ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُقْبَلُ الصَّدَقَةَ فَيُرِيهَا كَمَا يُرِي بَنِي إِسْرَائِيلَ تَصَدَّقُوا** (متفق علیہ تفسیر منقری) (۲۱۳)

کہ خدا تعالیٰ صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اس کو ایسے بڑھاتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی بچہ شتر کی پرورش کر کے اسے بڑھاتا ہے۔ پس آنحضرت صلعم نے یہاں اللہ تعالیٰ کی تشبیہ ایک اونٹ کے بچے کے مرنے سے دی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نَوْارٍ كَمُشْكٍ مَّوْجٍ يَلْمِذُ الْأَشْجَارِ أَصْوَابًا لَا يَجِدُ فِيهَا مَثَرًا شَيْئًا** اور اس کے نور کی کیفیت سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے نور کی مثال ایک طاقتور کی ہے۔ جس میں چراغ ہو اور چراغ پھر شیشی میں جو چمکیلے ستارے کی مانند ہے۔ اور احادیث میں آنحضرت صلعم نے اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے کہ **نورٌ آتی ادراس** کہ وہ نور ہے۔ میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو مثال بیان کرتے ہوئے صاف طور پر فرمایا ہے کہ یہ مثال تخیلی طور پر اور فرض کر کے بیان کی گئی ہے۔ پس اس مثال دینے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت اقدس خدا تعالیٰ کے بے مانند اور بے مثل ہونے کے منکر میں ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کوئی شخص آنحضرت صلعم کے متعلق اپنی سفاہت سے یہ کہہ دے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بچہ شتر کے مرنے سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کسی کا یہ کہنا لغو و باطل ہوگا ویسا ہی گواہ مدعیہ کا اور مولانا محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں کہ "اولیاء خدا اور مقربان الہی کی محبت، وہ حقیقت میں خدا ہی کی محبت کا ایک نمونہ ہے کوئی غیر شئی نہیں" (ہدیتہ الشیخہ ص ۶۳) تو کیا مختار مدعیہ مولانا محمد قاسم پر بھی کفر کا نوحہ دے گا کہ انہوں نے خدا کو بندے کی مانند قرار دیا اور اس کی محبت کو خدا کی محبت۔

اس سے زیادہ اور نئے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرتا

ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ وہ الہی میٹش رہا۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ورجل الہی میٹش رہا اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری کتاب الزناق باب النواضع) اور ایک اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہے گا یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی کہ اسے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عبادت نہ کی۔ تو ابن آدم کہے گا کیف اعود لربّی وانت رب العالمین کہ میں تیری کیونکر عبادت کر سکتا ہوں حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ تو خدا تعالیٰ جواب دے گا کہ کیا تجھے میرے فلاں بندے کی مرض کا علم نہ ہوا تھا مگر تم نے اس کی تیمارداری نہ کی کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عبادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا مگر تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ ابن آدم کہے گا اسے رب میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا اور تو نے اسے کھانا نہ دیا۔ اگر تو اسے کھانا دیتا تو آج وہ کھانا میرے پاس دیکھتا۔ اسے ابن آدم میں نے تجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا مگر تو نے نہ دیا۔ تو وہ کہے گا اسے رب میں تجھے کیسے پلانا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا مگر تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلانا تو آج میرے پاس بھی پاتا۔ (مسلم)

اب دیکھو کہ اس حدیث میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اپنے بندے کے قائم مقام ٹھہرا کر اپنے حق میں بیچارہ بھوکا اور پیاسا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اب کیا شاہد مدعیہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے بھی فتوے کی مٹین گن کا رخ پھیر دے سگا۔

(۴)

سَبْنَا عَاج

مختار مدعیہ نے اس الہام کے متعلق کہا ہے کہ اس سے شرک فی الصفات لازم آتا ہے۔ اور اس امر کے اثبات کے لیے اس نے ایک فارسی شعر پڑھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ لفظ عَاج توں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ فارسی ہے۔ حالانکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان سے کچھ بھی مس رکھتا ہو جانتا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس کے کوئی معنی نہیں کہے اور مختار مدعیہ نے خود یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ حضرت اقدس نے اس کے کوئی معنی نہیں کہے۔ پس ایسی حالت میں مخالف کو کوئی سہی نہیں کہ اپنی طرف سے اس کے کوئی معنی کے ملہم پر اعتراض کرے۔ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض بالکل ویسا ہی ہے، جیسا کہ مخالفین اسلام کو اور خدع اور استہزاء کے معنی اپنی طرف سے لے کر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) مکار اور دھوکہ باز اور مسخرہ قرار دیتے ہیں لیکن عقلمند سمجھتا ہے کہ مخالفین قرآن ان الفاظ کے جو معنی کرتے ہیں صحیح نہیں بلکہ وہی معنی صحیح ہیں جو معتقدین حقین قرآن کریں۔ اسی طرح مذکورہ بالا الہام کے معنی دہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ جو ملہم یا ملہم کے پیر و کریں۔ جہاں پھر اس کے معنی عربی زبان کی رو سے یہ ہیں۔ عَاج کا مادہ عَجْوَج ہے۔ اور اس کے معنی منہتی الارب میں شیر کی گھٹل

یوم راخو راند۔ اور یہی معنی منجد میں لکھے ہیں۔ اس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ ہمارا رب وہ ہے جو ہماری طبیعی کی حالت میں ہم کو خاص دودھ پلانے والا ہے۔ یعنی جب کہ ایمان نریا پر چلا گیا اور زمینی کو میں عماء اور صوفیہ کے خشک ہو چکے تھے۔ ہمارے رب نے اس کس پیری کی حالت میں ہمارا ہاتھ پکڑا اور آسمانی دودھ سے سیراب فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

”ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار“
 دوسرا مادہ عاج کا علاج ہے جس کے متعلق صراح اور منتہی الارب میں لکھا ہے ”عَجَّ عَجَّاً وَعَجَّجاً برواشت آواز راوا بگ کہ دو منہ الحدیث افضل الحیح العیح و الشیح۔ یعنی برواشتن آواز و قربان کردن ہر یہ راہ یعنی ہمارا خدا آواز بلند کرنے والا ہے یعنی اس کے دین اور اس کے احکام کا ہی غلبہ ہوگا۔ عاج کو فارسی لفظ نزاروے کہ غلط معنی بیان کرتا دوسرا معادلہ ہے جو عدالت کو دیا گیا۔“

(۵)

أَنْتَ مَنِيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيدِيْ وَتَفْرِيدِيْ

اس الہام سے ممتاز مدعی نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی توحید اور تفرید میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط اور ملہم کی تشریحات کے خلاف ہے۔ بمنزلہ توحید سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی کسی سے کہے تو میرے لیے بمنزلہ فرزند ہے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ درحقیقت اس کا فرزند ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ سمجھا جائے گا کہ میں تجھ سے ایسی محبت رکھتا ہوں جیسی کہ فرزند سے رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو اس وقت جب کہ آپ کے مخالف آپ کو مٹانے کے درپے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ آپ کا کسی جگہ تیرے ساتھ ذکر نہ ہو، اور آپ کی تباہی کے لیے ہر قسم کے منصوبے اور تدابیر سوچ رہے تھے ان الفاظ میں بشارت دی کہ انت منی بمنزلہ توحید می و تفرید می کہ تو مجھے ایسا ہی پیارا ہے۔ جیسا کہ مجھے اپنی توحید پیاری ہے۔ اور جب تو مجھے اس حد تک محبوب ہے تو پھر تجھے کون تباہ کر سکتا ہے دشمنوں کی ساری کوششیں عبث اور حاسدوں کے تمام منصوبے لاجائز ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ الہام مذکور کی تشریح میں خود بھی فرماتے ہیں:۔

”تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کروں گا۔ اور ہر ایک جگہ تو میرا نام جائے گا تو میرا نام بھی ساتھ ہوگا۔ (اربعین ص ۳۲ حد ۲۵ حاشیہ)

اور ایسا ہی ہوا دنیا کے مخالفین باوجود اپنی انتہائی مخالفتوں کا خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کو روک نہ سکے۔ پس ہم
کی تشریح کے خلاف الہام کے معنی کو ناقلاً جائز نہیں ہے۔ حضرت اقدسؒ توحید کے قائل ہیں اور آپ نے اپنی جماعت
کو توحید ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندے کو جو یہی لکھنے والا ہے۔ بھیجا۔ اس کے نبی کی سچائی اور عظمت
کی گواہی دے۔ اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دنیا میں پھیلا دے“ (نسیم دعوت ص ۶)

اور آپ جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:- اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لیے اپنی تمام طاقت سے کوشش
کر دے (کشتی نوح ص ۱۱) اور فرماتے ہیں:- خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور
پر کرو۔ تاکہ خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ (الوصیت ص ۵)۔ اور توحید کو حقیقی مدارجات قرار دینے
ہوئے فرماتے ہیں:- ”نجات دو امر پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ کامل یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان
لاوے۔ دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جلشانہ کی اس کے دل میں جاگزیں ہو کہ جس کے استیلا اور غلبہ کا یہ
نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اس کی راحت جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے۔ اور اس کی محبت تمام اختیار کی
محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۶)

(۶)

انت اسمی الاعلیٰ

(اربعین ص ۳۴)

اس الہام سے مختار مدعی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم قرار دیا ہے اور
جو شخص اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم بتائے وہ مشرک ہے۔ اور مختار مدعی کی خیانت ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ
کی اس الہام کی تشریح کو نظر انداز کر دیا ہے جو یہ ہے ”تو میرے اسم اعظم کا منظر ہے یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ ہوگا“ (ترباق القلوب
تقطیع کلاں ص ۱۱)

پس اسمی الاعلیٰ سے یہی مراد ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے اسم اعلیٰ کے منظر ہوں گے۔ آپ کو دشمنوں پر ہر مقام میں غلبہ
حاصل ہوگا۔

(۷)

انت منی بمنزلہ لا یعلمها الخلق

(اربعین ص ۳۳)

اس الہام سے مختار مدعی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ لا الہ الا اللہ کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کے مرتبہ کو کوئی نہیں جانتا

حالانکہ اس کا ترجمہ حضرت اقدس نے اربعین میں یہ کیا ہے اور مجھ سے تو وہ مقام اور مرتبہ رکھتا ہے۔ جس کو دنیا نہیں جانتی؛ اس سے خدا کے ساتھ شرکت کا دعویٰ نکالنا ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سید ہارستہ دکھاٹے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس مقام اور مرتبہ کو جاننے کی توفیق عطا فرمائے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس الہام میں خبر دی ہے۔ کہ دنیا اس مقام اور مرتبہ تقرب کو جو تجھے مجھ سے حاصل ہے نہیں جانتی۔

(۸)

انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون

(براہین احمدیہ ۵ ص ۱۵۷ واستفتاء ص ۸۶)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ آپ کے الہامات اس بات کی بڑے بڑے زور سے تردید کرتے اور بتاتے ہیں کہ آپ کو ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے۔ چنانچہ استفتاء صفحہ ۸۶ میں یہ الہام درج ہے اور اس کے مافیل کے الہامات کے ساتھ ملا کر اگر یہ الہام پڑھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ اور یہی بات استفتاء کے حوالہ کی بنا پر گواہ مدعا علیہ ماننے برج کے جواب میں کہی گئی تھی جسے مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کا مغالطہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ خود مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس وقت پہلے گواہ کے سامنے استفتاء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جس کے جواب میں گواہ نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ خطاب اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ وہاں الہامات کی دہی ترتیب ہے جو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵ میں ہے۔ اور وہ یہ ہے ”رب انی مغلوب فانتصر، فسحقہم تسحیحاً، زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔ انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون“ جن کا تحت اللفظ ترجمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۵ میں یوں درج ہے ”اے میرے خدا میں مغلوب ہوں میرا انتقام دشمنوں سے لے پس ان کو بیس ڈال کہ وہ زندگی کو وضع سے دور جا پڑے ہیں تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ نیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے“ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس میں بوضاحت خطاب ہے وہ جناب الہی کے متعلق ہیں۔ پھر انہی الفاظ میں آپ کو یہ بھی الہام ہوا ”انما امرنا اذا اردنا شیئاً ان تقول لہ کن فیکون“ یعنی ہمارے امور کے لیے ہمارا یہ قانون ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ہو جانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ (تربیاتی القلوب ایدیشیں اول ص ۱۹) والشرنی جلد ۴ ص ۵۷) اس کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام تحریریں یہی بتاتی ہیں کہ کن فیکون کے ایسے کامل اقبالیات کہ جس بات کا ارادہ کرے وہ فی الفور ہو جائے صرف خدا تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں۔ چنانچہ ذرا تے ہیں: ”علم اس کا (یعنی خدا کا) اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرنا ہے اور کہتا ہے کہ ہو پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے۔ جس

کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے۔ (حنگ مقدس طبع سوم ص ۱۵۱) اور فرماتے ہیں: ”نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ میں نے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ لہ ملک السموات والارض یعنی زمین پر خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی۔ اور پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی تمام زمین و آسمان اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔ جب ایک کام کو چاہتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ ہو جاتو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے۔“ (کشتی نوح ص ۳۵)

ہاں آپ نے بلائیں احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۵ میں یہ تحریر دیکھا ہے: ”افسوس بعض نادانوں نے عبودیت کے اس تعلق کو جو عبودیت کے ساتھ ہے جس سے ظلی طور پر صفات الہیہ بندے میں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ سمجھ کر میری اس وحی میں اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی تیری یہ بات ہے۔ کہ جب تو ایک بات کو کہے کہ ہو جاتو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو میرے پرنازل ہوا۔ یہ میری طرف سے نہیں ہے اور اس کی تصدیق کا برصوفیاء اسلام کر چکے ہیں، جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی فتوح الغیب میں بھی لکھا ہے اور عجیب زبیر کہ سید عبدالقادر جیلانی نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔ (افسوس لوگوں نے صرف اسی ایمان پر کفایت کر لی ہے۔ اور پوری معرفت کی طلب اللہ کے نزدیک کفر ہے۔“

حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

قال الله في بعض كتبه يا ابن آدم انا الله لا اله الا انا قول للشيء كن فيكون

اطعني اجعلك تقول للشيء كن فيكون وقد فعل ذلك بكثير من انبيائه واوليائه وخواص عباده

(مقالہ فتوح الغیب) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتب میں کہا ہے کہ اے بن آدم میں خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ایک چیز کو کہتا ہوں ہو جاتو وہ ہو جاتی ہے۔ تو ہماری اطاعت کر میں تجھ سے ایسا کروں گا کہ تو ایک چیز کو کہے گا ہو جاتو وہ ہو جائے گی اور ایسا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے انبیاء اور اولیاء اور خواص بندوں سے کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

”قال الله عز وجل والقول الله ويعلمكم الله ثم یرد عليك التکوين۔۔۔۔۔“

متکون بالذات الصریح الذی لا یغیر علیہ“ (فتوح الغیب مقالہ ۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم خدا کا

تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ تم کو سکھائے گا پھر تجھے تکوین سپرد کی جائے گی۔ پس تو اذن صریح سے جس پر کوئی غبار نہ ہو گا تکوین یعنی پیدا کرے گا۔

پس جو بات حضرت مسیح موعود نے بیان کی ہے اس کے متعلق سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ ایسی تکوین تو بہت سے مقررین بارگاہ الہی کو حاصل ہوئی۔ پس کیا تمنا رہے سید عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے خدا کے شریک ہونے کا دعویٰ کیا اس لیے وہ لالا اللہ سے منکر اور مرتد بنے یا درکھنا چاہیے کہ جو تکوین کشتگان محبت الہی سے

صادر ہوتی ہے۔ اس میں اور خدا تعالیٰ کی تکوین میں فرق ہے۔ ایسے انسان کا کن کہنا ہمیشہ نتیجہ پیدا نہیں کرتا جیسا کہ خدا تعالیٰ کا بلکہ ایسے لوگوں کا کن کہنا اس وقت منتج ہوتا ہے جب کہ وہ بقا کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔ ان کی توجہ کے وقت کی حرکات اپنی نہیں ہوتیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: "لقاء کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آجاتا ہے تو اس مرتبہ کے توجہ کے اوقات میں الہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے شخص کی گہری محبت میں جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ فیئذری خوارق مشاہدہ کرے گا۔ کیونکہ اس توجہ کی حالت میں کچھ الہی صفات کا رنگ ظنی طور پر انسان میں آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہو جاتا ہے۔ اور ایسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس پر کوئی وبال نازل ہو جاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مورد رحم ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تکلف پیدا کرتا ہے ایسا ہی اس کا کن بھی اس توجہ اور تدبیر کی حالت میں خطا نہیں جانا اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے۔ کہ یہ شخص شدت انصال کی وجہ سے خدا سے غروصل کے رنگ سے ظنی طور پر رنگین ہو جاتا ہے" (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۸، ۶۹) اور اسی حالت کی مثالیں مختلف انبیاء میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوٹھ مارنے سے سمندر پیچھے ہٹ گیا اور آنحضرت صلعم نے بدر میں ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی جو ایک آندھی کی شکل بن گئی۔ اور آپ نے ایک بزن میں انگلیاں رکھیں اور ان سے پانی نکلنے لگا غٹھوڑا سا پانی اتنا بڑھا کہ سبیلکروں آدمیوں نے پایا اور پھر بھی وہ باقی رہا۔ اسی طرح کھانا بڑھانے کے خوارق احادیث میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ پس یہ تکوین اس توجہ اور تدبیر کی حالت میں ہوتی ہے جس کی طرف مذکورہ بالا تجارت میں آپ نے اشارہ فرمایا ہے اور یہ جائے اعراض نہیں ہے چنانچہ حکم الاشراق مطبوعہ ایران ص ۶ میں لکھا ہے:

«السروران الحدید الحامیۃ تشبہ بالنار لمجادرتھا وتفضل فعلھا فلا تتعجب من نفسی
استشرق واستضاءت بنور اللہ فاطاعھا الا کو ان طاعھا للقد سیتین فتوحی فیحصل
الشیء بایما یرھا و تصور متیقم الشیء بحسب تصورھا ومثل هذا فیلعمل العاملون،»

یعنی کیا تجھے معلوم نہیں کہ گرم لوہا آگ کی مجاہدات میں آگ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور آگ کا کام کرتا ہے۔ پس تو اسی طرح اس نفس سے تعجب نہ کر کہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے روشن ہو کر چمک اٹھائے۔ اور مخلوقات اس کی وسیع اطاعت کریں جیسی کہ عالم قدسی میں رہنے والوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس وہ خدا کے نور سے نور نفس اشارہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے اشارہ سے موجود ہو جاتی ہے۔ اور تصور کرتا ہے تو اس کے تصور کے مطابق وہ چیز واقع ہو جاتی ہے۔ اور عمل کرنے والے کو ایسا ہی عمل کرنا چاہیئے۔ پھر یہ حالت صرف اسی صفت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسری

صفات علم وغیرہ کا بھی ایسے کامل نفس سے ظہور ہو جاتا ہے۔

اور اذا ارادت سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر وقت متفرقان بارگاہ الہی کو یہ مقام دیا جاتا ہے۔ اور یہ قضیہ شرطیہ کلیہ نہیں ہے بلکہ مہملہ ہے۔ جو قوت میں قضیہ جزئیہ کے متوا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی شرح اکمال جلد ۷ صفحہ ۱۷ میں بذیل حدیث اذا احب الله عبداً وضع له القبول في الارض لکھا ہے انما هي المہملۃ في قوت الجزئیة فالمعنى قد یسکن اذا احب الله عبداً وضع له القبول في الارض وانما كانت مہملۃ لان اذا وارث اھماً في الشرطیۃ علی ما تقرر فی المنطق یعنی یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی قبولیت زمین میں کر دیتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے نہ کہ ہر وقت۔ کیونکہ یہ قضیہ مہملہ قوت جزئیہ میں ہے۔ پس اسی طرح کامل انسان کا کنواری طور پر نتیجہ مقصودہ پیدا نہیں کرتا بلکہ توجہ اور مدد کی حالت میں جو انسان کو لقلعہ مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے جس کی طرف آیت (ما رمیت اذ رمیت و لكن الله رمى) میں یہی اشارہ پایا جاتا ہے اور اس وقت بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا بلکہ الہی طاقت اس کے اندر کام کر رہی ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ روحانیت کے مراتب عالیہ محروم اور معرفت الہی سے نا بینا لوگ ایسی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ افسوس کہ جو امور انسانی کمال کا ثبوت سمجھے جاتے تھے اور کتب بزرگان جس کے مذکرہ سے معور ہیں آج ناداغی اور بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بڑے بڑے مدعیان علم اپنی پر معترض ہیں اگر ختمار مدعیہ کا قول صحیح سمجھا جائے تو مذکورہ بالا تمام بزرگ مشرک قرار پاتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

(۹)

میکائیل جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کی مانند ہیں !

(اربعین ۲۷۵)

ختمار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس عبارت مندرجہ اربعین ۲۷۵ پر کہ دانیال نبی نے میرا نام میکائیل رکھا ہے۔ اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند۔ یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا اپنے متعلق ربی الباقین کرنا ایسے کھٹلہ شیئی کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی ختمار مدعیہ کا ایک منالطہ ہے۔ کیونکہ جس جگہ سے اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی جگہ اس کی تشریح بھی موجود ہے۔ چنانچہ اربعین ۲۷۵ میں آپ اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہیں فرماتے کہ میں خدا کی مثل ہوں بلکہ آپ نے اس کی توضیح یہ بیان فرمائی ہے۔ ”دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے۔ اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند۔ یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔

انت منی بمنزلہ تمویہی و تغویہی و حان ان تعان و تعرف بین الناس -

یعنی توجہ سے ایسا قریب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں جیسا کہ اپنی توحید اور تضرع کو۔ سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کر دوں گا۔ اور ہر ایک جگہ جو میرا نام چائے گا تیرا نام بھی ساتھ ہوگا۔ (الربین ص ۳۰) پھر آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آپ کو آدم کا شیل اور آدم کے رنگ میں ظاہر ہونے والا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "خدا نے آدم کی مانند اس عاجز کو پیدا کیا اور اس عاجز کا نام آدم رکھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں بہا ہام ہے۔"

اردت ان استخلف فخلق آدم و خلق آدم فامرہ -

اور آدم کی نسبت توریت کے پہلے باب میں یہ آیت ہے تب خدا نے کہا، ہم نے انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنایا دیکھو تو رات ۶-۱ اور پھر کتاب دانیال ۱۰ میں لکھا ہے۔ اور اس وقت میکائیل جس کا ترجمہ ہے خدا کی مانند وہ بلا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لیے کھڑا ہے۔ اٹھے گا یعنی مسیح موعود آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا (میکائیل یعنی خدا کی مانند درحقیقت توریت میں آدم کا نام ہے اور حدیث نبوی میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود آدم کے رنگ پر ہوگا) (تخفہ گوٹوہ طبع اول ص ۱۰۷) اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود نے میکائیل نام سے صرف یہ مراد لی ہے کہ مسیح موعود آدم کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے۔

خلق الله آدم على صورته (مسلم ابواب البر جلد ۲ ص ۳۹) کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید بھی فرماتے ہیں: "اگر نفس کا ملا اس اشرف موجودات کا کہ تو ذوات الہی کا ہے۔ کھرا نالافتی کہے تو جاتے تعجب نہیں ہے۔" (سوانح احمدی ص ۷۹) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مخلوقات میں سے صرف آدم ہی ایسی مخلوق تھی جو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن سکتی تھی۔ دوسری مخلوقات تمام صفات الہیہ کا مظہر نہیں بن سکتی تھی۔

اس لیے آدم ہی کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا خطاب ملا۔ اور اگر ایسے نام کا اپنے آپ کو مصداق قرار دینے سے شرک لازم آئے۔ یا یہ لیس کمثلمہ شیخیؑ کے خلاف ہے تو جمیع مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ میکائیل فرشتہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت من کان عدواً للہ وملتکیتہ ورسولہ وجبریل و میکائیل پارہ راسورہ بقروہ میں ہے۔ اور میکائیل کے معنی عربی و کشری میں خدا کی مانند لکھے ہیں جیسا کہ اقرب الموار جلد ۲ میں لکھا ہے۔ میکائیل اسم ملک بحرانیہ مرکبہ معناها من مثل اللہ ۱۰ لکھا ہے اور یہ نام ایک فرشتے کا نام ہے اور یہ نام بحرانی زبان کا لکھا ہے۔ اور یہ مرکب ہے جس کے معنی ہیں خدا کی مانند لہذا اگر فرشتے کا نام میکائیل (خدا کی مانند بنا) آیت لیس کمثلمہ شیخیؑ کے خلاف نہیں ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام سبھی کی کتاب میں میکائیل آجانا لیس کمثلمہ شیخیؑ کے خلاف کیونکر ہونے لگا؟ اور اگر لیس کمثلمہ شیخیؑ کے خلاف ہے تو پھر تمام مسلمان جو قرآن شریف کی رو سے میکائیل فرشتے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ مشرک قرار پائیں گے اور اس کی نوبت جہاں تک پہنچی ہے۔ قابل غور ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی واضح رہے کہ پیشگوئیوں میں آنحضرت صلعم کا انا خدا کا انا قرار دیا گیا ہے۔

پنہانچہ اشتناویہ کی پیشگوئی کہ خدا فاران پر سے ظاہر ہوا آنحضرت صلعم پر لگائی گئی ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے مقبول د
مسلم مسلمان اور علیہ الرحمۃ سرسید احمد خان نے خطبات احمدیہ اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصیح میں اور دیگر اکثر علماء
نے اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ تو حضرت اقدسؑ نے اپنے آپ کو خدا کی مانند قرار دیا نہ کسی جگہ اس کے لیس کمثلہ شیئی
کے برخلاف کچھ لکھا ہے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں: "خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں
تصریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے۔ لیس کمثلہ شیئی وهو السمیع البصیر یعنی کوئی
چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے" (چشمہ معرفت ص ۲۷۱)

(۱۰)

كَانَ اللَّهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ اسْتِفْتَاءً ۵۵

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام مظہر الحق والعلیٰ کان ۲ اللہ نزل
من السماء سے غلط مفہوم لے کر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے لڑکے کو جس کے متعلق یہ الہام ہے خدا بنا پڑتا ہے۔
اور یہ بھی مختار مدعیہ کا منالطہ ہے کیونکہ اس الہام سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے جو مختار مدعیہ نے لی ہے۔ اور حضرت
مسیح موعود علیہ السلام اپنی متعدد کتب میں تو اس کی تفسیر فرما چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اتنے سے مراد خدا تعالیٰ کی رحمت
کا نزول ہے یعنی اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے جلال کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "مظہر الحق والعلیٰ کان
اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نود آتا ہے تو خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا
وہ جلد از جلد بڑھے گا اور اسپردوں کی رنگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا" (اشتبہار غزوی ص ۱۸۵)
و تبلیغ رسالت بلا صلا

(۲) مظہر الحق والعلیٰ کان اللہ نزل من السماء یظہر بظہورہ جلال رب العالمین
یا تیک نور ممسوح بعطر ۲ در حساب ۳۰۰ آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۱ یعنی ہم ایک لڑکے کی
تجلیات دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا گویا آسمان سے خدا اترے گا اور خدا کے آسمان سے اترنے کو رحمت
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایام اللہ سے خدا کے غضب کے ہوتے ہیں جیسا کہ آیت و ذکر ہم بایام اللہ لایم
ع الہم مراد ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے۔ ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کصل لیلۃ انی السماء اللدنیاحتی

یقی ثلث اللیل (لا خرا الحدیث)

(بخاری و مسلم شکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص ۱۰۹)

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے تمیر سے پہر سارے دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ
صفات اجسام سے منزہ اور نزول اور ہبوط اور صعود وغیرہ سے بالکل پاک ہے کیونکہ

نزول صعود اجسام کا خاصہ ہے لیکن خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اسی وجہ سے شامین نے لکھا ہے۔ المراد نزول الرحمة وقریۃ تعالیٰ بانزال الرحمة وافاضۃ الانوار واجابة الدعوات و اعطاء المسائل و مغفرة الذنوب (حاشیہ مشکوٰۃ جتیبائی دہلی ص ۱۱) خدا تعالیٰ کے آنے سے مراد رحمت کا نزول ہے اور خدا تعالیٰ کے رحمت آنے اور انوار کے عطا کرنے اور دعاؤں کے قبول کرنے اور مانگی ہوئی چیزوں کو دینے اور گناہوں کو بخشنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں ”گو یا کہ خدا تعالیٰ آسمان سے اترتا“ بھی مراد ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوگا۔ اور اس کا جلال چمکے گا اور حق ظاہر ہوگا۔

(۱۱)

کشف

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف پر جس میں خدا کو دیکھنے اور خدا کے کاغذ پر دستخط کرنے کا ذکر ہے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کو جسمانی ماننا پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے جسمانیات سے پاک ہے اور اس کی تشبیہ کسی سے نہیں ہو سکتی۔ لہذا ایسے کشف کو صحیح ماننے والا کیونکر لا الہ الا اللہ کا معتقد ہو سکتا ہے مگر یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ میں نے تمثیلی طور پر خدا تعالیٰ کو دیکھا اور بطور تمثیل خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا ہرگز قابل اعتراف نہیں۔ اور اس سے کسی طرح خدا تعالیٰ کا تشبیہ بالجسمانیات ثابت نہیں ہوتا۔ اور تش کے طور پر خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا اولیاء اللہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں ”و رأیت رب العزّة فی المنام علی صورۃ ۲ مح“ کہ میں نے اپنے رب کو اپنی ماں کی صورت پر دیکھا۔ مختار مدعیہ کے قول کی رو سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نعوذ باللہ من ذلک مشرک کا نزدیک نظر کرنے ہیں۔ دیکھو المعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن نصیر الدین جنوری المکی الحسینی ص ۶۷) مختار مدعیہ نے زبانی بحث کے بعد یہ تحریر پیش کی کہ اسے شاملِ مسل کیا جاوے۔ زین ثانی کو اس پر اعتراض ہے۔ اس کے متعلق کل فریقین کی بحث سن کر اسے طے کیا جاتا ہے۔ اصل کے ساتھ ہے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۳ء محمد اکبر۔

مجھے علماء دیوبند کے متعلق اس اعتراف کا جو حقیقی سنی علماء نے ان پر کیا تھا یقین نہیں آتا تھا کہ وہ بزرگوں کی وقعت و عظمت نہیں کرتے۔ لیکن مختار مدعیہ کے ان اعترافات نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ اعتراف بے حقیقت نہیں ہے۔ انہی صریح بات ہے کہ اگر علماء امت جن امور کو لکھتے اور انسانی کمالات میں شمار کرتے ہیں۔ اہی کو دیوبندی علماء نے فرک و کفر اور ارتداد قرار دیا ہے میں اس موقف پر بیسیوں بزرگوں کا خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن خیالِ اختصار ایک ایسے شخص کو پیش کرنا ہوں۔ جس کی بزرگی سے مختار مدعیہ اور اس کے کسی ہم خیال کو انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی اور وہ مولانا محمد قاسم صاحب ہانی

مدرسہ دیوبند ہیں۔ جی کے غلام غلامان ہونے پر مختار مدعیہ سے لے عدالت کے روبرو فرزند باہات کا اظہار کیا ہے۔ سوا انجمنی مولانا محمد قاسم صاحب مولف مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے کہ "جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہو گے۔ اور نہایت شہرت حاصل ہوگی یا مختار مدعیہ کے مسلک کی مد سے یہ خواب ان کے آقا مولانا محمد قاسم صاحب کو مشرک کا فرد مرتد قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے بقول مختار مدعیہ خدا کا جسم ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کی گود کے الفاظ اس کا جمانات سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ خود مانتے ہیں کہ ہر شب کے آخری حصہ میں خدا تعالیٰ دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ (دیواری مسلم مشکوٰۃ ص ۱۰۷) اور ترمذی جلد ۱ ص ۱۵۹) پھر ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کا ہنسا بھی ممکن ہے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۹۲) باب اثبات الشفاعۃ وابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۳۷) اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی نکلی کرے گا۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اور خدا تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے۔ لیکن اگر محال اور خدا کی شان کے منافی سے تو اسے حضرت مسیح موعودؑ کا مثلی طور پر کشف میں دیکھنا معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ نے غالباً اس فتوے کی رو سے وقفہ کی مشہور معرفت کتاب البحر الرائق جلد ۵ میں لکھا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا وہ کافر ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو کافر قرار دینے کے شوق میں یہ اعتراض کیا تھا اور انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ غیر سے مولوی محمد قاسم صاحب بھی خواب دیکھ چکے ہیں۔ افسوس۔ پھر علماء اور اولیاء ہی ہمیں بلکہ آنحضرت صلعم ہی ڈرتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ جس کے بال کاٹوں کی لومک تھے۔ اور پاؤں میں سونے کا پتلا تھا۔ اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (الیواقیت والخواہر جلد ۲ ص ۱۲۳)

اور بحر المعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن نصیر الدین کے صفحہ ۵۷ میں یہ روایت لکھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔
 رأیت ربی لیلة المعراج علی صورة شاب امرء - کہ معراج کی رات میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوانوں کی شکل پر دیکھا۔ معلوم نہیں مختار مدعیہ اپنے اس مسلک کے لحاظ سے کہ خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے والا مشرک کافر مرتد ہے۔ ادا کردہ کہ ڈر مرتبہ بھی کلمہ پڑھے تو قابل قبول نہیں اس حدیث کو دیکھنے کے بعد کیا فتوے دیگا۔

(۱۲)

انت منی بمنزلہ ولدی

مختار مدعیہ نے اس الہام سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ بھی اس کا ایک مقالہ ہے۔ کیونکہ اس الہام کو درج کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ اور کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا کفر ہے۔ چنانچہ داغ الیلاہ ص ۱۱ میں یہی الہام

انت منی بمنزلہ ولدی درج فرما کر حاشیہ میں فرماتے ہیں ”یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے۔ اور نہ کسی کو حق پہنچنا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدایا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں آنحضرت صلعم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا۔

یٰۤاِنَّ اللّٰهَ فَوْقَ اَیْدِیْہِمۡ سِیَّامِیۡ بَیۡحَاتِیۡ قُلُوبِہِمْ یَاۤاَعۡبَادَ اللّٰہِ کَے قُلُوبِہِمْ عِبَادَہِیۡ کَمَا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خذوا ذرعا اللہ کذکرکم اباکم۔ پس خدائی اس کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل منتشبات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور اس کی کیفیت میں دخل نرود اور حقیقت و اول بخدا کرو۔ اور یقین کرو کہ خدا اتحاد و دلہ سے پاک ہے ہام متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اور میری نسبت بنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لَیُوْحٰی اِلَیَّ اِنَّمَا اَللّٰہُ وَاَحَدٌ وَاخِیْرُ کَلِمَۃٌ فِی الْقُرْاٰنِ“

(دافع البلاء حاشیہ ص ۷۷)

کیا اس تشریح کو دیکھنے کے بعد کوئی امانت و امانت سے حصہ رکھنے والا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت اقدس نے اس الہام کی رو سے فرزند خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ حضرت اقدس تو اس تشریح میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کفر ہے اور مختار مدعیہ اس سے عدالت کو یہ اور کرنا چاہتا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر حضرت اقدس حقیقتہ الوحی ص ۷۷ میں یہی الہام منقولہ درج کر کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ”خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے۔ اس لیے مصوت الہی نے یہ پایا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجزی نسبت استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جس سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس امت میں بھی ایک ہے۔ جس کی نسبت ہم سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور حقیقتہ الوحی ص ۷۷ میں فرماتے ہیں ”پہلی کتابوں میں جو کامل راستبازوں کو خدا کا بیٹے کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بھی یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ یہ تو کفر ہے اور خدا بیٹے اور بیٹیوں سے پاک ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان کامل راست بازوں کے آئینہ صفائی میں عکسی طور پر خدا نازل ہوا تھا۔ اور ایک شخص کا عکس جو آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ استعارہ کے رنگ میں گویا وہ خدا کا بیٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بیٹا باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی عکس اپنے اصل سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب کہ ایسے دل میں جو نہایت صافی ہے۔ اور کوئی کمورت اس میں باقی نہیں رہی تجلیات الہیہ کا انکاس ہوتا ہے۔ تو وہ عکس تصویر استعارہ کے رنگ میں اصل کے لیے بطور بیٹے کے ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر توریت میں کہا گیا ہے کہ یعقوب میرا بیٹا بلکہ میرا بیٹا بلکہ میرا بیٹا ہے۔ اگر عیسائی لوگ اسی حد تک کھڑے رہتے کہ جیسے ابراہیم اور اسحاق اور اسماعیل اور یعقوب اور یوسف اور موسیٰ اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خدائی کتابوں میں استعارہ کے رنگ میں خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں ایسا ہی عیسیٰ بھی ہے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا کیونکہ جیسا کہ استعارہ کے رنگ میں ان بیٹوں

کو پہلے نبیوں کی کتابوں میں بٹیا کر کے پکارا گیا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض پیشگوئیوں میں خدا کے پکارا گیا ہے دراصل بات یہ ہے کہ نہ تو وہ تمام نبی خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہیں۔ بلکہ یہ تمام استعارات ہیں بھت کے پیرایہ میں ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی کلام میں بہت ہیں۔ اور آپ تتمہ تحقیقۃ الوحی ص ۱۱۱ میں فرماتے ہیں اس بناء پر خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں کیونکہ یہ تو کلمہ کفر ہے اور خدا بیٹوں سے پاک ہے۔ بلکہ اس لئے استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں کہ وہ بچے کی طرح دلی جوش سے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف قرآن میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے۔ فاذکروا اللہ کذا کہہ اباکم و اشد ذکرا یعنی خدا کو ایسے محبت اور دلی جوش سے یاد کرو جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بناء پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں اب یا بیٹا کے نام سے خدا کو پکارا گیا ہے۔ سو اولیاء اللہ کو جو صوفی اطفال حق کہتے ہیں یہ صرف استعارہ ہے ورنہ خدا تعالیٰ اس سے پاک اور لحد یلد و لحد یولد ہے۔

(۱۱۳)

ایک ضمنی اعتراض کا جواب

مختار مدبر نے کہا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو مجازی طور پر اطفال اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن دلہ کا لفظ مجازی طور پر بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اس کا ایک معادلہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو آیت قرآنی فاذکروا اللہ کذا کہہ اباکم و اشد ذکرا میں مجازی طور پر اب یعنی باپ کے قائم مقام رکھ کر اسے باپوں کی طرح یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو یاد کرنے والوں کا استعارہ کے رنگ میں ولد اور ابن کے قائم مقام نہ ہوتے اور اس کو ناجائز قرار دینے کی کیا وجہ ہے؛ علاوہ اس کے حضرت اقدسؑ نے اپنے اہام میں ولد کے معنی نقل ہی کے لئے کہا ہے۔ چنانچہ اطفال حق کے الفاظ جو اولیاء کے حق میں استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کو استعارہ کے طور پر قرار دے کر آپ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ اطفال سے پاک ہے اور لحد یلد و لحد یولد ہے۔ مختار مدبر کو جانتا چاہیے کہ ابن اور ولد کا لفظ ہم معنی ہیں۔ اور قرآن مجید میں جیسے حقیقی معنوں میں میسج کو ابن اللہ کہنے کی خدمت کی گئی ہے۔ ویسے ہی ولد اللہ کہنے کی۔ اور جیسے ابن کا لفظ مجازی طور پر پارے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ویسے ولد کا لفظ بھی۔ چنانچہ ایوانیت جلد ۲ ص ۱۳۹ میں لکھا ہے کہما یقول الشخص لا جنبی انت اخی او ولدی علی طریق التقرب والاکرام ثم لا یرثہ اذ مات ولا یحرم علی بناتہ و اخواتہ یعنی جیسے کوئی شخص ایک اجنبی کو اپنا بھائی یا اپنا بچہ تقرب اور اکرام کی خاطر کہے تو پھر وہ شخص نہ تو اس کے مرتے پر اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور نہ اس پر اس کی بیٹیاں اور بہنیں حرام ہوتی ہیں۔ اس حوالہ سے معلوم ہو گیا کہ ولد استعمال مجازی طور پر ہو سکتا ہے۔ اب اگر ابن اللہ کے الفاظ کا مجازی طور پر استعمال کسی نبی کے لیے دکھا دیا جائے

تو مختار مدعیہ کے لیے گنجائش چون و چرا نہیں رہ سکتی۔ پس ہم تمام دیوبندیوں کے مسلم مفکر ابو پیشوا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱ سے پیش کرتے ہیں۔ و انزال جملہ آئینت کہ خدا تعالیٰ در بہر ملت انبیاء و تابعان ایشان را رار لقب مغرب و محبوب تشریف داده است و منکر اس ملت را بصفت مخصوصیت منکر مہیدہ است دریں باب بہ لفظ شائع در ہر قوم تکلم واقع شد اگر لفظ انزال اجماعے مجربوں ذکر شد چه عجب اگرچہ شاہ صاحب کا حوالہ ہی کافی ہے۔ لیکن میں ایک حوالہ دیوبند کے شیخ الہند مولانا رحمت اللہ صاحب جبریت اللہ کا بھی پیش کرتا ہوں۔ آپ اپنی کتاب ازالۃ الادہام ص ۵۲ میں فرماتے ہیں۔ ”فرزند عبارت از علیٰ علیہ السلام ہست کو انصاری آنجناب را حقیقہ ابن اللہ میدانند و اہل اسلام آنجناب را ابن اللہ یعنی عزیز و برگزیدہ خدا می شمارند۔ اگرچہ اس حوالہ نے بات انتہا عزتک پہنچا دی لیکن مختار مدعیہ کو اچھی طرح اس کا گھر دکھانے کے لیے میں ایک حوالہ مولوی محمد فاسم صاحب کا بھی پیش کیے دیتا ہوں۔ جن کے غلامان غلام ہونے کا مختار ان مدعیہ کو فخر حاصل ہے فرماتے ہیں: ”خدا تعالیٰ کا تعدد محال ہے۔ اس لیے خدا کے لیے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بے شک منجھہ محالات ہوگا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اور بادشاہ اور حاکم ان کو فرزند کی کا خطاب دے دیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کہو بیگاہ کسی بزرگ دلی نے خدا تعالیٰ کو باپ کہہ دیا ہو یا خداوند تعالیٰ نے کسی اچھے بندے کو جیسے انبیاء و اولیاء و فرزند کہہ دیا تو اس کے بھی یہی معنی ہوں گے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں پر مہربان ہے۔ حقیقی ابوت یا نوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالیٰ کو حقیقی باپ اور ان کو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بے جا ہوگا۔“ (حجۃ الاسلام مطہر مدظلہ العالی)

میں نہیں سمجھتا کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا ولی کو بیٹے کے لفظ سے مخاطب کرنا ان کے مقصد اول اور پیشواؤں کی تحریروں سے اس شد و مد کے ساتھ جائز ثابت ہوتا ہے تو پھر مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام بلا اعتراض کی کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۲)

اسمع ولدی

(البنی ص ۴۹)

مختار مدعیہ نے اس کو الہام قرار دے کر حضرت مسیح موعود کی طرف ولدا اللہ ہونے کا دعویٰ منسوب کیا ہے۔ اور مختار مدعیہ کا ایک نہایت ہی رکیک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جرح کے جواب سے گواہ مانے اصل حقیقت ظاہر کر دی تھی۔ باوجود اس کے مختار مدعیہ نے پھر سے پیش کیا ہے۔ جس سے اس کی نیت نہایت صفائی سے ظاہر ہو رہی ہے۔ درحقیقت یہ حضرت مسیح موعود کا کوئی الہام نہیں ہے۔ اصل الہام اسمع و امری ہے۔ اس کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ متفقوں کے کتاب میں

اسمع دلہی نہیں بلکہ اسمع داسری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اصل کتاب میں وہ الفاظ نہیں جو نقل میں ہیں تو نقل صحیح نہیں سمجھی جاسکتی چنانچہ اگر کوئی مسلم شخص قرآن مجید کی آیت نقل کرنے میں غلطی کر جائے تو کسی مخالف کا اس غلط نقل کو قرآن مجید کی آیت قرار دینا کسی عقلمند انسان کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔ اصل صحیح اور نقل غلط قرار دی جائے گی۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے چنانچہ بشری میں اسمع دلہی کا ذکر الہیہ دیا گیا ہے۔ "منقول از مکتوبات احمدیہ جلد اول ص ۲۳۳"۔ اب مکتوبات احمدیہ جس سے یہ جو الہیہ دیا گیا ہے۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ "آج قبل تحریر اس خط کے یہ الہام ہوا۔ کذب علیکم الخبیث کذب علیکم الخنزیر۔ عنایت اللہ حافظک انی معک اسمع وادی، الیس اللہ یکاف عبد لا ینبأہ اللہ وما قالوا کان عند اللہ وجہا۔ ان الہامات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی ناپاک طبع آدمی اس عاجز پر کوئی جھوٹ بولے گا یا بولا ہے۔ مگر عنایت اللہ حافظ ہے۔ "اب صاف ظاہر ہے کہ بشری جلد اول ص ۴۹ میں کاتب کی غلطی سے اسمع داری کی جگہ اسمع دلہی لکھا گیا ہے۔ اور چونکہ اصل میں اس کا ترجمہ یہ نہ تھا غلطی سے مؤلف نے ترجمہ بھی ظاہری کتاب کے مطابق کر دیا اور اس کے مؤلف یا منظور الہی لازم محکم نارجلوس نے دیا چہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی عربی دان نہیں ہیں۔ انہوں نے جمیع الہامات کا کام محض اپنے شوق اور ذواہب کی نیت سے کیا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں کثرت سے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتحاد دلہ سے پاک ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

۱) "خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سب سے زیادہ مرتبے پر وہ لوگ ہیں جن کا نام نبی اور رسول ہے۔ بے شک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہیں۔ نہایت درجہ کے عزت دار ہیں۔ اسی میں گھوٹے گئے اور اسی کا روپ بن گئے۔ اور خدا تعالیٰ کا جلال وغیرہ ان سے ظاہر ہوا۔ خدا میں اور وہ خدا میں مگر تاہم ان میں سے ہم حقیقتاً کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا" (اشہار مطہر کتاب شہادۃ القرآن ص ۶)

۲) اور فرماتے ہیں۔ "وہ یقین کریں کہ ان کا ایک نادرا و قیوم اور خالق الملک خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے" (کشتی نوح ص ۱۸)

۳) اور فرماتے ہیں۔ "یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں" (دافع البلاء ص ۱۸)

اخٹی و اصیب

مختار مدعیہ کے پیش کردہ الہامات کے علاوہ دو الہام گواہ نمبر ۱۱ الف نے اپنے بیان میں پیش کئے ہیں۔ اور ان کے پیش کرنے میں گواہ نے وہی مقالہ کا طریق اختیار کیا ہے جو مختار مدعیہ نے کیا۔ چنانچہ اس نے تحقیق الوحی ص ۱۱ سے الہام اٹھی و اصیب ذکر کر کے نتیجہ لکھوایا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس الہام کی رو سے خدائے کو غلطی کرنے والا قرار دیا ہے اور نتیجہ نکالنے میں اس نے دیدہ و دانستہ عدالت کو معطل دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کی ایسی تشریح کی ہے جو ہم کے منشاؤ کے بالکل برضات ہے اور یہ نتیجہ نکالنے کے شوق میں اس نے اس الہام کا وہ ترجمہ اور تشریح جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمائی ہے۔ بالکل نظر انداز کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا جو گواہ مدعیہ نے نکالا ہے۔ اور ترجمہ اور تشریح حقیقۃ الوحی کے اسی صفحہ پر جہاں سے گواہ نے یہ الہام نقل کیا ہے۔ مذکور ہے چنانچہ حضرت اقدس نے اس الہام کا ترجمہ نہیں کیا کہ وہ میں غلطی کرتا ہوں بلکہ آپ نے ترجمہ یوں کیا ہے: "اپنے ارادہ کو کبھی پھوٹ بھی دوں گا۔ اور کبھی ارادہ پورا کروں گا۔" اب دیکھنا چاہیے کہ اس الہام کو ان معنوں میں لے کر کون سا اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔

اور حضرت اقدسؑ اس الہام کی تشریح میں اسی صفحہ کے ماٹیر پر فرماتے ہیں۔

اس وحی الہی کے ظاہر الفاظ یہ معنی رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔ یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا اور کبھی نہیں۔ میرا ارادہ پورا ہو گا اور کبھی نہیں۔ ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کے کلام میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کی قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردد سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ وحی الہی کہ کبھی میرا ارادہ خطا جاتا ہے اور کبھی پورا ہو جاتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو مستور کر دیتا ہوں۔ اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔

اور حضرت اقدسؑ نے حیاتِ بالائیں جس حدیث کا ذکر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادى لی ولیا فقد آذنتہ بالحبوب الی قوله تعالیٰ وما ترددت شیئی انا فاعلک ترددی عن نفس المؤمن بکرة الموت وانا اکره مسأئہ" (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو کسی کلام میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں۔ (پس پیش) نہیں ہوتا جتنا اپنے مسلمان بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو (بوجہ تکلیف جسمانی کے) برا سمجھتا ہے اور مجھے بھی۔

اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

اور یہ حدیث قدسی ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم اللہ تعالیٰ سے روایت کئے ہیں۔ اب اگر اس حدیث کو بھی گواہ مرید کے طرز پر لیا جائے تو خدا تعالیٰ کا متروک ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ تروڑ سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ کبھی غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ کا الہام ہے (۱) ان ربی لا یضلُّ ولا ینسى۔ کہ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (البعین ص ۳۱) (۲) لا یخفی علی اللہ خافیہ۔ کہ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں (البشری جلد ۱ ص ۳۱) (۳) وانہ یعلم السیر و اخفی لا الہ الا هو یعلم کل شیء و یرى۔ اور اللہ جانتا ہے ستر کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز کو۔ کوئی معبود نہیں بجز اس کے اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ اور دیکھتا ہے (البشری جلد ۱ ص ۵۵) پس اخطی واصیب کے ایسے معنی لیتا جو ملہم کے ترجمہ اور تشریح اور دیگر الہامات کے خلاف ہوں ایک ایسی جسارت ہے جس کے متعلق کچھ کہنے سے نہ کہنا۔

بہتر ہے

(۱۵)

الارض السماء معک كما هو معی

گواہ مدعیہ ملنے اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ بہتان باندھا ہے کہ گویا مرزا صاحب نے اس الہام سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر جانا ہے۔ حالانکہ نہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور نہ آپ کی جماعت آپ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتی ہے اور نہ آپ نے اس الہام سے کبھی یہ مطلب لیا ہے۔ اور آپ نے خود جو مطلب اس الہام کا بیان فرمایا ہے وہ آپ کی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں درج ہے جو یہ ہے فرماتے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ بہت سی قبولیت ظاہر ہوگی اور زمین کے لوگ رجوع کریں گے اور آسمانی زشتے ساتھ ہونگے۔ جیسا کہ آج کل ظہور میں آیا (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۱)

اور یوں قواعد کلیہ ذلے ہیں جو شخص بڑا صدق لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ اس کے لیے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اس کے لیے علاموں کی طرح کر دیتا ہے اور اس کے منشا کے مطابق دنیا میں تصرف کرتا ہے (چتر معرفت ص ۵۲-۵۳)

(۱) ص ۱۱ اور اس تاویل سے واضح ہے کہ اس کا مرجع مخلوق ہے (مرجع منیر حاشیہ ص ۱۱) ہوا کا منبر واحد تاویل فی السموات و

الارض ہے (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۲)

اور جانتا چاہیے کہ زمین و آسمان کی معیت سے پروردہ ہے کہ زمین و آسمان سے آپ کی تائید کے نشانات ظاہر ہونے میں اور وہ آپ کی صداقت اور سچائی کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :
 وہ آسمان بار نشاں الوقت بیگوید زمین میں
 ایں دو شاہد از پیئے تصدیقین اسلاہ اند
 (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۵۸)

اور فرماتے ہیں :

آسمان میرے لیے تو نے بنایا اک گواہ !!
 تو نے طاعون کو بھی بھیجا ہماری نصرت کے لیے
 آسمان پر دعوت تخی کے لیے اک جوش ہے
 اسمعوا صوت السماء جاء المسبح
 چاند اور سورج ہوئے میرے لیے تلیک ذار
 تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار
 ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار
 نیز بشعور از زمین آمد امام کا مگار

اور اس قسم کی معیت سے شرک مراد لینا حد درجہ کی نادانی ہے کیونکہ اگر زمین و آسمان کی معیت سے جو خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ شرک لازم آتا ہے۔ تو جو خدا تعالیٰ کی معیت کا مدعی ہو وہ زیادہ مشرک ہوتا چاہیے حالانکہ اس معیت سے نہ تو گواہان مدعیہ یہ مراد لیتے ہیں اور نہ مختار مدعیہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وهو معکم ایما صنتم کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ ان الله مع الذين اتقوا (الخلع) کہ خدا تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ان الله معنا (توبہ ۶) آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور حدیث میں تو اللہ ثالثہما فرما کر خدا اپنے کا تیسرا ٹھہرا ہے۔ پس معیت کے لفظ سے حاضر و ناظر ہونا لازم نہیں آتا۔ اور لفظ کما مشابہت تامہ کا مقتضی نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً۔ اور درود شریفین کما صلیت علی ابراہیم میں کما سے اور مشابہت تامہ نہیں۔ بلکہ الہام میں کلمہ سے صریحاً مشابہت مقصود ہے کہ جیسے زمین و آسمان خدا تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہیں ویسے ہی وہ پوہ ان نشانات اور تائیدات کے جو خدا کی طرف سے تائید مسیح موعود ان میں ظاہر ہوتے ہیں حضرت مسیح موعود کی صداقت پر شاہد ہیں۔ اور اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف خدا کی طرح حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ منسوب کرنا بے عقل ہے، انہیں پورے درجہ کی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

(۱۶)

اصلى واصوم، اسهر وانام، واجعل لك التو اس
القدوم، واعطيك ما يدوم ان الله مع الذين اتقوا

(البشرى جلد ۲ ص ۵۹)

مختار مدعیہ نے اس الہام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کی گئی ہیں جو خدا کی شان کے بالکل مخالف ہیں۔ اور آیت لا تاخذ لاسنة ولا نوم کے مخالف ہیں۔ اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ پہلے حصہ الہام میں مذکورہ امور خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں بلکہ علم کی شان کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کے متعلق ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی تخلیق کے نور تجھ میں دکھلاؤں گا۔ اور تجھے وہ نعمت دوں گا جو ہمیشہ رہے گی۔ تحقیق خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں۔ اس دوسرے حصہ میں جن انعامات کا ذکر کیا ہے۔ اس کی درجہ پہلے حصہ الہام میں علم کی حالت ذکر کے بیان کی گئی ہے۔ کہ آپ شریعت اسلامیہ کے بانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ حدیث بخاری میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشیا ص کی باتیں پہنچیں جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں تو ساری رات خدا تعالیٰ کی عبادت ہی کرتا رہوں گا اور سوؤں گا نہیں۔ اور دوسرے نے یہ کہا تھا کہ میں کبھی نکاح ہی نہیں کروں گا اور ایک نے یہ کہا تھا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ تو آپ نے خلیفہ پڑھا اور فرمایا کہ دیکھو میں تم سے زیادہ متقی اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ میں نے نکاح بھی کیا ہے اور میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ پس تمہیں میری سنت پر چلنا چاہئے (بخاری جلد ۳ کتاب النکاح)

تو اس بات کا الہام کے پہلے حصہ میں علم کی زبان پر ذکر کیا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اور جگتا بھی ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ یعنی میں خدائی کا دعویدار نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والا ایک بندہ ہوں اور یہاں حُکْ مَحذُوف ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد جگہوں میں قُلْ مَحذُوف ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ بھی انہی میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ کہیں الحمد للہ رب العالمین الی آخر سورۃ الفاتحہ (دیکھو پریزنت الشیعہ ص ۲۵۵)

جیسے مختار مدعیہ نے علم کے صریح اقوال کے خلاف الہام کا مطلب لے کر عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ویسے ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مدعیہ کے چار گواہوں کے علاوہ دو گواہوں میں سے بعض نے عدالت کو مغالطہ دینے کی سعی کی ہے اور اس الہام کے لیے بشری جلد ۲ ص ۵۹ کا حوالہ دے کر مطلب یہ لکھوایا "اور جس طرح میں قدیم اور انزل ہوں اسی طرح تیرے لیے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے" حالانکہ یہ الہام کا مطلب ہے اور نہ ہی بشری میں یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں اس فقرہ کا یہ ترجمہ درج ہے "اور تیرے لیے اپنے آنے کے نور عطا کروں گا اور وہ چیز تجھے دوں گا

جو تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ خدا ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں کیا ایسے گواہ عبادت کو اپنی طرف سے بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنے سے نہیں ڈرتے وہ اس تقابل میں کمان کی شہادت قبول کی جائے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر نیند آئی ہے۔ آپ کی تحریرات کے صریح مخالف ہے آپ فرماتے ہیں:-

(۱) ”خدا تعالیٰ ہر ایک نقصان سے پاک ہے۔ جس پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ اونگھ اور نیند سے قوی الجملہ موت سے مشابہ ہے۔ پاک ہے“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۴۳)

(۲) اور فرماتے ہیں ”جیسا کہ موت اس پر (یعنی خدا تعالیٰ پر) جائز نہیں ایسا ادنیٰ درجہ کا تعطل جو اس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے۔ نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے“ (چشمہ معرفت ص ۲۶۲-۲۶۳)

(۱۷)

اعطیت صفة الاحیاء والافناء من الرب الفعّال

(خطبہ الہامیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول سے مختار مدعیہ نے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قول سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی صفت مہمی و حمیت میں شریک مانا ہے۔ اور اپنی تائید میں حضرت عیسیٰ سے ایحاء و میت کو ذکر کرنے ہوئے کہا ہے کہ دیکھو مسیح نے صاف کہا ہے کہ میں یہ خلق اور ایحاء باذن اللہ کرتا ہوں مگر مرزا صاحب نے یہ بھی ذکر نہیں کیا۔

میں عدالت پر مختار مدعیہ کے اس منطاطہ دہی کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو عہدہ آئی گئی ہے۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ اسی عبارت میں من الرب الفعّال کے الفاظ موجود ہیں جو مختار مدعیہ نے بالقصد ترک کر دیئے ہیں۔

اور تو اس عبارت میں اعطیت کے لفظ سے ہی یہ بات ظاہر تھی کہ حضرت اقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان صفات کے پانے کا اظہار فرمایا ہے۔ مگر آپ نے من الرب الفعّال کے لفظ سے اس مفہوم کو بالکل واضح کر دیا تھا۔ لیکن مختار مدعیہ نے منطاطہ دینے کی غرض سے دانتہ الفاظ من الرب الفعّال ترک کر کے اعتراض کر دیا۔ اور اس فقرہ کا وہ مفہوم لینا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے قائل کی منشاء کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے اس قول کی تشریح خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸ میں ان الفاظ سے کر دی ہے۔

”و بییدی حربۃ لا ید بہا عادات الظلم والذنوب و فی الاخری شریبۃ لا عبد بہا حیۃ القلوب فأس للاغفلوا و انفس للاحیاء“ اور میرے ہاتھ میں ایک حربہ ہے جس کے ساتھ میں

ظلم اور گناہوں کی عادات کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایسا پانی ہے۔ جس کے ساتھ میں قلوب کو زندہ کرتا ہوں کھبھاری
توفناہ کرنے کے لیے ہے اور انفاس طیبہ زندہ کرنے کے لیے مجھے دئے گئے ہیں۔
انہی دونوں باتوں کا مذکورہ بالا قول میں ذکر ہے۔ نہ کہ خدا تعالیٰ کی صفت احوال اور انشاء میں شریک ہونے کا:-

(۱۹)

نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو! (ضمیمہ تریاق القلوب ص ۱۰)

اس عبارت سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے
ہیں۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کو ازلی ابدی اور غیر متغیر و غیر متبدل مانتے ہیں۔
اور نیا خدا ہونے سے مرگنا آپ کی ہر اڑھیں ہے کہ خدا پرانا ہو گیا تھا اور اب نیا ہو گیا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ
کی طرف جھکتا ہے اور ایک نیا رنگ عبودیت کا اختیار کرتا ہے جس کو نئی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس پر نئے رنگ
کی تجلی فرماتا ہے۔ اور بندہ سے اس کا معاملہ ایک نیا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

پیروری کرنے کے لیے یہ باتیں ہیں کہ دو یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں
ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیانا کوئی اس کا بیانا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ
ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے دور ہے۔ اور باوجود ایک ہونے کے اس کی
تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آئے تو اس کے لیے وہ ایک نیا خدا بن
جاتا ہے، اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے، مگر
یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے۔ بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی
کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت
جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے (کشتی نوح ص ۱۰)

اور فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں
کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے۔ نہ اس میں جدوت ہے، نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا
ہے (راشتمبار مطہر کتاب شہادۃ القرآن ص ۱۰)

پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ خدا تعالیٰ کو متغیر و
متبدل مانتے ہیں بالکل لغو اور قطعاً لغو و باطل ہے۔ اور ایسی صاف باتوں پر ایسے فضول اعتراضات ہر منصف مزاج کے لیے
باعث افسوس ہیں۔

متشابہات

ان اعتراضات کا جواب دینے کے بعد جو مختار مدعیہ نے اس امر کے ثبوت میں پیش کئے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مانتے اور خدا تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان کے شایان نہیں ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ الہی کلام ہمیشہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک حکم دوسرا متشابہ۔ اور خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ نَجَسٌ فَلَا يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ۔

کہ جن کے دلوں میں رینج اور کج روی کا مادہ ہوتا ہے وہ حکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فتنہ برپا ہو اور لوگ حق سے منحرف ہو جائیں چنانچہ قرآن مجید میں بھی دونوں قسم کا کلام پایا جاتا ہے۔ اور بعض کو نہ اندیشہ متشابہات کو ظاہری معنوں میں لے کر جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے اور خدا تعالیٰ کو بھی ایک مجسم چیز کی طرح سمجھنے اور اس کے لیے ہانڈ، آنکھ وغیرہ ماننے لگے اور یہ سمجھا کر وہ واقعی عرش پر ایک بادشاہ کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن سجدہ و ارادہ عارفان الہی نے ایسے کلمات کو حکمات کے تابع کیا، اور ان کے ایسے معنے لے جو حکمات کے مخالف نہ تھے۔ اور آنحضرت صلعم کی اتباع میں کاہلین امت محمدیہ کو بھی متشابہات و شر میں ملے جن پر خشک ملاؤں نے جہالت و نادانی سے اعتراضات کئے اور ان کے موردوں کو کافر اور مرتد اور واجب القتل ٹھہرایا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں ”قرآن مجید میں بھی متشابہات مثل یدو اسئلو علی العرش وغیرہ واقع ہیں کہ جس سے بعض فرقوں نے اللہ تعالیٰ کا جسم ثابت کیا اور گمراہ ہوئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی سے واقف تھا۔ بلکہ ان کلمات کے سرزد ہونے میں متابعت سنت پیغمبر صلعم بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت خاتمیت مآب صلعم نے بھی فرمایا: صدحك الله۔ وان الله خلوق، ادمر علی صورتہ وادمت ربی فی سکت المدینة علی صورتہ امردنشاب، و وضع اللہ علی کتفی فوجدت بردہا۔ حالانکہ انبیاء خصوصاً جناب سید المرسلین صلعم کمال صحو (ہوش) میں تھے۔“ (مقامات: امام ربانی ص ۵)

اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال صحیح سمجھی جائے تو امام ربانی مجدد الف ثانی کی اس منقولہ حدیث سے خدا کا مجسم ہونا اس سے بہت بڑھ کر ثابت ہو سکتا ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدس مسیح موعود کے متشابہات الہامات سے آپ کے منشاء اور کھلی کھلی نشریحات کے خلاف معنے لے کر ثابت کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ اس میں صدحك الله کے لفظ ہیں، جس کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنسنا۔ اور مختار مدعیہ کی طرز استدلال کے لحاظ سے ہنسنے کے لیے ان چیزوں کی جن سے ہنسنے کا فعل منحصر ہے یعنی رخسار اور لب وغیرہ کی ضرورت ہے اور جس میں یہ چیزیں پائی جائیں۔ اس کے مجسم ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی صورت پر پیدا کرے اس

خدا کی مشابہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اور اس کے صورت میں خدا کی مانند ہونے سے کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے۔ اور مختار مدعیہ کے نزدیک یہ سب امور موجب کفر و شرک وار قرار دیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؑ کی تحریر میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے دنیا پائے کر میں نے اللہ تعالیٰ کو مدینہ کی گلیوں میں ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور یہ تمام باتیں بھی مختار مدعیہ کے عجیب و غریب مگر خلاف اہل اسلام طرز استدلال کی رو سے خدا کو مجسم ٹھہراتی ہیں۔ کیونکہ بے ریش نوجوان اس کا ہاتھ اور اس کی ٹھنڈک وغیرہ امور سب مجسم کو چاہتے ہیں۔ اور صرف مجدد الف ثانیؑ ہی کو جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ نحوذ باللہ مشرک کافر اور مرتد نہیں ٹھہراتی بلکہ نحوذ باللہ دور دور اور بہت دور تک نوبت پہنچاتی ہے۔ دیوبندی مولوی بظاہر تو حضرت مجدد الف ثانیؑ کو بڑے شہو مد سے اپنا قید و کعبہ بتاتے ہیں مگر جب دوسروں کو کافر کہنے کا شوق زور کرتا ہے۔ تو ان پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔

یہ تو حدیث تھی اگر قرآن شریف کو بھی دیکھا جائے تو مدعیہ کے طرز استدلال کے لحاظ سے اس کی آیات سے بھی مختار مدعیہ کا چلایا ہوا سلسلہ کفر بہت دور تک پہنچتا ہے۔ مثلاً اس میں استوی علی العرش یعنی اللہ تعالیٰ نے عرش پر بیٹھا ہے اور آیت یحسد عرش ربک فوجہ یومئذ ثمانیۃ۔ یعنی اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور ید اہ مبسوطات یعنی خدا کے دو ہاتھ کھلے ہیں۔ اور ید اللہ فوق ید یمہ یعنی آنحضرت صلعم کی بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے اور آنحضرت صلعم کا سعد بن معاذ رضی عنہ کی وفات پر فرمانا اہتزلہ عرش الرحمن کہ اس وفات سے خدا کا عرش ہل گیا۔ اگر ان آیات اور احادیث کے معنی کرتے ہیں بھی وہی طرز استدلال اختیار کیا جائے جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منتسابہ الہامات اور بہم و مجمل عبارات کے لیے اختیار کی ہے۔ تو احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ سے بھی خدا کا مجسم ہونا پایا جاتا ہے۔ اور جس طرز استدلال کی بیعت ہو اس کے باطل ہونے کے متعلق کسی اور امر کے پیش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

آخر میں اتنا کہہنا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی محکم اور متشابہ دونوں قسم کا کلام ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ جب قاعدہ متشابہ کو محکم کے تابع کرنا چاہیے۔ یعنی متشابہ کے ایسے معنی کرنے چاہیں جو محکم کے خلاف نہ ہوں۔ اور ہم نے اپنے کسی متشابہ الہام کے معنی خود بیان کر دیے ہوں، تو کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ ان معنیوں کے خلاف کوئی اور معنی نکالے۔ متشابہ تو الہام ہے، کسی بہم یا ذوالوجہ عبارت کے معنی بھی متشابہ متکلم کے خلاف نہیں نکالے جاسکتے۔ اور یہ وہ اصل ہے جس سے دنیا میں کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ دیوبندیوں کے ابن شیر خدا علی رضی اللہ عنہم کی سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند مختار مدعیہ صلا بھی بضر ہل اس کی تصدیق و تائید کا اعلان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد رضا خان کو حیا طب کر کے لکھتے ہیں کہ وہ آپ اپنی طرف سے خلاف متشاء متکلم کلام کے معنی تجویز فرماتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون (السحاب المدرار ص ۲۳) پھر اور لکھتے ہیں: "علاوہ ازیں تصنیف راصنف بنیکو کنڈ بیان۔ جب مصنف خود فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے کہ نواب کسی کو چون و چرا کی گنجائش کیا ہے؟" (السحاب المدرار ص ۵۵) اور مفتی دیوبندی مولوی محمد شفیع صاحب گواہ مدعیہ نے بھی ۲۰ اگست کو جرح کے جواب میں اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ اگر مختلف اقوال مذکور ہوں تو ہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ پس اس اصل مسلمہ فریقین کے مطابق کسی متناسبہ الہام یا مجمل و مبہم عبارت کے وہی معنی درست سمجھے جائیں گے جو منشاء علم و منکلم کے موافق ہوں نہ وہ جو اس کے شدید ترین دشمنوں نے اس کے منشاء اور کھلی کھلی تشریح کے خلاف اس پر غلط و باطل اتہام لگانے کے لیے کھڑے ہوں۔ اور علم یا منکلم و مصنف کے بیان کردہ معنی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے معنی قابل التفات نہیں ہونگے خواہ وہ معنی کرنے والے دیوبند کے کوئی فاضل ہوں یا کسی اور مقام کے کوئی نا قابل اور اسی اصل کے لحاظ سے حضرت اقدسؒ کی وہ تشریح بھی درج کرتا ہوں جو حضور نے الہام انت منی بمنزلۃ اولادی کے متعلق بیان فرمائی ہے: "اصل حقیقت واضح ہے و واضح تر ہو جائے اور وہ یہ ہے۔

"باد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بٹیا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچا ہے۔ کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرتؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرار دیا اور فرمایا ید اللہ فوق ید یرحمہ ایسا ہی بچائے قل یا عباد اللہ کے قل یا عبادی بھی کہا۔ اور یہ بھی فرمایا فاذکروا اللہ کذکرکم ابائکم پس خدا کی اس کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ، اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو، اور حقیقت جو اللہ کھرا کر دے اور یقین رکھو کہ خدا اتحاد و ولد سے پاک ہے، تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اور میری نسبت پینت میں سے یہ الہام ہے جو بلائین احمدیہ میں درج ہے۔

"قل انما انابشرو مثکم یوحی الی انسا الہکم اللہ واحد و الخیو کلہ فی الضلالت" (دافع البلاء ما شبہ ص ۱۷)

یہ ہے مختار مدعیہ کے اعتراضات کی حقیقت، اور انہی اعتراضات کی بنیاد پر کچھ غفا مدعو وضع کر کے اس نے حضرت اقدسؒ کی طرف منسوب کئے، اور عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار اس امر کو دہرایا تھا کہ یہ اعتقاد رکھنے والے اگر کوئی مرتبہ بھی کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھیں تو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لیکن مندرجہ بالا بیانات سے کاشمیں فی نصف النہار ظاہر ہو گیا ہے کہ مختار مدعیہ کے اعتراضات سراسر مغالطہ ہی پر مبنی تھے اور توحید الہی کے خلاف جو عقائد اس نے حضرت اقدسؒ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے تھے وہ حضرت اقدسؒ کے عقائد نہیں تھے بلکہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدسؒ کے منشاء کے خلاف اپنے باطل استدلال سے خود پیدا کر کے حضرت اقدسؒ کی طرف منسوب کر دئے تھے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کے کلمہ توحید کے مطابق ایمان رکھنے میں شک کرنے کی سرسوجی گنجائش نہیں رہی۔

مُحَمَّدٌ سَوَّلَ اللَّهُ صَ لَم

مختار مدعیہ نے کلمہ کے دوسرے جزو یعنی محمد رسول اللہ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی طرح منکر قرار دینا چاہا ہے جس طرح پہلے جزو کے متعلق چاہا تھا۔ اور اس امر میں بھی عدالت کو اسی طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جس طرح کہ پہلے کی تھی۔ اور اس لغو و باطل امر کو ثابت کرنے کے لیے کہ نعوذ باللہ آپ کلمہ کے جزو دوم یعنی محمد رسول اللہ کے بھی منکر ہیں جو بحث اس نے عدالت کے سامنے کی ہے وہ اس کے پہلے جزو کی بحث سے بھی زیادہ مخدوش و لغو اور باطل ہے۔

قبل اس کے کہ میں اس کے ایک ایک اہام کے متعلق علیحدہ علیحدہ کلام کروں عدالت سے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی خصوصیت سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی شخص کا عقیدہ اس کے صاف الفاظ سے معلوم کیا جاسکتا ہے، نہ کہ اس کے مخالفوں کے ان معانی سے جو انہوں نے اس کی کسی منشا پر باجمل و مبہم عبارت سے اس کی منشا اور اس کی کھلی کھلی تصریحات کے بالکل ہی خلاف نکالے ہوں خاص کر ایسی حالت میں کہ اس شخص کے کفر و اسلام کا مسئلہ زیر بحث ہو۔ لیکن مختار مدعیہ نے نہ تو پہلے جزو کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے جس کے صاف الفاظ میں انکار توحید باری موجود ہو۔ اور نہ دوسرے جزو کے متعلق کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے۔ جس کے الفاظ سے انکار رسالت نکلتا ہو۔ بلکہ منشا یہ الہامات کا تشریحاً اہم کے خلاف مفہوم لے کر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو کلمہ کے دو جزووں سے انکار ہے۔ اس کارروائی سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ باوجود بہت بڑی کوشش کے مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی عبارات بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار توحید و رسالت موجود ہو۔ یہ دونوں جنہوں کے متعلق اس نے جو الہامات یا عبارات پیش کی ہیں ان کے غلط مفہوم سے نتیجہ کے طور پر یہ بات نکالی ہے اور یہ امر قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور اس سے کسی طرح کسی کا کفر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی ایک عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار رسالت و توحید موجود ہو۔ لیکن آپ کی ایسی بے شمار عبارتیں موجود ہیں جن کے الفاظ میں اقرار رسالت و توحید موجود ہے اور اس کے منکر کو کافر کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے اور اس پر مختار مدعیہ نے بھی بہت زور دیا ہے کہ جو عبارات جس مفہوم میں انہوں نے پیش کی ہیں انہی کا دیکھ لینا کافی ہے اور دیگر عبارات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس کو صحیح قرار دینے سے امان اٹھ جاتا ہے اور کوئی شخص بھی کفر کے فتوے لے سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ کسی شخص کی منشا پر اور باجمل عبارات کے خود ساختہ معنی لے کر اور اس کی منشا پر تصریحات اور دیگر عبارات کو نظر انداز کر کے فتوے لے دیا

جائے تو بڑی آسانی سے کفر کا فتوے دیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کفر کا فتویٰ درحقیقت اس پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کفر کا فتوے دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس پر فتویٰ دیا جائے اس کا قول صراحت کے ساتھ موجب کفر ہو۔ متشابہ و مبہم اور ذوالوجہ عبارت پر کسی طرح کفر کا فتوے نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ایسی عبارتوں سے وہی معنی لئے جاتے ہیں اور لئے جانا چاہئیں جو صاحب عبارت کے منشاء اور اس کی تشریحات اور اس کی دوسری محکمہ میں عبارتوں کے خلاف نہ ہوں۔

چنانچہ ۲۰ اگست ۱۹۳۲ء کو گواہ مدعیہ نے جرح کے جواب میں یہ اصل تسلیم کیا ہے۔ ”ایک مصنف کے قول کا مقبل و بالبعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کیا جائے، اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کردہ بنا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔“ اور ۲۱ اگست کو جواب مکرر جرح اس نے اس قول کی یہ تشریح کی ہے کہ اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکورہ ہوں۔ ان میں سے ایک قول مبہم ہے تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اسی طرح گواہ نے بھی ۳۱ اگست کو جواب جرح اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ ”منکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرع کلام پر محل کیا جائے گا۔“ چونکہ مختار مدعیہ کو یہ بھی طرح معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متشابہ الہامات اور جمل عبارات کے جو معنی اس نے خود گھڑے ہیں وہ آپ کے منشاء و تشریحات کے بالکل خلاف ہیں۔ اور صرف نہیں بلکہ ان کے خلاف آپ کی بے شمار عبارتیں بھی موجود ہیں اس لیے اس نے حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتوں کے متناقض و متعارض ہونے پر بڑا اندر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہر امر کے متعلق آپ کے کلام میں تناقض موجود ہے۔ اور کوئی ایسا قول نہیں جس کے خلاف دوسرا قول بھی موجود نہ ہو۔ لیکن یہ اس کا سرسراٹھا لہجہ ہے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متشابہ الہامات و جمل اقوال کے جو غلط معنی اس نے گھڑے ہیں۔ وہ صحیح قرار پائیں۔ اور آپ کے جو اقوال اس کے ان گھڑے ہوئے غلط معنی کے خلاف پیش کئے جائیں وہ تناقض و متعارض متصور ہو کر نظر انداز ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض و متعارض نہیں ہے آپ کا ہر قول اپنے محل میں چسپان اور اپنے مقام پر بالکل درست ہے جیسا کہ اس بحث میں ظاہر ہو گا۔ اب میں مختار مدعیہ کے ایک ایک قول کو لیتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔

(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں!

مختار مدعیہ نے پہلا مغالطہ تو یہ دیا ہے کہ آخری نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے آپ کے آخری ہونے سے انکار کیا ہے لہذا آپ کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج۔

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید و احادیث کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن معنوں کی رو سے آخری نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان

معنوں کے لحاظ سے آپ نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ آپ ذاتے ہیں، نوع انسان کے لیے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن، اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شش کر دکھائی کہ اس جہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ اور فرماتے ہیں: "نجات یافتہ کون ہے؟ وہ بولتے ہیں: کھنٹا ہے کہ خدا پیس ہے اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیان شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور ہے اور زمین پر ہے۔ اور کسی کے لیے مدفن نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ نوزد رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے (کشتی نوع صحت) اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ اتنے ان معنی سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شری نبی ہیں اور آپ کی انباء کے بغیر انسان کسی روحانی مقام پر فائز نہیں ہو سکتا کبھی انکار نہیں کیا اور حضورؐ کی یہ خصوصیت بحیثیت آخری نبی ہونے کے قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔

میں مختار مدعیہ کے اس مغالطہ کو کہ (حضرت) مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے سے انکار کیا ہے ظاہر کرنے کے لیے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ ارشاد کرے

اول آدم آخر شاہ احمد است
اے شک آئیں کہ بند آخری!

اور یہ ارشاد کرے

احمد آخر زمان کو اولین را جائے فخر!
آخری را مقتداؤ علیا و کھف و حصاراً

اور آپ کا یہ ارشاد: ملاک یعنی جبریل علیہ السلام آخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی ظاہر ہوا کہ ملاک کے اس فعل رمی شہب سے علت ثانی رمی شیطین ہے۔ (آئینہ کلمات اسلام حاشیہ ص ۱۲۶) پیش نہیں کرتا۔ جو مختار مدعیہ کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ پہلا شعر براہین احمدیہ کا اور دوسرا آئینہ کلمات اسلام کا ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۲ء سے پہلے کی ہیں جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ نے کوئی کفریہ دعویٰ نہیں کیے تھے۔ یعنی براہین احمدیہ ۱۸۹۲ء کی ہے اور آئینہ کلمات اسلام ۱۸۹۳ء کی ہے۔ بلکہ حقیقۃ الوحی کا توالی پیش کرتا ہوں جو ۱۹۰۲ء میں آپ کی وفات سے صرف ایک سال پہلے کی شائع شدہ کتاب ہے۔ اور جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ تمام کفریہ دعوے کے کچھ تھے۔ مختار مدعیہ کی مغالطہ اندازی عام و خاص سب پر اہم نثر ہو جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: "تمام نبیوں نے جو بنی اسرائیل میں آئے دھے۔ اس پیشگوئی کے یہی معنی سمجھے تھے کہ وہ آخر الزمان نبی بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا۔ مگر وہ نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا ہو گیا۔" (حقیقۃ الوحی ص ۹۴)

اور صفحہ ۶۶ پر فرماتے ہیں: "سو تقویٰ کے دائرہ سے باہر قدم مت رکھو کیا جیسا کہ یہود نے اور ان کے نبیوں نے سمجھا تھا آخری نبی بنی اسرائیل میں سے آیا؟ یا الیاس نبی دوبارہ زمین پر آگیا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہود نے دلوں جگہ غلطی کھائی۔" اور فرماتے ہیں: اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا، اور آدم کو پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو قائم الانبیاء و اولیاء خیر الرسل ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱)

یہ بیان کر دینے کے بعد کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مولا افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے، یہ کہیدنا بھی یہ محل نہ ہوگا کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء آیا ہے وہ کوئی زیادہ قوی حدیث نہیں ہے بلکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے جسے امام احمد اور یحییٰ بن مبین اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور دارقطنی وغیرہ نے اسے منرد الحدیث کہا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی تمام احادیث میں تامل ہے (میزان الاعتدال جلد اول) اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمان المبارزی کے متعلق ابن معین نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں اور غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ ابوحاتم نے کہا سچا تو ہے لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی تمام احادیث خراب ہو جاتی ہیں۔ اور دیکھنے کے کہا ہے کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا، اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱)

باوجودیکہ یہ روایت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ یقینی طور پر صحیح مان لی جائے۔ تاہم اس کے معنی بالکل واضح ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اس کی تخریب میں ساعی ہوگا اپنے آپ کو آخر الانبیاء فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی امت کو آخر الامم یعنی آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو مستقل امت بنانے والا ہو۔ پس احمدیہ جماعت مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی خصوصیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کلمہ میں تو محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ اور محتار مدعیہ آخری نبی ہونے کے اقرار کو کلمہ کی جزویں داخل کر رہا ہے۔ حالانکہ نہ تو قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخری نبی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور نہ کسی مشہور متواتر حدیث میں۔ بلکہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے وہ بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے جس پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ کیونکہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر باور نہ ہو تو تختی مدعیہ اور گواہان مدعیہ اپنے مسلم عالم کا قول پڑھ لیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں: اعتقادات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ظنیات صحاح کا۔ چہ جائیکہ ضعافات اور موضوعات کا۔ (البراہین القاطعہ ص ۱۹)

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جرح کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر ایمان لانے کو ضروری مانا ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ جو خصوصیات نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہوں اور نہ کسی حدیث متواتر سے۔ بلکہ لوگوں نے اپنی طرف سے چند مفروضات گھڑ کر ان کا نام خصوصیات رکھ لیا ہوا ہے۔ یہ بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ مومنوں میں سے شمار کیا جائے۔

خاتم النبیین کے معنی !

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمہ کے جزو ثانی کی انکار کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ خاتم النبیین کے معنی کے منکر ہیں۔ چونکہ خاتم النبیین کے معنی کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے مفصل طور پر اپنے بیانیوں میں بحث کر دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کو بصدق دل یقین کرتے ہیں اور اس کے جو معنی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور ائمہؓ اور لغت عرب کی رو سے ثابت ہوتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس مختار مدعیہ کا یہ ادعا کہ احمدی خاتم النبیین کے معنی کے منکر ہونے کی وجہ سے کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہیں لغو اور یہودہ ہے۔

معراج جسمانی کا انکار

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کے کلمہ کی جزو ثانی سے منکر ہونے کی ایک وجہ یہ قرار دی ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ اور تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ کو عرش تک معراج جسمانی ہوئی تھی، جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ دوسری معراجوں کا یہاں ذکر نہیں اور اگر کوئی اپنے لیے یا کسی اور کے لیے ویسی معراج مانے تو شرک فی الرسالۃ ہوگا اور مرزا صاحب کے ازالہ اہام میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت کا ایک کشف تھا۔ اور ایسے کشف میں خود مؤلف بھی صاحب تجربہ ہے۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے لیے ایک نہیں بلکہ کئی معراج ثابت کئے ہیں اور آنحضرت صلعم کے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے۔ اس لیے آپ کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔ کیونکہ معراج نبوی رسول اللہ صلعم کی خصوصیات میں سے ہے اور اس انکار کی وجہ سے کا زود مرتد ہوئے۔ لہذا مدعیہ کا نکاح فسخ ہونا چاہیے۔

مختار مدعیہ کے اس اعتراض میں تین باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) کیا رسول اللہ صلعم کو معراج جسمانی ہوئی، اور کیا صحابہ اور ائمہ سلف صالحین اور تمام علماء اہل سنت معراج جسمانی کے قائل تھے۔

(۲) کیا پہلے انبیاء میں سے یا اولیاء امت میں سے کسی کو آنحضرت صلعم کی طرح معراج ہوئی۔

(۳) کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھا ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی طرح معراج ہوئی۔

پہلی بات کے متعلق خود مختار مدعیہ نے سرسید احمد خان صاحب کو مسلمان سمجھتے ہوئے اور ان کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ

کافرہ استعمال کرتے ہوئے جو بزرگانِ دینی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اقرار کیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے منکر تھے اور اسے رویا مانتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں صریح طور پر لکھا ہے۔

”اگر ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عینِ کالفظ رد کیا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہے کہ وہی سے روایت باتعین فی الیقظہ مراد ہے۔ تو وہ بھی منکر اس گروہ کے ہوں گے جو معراج فی الیقظہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اس گروہ میں ہیں جو واقعہ معراج کو حالتِ خواب میں تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک خواب میں ماننا لازم ہے (تفسیر سر سید صفحہ ۱۸۱)۔

جب مختار مدنیہ کے نزدیک سر سید معراجِ جسمانی کے منکر ہو کر مسلمان ہی نہیں بلکہ ایک بزرگ مسلمان ہیں جو خطاب علیہ الرحمۃ کے مستحق ہیں۔ تو وہ اسی بناء پر کسی اور کو دائرہ اسلام سے خارج اور کلمہ شہادتین کے منکر کس طرح قرار دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اس تفریق و تخالف کی اس کے سوا اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ السلام نے جو کہ مسیح موعود اور مہدی مہمود ہونے کا دعوے کیا ہے اور قدیم نوشتوں کی بنا پر ضروری تھا کہ اس زانہ کے مولوی حسد اور تعصب کی وجہ سے انہیں کلہا درمتر قرار دیں۔

دوسری بات کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ ذہنی تخالف کے ایک مسلم عالم کی تحقیق بیان کر دوں۔ علامہ سید سلیمان ندوی مسرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ میں بذیل عنوان ”معراجِ جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری“ تحریر فرماتے ہیں۔

”اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورہ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت و ما جعلنا الرؤیا التي ادرينا الا فتنة للناس بنی اسرائیل ۶۷۔ کہ میں نے جو روایا (دکھلاؤ) تجھ کو دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے۔ روایا عربی زبان میں ”دکھاوا“ کو کہتے ہیں۔ یعنی ”جو دیکھنے میں آئے“ اور عام طور سے اس کے معنی ”خواب“ کے ہیں۔ اس لیے جو ذہنی معراج کو خواب بتاتا ہے۔ وہ اس آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ان کی تشریح ہے کہ روایا دکھاوا کو دیکھنا تھا جو معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ محض خواب نہ تھا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن جنبل اور حدیث کی دیگر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں۔ ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان روایتوں کے الفاظ یا تو خواب و بیداری دونوں پہلوؤں سے خاموش ہیں۔ یعنی ان میں مطلقاً اس کی کوئی تشریح نہیں ہے کہ یہ خواب تھا یا بیداری۔ اور پایہ کہ ان میں خواب منام اور رویا کی تشریح ہے بخاری، مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی اسی روایت میں جو شریک کے واسطے سے ہے یہ تشریح تمام مذکورہ ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفة النبی دو مقامات میں ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”سمعت عن انس بن مالك يقول ليلة أسرى برسول الله صلعم.....
 حتى أتوا ليلة أخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه وكذا لك
 الانبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم“ (كتاب التوحيد)

انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا۔۔۔
 یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ (تین شخص) آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی ہوئی تھی لیکن
 آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ اور اس طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔
 اسی معنی کا دوسری حدیث جو باب صغرة البني صلعم میں آئی ہے درج کی ہے پھر لکھتے ہیں:-
 ”بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو سین تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحيد میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات
 بیان کر کے آخر میں حضرت انس کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔ فاستقيظ و هو في المسجد الحرام : پھر آپ بیدار
 ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ ”آپ مسجد حرام میں سوتے تھے“ اس کو
 ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ”شریک نے اس روایت کو گھٹا بڑھا دیا ہے۔ اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔“ اس لیے
 جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے شریک کی یہ تہما زیادت قبول نہ ہوتی مگر وہ اس بات میں تہما اور مفرد نہیں ہے۔ صحیحین میں ہے کہ
 حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت صلعم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:
 بيتنا انا عند البيت بين النائم واليقظان (صحیح بخاری باب ذکر الملائكة وصحیح مسلم باب الاسراء) کہ میں کعبہ کے پاس خواب
 بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن جنبل میں مالک بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا بيتنا انا في
 الحطيم وضظظظا اسی انا میں کہ خانہ کعبہ کے مقام عظیم میں لیٹا ہوا تھا۔

اس کے بعد ان روایتوں میں معراج کے واقعات مذکور ہیں۔ بیچ اور آخر میں بیداری کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ دلائل یہ تھی ہیں
 ایک روایت ہے جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ کے واسطے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ”میں عشاء کے
 وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا حیرا میں آیا اور اس نے مجھے آکر اٹھایا اور میں اٹھا، اس کے بعد واقعہ معراج کی
 تفصیل ہے۔ لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا۔ دروغگو اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس میں جو منکر اور غرائب امور بیان کئے گئے
 ہیں وہ ستر یا لغو ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر (سورہ اسراء) میں حضرت حسن بصری سے بھی اس قسم
 کی روایت کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ حیرا میں نے پاؤں سے ٹھوک مار کر مجھے اٹھایا لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے آگے نہیں
 بڑھتا۔ بہر حال جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ صحیح روایتوں میں یا تو مطلق خواب و بیداری کی تفصیل نہیں اور یا خواب و بیداری

کی درمیانی حالت کی تصریح ہے۔

سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور روہانیے صادقہ کہتے ہیں۔ (ص ۲۹۳-۲۹۶) جو لوگ معراج کو بیداری کا واقعہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق لکھتے ہیں وہ قرآن مجید کی کسی نص یا حدیث کے کسی صحیح متن سے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ زیادہ تر عقلی استدلال کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر سے لے کر امام رازی تک سب نے یہی کہا ہے۔ اس فرقہ کے عقلی دلائل چار ہیں ۱۔

۱) قرآن مجید میں ہے کہ سبحان الذی اسری بعبدہ پاک ہے وہ خدا جو (طب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد کو)۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا۔ بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

۲) واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے آپ نے دودھ کا پیار نوش فرمایا۔ سوار ہونا یا پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔

۳) اگر واقعہ معراج روایا اور خواب ہوتا تو انکار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے حال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقع بن کر نظر آتی ہے۔

۴) خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ وما جعلنا الرؤیا الّتی اریناک الا فتنة للنا س۔ سو اس تشابہ معراج کو ہم نے لوگوں کے لیے معیار آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش ایمان کی کیا چیز تھی، اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے جسمانی اور واقعہ بیداری ہونے پر یہ دلائل حد درجہ کمزور اور بے بنیاد ہیں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حجر و روح پر بندہ اور عبد کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ جسم انسانی تو ہر لحظہ اور ہر آن بکھر رہا ہے۔ اور فنا ہو رہا ہے۔ بندہ ازل اور غیر مطلق تو یہی جان ہے جسم اور روح یہ جسد ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت پاک نم کو یاد ہوگی یا ایہا النفس المطمئنة

ارجعی الی ربک لراضیة مرضیة فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی

اس آیت میں دیکھو کہ نفس و جان و روح کو صاف بندہ اور عبد کہا گیا ہے (اسی طرح سورہ مائدہ میں ہے ان تعد بہم فانہم عبادک اس آیت میں قیامت کے روز حضرت عیسیٰؑ اپنی امت کے متعلق عباد کا لفظ فرمائیں گے۔ حالانکہ اس دن مالکی جسد نہ ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلم فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن بندے کی روح نکال کر فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو اگلے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کون سی ہے۔ فیسقون فلان بن فلان وہ کہتے ہیں یہ فلاں بیٹا فلاں کا ہے۔ آخر کار جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔

فیسقون اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے

اور حیرت انگیز ہی ہو۔ مدینہ جا کر قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ ہو جانا ہے۔ یہ کوئی عجب اور غفل کے خلاف چیز نہیں، تاہم اس کو بھی اللہ نے ایمان کی آزمائش کا معیار قرار دیتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام کج بختیاں اور لفظی نزاعیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگوں نے روایا کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ وہ انبیاء کے روایا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے ورنہ اس کی حقیقت بالکل جدا گانہ ہے۔ یہ وہ روایا ہے جس میں گواہیں بند ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتا ہے۔ کیا یہی عام روایا کی حقیقت ہے یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہوشیاری۔ بلکہ باوق ہشیاری ہے، بلکہ عام خواب اور اس میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار و اس ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تغافل ہے۔ لیکن عالم ارواح اور کائنات ملکوت میں پہلے کو دخل نہیں تو دوسرے میں سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، ہمسفری ناموس، سیر سادات، الفاٹے ارواح، رویت حتی سب کچھ ہے۔ اس لیے صحابہ یا راویوں میں سے جن لوگوں نے اس کو ”منام“ یا ”رویا“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ درحقیقت مجاز و استعارہ ہے۔ ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری خواب اس کے مادی قوانین طبعی کی رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔ اس آیت پاک کو ”ما جعلنا الرویا التي ادیناک ہم نے جو روایا (معراج) تجھ کو دکھایا لوگ روایا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحاح میں روایت ہے کہ یہ آیت معراج کے متعلق ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس روایت میں کہتے ہیں کہ یہ روایا چشم تھا ۷

اصل الفاظ روایت کے بیان کر کے لکھتے ہیں:

”اس پر یہ لنوی بحث چھڑ گئی کہ روایات میں ”آکھ کے دیکھنے“ کو نہیں کہتے۔ ذہنی مخالف کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس سے بڑھ کر لغت عرب کا دافتکار اور کون ہو سکتا ہے۔ جب وہ روایا سے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازین راجعی اور متبنی بعض شعرا نے ظاہری آنکھ سے دیکھتے کو بھی روایا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اول تو رائی اور متبنی لغت کے لیے سند نہیں ہیں۔ اور اگر ہوں بھی تو ان کے شعر سے یہ سمجھنا کہ روایا کا لفظ رویت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی خواب اور خیالی دیدار اور دکھاوے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس کی تعبیر کا مطلب جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں، ایک بیٹے اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مشاہدات معراج کو ”روایا“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ روایا کے معنی عام طور سے ”خواب“ کے ہیں جو محض تجہیل بھی ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اور روایا یا معراج کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے ”روایا“ کو ”روایا“ سے عینی کہہ کر اس کی تفسیر کی۔ یعنی یہ معراج صرف ظاہری حیثیت سے آنکھ کا خواب تھا ورنہ درحقیقت وہ قلب کا مشاہدہ تھا۔ اور اسی حد تک واقعی اور قطعی تھا۔

۷۔ روایا کا لفظ لفظاً عالم خواب کے ساتھ مخصوص ہے جس میں جد غفری حرکت نہیں کرتا چنانچہ مفردات راغب میں جس کے متعلق مختار مدعی نے بھی کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر قرآنی شکل الفاظ کے حل کرنے کے لیے اور کوئی لغت نہیں لکھا ہے کہ روایا وہ ہے جو خواب دیکھا جاتا ہے۔ لسان العرب میں ہے ”الروایا ما رآہ“

جس حد تک ظاہری آنکھوں کا مشاہدہ ہو سکتا ہے (ص ۲۹۷-۲۹۸)

پھر لکھتے ہیں، "حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے وقد نقل ابن اسحاق عن عائشة ومعاوية انهما قالوا لانا كان الاسراء بروحه ولم يفقد جسداً ونقل عن الحسن البصرى نحو ذلك الخ یعنی ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ و معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح لے جانی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصریؒ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے عقی جسم کے ساتھ نہ تھی ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔۔۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو آسمان پر چڑھایا گیا۔ ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی۔ اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا یعنی اس عالم سے ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ خواب تھا۔ بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی" (ص ۳۰۳) پھر لکھتے ہیں۔

"علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے۔ جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے اور محدث اور مکمل بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، آپ حجۃ اللہ الباقیہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

۵ "دوسری بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا پھر سدرۃ المنتقیٰ اور جہاں خدائے جاہا، اور یہ تمام جسم مبارک کے لیے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے۔ اس لیے جسم پر روح کے احکام جاری ہوئے۔ اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے۔ اور اس لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی۔ اور اسی طرح کے واقعات حضرت (یقینہ حاشیہ) فی منام، کہ رویا کے معنی خواب ہیں دیکھنے کے ہیں۔ اور شہاب علی السقا، جلد ۲ ص ۲۵۷ پر رویا کے معنی لکھے

ہیں ما یرى فی المنام من الاحلام مصدر یختص بذالك و يقال فی غشیہ رویۃ بالتاء و رأی، کہ رویا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے سوا میں رویت یا رأی استعمال ہوتا ہے جتنا چہ قرآن مجید میں ہر جگہ خواب کے معنوں ہی میں آیا ہے۔ پارہ ۱۶ ص ۱۱۱ اور پارہ ۱۳ ص ۵۵ اور پارہ ۲۳ ص ۷ اور پارہ ۲۶ ص ۱۲۔ ایک فاضل دیوبندی فرماتے ہیں الروایا یستعمل فی المنام ظہرہ کہ رویا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے (تہسبیل البیان ص ۳۲) مصنف مولوی ذوالفقار علی دیوبندی، مجمع البحار میں ہے الروایا یا یری فی المنام کہ وہ خواب میں دیکھا جاتا ہے اسے رویا کہتے ہیں۔ اور امام ابو محمد القاسم ابن علی الحریری نے رویا کو بمعنی رویت فی البیظہ استعمال کرنا غلط بتایا ہے اور تنبی کے شعر پر اعتراض کیا ہے وقد انکرہ الحریری تبعاً لغیوہ و قالوا انما یقال رویاً فی المنام و انما اللہ فی البیظہ فیقال رویۃ حریری کے سوا اور بہت سے علماء نے بھی اس استعمال سے انکار کیا ہے۔ اور رویا کو خواب ہی

حزقین اور مولیٰ علیہما السلام کے لیے ظاہر ہوئے تھے اور اولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو روایا میں ان کو معلوم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعمیر کی ہے۔ خود احادیث صحیحہ اور معجزات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالا اٹھا لیا اس پر فرستے نے کہا کہ تم نے فطرت کو اختیار کیا اگر شراب کا پیالا اٹھاتے تو نہاری تمام امت گمراہ ہو جاتی۔ اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کر گیا کیا ہے (ص ۳۰۶، ۳۰۷)

مذکورہ بالا عبارات سے امام ابن القیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا مذہب معلوم ہو گیا کہ معراج اس جسم عنقریب کے ساتھ نہ تھا بلکہ روح کے ساتھ تھا اور انہیں دونوں بزرگوں کو بمنزلہ شاہدین عادلین شہرہ کر ان کی عبارت کو مولیٰ ثناء اللہ صاحب تفسیر ثنائی جلد ۵ صفحہ ۲۶ میں نقل کر کے لکھتے ہیں ورنہ ان بزرگوں کے کلام سے جو اثبات ہوتا ہے پھر لکھتے ہیں: "غالباً اس لئے کو اختیار کرنے کے وجوہات میں یہ بھی ایک وجہ ان بزرگوں کو پیش آئی ہوگی، کہ آسمانی سیر کی حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ پھر اگر آپ اس جسم مطہر کے ساتھ تھے تو وہ بھی ایسے ہی ہونگے۔ حالانکہ ان کا اس جسم خالی کو چھوڑ دینا شہادت تو اتر کے علاوہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے۔"

فانھم ولا تعجل

پھر لکھتے ہیں: "بڑا غرض تو آسمانی سیر جسمانی پر تھا، جس کا حل شاہ ولی اللہ صاحب اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہما نے کر دیا کیونکہ ان حضرات کی تقریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ عنقریب جسم آنحضرت صلعم کا آسمان پر نہیں گیا (صلعم) اس عبارت سے مولیٰ ثناء اللہ صاحب کا مذہب معراج کے متعلق واضح ہے کہ جسم عنقریب کے ساتھ معراج نہیں ہوا۔ لیکن صفحہ اول میں جلی حروف سے لکھتے ہیں: "اسراء اور معراج دو واقعہ الگ الگ ہیں اور یہ دونوں بیداری میں مجسمہ الشریف ہوتے ہیں۔ پس زندا میں تو لکھ دیا کہ جسد کے ساتھ معراج ہوا تھا لیکن آخر میں جا کر انکار کر دیا اور کہا کہ میرا مذہب تو معراج کے متعلق وہی ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب اور حافظ ابن القیم کا ہے۔ یہ حال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے۔ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو اس جسم عنقریب سے تسلیم نہیں کیا۔"

اور علامہ زنجشیری نے بھی تفسیر کشف میں یہ اختلاف نقل کیا ہے: "و اختلفت فی انہ کان فی الیقظۃ امر فی المنام، فعن عائشۃؓ اتھا قالت واللہ ما فقد جسد رسول اللہ صلعم ولكن عرج بروحہ، وعن معاویۃ انما عرج بروحہ وعن الحسن کان فی المنام روایا ۱۱ صلعم" (بقیہ حاشیہ) سے مخصوص مانا ہے اور جب بیداری میں ہوا تو اسے رویت کہتے ہیں فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۴۷ پس روایا کا لفظ اگر کشف پر جو بیداری میں ہوتا ہے۔ بولا گیا ہے تو اس کا استعمال مجاز ہے۔

(کشاف ص ۵۸) یعنی معراج میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ بیداری میں تھا یا خواب میں۔ عائشہؓ سے تو یہی مروی ہے۔ کلاموں نے فرمایا خدا آپ کا جسد شریف نگہ نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی روح کا عروج ہوا تھا، اور یہی مذہب حضرت معاویہؓ کا تھا۔ اور امام حسنؓ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ خواب میں آپ نے رؤیا دیکھی تھی۔

اسی طرح خلیفہؓ سے مروی ہے کہ اس نے کہا ذالک رؤیا وانما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما اسری بروحہ وحکی هذا القول ایضاً عن عائشہ و معاویہ (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۷) اس سے ثابت ہے کہ خلیفہؓ بھی جسمانی معراج کے قائل نہ تھے۔

نوٹ :- حضرت عائشہؓ کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ معراج کے وقت تو وہ چھوٹی تھیں تو ان کی شہادت کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ کہ آنحضرت صلم کا جسم مبارک موجود تھا یا غائب چنانچہ دفع العجاج ص ۲۸ میں مختار مدعیہ ۲ مولوی مرتضیٰ حسن درپھنگی بھی حضرت عائشہؓ کا مذہب یہی لکھتے ہیں۔ ما فقد جسمہ اور صفحہ ۳۳ میں لکھتے ہیں جسم مبارک غائب نہیں ہوا اور روحانی اسراء ہوئی پھر وہی اعتراض کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ کی رات کے قصر کی نسبت کیسے فرما سکتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک غائب تھا یا موجود۔ یہ اعتراض بھی قابل التفات نہیں ہے کیونکہ ما فقد بصیغۃ مجہول کہنا صرف عینی شہادت پر ہی محمول نہیں ہو سکتا بلکہ سماع کی صورت میں بھی کہنا صحیح اور درست ہے۔ اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلم سے انہوں نے یہ بات سنی ہو۔ چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں: ”فاذا لم تشأهد ذالک عائشہ دل علی انہا حدثت عن غیرہا من الصحابة فقد یتھا من مرسلات الصحابة فهو صحیح ایضاً لکما علیہ المحدثون“ (المختار) یعنی اگر حضرت عائشہؓ نے خود نہیں دیکھا تو ضرور ہے کہ انہوں نے کسی اور سے روایت کی ہے، اور وہ صحابی ہو سکتا ہے۔ پس یہ حدیث مرسلات صحابہ میں سے تو بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ محدثین کا مذہب ہے (شہاب علی الشفاء جلد ۲ ص ۳۳) مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ معراج جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں وہ جسمانی ہوا تھا۔ دوسرے معراجوں کے متعلق ہم نہیں کہتے۔ اور یہ قول بھی محققین کے نزدیک مردود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جو متعدد معراج ماننا ہے اس نے سخت ٹھوک کھائی اور لٹوکا م کیا فقد بعد و اغرب و هرب الی غیر مہرب و لد یتحصل علی مطلب (ابن کثیر جلد ۴ ص ۳۳) اور زاد المآد جلد اول میں اس قول کو باطل اور خط محض لکھا ہے نیز علامہ زرقانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (شرح مواہب جلد ۱ ص ۳)

بہر حال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صحابہ میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو بغیر جسم عنصری کے مانا ہے۔ اور اسی امر کے قائلین میں سے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

مندرجہ ذیل ہیں :-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲)، حضرت معاویہؓ (۳) خلیفہؓ (۴)، امام حسن بصریؒ (۵)، حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب (۷) اور سرسید کو خود مختار مدعیہ مان چکا ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر تھے، اور مسلمان ہیں۔ اور مولوی ثناء اللہ کی مذکورہ بالا عبارات سے بھی ثابت ہے کہ معراج اس جسم عنصری کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر معراج کے واقعات پر بھی غور کیا جاوے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عالم ایمان کا واقعہ نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:-

(۱) آپ نے فرمایا فوج سقف بیعتی (مشکوٰۃ ص ۵۲۹) کہ فرشتہ چھت پھاڑ کر آپ کے پاس آیا اول تو فرشتہ کے آنے کے لیے چھت پھاٹنے کی ضرورت نہیں۔ نیز وہ پٹی ہوئی چھت صبح کو دیکھی نہیں گئی اور نہ کسی روایت میں ہی آیا ہے کہ وہ درست کی گئی۔

(۲) پھر تمام فوت شدہ انبیاء کی ملاقات کا ہونا اور آپ کی اقتداء میں نماز کا ادا کرنا سیر روحانی کے ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) آپ کا سینہ آب زمزم سے دھو کر پاک کیا گیا۔ اور آپ کا قلب چیر کر ایمان اور حکمت سے بھر گیا۔ حالانکہ جسم عنصری میں نہ تو سینہ کے چیرے جانے کا کوئی نشان تھا، نہ دل کے چاک کئے جانے کا کوئی اثر۔

(۴) ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ غور کر دیکھا ایمان اور حکمت مادی چیزیں ہیں جنہیں برتن میں لانے کی ضرورت پڑی۔

(۵) سدزہ المنقہلی کے پاس آپ نے دو دریا باطنی اور دو ظاہری دیکھے اما النظاھسراں فاللسیل والفرات (مشکوٰۃ ص ۵۳۰) ظاہری نیل اور فرات تھے، ملائکہ نیل اور فرات زمین پر ہیں نہ کہ آسمان پر۔

(۶) دو دھ اور شراب کے دو پیالے جب پیش کئے گئے اور حضور سرور عالم نے دو دھ کو اختیار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے دو دھ اور شراب کی تمیز کر دی، کہ دو دھ سے مراد نفرت اور شراب سے مراد متلاّت ہے۔

(۷) جب کفار نے بیت المقدس کے متعلق سوالات کے تو تمثیلاً بیت المقدس آپ کے سامنے لایا گیا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۳۳)

(۸) سب ارواح کا پہلے آسمان پر حضرت آدم کے دائیں بائیں دیکھنا (مشکوٰۃ ص ۵۲۹) حالانکہ سب ارواح تو پہلے آسمان پر نہیں ہیں۔

(۹) وسمع فیہ صریح الاقلام (مشکوٰۃ ص ۵۲۹) قلموں کی آواز بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ جو امور اللہ تعالیٰ کے حضور لکھے جاتے ہیں وہ ہمارے جیسے قلم اور دواتوں سے نہیں لکھے جاتے۔

(۱۰) آپ جنت میں گئے تو آگے کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو وہ بلالؓ ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۴۷)

اور پھر براق جس کا قد خنجر اور گدھے کے درمیان تھا، منہتہائے نظر پر اس کا قدم پڑنا یہ سب امور ایسے ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہ کشفی اور روحانی معاملہ تھا۔ اور کوئی نص شرعی ایسی نہیں جو ہمیں مجبور کرے کہ تمام واقعات ظاہر پر حمل کئے جائیں اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان تمام واقعات کی تعبیر اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھی ہے۔

اب جب کہ معلوم ہو گیا کہ متقدمین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا معراج جسم عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ تو اگر کوئی شخص معراج جسم عنصری کے ساتھ ہونے کا قائل نہ ہو تو اسے کافر اور وارثہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بحیثیت حکم ہونے کے جو معراج کی حقیقت بیان کی ہے وہ اس امر میں قطعی اور فیصلہ کن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

”ایسا ہی ایک اور غلطی جو مسلمانوں کے درمیان پڑ گئی ہے۔ وہ معراج کے متعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا، سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلعم اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی، اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی، جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہو، (تقریر احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے ص ۱۳)

اسی طرح فرماتے ہیں: ”و اما معراج رسولنا صلعم فكان امرا اعجازيا من عالم اليقظة الروحانية اللطيفة الكاملة، فقد عرج رسول الله صلعم بحسد الى السماء وهو يقظان لا شك فيه ولا ريب، ولكن مع ذلك ما فقد جسمه من السرير كما شهد عليه بعض ازواجه مرضي الله عنهن وكذا لك كثير من الصحابة“ (حماة البشرى ص ۳۷)

یعنی آنحضرت صلعم کا معراج ایک اعجازی امر تھا، اور ایک کامل لطیف بیداری کے عالم میں ہوا اور اس میں تنگ نہیں کہ آنحضرت صلعم اپنے جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں آسمان پر چڑھے لیکن باوجود اس کے آپ کا جسم مبارک آپ کی چارپائی سے علیحدہ نہیں ہوا، جیسا کہ آپ کی ایک بیوی نے اور بہت سے دیگر صحابہ نے اس امر کی شہادت دی ہے۔ پس آپ کا مذہب معراج کے بارہ میں وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا کہ معراج کشف میں ہوا جس میں جسم عنصری نہیں ہونا بلکہ جسم نورانی ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا فرق قابل غور یہ ہے کہ آیا ایسا معراج دیگر انبیاء عیاد لیا عیو میں سے بھی کسی کو ہوا۔ مولانا سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اور اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریا سے نڈر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو بہرہ ور عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بارپا کر قاب تو سین (دو کنوں کا فاصلہ) سے بھی زیادہ نزدیک

نہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشائے آب و خاک میں واپس آجاتے ہیں حضرت
ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوئی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ وکذا الذی ابراہیم ملکوت السموات
والارض اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی
کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہی اسرار اور معراج ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت یعقوب کا معراج نکوبی بٹ سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا گور پر جلوہ حق کا جو
پرنونظر آیا وہی ان کی معراج ہے۔ اور دیگر انبیاءؑ بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے تو رات
کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کا مجموعہ انجیل میں، یوحنا رسول کا مشافہہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اس میں آثار قیامت جزا و سزا
اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے باطل مطابق ہیں۔ اور ان کو تمام مسلمان تسلیم کرتے
ہیں۔ مجھ سے اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سنا ہے، جس میں زیادہ تر آنحضرت صلیم کے واقعات معراج
کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروان بدھ بھی نخل مکت کے سایہ میں بدھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

(سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۲۴۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیگر انبیاء کو بھی اسی طرح معراج ہوئی جس طرح آنحضرت صلیم کو فرق مراتب کا ہے۔ لیکن بعض
کتاب نویسین اودانی تک بھی معراج ہوئی۔ امت محمدیہ کے اولیاء میں سے بھی بعض نے اسی معراج کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ
حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

از حرم تا صوب اقصیٰ میروم	گر چو احمد در شب معراج وصل
بر برق آسا میروم	از زمیں ناسدہ و زسدہ بعرضش
از دنا سوئے تہائی میروم	از فلک بگذشت و از اس و ملک
بلے حجب تا حق تھا لے میروم	تاب تو میں است اودانی حجاب

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص ۵۵)

اسی طرح صفحہ ۶۵ پر فرماتے ہیں،

گر عروج جاں معینے بایدرت بر نہ ملک
در رکاب خواجہ لولاک میباید شدن!

کیا مختار مدعیہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی کہے گا کہ وہ کا فرد مرتد تھے اس لیے کہ وہ اپنے لیے
آنحضرت صلیم جیسا معراج ثابت کر کے شرک فی الارسات کے مرتکب ہو کر کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے۔
تیسری بات کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلیم کے معراج کی طرح کئی معراجوں کا اپنے لیے دعویٰ کیا؟ سو

اسکا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے آنحضرت صلعم کے معراج کی طرح معراج ہوئی۔ اور جس عبارت سے غلط استدلال کر کے مختار مدعیہ نے آپ پر یہ افتراء کیا ہے وہ عبارت یہ ہے:-

”سیر معراج اس جسم کثیف (عسری، خاکی، شمس) کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجے کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلعم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی، اور انتہائی لفظ پرستی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اپنی معراجی سیر میں معمرہ عالم کی انتہائی لفظ تک ہوش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا، جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا۔ اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھنا ہوں۔ بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے۔ جو درحقیقت بیداری سے بہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مولف خود صاحب تجربہ ہے: (ازالہ اہام ماشیہ ص ۲۱۷)

مختار مدعیہ نے اس حوالہ کو ایسے طریق پر پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کشفوں کے مقابلہ پر معراج کو استغفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ مختار مدعیہ کا دیدہ دلالت عدالت کو معطل دینے کی کوشش کرنا ہے کیونکہ اس حوالہ کے خط کشیدہ الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود آنحضرت صلعم کا معراج ایسا مانتے ہیں جس میں آپ کا ذاتی طور پر کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ آپ کا معراج عرش عظیم تک ہوا تھا۔

اور حضرت مسیح موعود کے اس قول سے کہ اس قسم کے کشفوں میں خود مولف صاحب تجربہ ہے۔ یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ آپ کو ایسے معراج ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ آپ نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ کشف کی حالت درحقیقت بیداری سے زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوئی ہے اپنے کشف کا ذکر کیا ہے۔ کہ میں بھی اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ نہ یہ کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے بھی آنحضرت صلعم کی طرح معراج ہوئی۔ نہ ایک بلکہ کئی، جیسا مختار مدعیہ سمجھتا ہے۔

(۴)

معجزہ شوق القمر!

صلواتی طور پر کی شرط میں نہ اس لیے لگا دی ہے کہ تا وہ اولیاء جو اتباع آنحضرت صلعم اپنے لیے معراج کو ثابت کرنے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں۔ جیسا کہ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

عروج جان معینے بروج او ادنیٰ!

بخز منابعت مصطفیٰ نے بیغم!

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص ۲۴۵)

مختار مدعی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمہ کے جزو ثانی کے قائل نہ ہونے کے ثبوت میں آپ کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے۔

لہ خسفت القمر المنبر و ان لی
غسا القمران المشرقان انشکر

کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے لیے شق القمر کا معجزہ افزای طور پر ثابت کیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے لیے کمزور کر کے دکھایا ہے اور اس سے آنحضرت صلعم کی توہین لازم آتی ہے۔ لہذا مرزا صاحب کا فرہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج اور یہاں بہ تاویل نہیں چل سکتی کہ چاند گہن مراد ہے کیونکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا ہی نہیں۔

آخری حصہ کے جواب میں تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جو شخص علم طبیعیات سے اس درجہ ناواقف ہو۔ اور دورہ ارضیہ کے قانون سے اس قدر غافل ہو، اور باوجود ہر سال چاند گہن کا مشاہدہ کرنے کے یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا نہیں، اس کو سمجھنا عقلمندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ لیکن مختار مدعی کی کتب اسلامیہ اور تاریخ سے ناواقفیت ثابت کرنے کے لیے ایک حوالہ دے دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں تفسیر روح المعانی جس کے حوالے گواہان مدعیہ نے پیش کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے۔ اور لکھا بھی وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ "و یؤید کونہ لیلۃ البداء ما اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ من طریق عکرمۃ عن ابن عباس قال کسفت القمر علی عهد رسول اللہ صلعم فقالوا سمحوا القمرفنزلت اقدرت الساعة الی مستمرا (روح المعانی جلد ۸ ص ۲۷۷) اس بات کی تائید کہ شق القمر جو دسویں رات کو ہوا اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن عباس سے بطریق دیگر طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں چاند گہن ہوا تو انہوں نے کہا کہ چاند پر جادو چل گیا ہے تو سورۃ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

اس شعر میں تو آپ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت کے لیے آسمان پر چاند کا نشان ظاہر ہوا اور میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے چاند اور سورج کا نشان اسے مخالف کیا پھر بھی تو میری صداقت کا انکار کرے گا اس شعر میں نہ تو کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے جس سے آنحضرت صلعم کی توہین لازم آتی ہو اور نہ حضرت مسیح موعود کا افضل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ آپ نے اس شعر سے ما قبل اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ اس لیے کہ میں آنحضرت صلعم کا روحانی فرزند ہوں چنانچہ آپ فرماتے ہیں سے

و اتی وراثت المال مالی محمد
فما اتانا الا الہ المتخیر

اور میں محمد صلعم کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں، پس اس کی آل برگزیدہ ہوں، جس کو ورثہ پہنچے گا۔ اور فرماتے ہیں سے
 فلا د الذی خلق السماء لاجله لہ مثلنا ولد الی یومئذ
 وانا و دشنا مثل ولد متاعہ فامی ثبوت بعد ذالک یحضرہ

مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا۔ ایسا تمہیں کہ اس کی اولاد نہ ہو، بلکہ ہمارے نبی صلعم کے لیے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں
 اور قیامت تک ہونگے۔ اور ہم نے اولاد کی طرح وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے۔ جو پیش کیا
 جائے۔

اس سے اگلے شعر میں چاند اور سورج گہن کا ذکر فرماتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نشان بھی آپ کو
 آنحضرت صلعم کی اتباع سے درنثر میں ملا ہے۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں سے

دأ فی لظلی ان یخالفت اصلہ
 فما فیہ فی وجہی یلوح ویظہر

اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہو سکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے۔ وہ مجھ میں چمک رہی ہے۔
 لہذا آپ کے لیے جو نشان ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلعم کی برکت سے ہیں اگر روایتوں میں بہ تجربہ ہوتی کہ چاند اور
 سورج کا گہن مہدی موعود کی صدفقت کی دلیل ہوگی۔ تو وہ نشان کیونکر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی متعدد کتب
 میں اس پیشگوئی کا ذکر کر کے آنحضرت صلعم کی مدح و ثنا کی ہے۔ اور رور و دہیجا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے چنانچہ
 آپ کتاب نور الحق حصہ دوم میں فرماتے ہیں :-

”زجما از اشعار عربی تیرے پر جان قربان ہوا اے بہتر مخلوقات ہم نے تیری خبر کا نور انجبر سے میں دیکھ لیا ہم نے
 سورج اور چاند کو دیکھ لیا جیسا کہ تو نے اشارہ کیا تھا۔ تحقیق دو لوگوں کو گہن لگ گیا، نا خلقت منور ہو، ہمیں خدا تعالیٰ کی
 مدد تیرہ سو برس گزرنے کے بعد آئی (ص ۵۷) اور ہم بیٹوں کی طرح وارث ہیں، اور بزرگوں کے تمام مال کے وارث ہونگے
 ہیں۔ (ص ۵۹)

بخدا میں کا فر نہیں، میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحب مقام محمود ہے۔ اور میرا دل نبی صلعم نے
 اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اپنے دل کو کسی کے لیے سرا سیمہ دیکھتا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میرے دل کے لیے
 آرام ہے۔ اور میری جان کے لیے مثل طعام کے ہے۔ اور میرا دشمن بے شرفی سے ناتق بدگونی کر رہا ہے (ص ۵۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو کسوف خسوف کو آنحضرت صلعم کا فرمایا ہوا نشان قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر آپ کا
 شکریہ سجالا تے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو موجب توہین آنحضرت صلعم قرار دیتا ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں
 خسوف کا لفظ خرق اور شق کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے رَحَفَ الشَّيْءُ خَرَقًا، وَخَرَقَ الْبُتُوتَ شَقًّا

اور تاج العروس میں اس استعمال کو مجاز قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ومن المعجاز خسف الشیبی یخسف
خسفاً ای اجرتاً۔

حضرت مسیح موعودؑ نے شعر میں آنحضرت صلعم کے ذکر کے ساتھ تو خسف القمر فرمایا ہے۔ اور اپنے لیے غمنا القمران
اور غمنا القمران کے معنی سورج اور چاند کا نار یک ہو جانا ہے۔ اور اردو ترجمہ میں خسوف کا لفظ ہی سمجھنے دیا۔ کیونکہ
وہ دو نوپر صادق آتا ہے اور آنحضرت صلعم کے معجزہ شوق القمر کا ذکر آپ نے متعدد کتب میں کیا ہے۔ سرہم حشم آریہ میں اس معجزہ
کے ثبوت میں ایک لمبی محققانہ بحث کی ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ "ایسا ہی دوسرا معجزہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق القمر ہے۔۔۔۔۔ جو اسی الہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا۔ کوئی دعا اس کے ساتھ شامل
نہ تھی۔ کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو ایسی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا" (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۱۷)

پھر آپ فرماتے ہیں "ایسا ہی شوق القمر کا عالی شان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت
صلعم کی انگلی کے اشارہ سے چاند ٹکڑے ہو گیا اور کفار نے اس معجزہ کو دیکھا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آتا
خلاف علم ہیئت ہے۔ یہ سراسر فضول باتیں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے۔ اقتربت الساعة وانشق
القمر وان یروا آیتة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔

یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے۔ جس کا آسمان تک اثر چلا گیا
اب ظاہر ہے کہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے۔ جو سمت دشمن تھے۔ اور کفر
پر ہی مرے تھے۔ اب ظاہر ہے۔ اگر شوق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو کہہ کے مخالفت لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے
تھے وہ بلاشبہ شور مچاتے کہ ہم پر یہ ہمت لگائی ہے۔ ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور عقل تجویز نہیں کر سکتی
کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور افتراء خیال کر کے پھر بھی چپ رہنے۔ بالخصوص جب کہ ان کو آنحضرت صلعم نے اس واقعہ
کا گواہ قرار دیا تھا اس حالت میں ان کافروں کا یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رد کرتے نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت
پر مہر لگا دیتے۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا" (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۲۲)

اور چشمہ معرفت ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں :-

"اگر شوق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشانہ نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس
سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شوق القمر رکھا گیا۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف
تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی۔ اور یہ آیتیں بطور پیشگیوں کے ہیں۔ اس صورت میں شوق کا لفظ محض استعارہ
کے رنگ میں ہو گا کیونکہ خسوف و کسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ایک استعارہ

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خسوف کا لفظ شق القمر کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔ اور مراد شق القمر کا معجزہ ہے۔ جس کا لفظی اور قطعی ہونا آپ اپنی متعدد کتب میں ذکر فرما چکے ہیں۔
شق القمر کے معجزہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس کا ذکر سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی بسیرۃ النبی جلد ۲ ص ۳۸۳ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

”بعض نقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلعم کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔“

اس عبارت میں ان لوگوں کو بھی جو عہد نبوی میں شق القمر کے وقوع کے ہی قائل نہیں مسلمان کہا ہے۔ اور صفحہ ۳۸۷ میں لکھتے ہیں، بعض متکلمین نے جن میں ایک دلی اللہ شاہ صاحب بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی ترجمان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شکاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔ چنانچہ حضرت انس کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ سئل اهل مكة ف اراهم القمر فرقتين (صحیح مسلم) اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑوں سے دکھایا، الغرض یہ واقع ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت کے لیے شق القمر کا نشان کفار کے مطالبہ پر دکھایا گیا۔ اور یہ بھی واقع ہے کہ روایت میں ہمدی معہود کی صداقت کا ایک نشان ماہ رمضان میں سورج چاند کا گہن قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ گہن ۱۳ اھ میں وقوع پذیر ہوا۔ پس یہ دو نشان ہیں۔ جو ظاہر ہوئے اور ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور انہی دونوں کا آپ نے اپنے شعر سے

لہ خصف القمر المتيروان لي غسما القمر ان المشرقان استكروا
میں ذکر کیا ہے۔ اور اس میں نہ تو معجزہ شق القمر کا استتاف ہے نہ آنحضرت صلعم کی توہین

(۵)

اشرك الله على كل شييء

مختار مدعی نے اس الہام کو خلاف منشا ظہم لے کر عدالت کو معالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے بھی کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔

اس الہام کا اصل ترجمہ جو خود حضرت مسیح موعود نے تحقیق الوحی صفحہ ۸۹ میں کیا ہے یہ ہے۔ ”خلانے تجھے ہر ایک چیز میں سے چن لیا“ اب ظاہر ہے کہ اس الہام سے مراد صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو ہر ایک چیز میں سے چن لیا ہے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء میں سے چن لیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے۔ وَاَتَاكُمْ مَالًا يَوْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ کہ تمہیں وہ کچھ دیا جو کسی کو جانوں میں سے نہیں دیا اور فرمایا د ا ن ف ي فضلتم کہ علی العالمین کہ میں نے تمہیں تمام

جہانوں پر فضیلت دی اور اسی طرح عام نبی اسرائیل کے حق میں فرمایا ولقد اخترناهم على علم على العالمين (دخان ۲۷) یعنی ہم نے ان کو علم کے ساتھ جہان والوں میں سے چن لیا ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلعم اور امت محمدیہ پر بھی ان کو فضیلت دی گئی تھی تمام مفسرین ان آیات کی تفسیر میں عالمی ذمہ سمجھتا ہے یعنی ان کے زمانہ کے عالم مراد لیتے ہیں۔ پس اگر مختار مدعیہ انصاف پسند یا تعصب سے خالی ہوتا تو باآسانی سمجھ سکتا تھا کہ اس الہام سے آنحضرت صلعم پر آپ کی فضیلت نہیں نکلتی۔ کیونکہ اس الہام سے پہلے صفحہ ۸۲ پر یہ الہام درج ہے: ”پاک محمد مصطفیٰ امیوں کا سردار“ اور اس کے بعد صفحہ ۹۵ پر یہ الہام درج ہے: ”کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلذکرک من علم و تعلم۔ یہ تو تمام برکت محمد صلعم سے ہے۔ پس بہت برکتوں والا ہے۔ جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی۔“ پہلے الہام سے تو آنحضرت صلعم کا سید الانبیاء ہونا ظاہر ہے۔ اور دوسرے الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد ہونا اور مسیح موعود کا شاگرد آنحضرت صلعم ہونا ثابت ہے اور درمیان میں الہام انزلک اللہ علی کل شیء ہے۔ جس سے مختار مدعیہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ گویا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نہ تو صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے ہی خلاف ہے۔ جس کا آپ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ اس الہام سے پہلے اور پچھلے الہام کے بھی خلاف ہے۔

(۶)

آسمان سے کئی تخت اترے پتیرا تخت سب سے اوپر کچھایا گیا

اس الہام سے بھی مختار مدعیہ نے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ گویا آپ کو آنحضرت صلعم سے افضلیت کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ اسی قسم کے فقرات صوفیہ اور دوسروں کی کتابوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ان کا مفہوم مختار مدعیہ کی طرز پر لیا جائے تو تمام صوفیاء و کرام اور ادلیاء و کرام کو انبیاء و اولیاء کی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا چنانچہ ایسے ہی اقوال کو لے کر بعض سفہاء اور کم علم لوگوں نے بزرگان دین پر اعتراضات کئے ہیں۔ حالانکہ تاہلین کا وہ منشاء نہ تھا جو معتزلیں نے اس سے پیدا کیا۔ چنانچہ مولوی محمد منظور صاحب نے اپنی کتاب ”سیف یمانی“ میں بزرگان دیوبند کے بعض ایسے فقرات کی تشریح لکھی ہے۔ جن کی بنا پر ہندوستان اور عرب کے علماء نے ان کے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتوے دیا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب مذکور اپنی کتاب ”سیف یمانی“ صفحہ ۳۹ میں رسالہ ”عقائد دہا“ میں دیوبندی مؤلف مولوی ثناء احمد صاحب کانپوری سابق مفتی اگرہ کے ایک اعتراض کا جواب دینے کی غرض سے لکھتے ہیں: ”آپ (یعنی مفتی ثناء احمد صاحب) نے تقویۃ الایمان سے حضرت شہید مرحوم (مولانا اسماعیل شہید) کی یہ عبارت نقل کی ہے: ”یہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے“ اس کے بعد آپ نے اپنی طرف سے یہ منطوق جاری کی ہے کہ ہر بڑے چھوٹے میں جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام حضرات انبیاء و اولیاء کرام داخل ہیں لہذا یہ ان تمام حضرات کی توہین ہے ۱۰
یہ عبارت کھڑک مولوی محمد منظور صاحب تقویۃ الایمان کے جملہ کا وہ مطلب بیان کرتے ہیں جو ان کے خیال میں صحیح

ہے۔ کہتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے سلطان الاولیاء حضرت خواجه نظام الدین کے ملفوظات مسیحی بغاوت الفواد ہیں اس
کے صفحہ ۱۰ پر ہے ایمان کے تمام نشوونما ہم خلقِ نژاد و ہم چنانچہ مانیر کہ بیشک شتر، یعنی کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں
ہو سکتا۔ جب تک ساری مخلوق اس کے نزدیک اونٹ کی میٹھی کے برابر نہ ہو۔ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی عارف
المعارف صفحہ ۵۴ پر ہے۔ لا یکمل ایمان امرأ حتی یکون الناس عندہ کالابعد یعنی کسی شخص کا ایمان اس وقت تک
کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ اس کے نزدیک میٹھنیوں کی طرح نہ ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کی وہ منطق
ان دونوں عبارتوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ یہاں نہیں۔ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے۔ کیا تمام مخلوق اور تمام لوگوں میں حضرت
انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام داخل نہیں۔ اور اگر جاری ہوتی ہے۔ تو کیا آسمان و ولایت کے یہ دونوں آفتاب و ماہتاب
بھی آپ کے نزدیک ایسے ہی کافر ہیں جیسے کہ حضرت شہید مروج۔ بَیِّنُوا تَوْجُر و اء، پس باوجودیکہ شہید مروج کی
عبارت میں ہر مخلوق اور خواجه نظام الدین صاحب کی عبارت میں ہر خلق کے الفاظ موجود ہیں لیکن پھر بھی علماء دیوبند تمام مخلوق
مراد نہیں لیتے لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے الہام جس میں سب تخت یا کل یا تمام تختوں کے اترنے کا بھی ذکر نہیں بلکہ کئی تختوں کے
اترنے کا ذکر ہے اس سے ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے کل تخت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الہام بھی گذشتہ

الہام کی طرح الہام "پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار" (حقیقۃ الوحی ص ۱۳) اور الہام کل بوکتہ من محمد صلی اللہ علیہ
وسلم قدبارک من علمہ و تعلمہ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵) کے درمیان صفحہ ۸۹ پر ہے۔ اس کے معنی اول
و آخر کے الہامات کے خلاف کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ اس سے مراد اولیاء امت محمدیہ کے تخت ہیں۔ اور آپ کا درجہ ان
سب سے بلند ہے۔ کیونکہ آپ خاتم الاولیاء ہیں جیسے کہ آنحضرت صلعم کا مقام اور رتبہ سب انبیاء سے بلند تر ہے کیونکہ
آپ خاتم النبیین ہیں۔ بے شک آپ کو نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مستقل نبوت نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کی اتباع سے
یہ مرتبہ آپ کو نصیب ہوا ہے اس لیے ان تختوں سے مراد وہی تخت ہیں جو آنحضرت صلعم کی اتباع میں کا ملین امت محمدیہ
کو ملے۔ پس انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جیسے انہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال سے اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے توجیہات
کیں۔ ایسے ہی انہیں چاہیے تھا کہ ذریعین مخالف کے بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنے کے بجائے توجیہات کو قبول کرتے
جو ان کی ان توجیہات سے جو انہوں نے اپنے بزرگوں کے کلام سے اعتراض دور کرنے کے لیے کیں
بہت ظاہر اور واضح تھیں اس طرح پیران پیر کا ایک یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

"قد می ہذا علی رقیۃ کل ولی" (مقامات الام ربانی ص ۱۱) کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے چنانچہ
اس کے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے استفسار کیا کہ "پیران پیر صاحب کا قدم سب پیروں کی گردن پر ہے۔"

اس کی کوئی اصلیت طرفیت و نقیض میں بھی نہیں ہے یا نہیں ہے مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ پیران پیر کا قدم ہونا سب کی گردن پر اس سے مراد ان کی بزرگی اور بڑائی ہے۔ اس میں کیا حرج ہے جو ان سے بڑے ہیں ان کا قدم حضرت پیران پیر کی گردن پر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۷۷ مطبوعہ جمعیۃ برقی پریس دہلی)

حضرت سید عبدالقادر کے قول میں تو کسی کا استثناء نہیں تھا۔ لیکن مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے جواب سے ظاہر ہے کہ جس عبارت میں بظاہر کوئی استثناء نہ بھی ہو، تو بھی قائل کے حالات اور اس کے گردہ کے دوسرے افراد کو مد نظر رکھ کر استثناء ہو سکتا ہے۔

(۷)

اِنَّا نَفِي مَالِهِ يَوْمَ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی وہی نتیجہ نکالا ہے۔ جو تمبر ۵ و ۶ سے نکالا کہ اس میں حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ چیز دی ہے جو گذشتہ اور موجودہ زمانوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ اور اس میں صریح توہین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ مختار مدعیہ کا اس الہام سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آیت اِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ اور آیت وَاِنَّا كٰهِنُ مٰلِهِ يَوْمَ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ سے یہ نتیجہ نکالے کہ نبی اسرائیل کو گذشتہ اور موجودہ تمام اقوام اور انبیاء پر فضیلت ہے اور ان کو وہ کچھ عطا ہوا جو غیر اسرائیلی انبیاء کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے ویسے ہی مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام سے توہین انبیاء یا توہین آنحضرت صلعم کا نتیجہ نکالنا غلط اور باطل۔ مختار مدعیہ نے یہ الہام حقیقتہً الوہی سے پیش کیا ہے اور حقیقتہً الوہی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

”اور مجھ کو وہ چیز دی جو اس زمانہ کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی یہ (حقیقتہً الوہی ص ۱۱۱)“
حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو العالمین سے اس زمانہ کے لوگ مراد لیتے ہیں۔ اور مختار مدعیہ باوجود اس تشریح کے خلاف منشاءِ علم یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس سے گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے تمام لوگ مراد ہیں۔“

علم میں مقابلہ

مختار مدعیہ نے ایک یہ بھی الزام قائم کیا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ ادہام میں لکھا ہے کہ دجال اور دجال وغیرہ کے منقلب جو پیشگوئیاں ہیں وہ آپ پر پورے طور پر منکشف نہیں ہوئیں۔ پس جس نے یہ کہا کہ آنحضرت پر منکشف نہ ہوئیں اور مجھ پر ہوئیں تو ایسے شخص کا آنحضرت پر ایمان کیسا؟ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے آنحضرت صلعم سے زیادہ علم دیا گیا ہے۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے جس حوالہ کی بنا پر اس نے یہ اعتراض کیا ہے اس میں تفاضل علی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس قضیہ میں علمی فیصلت کا سوال ہی اٹھ سکتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو لکھا ہے وہ احادیث کا بالکل مطابق ہے اور انہما سلام کا بھی وہی مذہب ہے۔ عقائد کی کتاب میں لکھا ہے: "ان الذی صلی اللہ علیہ وسلم قد یجتهد فیكون خطأ كما ذکرنا الاصولیون وکان الذی صلی اللہ علیہ وسلم یشاور الصحابة فیما لم یوح الیه وھم یراجعونہ فی ذلک..... و فی الحدیث ما حدثک عن اللہ سبحانہ فھو حق وما قلت فیہ من قبل نفسی فانما انا بشرٌ اخطی واصیب".
 نبی صلا کہ آنحضرت صلعم کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور وہ کبھی خطا ہو جاتا تھا۔ بیسیا کہ اصولیوں نے لکھا ہے اور انہما میں ایک متعلق آپ پر دئی نازل نہ ہوئی ہو آپ صحابہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں وہ تو درست ہوتی ہے یعنی اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہاں جو بات میں اس وحی الہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں اجتہاد میں غلطی بھی ہوتی ہے۔ اور شرح فتوح الغیب ص ۳۱۱ میں شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

”انبیاء و اجتہادات سے باشند و گاہے خطا و نیز سے اقتد“ اور علامہ محمد قاسم صاحب نالوتوی بھی انبیاء سے اجتہادی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”حضرت داؤد علیہ السلام سے جو بالاتفاق نبی ہیں اور معصوم ہیں اجتہاد میں غلطی ہوتی ہے۔“
 ہیبت الشیخہ ص ۲۲۸

جو باتیں آئندہ زمانے سے تعلق رکھتی ہوں ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء پر مومنان کا انکشاف کر دے۔ بلکہ ایسی پیشگوئیوں میں اکثر ابہام ہوتا ہے اور اس کی اصل حقیقت اور اصل مراد اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ اس کا وقوع ہو۔ چنانچہ احادیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ ادہام ص ۲۸۱ میں کیا ہے۔ جنہیں مختصر اعراف کرنا ہوں فرماتے ہیں: ”انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو و خطا ہے۔ مثلاً اس خواب کی بنا پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لیے موجب ابتلاء کا ہوتی تھی آنحضرت صلعم نے اس امید پر کہ آپ کے سفر

میں طواف عیسرا جلتے گا۔ مدینہ منورہ سے مکہ منظر کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل در منزل طے کر کے اس بلاد مبارک کو تک پہنچنے لگا۔ گفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اس وقت اس رویا کی تعبیر ظہور میں نہ آئی اور رسول کریم کی خواب وحی میں داخل ہے۔ پس اس کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کیے تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ درحقیقت جس بیوی کے لیے ہاتھ میں وہی سب سے پہلے فوت ہوگی۔ اس وجہ سے باوجود بجز آپ کے روبرو ہاتھ ناپے گئے مگر آپ نے منع نہ فرمایا کہ یہ حرکت خلاف منشاء پیشگوئی ہے۔ جیسا کہ نفع الباری جلد ۳ صفحہ ۳۳ میں ایک روایت ہے۔ قلم بینکر علیہن۔

اسی طرح ابن صیاد کی نسبت صاف طور پر وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت صلعم کا اول اول یہ خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ (چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ عن نافع کان ابن عمر یقول واللہ ما اشدک ان مسیحا الدجال ابن صیاد ابوداؤد (مشکوٰۃ) یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں ذرا شک نہیں اور بخاری اور مسلم میں محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو اس بات پر قسم کھاتے ہوئے سنا کہ ابن صیاد ہی الدجال ہے تو میں نے کہا کہ تم قسم کھاتے ہو تو انہوں نے جواب دیا انی سمعت عمر یحلف علی ذلک عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلم بینکوا الذبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے عمر کو اس بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھاتے ہوئے سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ اے عمر تم غلط کہہ رہے ہو اور منظر الحقیقہ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح میں علامہ مظاہر الدین فرماتے ہیں۔ حال اس (ابن صیاد) کا مبہم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسا بات میں وحی نہیں آئی اور ایسا ہی نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ حلف عمر نزد رسول خدا صلعم وغایت مبنی برظن اورست و سکوت آنحضرت صلعم بجهت ان بود که دن در اوقات متروک بود و نوح الکرام (صفحہ ۲۱) ایسا ہی سورۃ روم کی پیشگوئی کے متعلق جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی آنحضرت صلعم نے صاف فرمایا کہ بعض کا لفظ لغت عرب میں نوبرس تک اطلاق پاتا ہے اور میں بخوبی مطلع نہیں کیا گیا کہ نوبرس کی حد کے اندر کس سال تک یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔

(۵) ایسا ہی وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فذہب وھلی الی انھا الیمامة اوھجر فاذاھی المدینة ینثرب صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلعم نے اپنی اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا چنانچہ مولوی محمد حسین طالوی اشاعت السنۃ جلد ۱۱ کے صفحہ ۲۹۶ و ۲۹۷ پر مذکورہ بالا حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن عائشۃ ان النبی صلعم قال لھا اریتک فی المنام فی سرقۃ من حریر و یقول ہذا امراتک فا کشفتم عنها فاذاھی انت فاقول ان یک ہذا امن عند اللہ یمضہ بخاری صفحہ ۵۵

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کی صورت قبل از نکاح مشاہدہ کرانی گئی اور کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہوگی۔ آنحضرت کو راجد باوجودیکہ اصل الہام میں شک نہ تھا اور انبیاء کا الہام منافی ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ یعنی ہوا کرتا ہے) اس الہام کی تفسیر و مراد سمجھنے میں اشتباہ واقع ہو گیا اور آپ نے یہ فرمایا کہ اگر بہ خدا کی طرف سے ہو۔ (یعنی بظاہر معنی کے اس صورت سے عائشہ صدیقہ ہی مراد ہے) تو خدا اس کو سچا کرے گا۔

جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں) معنی سمجھنے میں سید الملبین و خاتم المرسلین و خاتم النبیین کو شک و اشتباہ واقع ہوا اور الہام دوم کے معنی سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقع کے بھی خلاف نکلا، اس قسم کی مثالیں پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”ان تمام باتوں سے یعنی طور پر یہ اصول قائم ہونا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام بھی کبھی غلطی کھاتے ہیں۔ لیکن امور دنیویہ یا مادیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں کیونکہ ان کی تبلیغ میں مہتاب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھائے جاتے ہیں۔ غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت کیوجہ سے مبہم اور مخفی رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دنیویہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا یہ ایک نہایت دقیق راز ہے۔ جسکے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کا مذہب بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے بموجب منکشف نہ ہوتی ہو اور نہ دجال کے شہر بارے کے گدھے کی اصل حقیقت کھلی ہو اور نہ باجوج باجوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دائرہ الارض کی ماہیت کا ہی ہی ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثلہ قریبہ اور صورت منشا بہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم پذیر یہ انسانی فوی کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات میں معلوم ظاہر ہو جائیں تو شان نبوت میں کچھ جائے حرف نہیں“ (ازالہ اوہام ص ۲۸۲)

چونکہ بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی کیفیت وقوع کا پتہ واقع ہونے پر لگتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ تحریر فرمانا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دجال اور خرد جال وغیرہ کی حقیقت بموجب منکشف ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور آپ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ان کشوف کی حقیقت ان پیشگوئیوں کے مصداق کے ظہور کے بعد ظاہر ہو گئی تو اس سے حضرت اقدس کے علم کا آنحضرت صلعم کے علم سے زیادہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اگر ایسی چیزیں آنحضرت کے وقت ظہور پذیر ہو جائیں تو سب سے پہلے آپ ہی پر ان کشوف کی حقیقت منکشف ہوتی ہاں جہاں تک غیب محض کی تفہیم پذیر یہ انسانی فوی ممکن ہے۔ آپ کو سمجھا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور آپ جس قدر اپنی فراست سے غیب محض کو سمجھ سکتے تھے۔ اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے بلکہ ہمارے

جانی اگر جلدی سے جوش میں نہ آجائیں تو مر تو یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فراست اور فہم کے برابر نہیں مگر پھر بھی بعض پیشگوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے ۱۰ ازالہ اولام ص ۱۶۱ پس اگر پیشگوئیوں کو سمجھنے میں قبل از وقوع کسی شخص کو غلطی واقع ہو اور اس پر بعد از وقوع اس کی اصل کیفیت و وقوع کا انکشاف تام نہ ہو لیکن اس کی وفات کے بعد کسی پر حقیقت منکشف ہو جائے تو جس پر حقیقت منکشف ہوتی ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس شخص سے جس پر قبل از وقوع حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی علم میں زیادہ ہے۔ کیونکہ اگر پیشگوئی کرنے والا شخص بھی اگر وقوع کے وقت زندہ ہوتا تو وہ اس سے پہلے ہی سمجھ لیتا تعجب کی بات ہے کہ یہ اعتراض ان اشخاص نے کیا ہے جن کے مقتداء اور پیشوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھ چکے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صبیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر صبیح جنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ حفظ الایمان ص ۶ مولف مولونی اشرف علی تھانوی تبارک و تعالیٰ کہنا صریح کالی نہیں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اتنا ہی علم غیب دیا گیا ہے۔ بقنا کہ ہر پاگل اور چو پائے کو حاصل ہے اور لکھتے ہیں۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوتی۔ فرغ عالم کی وسعت علم کی کون سی نفس نفسی ہے براہین قاطعہ مولفہ خلیل احمد انہجوی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۱۰۱ اس میں ابلیس لعین کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر کے شیطان ملعون کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بظاہر ہے کیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق نہیں ہے اور یہ عبارت سوء ادبی کی مشعر نہیں ہے۔

(۹)

انافتحنا لك فتعابينا

بخاری مدعی نے خطبہ الہامیہ ص ۹۳ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ میں گذر گیا۔ اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور مقرر تھا کہ اس وقت مبعوث موعود کا وقت ہو اور اس کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ سبحان الذی اسرّی الخ (آیۃ) اور اس نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت کی فتح مبین کو استخفاف کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنی فتح کو بڑھایا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نکالنا سراسر باطل اور خلاف منشاء متکلم ہے۔ جس فتح مبین کی طرف آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قرنہ مذ کے ہاتھ پر ہوگی۔ اور اس میں آپ کی کوئی توہین نہیں پنا چچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس عبارت کے آگے ص ۲ پر فرماتے ہیں۔

اور چونکہ مسیح موعود نبی کریم کے وجود کا آئینہ اور برکات کی اشاعت اور تمام جنوں پر اسلام کے غلبہ سے آنجناب کے امر کا تمام کرنے والا تھا ہند نبی کریم نے اس کی کوشش کو پسند کیا جیسا کہ باپ بیٹوں کی کوشش کا شکر یہ ادا کرتے ہیں اور وصیت فرمائی کہ آنجناب کا سلام اس کو پہنچایا جائے اور اس سلام سے یہ اشارہ ہے کہ سلامتی اور بلندی مسیح کے شامل حال ہوگی! مختار مدعیہ ان فتوحات کو جو آنحضرت صلعم کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ حاصل ہیں تسلیم کرتا ہے اور اس سے آنحضرت کی کوئی ہتک نہیں سمجھتا لیکن حضرت مسیح موعود کے زائے کی فتوحات سے وہ آنحضرت کی ہتک ٹکانا چاہتا ہے۔ اور اس کا سبب تعصب کے سوا اور کچھ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل دس الہامات کا ذکر کیا ہے۔

- (۱) هو الذی ارسل رسولہ بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔
- (۲) انا اعطیتک الکوثر۔
- (۳) عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔
- (۴) ما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔
- (۵) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ۔
- (۶) ما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی۔
- (۷) ما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی۔
- (۸) ما کان اللہ لیغذہم و انت فیہم۔
- (۹) سبحان الذی اسرى بعبداً لیلاً۔
- (۱۰) لولاک لما خلقت الافلاک۔

ان الہامات کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان میں جن مقامات اور مراتب کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلعم کی خصوصیات ہیں اور جو ان خصوصیات کا انکار کرے اس کا آنحضرت صلعم پر ایمان کیا؟ وہ اگر نہ مرتبہ بھی آلاہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو قابل قبول نہیں۔

سوائے تمام اور کا جواب گواہ مدعا علیہ صلعم کے بیان میں مفصل مذکور ہے۔ اور اس میں ائمہ اور اکابر اولیاء امت محمدیہ

کے انوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ اگر کسی پران آیات کا اتفاق ہو جن میں خاص آنحضرت صلعم کو خطاب کیا گیا ہے۔ تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا۔ اُردو مترجم یا مقام بطریق وراثت جس لائق کہ ہم ہے علی حسب المنزلات اس کو نصیب ہوگا اور اس مردہ نبی و پیغمبر وہ آنحضرت صلعم کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔ اس لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

ان صفحات میں اس امر کا تاہید میں کہ مقام محمود وغیرہ مراتب میں اولیاء اللہ کو حضرت اور اولیاء امت بھی بطریق وراثت ان میں آپ کے شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک عالم مولانا عبدالعلی صاحب بحر العلوم کا اور ایک شیخ اشیرخ شہاب الدین سہروردی کا اور ایک شیخ عبدالرزاق صاحب قاشانی کا اور ایک سید عبدالغادر جیلانی اور ایک خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کیا ہے اور آیات قرآن کریم کے الہام ہونے کے حوالہ پر ایک حوالہ اثبات الہام والبیعۃ کتاب کا جو مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کی تصنیف ہے اور ایک حوالہ فتوح الغیب کا اور ایک تحفات امام ربانی مجدد الف ثانی کا ایک علم الکتاب کا کیا ہے جن کے جواب میں ۱۱ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف ایک حوالہ علم الکتاب کا ہی پیش کیا تھا کہ ان پر آیات اتزی میں اور مصنف کتاب خود اقرار ہی کر یہ اقتباس نہیں نہ کہ الہام اور گواہ مدعا علیہ نے جو اب جرح الامارح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ اقتباس کسی کے کلام کو اپنے کلام میں لانے کو کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختار مدعیہ کو قرآن مجید کی آیات سے دلچسپی نہیں ہے درنہ وہ یہ کہنے کی جرأت نہ کر تا کہ علم الکتاب کے حوالے کے سوا آیات قرآنی کے نزول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا کیونکہ فتوح الغیب کے حوالہ میں جو جملہ انک الیوم لدینا مکین امین ہے اور تحفات امام ربانی کے حوالہ میں "انا مبشرون بغلامنا اسماء اور اثبات الہام والبیعۃ ص ۱۴۲ و ص ۱۴۳ کے حوالہ میں جو عربی کلام درج ہے۔ وہ سب آیات قرآنی ہیں بن کا اولیاء اللہ پر نازل ہوتے کا جو از تسلیم کیا گیا ہے اور وہ اولیاء اللہ کو الہام ہوئی ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کی طرف جو اقتباس کی تعریف منسوب کی ہے اس میں دیدہ دانستہ خیانت سے کام لیا گیا ہے کہ کیونکہ گواہ مدعا علیہ نے اقتباس کا یہ مطلب کسی کے کلام کو اپنی کلام میں لانا بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اقتباس الہام کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔

دیکھو جرح الامارح ص ۱۹۳۔

اس قید کے بڑھانے کی وجہ یہ تھی کہ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیات اقتباس کی ہیں تو وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ ذریعہ الہام خاص آپ کے قلب پر القا کی گئی ہیں۔ چنانچہ علم الکتاب کی عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں۔ "وامر فی فی قلبی بالانہام الخاص" کہ خداوند تعالیٰ نے میرے دل میں الہام خاص کے ساتھ حکم کیا اور الہام خاص کی تعریف انہوں نے یہ بیان کی ہے۔

"الہام خاص آنست کہ او سبحانہ بر بندگان خاص در حالت قرب مع اللہ یا بر قلوب ایشان بیدخل فکر و اندیشہ

هو الذی ادسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیتظہرہ علی الدین کلہ

یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس میں دین اسلامی کے دیگر ادیان پر غلبہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور یہی آیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بذریعہ الہام نازل ہوتی تا ظاہر ہو کہ اس کا لعلیہ کا وقت آگیا ہے اور اس کے سامان بھی آپ کو عطا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

”وہ خدا جس نے اپنے فرستادہ کو بھیجا اس نے دوا کے ساتھ اس کو بھیجا ہے کہ ایک توبہ کہ اس کو نعمت ہدایت سے مشرف فرمایا ہے یعنی اپنی راہ کی شناخت کے لیے روحانی آنکھیں اس کو عطا کی ہیں۔ اور علم لدنی سے ممتاز فرمایا ہے۔ اور کشف اور الہام سے اس کے دل کو روشن کیا ہے اور اس طرح پر الہی معرفت اور محبت اور عبادت کا جو اس پر حق تھا اس حق کی بجا آوری کے لیے آپ اس کی تائید کی ہے اور اس لیے اس کا نام مہدی رکھا دوسرا امر جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔ وہ دین الحق کے ساتھ روحانی بیماریوں کو اچھا کرنا ہے۔ یعنی شریعت کے صدمات مشکلات اور مصیبتات حل کر کے دلوں سے شبہات دور کرنا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کا نام عیسیٰ رکھا۔۔۔۔۔ کیونکہ جب اس کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ اسلام کی خوبی اور فوقیت ہر ایک پہلو سے تمام مذاہب پر ثابت کر دے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ علم محاسن و عیوب مذاہب اس کو دیا جائے اور اقامت حج اور اتمام خصم میں ایک ملکہ خارق عادت اس کو عطا ہو اور ہر ایک پابند مذہب کو اس کے تباہی پر متنبہ کر کے اور ہر ایک پہلو سے اسلام کی خوبی ثابت کر سکے اور ہر ایک طور سے روحانی بیماریوں کا علاج کر سکے (اربعین مصلحہ)

سراج منیر ص ۳۶ میں آپ اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں ”یعنی خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے ان پر ظلم ہو اور خدا ان کی مدد کرے گا یہ آیت قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہے اور رسول سے مراد مامور اور فرستادہ ہے جو دین اسلام کی تائید کے لیے ظاہر ہوا۔ اس پیشگوئی کا ماہصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے یہ اس لیے کہ تا اس کے ہاتھ سے دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشنے اور ابتداء میں ضرور رہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو لیکن آخر میں فتح ہوگی اور یہ دین مامور کے ذریعے سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا اور دوسری تمام ملتیں دلائل بینہ کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گی دیکھو یہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئی ہے اور یہ وہی پیشگوئی ہے۔ جو ابتداء سے اکثر علماء کہتے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے حق میں ہے اور اس کے وقت میں یورپی ہوگی اور براہین احمدیہ میں سترہ برس مسیح موعود کے دعویٰ سے پہلے درج ہے۔ تا خدا ان لوگوں کو شرمندہ کرے کہ

جو اس عاجز کے دعویٰ کو انسان کا افترا خیال کرتے ہیں! پس اس آیت کا حضرت مسیح موعود اور مہدی پر الہام ہونا قابل اعتراض بات نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے متعلق تفسیروں میں بھی مذکور ہے کہ اس آیت کا حقیقی مصداق اور اظہار الدین علی الخانی مسیح موعود اور مہدی موعود کے وقت میں ہو گا چنانچہ مولانا اسماعیل صاحب شہید مصیبات امت میں فرماتے ہیں:

قال الله تعالى هو الذي ارسل رسوله يالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله
ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بونوع آمدہ وتمام آن از دست حضرت مہدی واقع خواهد گردید۔ منصب امامت ص ۵۔

چونکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا ہے۔ اور اس آیت میں جس علیہ کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا کمال اور اتمام مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوتا تھا۔ اس لیے اس آیت کا آپ پر الہام انازل ہونا جائز اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۲)

انا اعطيتك الكوثر!

فقہاء مدعیہ نے اس الہام کی بنا پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حوض کوثر جس کی توصیف احادیث میں آتی ہے جسے آنحضرت معلّم نے اپنے لیے مخصوص قرار دیا ہے مرزا صاحب نے اپنے لیے تجویز کیا مختار درجہ کا مقصد اگر عدالت کو مغالطہ دینا نہ ہوتا تو وہ ضرور ایسے اعتراضات سے اجتناب کرتا کیونکہ خود مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حوض کوثر دیا ہے۔ بلکہ آپ نے تحقیق الہامی میں کوثر سے مراد کثرت لی ہے اور اسی الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

”ہم نے کثرت سے تجھے دیا“

چنانچہ یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جب کہ آپ کو یہ مولوی مسلمان سمجھتے تھے اور خود مولوی محمد حسین ثمالوی نے براہین احمدیہ کا ریویو کرتے ہوئے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں اس اعتراض کا مندرجہ ذیل جواب دیا اور آیت نمبرہ کا مخاطب قرآن میں تو وہ (مولف براہین احمدیہ شمس) آنحضرت ہی کو سمجھتے ہیں۔ اور کوثر سے اس آیت میں حوض کوثر میدان محشر (جس کا آنحضرت معلّم کو وعدہ دیا ہے) اور یہ وعدہ آنحضرت کے سوا کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ چہ جائے ولی) مراد خداوندی سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں الفاظ سے خدا تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا تو انہیں (نہ آیت قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھ کر کوثر سے وہ معارف کثیرہ (جو خدا نے ان کو عطا فرماتے ہیں) مراد خداوندی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بصفوہ ۵۱ کتاب ان الفاظ ملہم کا ترجمہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”ہم نے تجھے معارف کثیرہ عطا فرمائے ہیں۔ اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قربانی دے“ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتم ص ۵۸ میں بھی اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

”ہم نے تجھے بہت سے خفائی اور معارف اور برکات بخشے ہیں“

(۳)

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی عدالت کو یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت قرآنی کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ مختار مدعیہ نے دافع البلاء ص ۶ کا حوالہ دیا ہے۔ اور صفحہ ۸ پر جو اس کا ترجمہ درج ہے وہ دانستہ نظر انداز کیا ہے۔ جس پر درحقیقت کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہ ہے۔

”وہ وقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کر دوں گا کہ دنیا بتری حمد و ثنا کرے گی“

حضرت اقدسؒ نے اس کے یہ معنی کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ دگواہان مدعیہ کے مسلم پیشوا شیخ عبدالرزاق قاشانی نے تو مہدی موعود کے لیے بھی مقام محمود تجویز کیا ہے۔ چنانچہ شرح فصوص الحکم میں تحریر فرماتے ہیں: ”فذلہ المقام المحمود“ (شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر ص ۵۵) کہ مہدی کے لیے بھی مقام محمود ہے۔

شیخ اشودخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: ”وہو المقام المحمود الذی لا یشار کہ فیہ لہ من الانبیاء والرسول“۔ الا ولیاء امتہ (مہدیہ مجددیہ ص ۵۷) اور مقام محمود میں آنحضرت صلیم کا انبیاء اور رسولوں سے کوئی شریک اور وارث نہیں ہوتا۔ مگر وہ اولیاء جو کہ آپ کی امت سے ہوں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مقام محمود میں انبیاء و مسلمین سابق تو آپ کے شریک نہیں ہو سکتے۔ مگر آپ کی امت کے اولیاء و شریک ہیں۔ کیا مختار مدعیہ ان بزرگوں کو بھی آنحضرت صلیم کی خصوصیات کا منکر قرار دے کر کلمہ کا منکر، کافر و مرتد اور دلائل اسلام سے خارج ٹھہرائے گا۔

(۴)

وما ارسلناک رحمة للعالمین

اسی الہام سے بھی مختار مدعیہ نے وہی مغالطہ دینا چاہا ہے۔ جو پہلے الہاموں سے۔ گویا حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلیم کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب کر کے کلمہ کی جزو ثانی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ صریح کذب ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ قرآنی آیت کا مصداق آنحضرت صلیم کو ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں :-

”پھر دوسری جگہ فرمایا: وما ارسلناك الا رحمة للعالمين.. یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لیے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلعم تمام دنیا کے لیے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ اور آپ کی حمد و درود تمام دنیا سے ہے۔ نہ کہ کسی خاص قوم سے“ (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۱۱)

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی مہود ہونے کا ہے۔ اور پہلے علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مہدی نبی رسول کریم صلعم کی طرح رحمتہ للعالمین ہو گا۔ چنانچہ علامہ سید محمد شریف محمد بن رسول حسینی برزنجی ثم المدنی اپنی کتاب الاشارة لا شراط الساعة مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶۸ میں لکھتے ہیں:

فالهدى رحمة الله كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الله تعالى وما ارسلناك الا رحمة للعالمين والهدى يقفوا اثره ولا يخطئ فلا بد ان يكون رحمةً بمعنى مہدی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جیسا کہ رسول کریم صلعم خدا کی رحمت تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور مہدی آنحضرت صلعم کے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ بھی رحمت ہو۔ اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے توجو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتدا اور پیشوا ہیں۔ علماء اسلام کو بھی رحمتہ للعالمین میں شریک سمجھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”لفظ رحمة للعالمين صفت خاصه رسول الله صلى الله عليه وسلم کی نہیں ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء و دیگر علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہذا اگر دوسرے کے لیے اس لفظ کو بتدوین بول دے تو جائز ہے۔ فقط بندہ رشید احمد (فتویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۱)

اب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے تخی میں جو ان کا مقتدا ہے۔ اور خاتم الاکابر اور خاتم المحدثین ہے۔ دیکھو مرتبہ شیخ الہند محمود حسن بردقات مولوی رشید احمد صاحب کا زور مرتد اور کلمہ کی جزوغاتی کے شکر ہونے کا فتویٰ دے گا۔ کیونکہ مختار مدعیہ جس بات کو آنحضرت صلعم کی صفت خاصہ بتاتا ہے۔ اس کے سب سے بڑے مقتدا نے اس کے متعلق صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے۔ کہ لفظ رحمتہ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ افسوس کہ مختار مدعیہ کو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم نہیں آتی۔ اور نہ آپ کی وہ خصوصیت جو قرآنی آیت میں مذکور ہے۔ زائل ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کے مصداق آنحضرت صلعم کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ہوئے ہیں۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ وہ بلا ریب حسب مراتب رحمتہ للعالمین ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ نے اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ اور ہم نے دنیا پر رحمت کرنے

کے لیے تجھے بھیجا ہے، (داربعین ۳، ۲۵۷) اور دوسرا ترجمہ یہ کیا ہے، میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تاسب لوگوں کے لیے رحمت کا سامان پیش کروں، (البشری جلد ۱ ص ۳)

(۵)

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی يحبکم الله

مختار معنیہ کے اس الہام پر اعتراض کا بھی یہی جواب ہے۔ کہ قرآن مجید میں اس آیت میں آنحضرت صلعم ہی مراد ہیں لیکن اس الہام میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ کہ وہ آپ کی پیروی کریں۔ کیونکہ آپ آنحضرت صلعم کی پیروی ہرگز محبت کے درجہ تک پہنچے ہیں۔ اس لیے آپ کی پیروی آنحضرت صلعم کی پیروی ہے جیسا کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے علم الکتاب صفحہ ۶۱ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ فمن اطاعک فقد اطاع الله والرسول کہ جس نے تیری اطاعت کی اس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی۔ اور مولوی محمد حسین شاہی اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں اس الہام کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنی "قرآن میں وہ (مؤلف برائین) ایسی سمجھتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت کے خطاب میں ہے۔ اور اس میں آنحضرت کا اتباع امت پر لازم کیا گیا ہے۔ اور جب ان ہی الفاظ سے خدا نے ان کو مخاطب کیا تو ان الفاظ میں (تہ قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اتباع سے اتباع آنحضرت صلعم مراد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۶۴ کتاب ان الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم خدا سے محبت رکھنے ہو تو میری پیروی کرو یعنی اتباع رسول مقبول کرو تا خدا تم سے بھی محبت کرے (اشاعت السنۃ جلد ۱ ص ۲۱۹)

پس اصل بات یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے فرمان۔

یک قدم دوری ازاں عالی جناب نود ما کفر است و خسران و تباہ

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے ہیں اس لیے آپ کی پیروی عین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے چنانچہ فرمایا ہے یا کہ مؤلف کو محض برکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل یہ منصب عطا ہوا ہے (اشاعت السنۃ جلد ۱ حاشیہ صفحہ ۲۲۰)

نیز فرماتے ہیں، سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لیے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولانا خیر الانبیاء و خیر الوری حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲) اور اس الہام میں مولویوں کی تکفیر کا رد بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نشان آسمانی بار دوم صفحہ ۳۵ میں اس الہام کو ذکر کر کے فرماتے ہیں، اور ایک طرف مولوی لوگ فتوے لے پڑھتے لکھ رہے ہیں۔ کہ

اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور ایک طرف خدا تعالیٰ اپنے اس الہام پر موزوں زور دے رہا ہے، یعنی نفاذیقین کو اس الہام میں جواب دیا گیا ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق اور اس کا شیدائی ہے اس لیے اس کی پیروی اور اس کی تقلید انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

(۶)

مَا سَمِيَتْ اِذْ رَمِيَتْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ سَمِيَّ

نمنا مدعیہ نے اس الہام پر جو اعتراض کیا ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے۔ کہ قرآن مجید میں یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی حق میں ہے اور جس واقعہ کی طرف آیت قرآنی میں اشارہ ہے اس الہام میں اس واقعہ کی طرف ہی اشارہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

”ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھائی۔ اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پھینچا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہو گئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کی طرف اللہ جلشانا اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا تو نے نہیں پھینکا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا یعنی درپردہ الہی طاقت کام کر گئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔ (آئینہ کلمات اسلام ص ۶۷) اور اپنے الہام کی بے شریح فرمائی ہے۔

۳۱۰۰ مارمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی (تشریح) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اس سے اشارہ ان اشتہارات کی طرف معلوم ہوتا ہے جو حال میں شائع ہو رہے ہیں۔ (البشری جلد ۲ صفحہ ۹ بحوالہ بدر جلد ۱ ص ۱) پس یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کو اپنی طرف منسوب کر لیا بالکل غلط اور محض بہتان ہے۔

(۷)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ !

نمنا مدعیہ کا اس الہام پر بھی وہی اعتراض ہے جو پہلے الہاموں پر کیا ہے۔ اس لیے ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے مصداق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام سے یہ مراد ہے کہ آپ کے الہامات خدا کی طرف سے ہیں چنانچہ آپ الہام کا ترجمہ اس سے پہلے دو الہاموں کے ساتھ

یہ کرتے ہیں۔ پس تم قرآن کو چھوڑ کر کس حدیث پر چلو گے۔ ہم نے اس بندہ پر رحمت نازل کی ہے۔ اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے (البعین جلد ۳ صفحہ ۳) اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین لازم نہیں آتی۔ بلکہ آپ کی فیضیت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی اولاد روحانی آپ کے نقش قدم پر چل کر اور آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر ایسے مقام پر پہنچتی ہے۔ اور عالی شان مرتبہ پائی ہے جس میں ان کی وحی شیطانِ دُخُل اور خواہشاتِ نفسانی سے بالکل منترہ کی جاتی ہے۔ اور یہ مقام علی قدر مراتب آنحضرت صلعم کے بعد اولیاء کو ملتا رہا ہے۔ چنانچہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: الہام خاص آنست کہ او سبحانہ، بر بندگان خاص در حالت قرب مع اللہ باقلوب الیشاں بے دخل تکرور اندلبشہ دے تو وسط عواس دیگر بالقائے رحمانی سے اندازہ در زمانی نفوس الیشاں کلمات بے صدائے خود میسر آید۔ لیکن اولیاء و اہل حال دائم مبینہ و وسیع گاہ خود در میان نمے باشند و آئینہ وار مرتبہ ما بینطق عن الہوی مے گردند دہمہ کلمات چنین اشخاص الہامات الہی است ذاتی از مشاہدہ و آگاہی یا بعض اوقات بوساطت ملائکہ باواز صوت ہم پیغام خود حق سبحانہ باولیاء خویش سے رساند و ایں را آواز سروش نیز مے خوانند و احساس ایں صدائے سروش گاہ گونش ظاہری ہم کردہ مبینہ و اکثر ہم گونش باطن مے شنود (علم الکتاب ص ۷۲) یہ جب مقام حسب مراتب پہلے اولیاء کو ملتا رہا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مقام کے فائز ہونے پر اعتراض کیا معنی؟ اس کو کلمہ کے خلاف بتانا ہے؟

(۸)

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اس الہام پر مختار مدعیہ کے اعتراض کا جواب بھی وہی ہے۔ کہ قرآن مجید میں خطاب تو آنحضرت صلعم کو ہی ہے اور قرآن مجید کی آیت میں اور معنی ہیں اور اس الہام میں اور معنی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام یہ ہے۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ إِنَّهُ أَوْى الْقُرْبِيَّةَ لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهْلَكَ الْمَقَامُ (دافع البلاء صفحہ ۶) اور اس کا ترجمہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ خدا ایسا نہیں کرتا دیان کے لگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس کی تباہی سے بچائے گا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا۔ اور تیرا اکرام نہ نظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا (دافع البلاء صفحہ ۶)

پس آیت قرآن مجید جو آنحضرت صلعم کے متعلق ہے اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور اس الہام سے قادیان کے باشندے مراد ہیں۔

(۹)

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ

مختار مدعیہ کے اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ مختص ہے۔ اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ اور ہے۔ چنانچہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کرایا۔ یعنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے۔ معرفت اور یقین تک لڈنی طور پر پہنچایا (البشری جلد ۱ صفحہ ۲۸)

اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۸۵ پر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: ایک ہی رات میں سیر کرانے سے مفقود ہے کہ اس کی تمام تکمیل ایک ہی رات میں کر دی اور صرف چار پہر میں اس کے سلوک کو کمان تک پہنچایا۔ پس آنحضرت صلعم کا اسراء اور رنگ کا ہے۔ جس کا آیت قرآن میں ذکر ہے۔ اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ اور قسم کا ہے۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے متعلق بھی اہل کتب کے کلام سے کھل جو کمالات اوروں کو سا لہا سال میں پیش آتے ہیں۔ حضرت کو آنا فانا البیر محبوبی و مرادی حاصل ہوئے، سوا انحضری امام ربانی مولفہ محمد حسین ابی قدوة الراسخین حضرت مولانا مولوی شیخ قادر بخش صاحب مطبوعہ لاہور ص ۱۱۱

(۱۰)

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کو بھی مختار مدعیہ نے قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ مالا محکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح میں فرما دیا ہے۔

”ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائکہ کو اس کے مفاسد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں بیدار جاتی ہیں۔ پس یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۹) گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان آسمانوں سے مراد روحانی آسمان لیتے ہیں جو ہر عظیم الشان مصلح کے وقت پیدا ہونے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل مصداق لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہی ہے کیونکہ آپ نوع انسانی کے جو کہ اشرف انواع مخلوقات ہے۔ اکل اور اعلیٰ فرد ہیں۔ جس پر تمام کمالات انسانی کا خاتمہ ہے۔ لیکن ظلی طور پر جو اپنے اندر آنحضرت صلعم کے کمال رکھتا ہے وہ بھی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ کا ظلی طور پر مصداق ہو

جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنيا
 رسالتی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵) اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ان الفاظ سے آئی ہے۔ قال لزوال الدنيا اھون علی اللہ
 من قتل مؤمن بغير الحق اس کی شرح میں علامہ سندھی یہ قول درج کرتے ہیں۔

” المراد بالمؤمن الکامل الذی یکون عارفاً باللہ تعالیٰ وصفاته فانہ المقصود
 من خلق العالم لکونہ مظهرًا لآیات اللہ و اسرارہ وما سواہ فی هذا العالم الحسبى
 من السموات والارض مقصود لاجلہ و مخلوق لیکون مسکنًا لہ و محلًا لتفکرہ و نصار
 ذوالہ اعظم من زوال التابع ۲“ ابن ماجہ جلد ۲ مصری حاشیہ صفحہ ۷۰

کہ حدیث میں مؤمن سے کامل مومن مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا عارف ہو۔ کیونکہ پیدائش عالم سے وہ
 ہی مقصود ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اسرار کا مظہر ہے۔ اور اس کے علاوہ جو عالم محسوسات میں زمین و آسمان
 ہیں اس کی خاطر ان کے بنانے کا مقصد کیا گیا اور اسی سببہ پیدا کئے گئے کہ تادہ کامل مومن کا جائے سکونت اور محل تفکروں
 لہذا کامل مومن کا زوال اعظم ہے۔ تاہم کے زوال سے۔

پس مذکورہ بالا الہام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث اور مذکورہ بالا شرح کی روشنی میں کسی قسم کا کوئی
 اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اس موقع پر یہ کہ دنیا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مختار مدعیہ تو اس امر کو آنحضرت صلعم کی خصوصیت قرار دے کر اس میں کسی
 اور کا اپنے آپ کو شریک بنانا خواہ وہ ظلی طور پر ہی کیوں نہ ہو کفر اور ارتداد قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے مسلم مقتدا و پیشوا
 و خاتم المرسلین جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرسے سے اس حدیث کی صحت ہی کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ اسکے
 منقول ایک سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ اول ما خلق اللہ نوسری اور لولاک لسا
 خلقت الانلاک صحیح حدیثیں ہیں یا وضعی اکو وضعی بتاتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں یہ حدیثیں
 کتب صحاح میں موجود نہیں مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اول ما خلق اللہ نوسری کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل
 ہے۔ فقط اس سے ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک نہ تو یہ حدیث صحاح میں ہے اور نہ اس کی کچھ
 اصل ہے۔ سب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب کو حدیث لولاک کی صحت ہی کے منکر ہیں اور اس کو وضعی اور
 بے اصل سمجھتے ہیں کلمہ کی جزئی ثانی کا منکر قرار دے کر ان پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ دے گا؟

عجینیت کا دعویٰ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار

مختار مدعی نے حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۶۲ سے مذکورہ بالا الہام پیش کر کے کہا ہے کہ (حضرت امیر صاحب نے صفات میں شرکت پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آنحضور کی ذات میں بھی شرکت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ملاحظہ ہو حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۶۲۔ کہ اس وحی میں میرا نام مہر رکھا گیا۔ اور رسول بھی۔ یہ بھی مختار مدعی کا ایک مغالطہ ہے درند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی جانتا ہے کہ آپ نے کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ میں جہانی لحاظ سے وہی محمد ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آئے تھے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ میں ظلی اور برزوی طور پر وہی محمد ہوں۔ میں ان کا خادم ہوں اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ اور میں آپ کا ظل ہوں اور آپ اصل ہیں یعنی میں آپ کی خدمت نہ اگر دی اور آپ کی اتباع میں اس قدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک غلطی کے ازالہ میں ہی مصرح ہے جس کا حوالہ مختار مدعی نے دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ماتھے پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مستحکم ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔ یعنی جیسا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔ اور فرماتے ہیں: خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طور سے خاتم نبیین کی مہر نہیں ٹوٹی (حقیقت النبوۃ ص ۲۶۵)

گواہ ملے نے اپنے بیان میں اس سوال کا جواب مفصل دے دیا ہے۔ اور علماء و سلف کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ جب انسان اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہو کر روحانی گواہ دیتا ہے۔ تو اس وقت اتحاد محب و محبوب ہوتا ہے۔ اور اس مشابہت نامہ کی وجہ سے اس کو محبوب کا نام دیا جاتا ان کے اتحاد کی دلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ مقامات امام ربانی صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے یہ حقیقت محمدی یہ مقام محبت و محبوبیت ممتازہ ذاتیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس مقام میں تابع کو اپنے مقبوع سے ایسی مشابہت و مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ گویا منبیت درمیان سے اٹھ گئی اور امتیاز تابع و مقبوع نائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسا ستونہم ہوتا ہے۔ کہ گویا تابع و مقبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پیئے ہیں۔ ہر دم آغوش یک کندہ

ایک بستر میں گزرایع اپنے میں طبعی اپنے مقبول کا جانتا ہے۔
 اور مہدی کے متعلق تو لکھا ہے کہ اس کا باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔ (شرح فصوص الحکم ملبوم مصر ص ۵۲ و ۵۳) اور
 اسی طرح مولانا عبدالعلی صاحب بحر العلوم نے لکھا ہے :-

”بایزید چون قطب وقت بود عین رسول علیہ السلام بود۔ چرا کہ قطب نے باشد مگر بقطب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دہر کر قطب
 کسی بود عین آنکس است“ (مثنوی دفتر چہام حاشیہ ص ۱۵۱)

اب کیا مختار مدعی بحر العلوم مولانا عبدالعلی صاحب کو بھی جو بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو عین محمد کہہ رہے ہیں کا فروم تدار و دائرہ
 اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دینے کی جرأت کرے گا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میان گواہ ص ۱۱۳ تا ۱۱۶)

(۱۲)

شعر

مختار مدعی نے عینیت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر تریاق القلوب سے پیش کیا

ہے۔

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا
 منم محمد و احمد کہ محبتے باشد

اور اس شعر کو آنحضرت صلعم کی توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس شعر سے نہ تو عینیت کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اور
 نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین۔ کیونکہ اس شعر میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے۔ کہ میں مسیح بھی ہوں۔ اور
 خدا تعالیٰ مجھ سے کلام بھی کرتا ہے اور بروزی طور پر میں محمد و احمد بھی ہوں جیسا کہ آپ نے دوسرے مقامات میں تشریح
 فرمائی ہے۔ کہ محمد و احمد کا نام خدا کی طرف سے مجھ کو بروزی طور پر عطا کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا خادم اور آپ کا قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اسی قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں :-

پناہ بیضیہ اسلام آں جواں مرد لیست
 کہ خون بدل ز پئے دین مصطفیٰ باشد !
 بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبے خواہم !

مگر اعانت اسلام مدعا باشد ! (تریاق القلوب ص ۳۵)

چنانچہ اس کی تائید تریاق القلوب صفحہ ۷ سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں آپ فرماتے ہیں :-

”اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو۔ اور اے تمام وہ انسانی رگو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو۔ میں پورے نور
 کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے۔“

جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال و تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے۔ کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔ اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۸۹ میں فرماتے ہیں یہ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قائم نبوت میں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے۔ پس قائل کی تشریحات کے خلاف اس کے قول کی تشریح کرنا کسی طرح جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

یہ سب الہامات جو مختار مدعیہ نے بطور اعتراض پیش کیے ہیں اور ان سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو کلمہ کی جزو ثانی سے انکار کو مستلزم ہیں ان سب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں جس میں یہ الہامات درج ہیں یہی شبہ پیش کر کے جواب رقم فرمایا ہے۔

”اس جگہ یہ دوسو سوال میں نہیں لانا چاہیے کیوں کہ ایک ادنیٰ امتی آل رسول مقبول کے اسما و یا صفات یا اعمال میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت کے کمالات قدسیہ سے شریک و مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو مگر اسے طالب حق ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس فرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہریوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو لازم دلا جو اب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے اشتہام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور نڈل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصطفیٰ شیشہ کی طرح پکا اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ مجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ یا کچھ اتنا اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرتجع نام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کمال ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی طور پر کمال طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳

اور فرماتے ہیں ان کمالات کا حاصل مطلب تملقات اور برکات الہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کمال مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے

سب لمقبلی ہیں۔ اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے الہامات میں کی جائے۔ وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے۔ اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لیتا ہے۔ اور وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے لطف و احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت و خوبی سے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در ماہ شہر ۱۳۸۹ھ)

اور آپ اپنے الہام کل بركة من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم و تعلم کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پرہیزگار الہام کشف و غیر و نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے۔ (انزال الہام ص ۲۲۲)

اور فرماتے ہیں: خداوند کریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے وظائف سے خاص کیا ہے اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور بہت سے اسرار مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے۔ اور بہت سے حقائق و معارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پُر کر دیا ہے۔ اور بارہا بتلادیا ہے کہ یہ سب علیات و غیبات اور بہت سب تفضلات و احسانات اور یہ سب تملطاف و توجہات اور یہ سب انعامات و تائیدات اور یہ سب مکالمات و مخاطبات ہیں۔ متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلعم ہیں۔

جمال ہم نشین و رمن اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(براہین احمدیہ ص ۵۴)

آپ کی متعدد تصدیقات سے ظاہر ہے کہ آپ پر ان انعامات کا نزول برکت متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مخدوم اور مقبول ہیں اور آپ ان کے خادم اور تابع ہیں۔

دوسرا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے الہامات اپنی کتاب اربعین نمبر ۲ اور انجام آتم میں تحریر فرما کر مخالفین کو مباہلہ اور بالقابل دعا کرنے کے لیے دعوت دی ہے۔ چنانچہ الہام الامراض و السماء معك كما هو معي۔ اربعین ص ۲ و انجام آتم ص ۱۵ میں۔ اور انت منی بمنزلۃ توحید و تفردی و تفردی اربعین ص ۲ و انجام آتم ص ۱۵ اور انت اسمی الاعلیٰ اربعین ص ۲ اور انت منی بمنزلۃ لا یعلمہا الخلق اربعین ص ۲ و انجام آتم ص ۱۵ اور کان اللہ نزل من السماء انجام آتم ص ۶ اور انتا فتحناک فتحاً مبیناً اربعین ص ۲ اور انجام آتم ص ۵ اور هو الذی ارسل رسولہ بالهدای و دین الحق لیتطہرک علی الدین کلہ

اربعین ۲ ص ۵ اور انجاء آتھم ص ۵ اور انا اعطيناك الكوثر
اربعین ۲ ص ۳ و انجاء آتھم ص ۵

وما ارسلناك الا رحمة للعاملين اربعین ۲ ص ۳ اور
قل انكنتم تحبون الله اربعین ۲ ص ۲ و انجاء آتھم
ص ۵ اور

سبحان الذي اسرى بعبدك انجاء آتھم ص ۵ اور
ما ينطق عن الهوى - (اربعین ۲ ص ۳ میں مندرج ہیں)

اور ان تمام الہامات پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

”انجاء آتھم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الہامات مع دیگر الہامات کے لکھ کر مولویوں کو مباہلہ کے لیے بلا یا ہے۔ اور جن لوگوں کو دعوت مباہلہ دی گئی ہے ان میں سے چھتے نمبر پر دیوبندیوں کے مقتدی خاتم المخدثین مولوی رشید احمد گنگوہی کا ذکر ہے۔ اور مباہلہ کا طریق بھی اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔“

”تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کے پرچہ کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میران مباہلہ میں حاضر ہوں گا اور دعا کروں گا کہ یا الہی اگر یہ الہامات میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی اقترا ہے۔ اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا اگر شیطان و وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو۔ اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک کہ موت آجائے۔“

”نابھری ذلت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنے سے بچ جائیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تیرے بندے فتنہ اور ضلالت میں پڑیں۔ اور ایسے مقتدی کا ترا ہی بہتر ہے۔ لیکن اسے خدائے عظیم و خیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں۔ اور تیرے موتمہ کی باتیں ہیں۔ تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مغلوب اور کسی کو مجنون اور کسی کو مہر دہ اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دو روز فریٹ کہیں۔ آمین۔“

ایسا ہی فریٹ تانی کی جماعت میں سے ہر شخص جو مباہلہ کے لیے حاضر ہو جناب الہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدا ہے
و خیر ہم اسی شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے، درحقیقت کذاب اور مضری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت
کذاب اور مضری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی اقترا ہے۔ تو اس آیت
پر یہ احسان کر کہ اس مقتدی کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے تا لوگ اس کے فتنے سے امن میں آجائیں۔ اور اگر یہ فتنہ

اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام اہام تیرے ہی منہ کی پاک باتیں ہیں۔ تو ہم پر جو اس کو کافر اور کذاب سمجھتے ہیں دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر اور کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مغلوب اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کاشکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب یہ دعا فریق ثانی کر چکے تو دو تو فریق کہیں کہ آمین ۵

اور اس مبارک کے بعد اگر میں ایک سال کے اندر مر گیا یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں جان بُری کے آثار نہ پائے جائیں تو لوگ میرے فتنے سے بچ جائیں گے اور میں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤں گا۔ اور میں ابھی لکھ دیتا ہوں کہ اس صورت میں مجھے کذاب اور مورد لعنت الہی یقین کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جاوے کہ جب تمام لوگ جو مبارک کے میدان میں بالمقابل آدیں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کذاب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار۔ اور پھر ان کے ہاتھ پتھر تو بہ کر دوں گا۔ اور اگر میں مر گیا تو ایک خمیٹ کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈا اور آرام ہو جائے گا۔

گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مبارک میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور نہ یوں کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو۔ اور اے مومنو! برائے خدا تم سب کہو کہ آمین ۵
(انجام آتم ص ۶۵-۶۷)

اس دعوت کے مقابلہ میں مولویوں نے سکوت اختیار کیا اور مبارک کے میدان میں نہ نکلے اور اپنی خاموشی سے اور اس میدان مبارک سے پیٹھ دکھا کر ان الہامات کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے پر مہر کر دی۔ اس دعوت پر پانچ سال گزرنے کے بعد پھر آپ نے اربعین ۲ میں اپنے الہامات تحریر کر کے دعوت دی کہ وہ امر نسر یا جلالہ میں ایک جلسہ کریں اور جس قدر ہو سکے معزز علماء اور دنیا دار جمع ہوں۔ اور متصرفانہ صورت میں بنائیں اور کوشش کریں کہ حضور دل سے دعائیں ہوں۔ اور اگر یہ دنیا کے ساتھ ہوں۔ اور علماء میں سے کم از کم چالیس آدمی ہوں کہ چالیس کے عدد کو قبولیت دعا کے لیے ایک با برکت دخل ہے۔ اور میں بھی اپنی جماعت کو لے کر آ جاؤں گا اور ان الفاظ میں دعا کی جائے ۵

”یا الہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص منقرض ہے اور تیری طرف سے نہیں ہے۔ اور نہ مسیح موعود ہے۔ اور نہ ہدی ہے۔ تو اس فتنہ کو مٹاؤں میں سے دور کر اور اس کے شر سے اسلام اور الہام کو بچا لے۔ اور جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب کو اور اسود عقیس کو دنیا سے اٹھا کر مٹاؤں کو ان کے شر سے بچا لیا۔ اور اگر یہ تیری طرف سے ہے۔ اور ہماری عقلوں اور فہموں کا تسور ہے تو اسے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما ہم ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کریں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ اور جب یہ منام دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہے ۵

اس کے بعد میں اسی رسالہ کو جس میں میرے الہامات درج ہیں ہاتھ میں لے کر مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کروں گا۔
 ”کہ اسے خدا اگر یہ تیرا کلام نہیں ہے۔ اور میں تیرے نزدیک کا ذب اور منقری اور دجال ہوں۔ جس نے امت محمدیہ میں
 فتنہ ڈالا ہے۔ اور تیرا غضب میرے پر ہے۔ تو میں تیری جنابت کی تضرع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے
 اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال۔ اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کر دے۔ اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال۔
 اور اگر میں تیری طرف سے ہوں۔ اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں۔ تو اسے فادر کریم اسی سال میں میری جماعت کو ایک فوق
 العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما۔ اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائیدات نازل کر۔ اور
 جب دعا ہو چکے تو تمام مخالفت جو حاضر ہوں آئیں کہیں۔“

اسے نرگو! اور قوم کے مشائخ اور علماء عصر میں آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اس درخواست کو ضرور قبول
 فرمائیں۔ کیونکہ اس دعا کا نفع نفعضان کل میری ذات تک محدود ہے۔ مخالفین پر اس کا کچھ اثر نہیں۔
 مگر علماء و اسی طریق پر فیصلہ کرنے کے لیے بھی نیا رتہ ہوئے اور اپنے فرار سے ثابت کر دیا کہ وہ الہامات جن پر فخر و مدیہ
 نے اغراضات کئے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

تیسرا جواب

براہین احمدیہ جب شائع ہوئی اس پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریویو لکھا اور مطالب خلاصہ کتاب جس میں ایک عنوان
 مولف الہامات بھی ہے لکھ کر ان الفاظ میں اس کتاب پر اپنی احمدیہ کی تعریف کی۔ اور یہ عبارتیں میں صرف اس امر کے اثبات
 کے لیے پیش کرتا ہو کہ جو الہامات براہین احمدیہ میں درج ہیں قابل اعتراض نہیں کتاب کی توثیق مقصود ہے۔
 یہ اس کتاب کا خلاصہ مطالب ہے اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔
 ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی
 اور آئندہ کی خبر نہیں۔ بعد اللہ یحیٰ بعد ذلک امر اور اس کا مولف بھی اسلام کی مانی و جانی و قلبی و لسانی و حالی و ذالی
 نصرت میں ایسا اثبات قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایسی مبالغہ
 سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتاویں جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم
 صلح سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہے ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصاف اسلام کی نشان دہی کریں جنہوں
 نے اسلام کی نصرت، مانی و جانی و قلبی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے
 مقابلہ میں مردانہ تہمتی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس اگر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے
 اس تجربہ و مشاہدہ کا اتمام نہیں کرے گا اور بھی چکھا دیا ہو۔ (اشاعت السنۃ، جلد ۱، صفحہ ۷۹)

مولف براہین احمدیہ کے الہامات بریک دو مولویوں نے اعتراض کئے تھے۔ جن کا مولوی محمد حسین بٹالوی نے مفصل اور

اور مدلل جواب دیا اور کہا کہ ایسے الہامات کا ہونا جائز ہے۔ اور اسی کتاب میں یہ الہامات بھی مندرج ہیں۔ جن پر مختار مدنیہ نے اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ البشری میں بحوالہ براہین احمدیہ یہ الہامات درج ہیں ۷

(۱) الارض والسماء معك كما هو معي۔ (البشری ص ۱۸)

(۲) قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے مذہب کی باتیں ہیں۔ (براہین احمدیہ)

(۳) دینا عاج۔ (البشری ص ۲۳)

(۴) انت مني بمنزلة لا يعلمها الخلق۔ ص ۴۶

(۵) كان الله نزل من السماء به الهام ۱۸۸۵ء کا ہے البشری جلد ۱ ص ۶

(۶) انا فتحنا لك فتحاً مبيناً۔ البشری ص ۱۳ اور ص ۳۷

(۷) هو الذي ارسل رسوله بالهدى۔ البشری ص ۱۲

(۸) انا اعطيناك الكوثر۔ البشری ص ۳۸

(۹) عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً۔ البشری ص ۱۲ تاریخ نزول الہام ۱۸۸۵ء

(۱۰) وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ البشری ص ۳۰

(۱۱) قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔ البشری ص ۱۲

(۱۲) وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى۔ البشری ص ۱۲

(۱۳) وما كان الله ليعذبهم و انت فيهم۔ البشری ص ۱۳ اور ص ۳۶

(۱۴) سبحان الذي اسرى بعيداً۔ البشری ص ۲۸

(۱۵) محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار۔ البشری ص ۳۷

بلکہ ان کے علاوہ براہین احمدیہ میں اور الہامات بھی اس قبیل سے ہیں۔ جیسے انک علی صراط مستقیم۔

فاصدع بما توأمرو (البشری ص ۲۷) انذار عشرتک الاقربین

ونا فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى (ص ۲۷) انک الیوم لدنیا

مکین امین (ص ۲۷) واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (ص ۳۳)

الم نشرح لك صدرك (ص ۳۵) بیت الفکر بیت الذکر ومن دخله کان ا منا (ص ۴۵)

وغیرہ ہیں۔ لیکن اس وقت ان الہامات کے متعلق علما نے یہ تسلیم کر لیا کہ امت محمدیہ کے ایک فرد پر ان الہامات کا نزول ہو سکتا

ہے۔ اور ایسا ہوتا قابل اعتراض نہیں ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ازالہ اہام کی ایک عبارت کے متعلق عدالت کے سوال

کے جواب میں ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء یہ تسلیم کیا ہے جو کہ جب تک مرزا صاحب نے یہ عبارت لکھی تھی اس وقت تک مرزا صاحب

مسلمان تھے، بس گواہ مدعیہ علیٰ ازالہ ادہام کی تالیف کے زائے تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسلمان ہونا تسلیم کرتا ہے۔ اور مختار مدعیہ علیٰ نے بھی دس اکتوبر کو بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے ”وہ کفریات جو حقیقت الوحی سے پیش کی ہیں۔ اگر وہ اس وقت دینی خواجہ غلام فرید صاحب کے وقت موجود تھیں تو یہ شہادت صحیح ہے۔“

چونکہ ہم نے ان الہامات کا جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کفر ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے، براہین احمدیہ اور ان کتب سے ثابت کر دیا ہے۔ جو خواجہ صاحب کی زندگی میں شائع ہوئیں۔ لہذا گواہ مدعیہ علیٰ اور مختار مدعیہ کے اقراروں کی بنا پر یہ الہامات قابل اعتراض نہیں ہیں۔

ہوئے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
ذلیخاتے کیا خود پاک دامن ماہ کنناں کا

ملائکہ

مختار مدعیہ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملائکہ کو ارجح کو اکبانتے میں شریعت والے ملائکہ کو جن کے متعلق قرآن مجید میں عباد مکرمون وارد ہے نہیں آتے کیونکہ عید کا لفظ ذوالعقول پر اطلاق پاتا ہے۔ لہذا جو شخص ملائکہ کو ارجح کو اکبانتے اور ان کے وجود فی الخارج کا منکر ہو اس کا ملائکہ پر ایمان کیا؟ اور وہ کیسے مومن کہلا سکتا ہے۔ مگر یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح منالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے آپ فرماتے ہیں:

(۱) از ملائک راز خیر بائے معاو
آن ہما از حضرت احدیت است !
آنچہ گفت آں مرسل رب العباد
منکر آں مستحق لعنت است

(سراج منیر)

(۲) تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں راز دار (برائین حصہ پنجم)

(۳) اسے میرے مولا نواب فرج ملائک کو اتار (برائین حصہ پنجم)

(۴) ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حتیٰ حشر اجداد حق اور جنت حق اور دوزخ حق ہے (ایام الصلح صفحہ ۸۶)

(۵) واعتقد ان لله ملائکة مقربین لكل واحد منهم. مقام معلوم آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۴

یعنی میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ خدا کے مقرب فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک معین مقام ہے۔

(۶) فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیر اس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اور ہر ایک تاثیر کو خدا تعالیٰ

کے ارادہ سے باہر ماننا پڑتا ہے۔ اور فرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں۔ جو خدا کے حکم سے کام کر رہے ہیں پس جب کہ بیوقوفان مزدوری اور مسلم ہے۔ تو پھر جبرئیل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جائے۔ (حاشیہ معرفت ص ۱۳۱ مطبوعہ ۱۹۷۸ء) اور عجیب بات ہے کہ مختار مدعیہ نے جس کتاب توضیح مرام سے فرشتوں کا انکار نکالا ہے۔ اس میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

”قرآن شریف نے جس طرز سے ملائک کا حال بیان کیا ہے۔ وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور جزاں کے ماننے سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ (توضیح مرام ص ۳ طبع دوم) اور فرماتے ہیں: ”وما منا الا له مقام معلوم وانا لحن الصافون۔“

”فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ بھی آگے پیچھے نہیں ہونے جب کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ”وما منا الا له مقام معلوم وانا لحن الصافون“ (توضیح مرام ص ۳۲)

اور فرماتے ہیں:

”ملائک کو اس معنی سے ملائک کہتے ہیں کہ وہ ملائک اجرام سماویہ اور ملائک اجسام الارض ہیں یعنی ان کے قیام اور بقا کے لیے ارواح کی طرح ہیں۔ اور نیز اس معنی سے بھی ملائک کہتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔ (توضیح مرام ص ۳۳) اور ملائک کو روح کی طرح کہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ مراد نہیں کہ فی الواقعہ وہ روحیں ہیں اور ان کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ روح کی طرح سے مراد یہ ہے کہ ملائک کو ان نورانی اور روشن ستاروں سے ایک جھول اگتہ تعلق ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:-

”میں اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت۔ ذری و نفوس طیبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہوں گے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے شانہ جان رکھتا ہے۔ بلکہ ان نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے۔ روشن ستاروں کے ساتھ ایک جھول اگتہ تعلق ہے۔ اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کیا جائے تو پھر ان کے تمام قوی میں فرق پڑ جائے گا۔“

انہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں اور جیسے خدا تعالیٰ تمام عالم کے لیے بلور جان کے بے ایسے ہی (مگر اس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں ہے) وہ نفوس نورانیہ کو اکب اور سیارات کے لیے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں۔ (توضیح مرام ص ۳۴ ص ۳۵)

اور توضیح مرام صفحہ ۶۸ پر جو آپ نے فرمایا ہے۔ ”مثلاً جبرئیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک

نہایت روشن نیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو کئی قسم کی خداتہ سپرد ہیں بن میں سے ایک دہی کرنا بھی ہے، تو یہاں بھی تعلق سے آپ کی مراد ایسا ہی تعلق ہے۔ جو فرشتوں کو دوسرے اجسام سے ہے۔ چنانچہ آپ توضیح مرام صفحہ ۸۳ میں فرماتے ہیں۔

”نیسرا کام جبرئیل کا بیہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح عوج میں آکر اس کلام کو دل کے کالوں تک پہنچاتا ہے۔ یا روشنی کے پیرا میں افروختہ ہو کر اس کو نظر کے سامنے کودیتا ہے۔ یا حرارۃ مخرقہ کے پیرا یہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلا آتا ہے۔“

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سورج نہیں ہے۔ بلکہ سورج کے علاوہ ایک اور وجود ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ فرماتے ہیں۔

”خدا تعالیٰ نے فرشتوں کا نام مدبریات و مقدمات امر رکھا ہے۔ اور ہر ایک عرض اور جوہر کے حدوث و قیام کا وہی موجب ہیں۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے عرش کو بھی وہی اٹھائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان محل فتنس لہما علیہا حافظ سے کلی طور پر فرشتوں کا نظریہ ہر ایک چیز پر ثابت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے بعض مقامات میں رمی شہب کا فاعل فرشتوں کو ٹھہرایا اور بعض دوسرے مقامات میں اس رمی شہب کا فاعل ستاروں کو ٹھہرایا کیونکہ فرشتے ستاروں میں اپنا اثر ڈالتے ہیں جیسا کہ جان بدن میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ملائکہ کو اجرام سماوی بلکہ بعض فرشتوں کو جو عنصریوں ہیں۔ عناصر اور اجرام سماوی سے ایسا شدید تعلق ہے۔ جیسا کہ ارواح کو توالب کے ساتھ ہے۔ یہ تو پتہ ہے۔ کہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ آسمان پر ایک مستقل وجود رکھتے ہیں مگر کیا۔ یہ دوسری بات بھی اسی کتاب عزیز کی رو سے سچی ثابت نہیں ہونی کہ ملائکہ کا تعلق ہر ایک اجرام سماوی سے ایک حافظانہ تعلق ہے اور ہر ایک ستارہ اپنے بقا اور قیام اور صدور افعال میں ملائکہ کی تابعدار کا محتاج ہے۔ انہوں کو یہ لوگ جو اپنے نفس مولوی کہلاتے ہیں یوں تو مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے بڑے سرگرم ہیں مگر قرآن کریم کی تعلیم مبارکہ حلیہ کو تدبر اور تعمق کی نظر سے نہیں دیکھتے پھر جنی کے سمجھنے میں کیونکہ کامیاب ہوں۔“

(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸)

اور فرماتے ہیں

”واضح ہو کہ یہ خیال کہ فرشتے کیوں نظر نہیں آتے بالکل عبث ہے۔ فرشتے خدا تعالیٰ کی طرح ایک نہایت لطیف وجود رکھتے ہیں۔ پھر کس طرح ان آنکھوں سے نظر آسکیں۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۳۸)

ان تمام مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک فرشتے دراصل کوآب کی ارواح کا نام نہیں ہے۔ اور ان کے لیے روج یا جان کا لفظ جو استعمال کیا ہے۔ تو وہ صرف اس لیے استعمال کیا ہے۔ تا ستاروں کے ساتھ ان کا شدید تعلق ظاہر ہو۔ اور ان میں جو تبدیلات ہوتے ہیں وہ سب فرشتوں کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی آیت و المستقنت السماء فہی یومئذ واہیہ و المملک علی

ادجائنا و یحمل عرش ربك فوقه یومئذ شمانیة (کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ
 ” درحقیقت آسمان کی بقا و بقاء عرش اور اج کے ہے یعنی ملائک کے جو آسمان اور آسمانی اجرام کے لیے بطور ردوں
 کے ہیں۔ اور جیسے روح بدن کی محافظ ہوتی ہے۔ اور بدن پر تصرف رکھتی ہے۔ اسی طرح ملائک آسمان اور آسمانی اجرام پر تصرف
 رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملائک سماوی انہیں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ سے صدور انعال کو اکب ہے۔ پھر جب وہ ملائک
 جان کی طرح اس قالب سے نکل جائیں گے۔ تو آسمان کا نظام ان کے نکلنے سے درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسے جان کے نکل
 جانے سے قالب کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اور شیخ محمد الدین ابن العربی نے فوئحات کتبہ باب ۶۰ میں سورج اور چاند ستاروں کو فرشتوں کی سواریاں قرار دیا
 ہے۔ اور کہا ہے کہ فرشتہ کے لیے ایک ستارہ ہے جو اس کی سواری ہے۔ اور اس میں وہ خدا کی تسبیح کرنا ہے۔ (الیواقیت
 جلد ۲ صفحہ ۵۵)

اب میں اس اعتراف کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں بھی دے دینا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں
 ” ومن اعترف انهم قالوا ان هذا الرجل يحسب الملائكة ارواح
 الشمس والقمر والنجوم۔ اما الجواب۔ فاعلموا انهم قد اخطاوا في هذا
 والله يعلم اني لا اجد ارواح النجوم ملائكة بل اعلم من ربي ان الملائكة
 مدبرات للشمس والقمر والنجوم وكل ما في السماء والارض وقل قال الله
 تعالى وان كل نفس لمار عليها حافظ وقال والمدبرات امرا ومثل تلك
 الايات كثير في القرآن فطوبى للمتدبرين۔ (حمامة البشرى صفحہ ۵)

” یعنی مخالفین کا یہ اعتراف بھی ہے کہ یہ شخص ملائکہ کو سورج اور چاند اور ستاروں کی ارواح خیال کرتا ہے۔ جو باوجود
 کہ انہوں نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ میں ستاروں کی ارواح کو قرار نہیں دیتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی
 طرف سے مجھے یہ علم دیا گیا ہے کہ ملائکہ سورج اور چاند اور ستاروں اور ہر اس چیز کے جو آسمان زمین میں ہے۔ مدبر ہیں۔ اور
 اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان كل نفس لمار عليها حافظ والمدبرات امرا اور ایسی
 آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ پس سادات ہے نوکر کرنے والوں کے لیے ۱۱

اور مدعا علیہ کے اس سوال کا جو اس نے توضیح مرام کی عبارت کی بنا پر کیا ہے۔ اور جس کا میں نے ابھی جواب دیا
 ہے۔ حضرت اقدس خود بھی جواب دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب ”الذوالہام“ میں مختار مدعہ کے ہم رنگ مولویوں
 کا پہلے سوال درج کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں ۱۱

(سوال) ملائک اور جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اور ان کو توضیح مرام میں کو اکب کی قوتیں ٹھہرایا ہے

”جواب“ یہ آپ کا دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائک اور جبرئیل کے وجود کو اسی طرح مانتا ہے۔ جس طرح قرآن اور حدیث میں وارد ہے۔ اور جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی رو سے ملائک کے اجرام سماوی سے قائمہ تعلقات پائے جاتے ہیں۔ یا جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہا ہے اس کی تشریح رسالہ توضیح مرام میں ہے۔

۵۔ جو بے شک نوری سخن اہل دل گو کہ خطا است
سخن شناس نہ دبر خطا اینجا است

(ازالہ اہام حصہ اول طبع سوم ۱۷۷۷ء)

اب جائے انصاف ہے کہ حضرت اقدس نے توضیح مرام کی عبارت کے متعلق اپنی قطعی و یقینی مراد اس قدر صراحت و وضاحت سے ظاہر فرمادی ہے۔ لیکن باوجود اس کے اس قطعی اور یقینی مراد کو چھوڑ کر عدالت اور سپیک کو متاملہ دینے کے لیے آپ کی عبارت توضیح مرام کلمے کے لیے جاتے ہیں جو قطعی و یقینی طور پر غلط ہیں اور پھر اپنے ان خود تراشیدہ لغو و باطل معنی کی بناء پر کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت مختار مدنیہ کی جو گواہ مدنیہ ۲۷ بھی ہے۔ اور ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند بھی یہ چکا ہے۔ ایک عبارت یاد آگئی جو اس نے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے لیے لکھی تھی۔ میں حسب ضرورت موقع صرف ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اس کو پیش کر دینا مناسب وقت سمجھتا ہوں کہ حقیقتاً وہ اسی موقع کے لیے ہے نہ اس موقع کے واسطے جہاں وہ پیش کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے دھوکہ دینے کے واسطے قطعی و یقینی مراد ہے اعراض فرمایا جاتا ہے اور جو قطعی اور یقینی غلط معنی ہیں۔ وہی مراد لے کر قطعی اور یقینی تکفیر فرمائی جاتی ہے۔ اسے جو دھویں صدی اجنبی علماء ایسے ہیں تو دجال کیسے ہونگے۔ (السحاب المدرا ص ۴۷)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارہ میں مختار مدنیہ کے نزدیک سرسید کا کج گواہوں نے علیہ الرحمۃ کہا ہے مذہب بھی بیان کر دیا جاوے۔ وہ فرماتے ہیں :-

”قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ برصغرت اس کے پایا جاتا ہے۔ ۲۔ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کا اصل وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔“ (تفسیر سرسید جلد ۱ ص ۴۹)

اور لکھتے ہیں :-

”اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے۔ اور جو قوی بہیمیہ اس میں ہیں ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا۔ جو عام لوگوں کی اور ادنیٰ پرانے والوں کے لیے قبیح یا خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے۔ تاکہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ۔ خواہ شیطان اور خدا کا ہیکل۔ اصل مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔“

(تفسیر سیر سید ص ۵۳)

اب یہ امر خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔ گرفتار مدعیہ فرشتوں کے متعلق وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو میں حضرت اقدس کی تحریروں سے ادھر دکھا چکا ہوں حضرت اقدس پر تو کفر کا فتویٰ دیتا ہے۔ اور سید احمد خاں کو فرشتوں کی بات باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے چولہی میں نے ان کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ ان کو الفاظ ”رحمۃ اللہ علیہ“ کا مستحق قرار دیتا ہے۔

(۲)

نزول ملکہ

شاہد مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نزول ملکہ کے متعلق یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ جبرئیل کے زمین پر نزول اور ملک الموت کے بذات خود زمین پر اتر کر قبض ارواح کرنے کے قائل نہیں ہیں اور جبرئیل کے نزول کو جو شروع میں داروہے اس کی تاثیر کا نزول مانتے ہیں۔ اور جو صورت جبرئیل کی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کو جبرئیل کا عکس بتانے ہیں۔

”اما الجواب“ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نزول جبرئیل و ملک الموت کی اصل حقیقت نہایت مدلل طور پر توجیح مرام میں بیان فرمادی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

”اس جگہ اس بات کا بیان کر دینا یہ موقع نہ ہوگا۔ کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین و جنہو کی تعبیر کی ہے۔ یہ درحقیقت ان عقائد سے جو اہل اسلام ملکہ کی نسبت رکھتے ہیں۔ منافی نہیں ہے۔ کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملکہ اپنے شخص وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بزوال بہ ہدایت باطل رہے۔ کیونکہ اگر یہ ضرور ہوتا۔ کہ ملکہ اپنی اپنی خدمات ہی بجا آوری سے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اتر کر تے تو پھر ان سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغایت درجہ محال تھا۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزار ہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے۔ جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ہر ایک کے لیے اسباب کا محتاج ہو کر اور پیروں سے چل کر اس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اسی مشقت کے بعد جان نکالنے کا موقع ملے تو ایک سیکنڈ میں اتنی بڑی کارگزاری کے لیے تو کئی مہینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفتہ العین کے یا اس کے کم عرصہ میں تمام جہاں گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصل مقامات سے جو ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ و ما منا الا لہم مقام معلوم وانا لمتحت الصاحون۔

(سورہ صافات جز ۳ ص ۲۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس عبارت میں جو حضرت عزرائیل وغیرہ فرشتوں کے نزول کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ وہ سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ کہ تمام فرشتے اپنے مقام معلوم ہیں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے مستقر سے ادھر ادھر نہیں توڑا اور حضرت جبرئیل کا ایسا وہ کے پاس آنا صرف تمثیلی رنگ میں تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يا قى الملك احباً نأفى مثل صلصلة الجرس فيفصم عنى وقد وعيدت ما قال
وهو اشد على ويتمثل لى الملك احباً نأرجلا فيكلمنى فاعى ما يقول -

(بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱ باب ذکر الملائكة) ۰

کہ فرشتہ کبھی تو گھنٹی کی آواز کے تمثیل میں آتا ہے۔ اور یہ صورت مجھ پر سخت ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ وہ انسانی تمثیل میں آتا ہے۔ تو وہ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو میں اس کی بات کو یاد رکھتا ہوں۔

اس سے بھی ثابت ہے کہ جبرئیل کا نزول تمثیلی طور پر ہی ہوتا ہے۔ خود آنحضرت صلعم نے بھی جبرئیل کے نزول کو تمثیلی رنگ میں ہی بتایا ہے۔ اور اسی طرح حضرت مریم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے فتمثل لها بشا سوياً یعنی وہ روح القدس فرشتہ حضرت مریم کے لیے انسانی صورت میں تمثیل ہو کر ظاہر ہوا۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب ”مدارج النبوة“ مؤلفہ شیخ عبدالرحمن صاحب محدث دہلوی سے جبرئیل کے تمثیلی نزول کا ذکر کرتے فرماتے ہیں :-

”خدا تعالیٰ شیخ بزرگ عبدالرحمن محدث کو جزائے خیر دیوے کیونکہ انہوں نے بصدرق دل قبول کر لیا۔ کہ جبرئیل بذات خود نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک تمثیلی وجود انبیاء علیہم السلام کو دکھائی دیتا ہے۔ اور جبرئیل اپنے مقام آسمان میں ثابت اور برقرار ہے۔ یہ وہی عقیدہ ہے۔ جو اس عاجز کا ہے جس پر حال کے کورباہن نام کے علماء کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اسنوں کہ یہ بھی خیال نہیں کرنے کہ اسبات پر تمام مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے حقیقی وجود کے ساتھ صرف دو مرتبہ آنحضرت صلعم کو دکھائی دیا ہے۔“

”اور ایک بچہ بھی اسبات کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر وہ اپنے اصل اور حقیقی وجود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو خود یہ غیر ممکن تھا۔ کیونکہ ان کا حقیقی وجود تو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ان کے بازو آسمان کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کہ اور مدینہ میں کیونکہ سما سکتے تھے،“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۲)

اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت ولقد راہ بالافق المبین - اور آیت ولقد راہ نزولہ کی تفسیر میں فرمایا ہے :-

فقال انا اول هذه الامة سال عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا انما هو جبرئيل لمرارة على صورته التي خلق عليها غير هاتين الميتين رايته

مذهبطاً من السماء ساداً عظم خلقه بين السماء والارض - (مسلم جلد ۱ ص ۴۲)
اس میں حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا ہے: “

لاکریں اس امت کا سب سے پہلا فرد ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کو دیکھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ جبرئیل کو دیکھا تھا۔ میں نے اسے حقیقی صورت میں جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے سوائے ان دو مرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے عظیم الشان وجود سے زمین سے آسمان تک تمام افق بھرا ہوا تھا۔“

اور بخاری میں ہے۔ ائہ دای جبریل ولہ ستماثة جناح (بخاری ذکر الملائکہ جلد ۲ ص ۱۲۴)
یعنی آپ نے جبرئیل کو دیکھا کہ اس کے چھ ستوپر تھے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ جبرئیل وغیرہ ملائکہ اپنی حقیقی صورت میں نازل نہیں ہو کرتے۔ بلکہ ان کا زمین پر آنا بصورت انسانی تمثیلی رنگ میں ہوتا ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو ہی بار دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے جب کہ وہ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

علاوہ ان کے اور علماء امت نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام مثالی طور پر دکھائی دیتے تھے۔ اور غرض نہیں اترتے تھے۔ چنانچہ روح المعانی میں لکھا ہے: ”کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کا دکھائی دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض نے نزول جبرئیل کے متعلق کہا ہے“

ان جبریل علیہ السلام مع ظہودہ بین یدی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی صورۃ دحیۃ الکلبی او غیرہ لما یفارق سدرۃ المنتہی - (روح المعانی جلد ۷ ص ۶)

یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دحیہ کلبی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہی سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے۔

یہ ہے قرآن شریف اور احادیث اور اکابر بزرگان اسلام کے بیان کی رو سے نزول جبرئیل کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں اس عقیدہ کے متعلق حضرت اقدس پر اعتراف کرنا ان سب بزرگان دین پر جو یہی مسلک رکھتے ہیں اعتراض کرنا ہے۔ بلکہ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ عزا اسمہ وجل شائعہ - کی ذات پاک پر بھی کیونکہ حدیث و قرآن سے بھی جبرئیل علیہ السلام کا نزول بطور تمثیل ہی ثابت ہوتا ہے۔ نہ اس کے خلاف۔ گواہ مدعیہ نے جبرئیل کے تمثیلی نزول کو خلاف نزول وار و شرعاً تو قرار دیا۔ مگر نہ تو وہ کوئی حدیث یا آیت ایسی پیش کر سکا ہے جس سے جبرئیل و ملک الموت کا ذاتی نزول ثابت ہوتا اور نہ اس نے ان دلائل میں سے جو تمثیلی نزول کے متعلق حضرت مسیح موعود نے پیش کی ہیں کوئی دلیل توڑ کر دکھائی ہے۔ ایسی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

مشتفق یہ کہہ دینا کہ آپ ملائکہ کے نزول وارد سندھ کو نہیں مانتے لغو و باطل ہونے کے لحاظ سے قطعاً قابل التفات نہیں ملائکہ اور جبرئیل کا نزول وارد شریعتی ہے۔ جو قرآن و حدیث اور اقوال اکابر امت سے ظاہر ہے۔ اور وہی حضرت اقدس مانتے ہیں

(۳)

نجوم کی تاثیر

اور شاہد مدعیہ سب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ”مراصع صاحب اس وجہ سے بھی مسلمان نہیں ہیں کہ وہ نجوم کی تاثیر کے قائل ہیں، چنانچہ توضع مرام صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں یہ کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ نجوم کی تاثیر ہے۔“
اما الجواب۔ توضع مرام کے صفحہ ۵ پر یہ عبارت نہیں ہے البتہ صفحہ ۳۸ پر آپ فرماتے ہیں۔

”آج کا کہہ سکتے ہیں اس امر میں اختلاف نہیں کیا۔ کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کوکب پائے جاتے ہیں۔ وہ کائنات الارض کی تکمیل و تزیین کے لیے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت عجیب ہوتی اور شہوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صلاحیت ہے کہ تمام بنائے اور بناوٹ اور حیوانات پر آسمانی کوکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے۔ اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر تضرر یقین لگھتا ہوگا کہ جانہ کی روشنی پھلوں کو موٹا کرنے کے لیے اور سورج کی دھوپ ان کے پکانے کے لیے اور شیریں کرنے کے لیے اور بعض ہوا میں بکثرت پھل آنے کے لیے بلاشبہ موثر ہیں۔“ (توضع مرام صفحہ ۳۸) (۳۹)

اس زمین میں نجوم کی تاثیر کا انکار کرنا تو تجربہ اور مشاہدہ کو غلط اور باطل ٹھہرانا ہے۔ اور یہ ایسی واضح بات ہے۔ کہ جس کا انکار کیا۔ کم فہم آدمی بھی نہیں کر سکتا چنانچہ عقائد کی کتاب ”نمبر ۱۱“ میں لکھا ہے۔

”اما القول بان الكواكب اسباب وعلامات بتسخير الواجب تعالى فلاكف بل قدامتوں بہ المحققون كالامام الغزالي وحصاة الفتوحا (تبرکات) مطبوعہ میرٹھ ص ۱۹۲

یعنی ”یہ کہنا کہ ستارے اللہ تعالیٰ کے مسخر کرنے کی وجہ سے بعض چیزوں کے حدوث یا تغیر کے لیے ذرائع اور علامات ہیں تو یہ کفر نہیں ہے بلکہ محققین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے جیسے امام غزالی اور شیخ فی الدین ابن عربی صاحب فتاویٰ کبیر نے“

اور اسی کی کتاب کے حاشیہ صفحہ ۲۲۵ میں لکھا ہے۔

”قد صرح الشيخ الاكبر في الفتوحات في مواضع كثيرة بان حركات الافلاك والكواكب و اوضاعها موثرات وعلامات ياذن الحق سبحانه في العناصر وقال لوعرت الجهال المنكرون لهذه العلم في قوله والنجوم مستحرات بامر الله لما قالوا شيئاً مما قالوا۔

یعنی ”شیخ اکبر نے فتوحات کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ آسمانوں اور ستاروں کے حرکات اور اوضاع

اللہ تعالیٰ کے اذن سے غنا میں مؤثر ہیں یا بطور علامات کے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس علم سے جاہل اور نیک لوگ جانتے کہ نجوم بھی اللہ تعالیٰ کے زیر حکم خدات میں لگے ہوئے ہیں تو جو اعتراض وہ کرتے ہیں نہ کرنے" اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ" جلد ۲ ص ۱۵۱ میں فرماتے ہیں۔

جس کا اثر جہہ یہ ہے۔۔۔

مذکورہ انواع اور نجوم میں کسی حقیقت کا پایا جانا بعینہ امر نہیں ہے اور شریعت میں اس کو مشغل بنالینے سے منع کیا گیا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ بعض تاثیرات تو یہی ہیں اور اولیات میں سے ہیں۔ جیسے مقولوں کا اختلاف سورج اور چاند کے اختلافات کی وجہ سے ہے۔ اور این اور تاثیرات۔ اور بعض ایسی تاثیرات ہیں جو نجوم اور حدس اور مد سے معلوم ہوتی ہیں۔ پس جیسا کہ ہر ایک نوع کے لیے گرمی اور سردی خشکی اور رطوبت کے لحاظ سے جو امراض کے دنیہ کے لیے ذمت ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مخصوص طبائع میں اسی طرح افلاک اور کواکب کی طبائع اور خواص ہیں جیسے سورج کی حرارت اور چاند کی رطوبت۔ پس جب کوئی ستارہ اپنے محل میں آتا ہے تو اس وقت اس کی ذمت زمین میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ عورت عورتوں کے عادات اور اخلاق سے ایک ایسے سبب کی وجہ سے مختص ہوتی ہے۔ جو اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ادراک کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مرد کی طبیعت میں ایک بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ برات اور جمہوریت دنیہ صفات سے مختص ہو گیا ہے۔ پس تجھے اس امر کو بھی انکار نہیں کرنا چاہیے کہ زہرہ اور مریخ کے قوی کے زمین پر حلول کرنے کے وقت ان پر شدیدہ طبائع مذکورہ کی طرح تاثیر ہو۔

پس بقول شاہ ولی اللہ صاحب حدیث میں مطلقاً نجوم کی تاثیر سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ حقیقی طور پر نجوم اور انواع مؤثر سمجھے جائیں۔ اور خیال کیا جائے کہ نجوم ہی ان اشیاء کے حصول کی حقیقی علت اور سبب ہیں چنانچہ شاہ مدعی نے جس کتاب سے یہ اعتراض کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی میں اس امر کی تردید فرمادی ہے کہ نجوم حقیقی طور پر مؤثر نہیں ہیں بلکہ حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ان کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے آپ فرماتے ہیں۔

یحسبون الشمس والقمر والنجوم مؤثرات بذاتہا ولا مؤثر الاھو" (توضیح مرام ص ۷۷)

یعنی "لوگ سورج اور چاند اور نجوم کو مؤثر بالذات خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت سوائے ذات باری کے کوئی مؤثر بالذات نہیں۔ اس شام مدعیہ کا اعتراض حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہی نہیں بلکہ تمام محققین امت پر ہے۔ اور اس کے اعتراض کو صحیح ماننے کی صورت میں مشاہدات اور تجارب صحیحہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

(۳)

پاک تثلیث

اور اس شاہد مدعبہ عیب نے ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے روح القدس اور روح الامین سب انسانوں کی صفتیں بتائی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ پاک تثلیث ہے۔ جو خدا کی محبت اور آدمی کی محبت کے ملنے سے بطور نتیجہ پیدا ہوتی ہے۔

شاہد مدعبہ کا یہ الزام کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ لکھا ہے کہ روح القدس اور روح الامین سب انسان کی صفتیں ہیں بالکل غلط ہے آپ فرماتے ہیں۔

”ادیرنی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت ہے قوی ایمان سے ملی ہوتی ہے۔ جو اول بندہ کے دل میں باہا الہی پیدا ہو کر رب قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا علم رکھتی ہیں۔ ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر الہی محبت کی چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کو بہتر مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے۔ ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ (توضیح مرام ص ۲۱) (اس کے لیے تفصیل ملاحظہ ہو توضیح مرام ص ۲۶)

اور شاہد مدعبہ کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب تثلیث کے قائل ہیں عدالت کو مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں تثلیث سے عیسائیوں کی تثلیث (یعنی تین خدا ہونا) مراد نہیں لی۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں۔

”اور یہی پاک تثلیث ہے۔ جو اس درجہ محبت کے لیے ضروری ہے جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو بالکلیۃ الذات اور بالملۃ الحقیقۃ ہے۔ حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر ٹھہرا لیا ہے۔“ (توضیح مرام ص ۲۲)

”پس اس میں تو عیسائیوں کی تثلیث کی تردید ہے۔ نہ کہ اس کا انکار۔ جس طرہ پر حضرت اقدس نے لفظ تثلیث کا استعمال فرمایا ہے۔ وہ بالکل بر محل اور درست ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کرنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہد مخنار و گواہان مدعیہ اس کو کسی طرح بھی قابل استعمال نہیں جانتے اور اگر یہی بات ہے تو صدر جہ کی لغویت ہے کیونکہ اس طرح تو ثنائی اثنین (سورہ توبہ) کا استعمال بھی جائز نہیں ہوتا چاہیے۔ کیونکہ فرقہ نالویہ دو خداؤں کا قائل ہے۔ اور اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (لا تخذوا الٰہین اثنین) (تحد ع) کہ تم دو خداست بناؤ۔ اور پھر اس وجہ سے اذواج مطہرہ پاک جوڑے کا لفظ بھی نہیں بولنا چاہیے۔ اور مومنوں

کے لیے من یکفر بالطاعت میں کفر کے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے مومنوں کی لفظ کفر میں مشابہت نہ ہو جائے۔ پس لفظی اشتراک کی وجہ سے عقیدہ ثابت نہیں ہو جاتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے تئلیٹیو عقیدہ کی تردید اپنی متعدد کتب میں کی ہے۔ اور ملک و کشور یہ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

”اس نے (یعنی خدا نے) میرے پر ظاہر کیا ہے کہ وہ اکیلا ہے اور غیر متغیر اور قادر اور غیر محدود خدا ہے۔ جس کی مانند اور کوئی نہیں ہے۔“
(تحفہ فیصر یہ ص ۱۷ طبع سوم)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مخالفین کا یہ الزام کہ آپ نحوذالہ عیسائیوں والی تثلیث کے قائل ہیں باوجود ملائکہ کے سنا یہیں محض کذب صریح و انتہائی قبیح ہے۔

قرآن مجید کی توہین

(۱)

قرآن شریف خدا کی کتاب ہے میرے منہ کی باتیں ہیں

(حقیقۃ الوحی ص ۸۴)

نوح، مہدیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان نہیں ہے۔ حضرت اقدس پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ آپ نے لکھا ہے۔

”قرآن خدا کی کتاب ہے اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں قرار دیا ہے۔ تو لایب انہوں نے پاک قرآن کی توہین کی۔ لیکن یہ بھی منجملہ منہار مدعیہ کے بہت سے مخالفوں کے ایک گروہ، منظر ہے۔ کیونکہ جس جملہ کے متعلق اس نے یہ یقین دلانا چاہا ہے۔ کہ وہ مسیح موعود کا قول ہے۔ وہ درحقیقت حسنہ کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا الہام ہے اور منہار مدعیہ نے اس کو حقیقۃ الوحی کے مجموعہ الہامات میں سے نقل بھی کیا ہے۔ اور اس مقام پر یہ اپنے سابقہ الہاموں کے ساتھ اس طرح درج ہے۔

”نہا میرے رب نام درست، گودے گا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۸۴)

اور یہ مجموعہ الہامات سننے سے شروع ہو کر ص ۱۱ تک چلا گیا ہے۔ اور اس مجموعہ الہامات سے پہلے ص ۶۹

میں حضرت مسیح موعود نے تخریر فرمایا ہے۔

”اب ہم وہ الہامات بطور نمونہ ذیل میں لکھتے ہیں اور اس کے بعد آپ نے مجموعہ الہامات شروع کیا ہے اور ص ۱۹۴ پر الہام مذکورہ درج فرمایا ہے۔ اور جب یہ ثابت ہے کہ یہ الہام ہے۔ تو اس میں ”میرے منہ“ سے حضرت اقدس کا منہ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا منہ مراد ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ یعنی خدا کے منہ کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اختلاف ضماثر کی مثالیں جابجا قرآن شریف میں موجود ہیں نمونہ کے طور پر سورۃ فاتحہ ہی دیکھ لی جاوے کہ الحمد للہ رب العالمین میں تو غائب کا بیغور رکھا گیا ہے۔ اور ایک بندہ میں مخاطب کا۔

غرض جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ یہ حضرت اقدس کا نزل نہیں بلکہ الہام الہی ہے۔ صرف اس امر کے علم سے کہ یہ الہام ہے اس پر وہ اعتراض نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جو کیا گیا ہے۔ اور مجموعہ الہامات کے اندر اس کے موجود ہونے سے اس کا الہام ہونا بخوبی ظاہر تھا۔ لیکن بات یہاں تک پہنچ کر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس سے متعلق حضرت اقدس سے سوال بھی کیا گیا ہے کہ اس الہام میں میرے منہ کی باتوں سے کس کے منہ کی باتیں مراد ہیں۔ اور ”میرے“ کی تفسیر کسکی طرف پھرتی ہے۔ تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ۔

”سدائی منہ کی باتیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے منہ کی باتیں اس طرح کی ضماثر کے اختلاف کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں“

(ملاحظہ ہو اخبار بدر جولائی ۱۹۰۵ء)

مگر اب یہ ہمہ فتنار مدعیہ نے اس پر اعتراض کرتے میں کوئی تاویل نہیں کیا ہے۔ ایک توجیہ الہام تھا اس لیے منہ سے خدا تعالیٰ کا منہ مراد ہو سکتا تھا۔ نہ کسی اور کا۔ دوسرے ملہم نے ایک سوال کے جواب میں اس کی تفسیر یہ بھی فرمادی تھی کہ یہ الہام میں جو ”میرے منہ“ کے الفاظ ہیں ان سے خدا تعالیٰ کا منہ مراد ہے۔ ایسے صاف لکھے ہوئے معنوں کی موجودگی میں اور پھر اس قدر تفسیر یہ کر دے جانے کی حالت میں خلافت منشاٹے متکلم معنے لے کر ان پر رائے زنی کرنا جتنی قابل نفرت حرکت ہے میں اس کے متعلق خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ فتنار مدعیہ عدا کی رائے پیش کیے دیتا ہوں وہ کہتا ہے۔

”اگر ایسے صاف لکھے ہوئے مضامین پر بھی اختیار ہے کہ جس کا جی چاہے عبارت کا مطلب کہہ دے اور فتویٰ دے دے تو اب مسلمانی تو دینا میں رہنے کی نہیں۔ مگر اس کا نتیجہ بجز ذلت و رسوائی کچھ نہیں ہے۔ کوئی شخص کسی کے کہنے سے کافر نہیں ہو سکتا۔

(السماع المردار ص ۲۸)

فبایّ حدیث بعداً یؤمنون

تقریباً مدعیہ نے عدالت کو ایک یہ منالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی وحی کو قرآنی وحی کی طرح مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات و انجیل اور قرآن پر“ اور فرماتے ہیں۔

”ہم جو قرآن منزه اشس دانم!

اور یہ امر قرآن مجید کی آیت فبایّ حدیث بعداً یؤمنون کے صریح خلاف ہے۔ فقار مدعیہ نے آیت تو پیش کر دی مگر اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اگر مطلب سمجھتا تو یہ آیت کبھی پیش ہی نہ کرتا۔ کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ کر وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ یعنی قرآن مجید کے مخالف کسی چیز پر ایمان لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر آیت کا یہ مطلب نہ لیا جاوے تو اعاذت رسول اللہ صلیم اور وحی غیر متلو اور قدسی اعاذت وغیرہ سب کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی قرآن مجید کے بالکل موافق ہے۔ اور اس کا کوئی کلمہ بھی قرآنی تعلیم کے معارض نہیں ہے۔ اور آپ کی وحی کے قرآن کی طرح منزه ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ جیسے قرآنی وحی شیطانی دخل سے پاک ہے ویسے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی شیطانی دخل سے پاک ہے۔ نہ کہ دونوں دنیاں مرتبہ میں بھی برابر ہیں کیونکہ یہاں تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ خدا نکلنے کی طرف سے ہونے اور شیطانی دخل سے پاک ہونے کے اعتبار سے ہے۔ جیسے کہ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح (الصلوات) میں بھی تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہونے کے لحاظ سے ہے۔ یعنی اس آیت شریفہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو حضرت نوح اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی وحی کے مانند فرمایا ہے تو یہ قرآن اس لیے نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی دوسرے انبیاء کی وحی مرتبہ میں برابر تھی بلکہ صرف اس لیے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلیم کی وحی اور دوسرے انبیاء کی وحی اللہ کی طرف سے ہونے میں برابر تھیں۔ نہ کہ مرتبہ کے لحاظ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا تمام انبیاء کی وحی سے بمدارج افضل جو اظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے۔ جیسے کہ تورات و انجیل اور قرآن پر۔ یہی مطلب ہے کہ خدا نکلنے کی طرف سے ہونے میں سب برابر ہیں۔ مرتبہ میں برابر ہی کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت اقدس سے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اپنی وحی اور قرآنی وحی کو درجہ و مرتبہ میں ایک قرار دیا ہے۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی آیت شریفہ مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ نکالے کہ اس میں حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو درجہ و مرتبہ میں برابر بتایا ہے۔“

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود نے نہ ایک جگہ بلکہ جا بجا اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ قرآنی دینی تمام وجوہوں سے افضل اور برتر ہے۔ اور کوئی دینی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۱۱

”خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن مجید کی مثل لا سکتے ہیں قرآن کریم سر ایا معجزہ ہے۔ جس کی مثل کوئی انس دین نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خبریں ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک دینی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی دینی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی دینی ہو۔۔ اور خدا تعالیٰ کی تعجبی جیسی کہ خاتم الانبیاء پر ہوئی ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی ۱۲ (الہدیٰ ص ۱۳۱)

اور فرماتے ہیں۔

”سو جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ دینی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے جس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت نامہ ہے۔ (ترویج مرام ص ۲۳۲)

چونکہ تفصیل مسئلہ دینی میں آئی ہے۔ اس لیے انہیں دوحالوں پر اکتفا کرنا ہوں اور یہ دوجی جو مرتبہ رکھتے ہیں ہر منصف مزاج اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

(۳)

تحدی

فختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ اپنے قسیدہ اہجاز احمدی کو بطور تحدی پیش کیا ہے۔ اور خطبہ الہامیہ کے ٹائٹل پیج پر آیت کا لفظ لکھا ہے اور یہ بھی کہ اس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔ لہذا اس سے قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے۔

تعبیب ہے کہ فختار مدعیہ تو اس سے توہین قرآن مجید نکال رہا ہے مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

”ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پر دازی کی ہمیں طاقت ملی ہے ناخائن قرآنی کو اس پیرا بہ میں بھی دینا پڑتا ہر کریں۔ اور وہ بلاغت جو ایک بے ہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہو گئی تھی۔ اس کو کلام الہی کا خادم بنایا جائے۔“ (نزدول المسیح ص ۵۹)

اور جب آپ کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ آپ کو عربی انشاء پر دازی کا معجزہ جس میں آپ تمام دنیا کے آدمیوں پر غالب رہے۔ اور عرب و عجم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس لیے عطا ہوا تھا کہ آپ متفائق قرآنی کو اس

پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کر دی۔ اردوہ بلاغت جو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی تھی اور جس کا رواج اسلام میں لغو اور بے ہونہ طور پر رہ گیا تھا۔ کلام الہی یعنی قرآن شریف کی قدام بنائی جائے۔ اور اس سے قرآن شریف کی خدمت لی جائے۔ نوغناار مدعیہ کا اعجاز احمدی کی اس تضحی پر کہ اس کا کوئی جواب نہیں لاسکتا یہ اعتراض کہ اس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے۔ بالکل باطل ثابت ہو کر قلعاً ناقلاً التناقض ہو گیا۔

اور خطبہ الہامیہ کے ٹائٹیل پیج پر جو آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”اس میں نئے معارف اور حقائق بیان کیے گئے ہیں اور میری طرح فی السہیہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت میں کوئی نہیں بول سکتا اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے کیونکہ یہ معارف اور اس کتاب کا ایک حصہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا گیا ہے۔“ اگر اس کے نشان ہوں گے غناار مدعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی توحید لازم آتی ہے۔ تو اس لحاظ سے خود قرآن مجید کو بھی اپنی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان فی خلق السموات و الارض - الی - آیات لقوم یوتنون -

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں اور ہواؤں اور بادلوں میں یقین کرنے والی قوم کے لیے آیات ہیں۔ اور اسی طرح فرمایا ”ذی الارض آیات للذہبتین ذی انفسکم اذلاتصرون کہ زمین میں بھی یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی آیات اور نشانات ہیں۔ اور خود تمہاری جانوں میں بھی نشانات ہیں۔ پس کسی چہرے کے آیت اور نشان ہونے سے قرآن مجید کی توہین لازم نہیں آتی۔ اور تفسیرہ اعجازیہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعائگی کہ۔

”میرے پیارے قادر! اور دلوں کے اسرار کے گواہ! میری مدد کرو ایسا کہ یہ تیرا نشان دنیا میں چکے اور کوئی مخالف میعاد مقررہ میں قادر نہ ہو اسے میرے پیارے ایسا ہی کر“ (اعجاز احمدی ص ۲)

اور صفحہ ۷ پر تصریح فرمادی کہ چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں۔ اور صادق ہوں۔ اس لیے وہ مدت مقررہ میں تفسیرہ نہیں بنا سکیں گے۔

”کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا۔ اور ان کے دلوں کو بھی گدے گا۔ اور صفحہ ۹ پر آپ نے یہ تحریر فرمادیا۔

”اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں تاریخ کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی انہوں نے اس تفسیرہ اور اردو معنون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا۔ تو یوں سمجھو کہ میں نیست نابود ہو گیا۔ اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری جماعت کو چاہیے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کر دیں۔

لیکن مخالفین مدت معینہ میں کوئی جواب نہ لکھ سکے اور ان کے قلم ٹوٹ گئے اور حضرت مسیح موعود کی صداقت

پر یہ چمکتا ہوا نشان قیامت کے دن تک باقی رہ گیا اور یہ یاد رہے کہ قرآن کریم کی تحدی اور اس تحدی میں فرق ہے۔ قرآن مجید میں کسی ہمت کا ذکر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی تحدی میں ہمت کا ذکر ہے۔ یعنی اس ہمت کے اندازہ خدا تعالیٰ مولویوں اور عالموں کے دلوں اور فکروں پر ایسا تصرف کرے گا کہ وہ اس کتاب کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ لکھ سکیں۔ اور یہ امر یقینی خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہے اور بحوالہ الہدی ص ۳۶ میں ذکر کر چکا ہوں۔

”خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لاسکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے۔ جس کی مثل کوئی انسان دجن نہیں لاسکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا“ اور فرماتے ہیں:-

”کَلَّمَا قَلَّتْ مِنْ كَمَا لِبَلَاغَتِي فِي الْبَيَانِ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ اللَّهِ الْقُرْآنِ (لِحِجَّةِ النُّورِ)

یعنی جو کچھ میں نے بیان نہیں کیا بلوغت سے کہا ہے۔ تو وہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن کے بعد ہے یعنی اس کے مرتبہ پر نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا لفظ آیت اور قصیدہ العجاذیر کے مقابلہ میں دلیا قصیدہ بنانے کے لیے تحدی سے قرآن مجید کی توہین نکالنا سراسر مغالطہ ہے۔

(۴)

کیا قرآن گالیوں سے پڑھے؟

مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ و علف کا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ آپ نے قرآن کو گالیوں سے پرانا ہے اور یہ لکھا ہے کہ۔

”پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم گالیوں سے پڑھے۔ اور اس قول سے قرآن مجید کی صریح توہین لازم آتی ہے لیکن یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت اقدس کی منقولہ بلا عبادت بتا رہی ہے کہ اس کا پہلی عبارت سے نعلق ہے۔

اور چونکہ یہ عبارت پہلی عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اس لیے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نے عدا پہلی عبارت چھوڑ دی ہے۔ اور یہ نام تمام عبارت اس میں سے قطع کر کے اعتراض بے جا کے شوق کو پورا کرنے کی ایک نہایت ہی غیر صحیح راہ پیدا کی ہے۔ اب میں اصل عبارت پیش کرتا ہوں تا حقیقت الامر کا انکشاف ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

” اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان دو مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہو ا کرتی ہے۔ دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے۔ جو خلاف واقع اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بوجہ اس کے مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں۔ تو پھر ازار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارہوں میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کیے گئے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سنے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوتے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ انکم دما تعبدون من دون اللہ حصص جہنم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں دخل نہیں ہے کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو ”شر الیریہ“ قرار دینا اور تمام زویل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا؟ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں واقف علیہم ہی فرمایا کیا مومنوں کی علامات میں اشتداد علی الکفار نہیں لکھا گیا کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سولا اور کتے کے نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمائروا ہیرو دینس کالونٹری نام رکھنا اور معزز سردار کا ہمنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ شمال دینا اور یہودیوں کے بزرگ معتقدوں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار۔ اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے۔ ان کو کریہ اور نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرامزادے ہو۔ حرامکار ہو۔ شریر ہو۔ بدذات ہو۔ بے ایمان ہو۔ احمق ہو۔ ریاکار ہو۔ شیطان ہو۔ جہنمی ہو۔ تم سانپ ہو۔ سانپوں کے بچے ہو کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں؟ اس سے ظاہر ہے۔ کہ معترض کا اعتراض نہ صرف ٹھہر پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر نہایت حد درجہ کے بے شرمے دل کے ساتھ کیا ہے“

(ازالہ ادہام بار پنجم ص ۹۲۸)

اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ دشنام دہی سب و شتم اور چیز ہے اور بیان و امر واقعہ اور چیز۔ اور پھر دونوں کا فرق ظاہر کر کے بتایا گیا ہے۔ کہ اگر بیان واقعہ کو محض اس کی تلخی کے سبب جو حق گوئی میں لازمی ہے۔ دشنام دہی میں داخل کر لیا جائے تو پھر ازار کرنا پڑے گا۔ کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ بیان واقعہ مع اپنی تلخی اور ایذا رسانی کے قرآن شریف میں بھی جا بجا موجود ہے۔ اور پھر ایسے بیان واقعہ کی متعدد مثالیں بھی

قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں میچ ہیں۔ (رکعتی نوح ص ۱۱)
اور فرماتے ہیں :-

”کہ میچ شریعت بعد اونیست و نہ میچ کتاب ناسخ کتاب و شریعت اوست و ہیچکس بدل
کلمہ اونیست دمیچ بارشے ہچو باران اونیست دہر کہ بمقدار یک ذرہ از قرآن خارج باشند
پس اواز ایمان خارج شد“ (مواہب الرحمن ص ۶۵)
القصاص فرماتے ہیں :-

ز عشاق و فرقان و بینبریم - بدین مدیم و بدین بگذریم !

(۵)

بشارت احمد!

فخار مدعیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد مندرجہ انوار خلافت ص ۵۷
پر کہ آیت مبشر ابرہسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں احمد سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اور
حضرت عیسیٰ کی یہ بشارت اپنے نہیں یعنی مسیح محمدی کے حق میں تھی۔ یہ اعتراض کیا ہے۔
”کہ چونکہ مرزا محمود احمد صاحب نے اس آیت میں احمد سے حضرت مرزا صاحب مراد لی ہے۔ لہذا وہ اس
آیت قرآنیہ کے منکر ہوئے“

فخار مدعیہ کا یہ استدلال نہایت ہی عجیب و غریب ہے کیونکہ قرآن شریف میں ایک ذکر شدہ پیشگوئی
کا مصداق بیان کرنے سے آیت کا انکار لازم آئے گی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ یہ استدلال اتنا عجیب العقول
ہے کہ فاضل جہان ہائیکورٹ مدراس بھی اس پر اظہار تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔

غرض استدلال مذکور سوا اس کے کہ الہی نظر کو منظور دیر کے لیے تفریح نامطبوعہ کا کام دے اور وہ اس
پر اظہار تعجب کر لیں۔ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور صحت سے تو اس کو دوری کا تعلق بھی نہیں ہے۔
کیونکہ آیت و عیسا ابرہسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں ایک ایسے رسول کے آنے کی پیشگوئی ہے۔
جس کا نام احمد ہو۔ اب اگر اس احمد کی تعیین کی جائے کہ احمد سے فلاں وجود مراد ہے اور وہ تعیین صحیح نہ
ہو تو اس سے عرف یہ ثابت ہو گا کہ اسم احمد کی جو تعیین کی گئی ہے وہ غلط کی گئی ہے۔ نہ یہ کہ جس آیت میں
احمد کے آنے کی پیشگوئی تھی غلط تعیین کرنے والے نے اس آیت کا انکار کر دیا ہے۔ اور کون نہیں جانتا
کہ کسی مذکور فی الخیر کی تعیین میں غلطی ہو جاتی اور بات ہے۔ اور اس خبر کا انکار اور بات ہے۔

فخار مدینہ نے یہ ذمہ نشین کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ گویا حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے یہ بات
 ائمہ احمد، اوائی پیشگوئی کا مصداق بہر حال و بہر لحاظ حضرت مسیح موعودؑ ہی کو قرار دیا ہے۔ حضرت سید الانبیاء
 صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اعتبار اور کسی لحاظ سے بھی نہیں۔ لیکن یہ فخار مدینہ کا نرا منہ لاط ہے۔ اور اگرچہ یہ مسیح
 ہوتا تو بھی حضرت خلیفۃ المسیح کی تعیین اسم احمد از رو سے دلائل صحیح ثابت نہ ہو سکتے کی حالت میں اس کا نام تعیین
 کی غلطی ہی رکھا جاسکتا تھا نہ کہ آیت کا انکار لیکن حقیقت الحال یہ ہے کہ جس طرح فخار مدینہ کی وہ پہلی بات کہ
 حضرت خلیفۃ المسیح کے بیان سے آیت کا انکار لازم آتا ہے غلط اور باطل تھی۔ اسی طرح اس کی یہ دوسری بات
 بھی کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لحاظ سے بھی آیت موصوفہ کا مصداق قرار نہیں دیا۔ غلط اور باطل ہے
 کیونکہ آپ نے اس آیت کے دو مصداق فرار دیئے ہیں۔ ایک بلحاظ اسم ذاتی کے۔ اسم وصفی کے لحاظ سے تو آنحضرت
 صلعم کو مصداق بتایا ہے۔ کہ احمد آپ کا اسم وصفی تھا۔ اور اسم ذات کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام
 کو کہ احمد آپ کا اسم ذات تھا۔

چنانچہ اسم وصفی کے لحاظ سے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق اول آیت موصوفہ ہونے کی
 آیت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایہہ اللہ وفخرہ العزیز کا ارشاد دیکھئے۔

”جس قدر پیشگوئیاں آپ کی امت کی نسبت ہیں۔ ان کے پہلے منظر تو آنحضرت صلعم ہی ہیں آپ احمد
 نہ ہونے تو مسیح موعود کیونکر احمد کہا سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کو تو جو کچھ ملا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے طفیل ملا ہے۔ اگر ایک صفت کی نفی آنحضرت صلعم سے کی جائے تو ساتھ ہی اس صفت کی نفی حضرت مسیح
 موعود سے بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ جو چیز چشمہ میں نہیں ہے۔ وہ کلاس میں کہاں سے آسکتی ہے پس
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے اور بلحاظ وصفی، اس پیشگوئی کے اول منظر وہی تھے۔

(القول الفصل ص ۲)

اور آپ انوار خلافت میں فرماتے ہیں:

”یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احمد کہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگ نہیں اور
 اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت صلعم احمد نہ تھے۔ آپ احمد تھے۔ اور ضرور تھے بلکہ احمد آپ کی صفت تھی۔
 نہ کہ آپ کا نام اور جو شخص کہے کہ احمد آپ کی صفت نہیں تھی وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت
 ہے۔ اور اگر آپ احمد نہ ہوتے تو حضرت مسیح موعود احمد ہو ہی کیونکر سکتے تھے کیونکہ آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے
 وہ آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہی شاگردی میں حاصل کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ کہنا درست نہیں
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد تھا۔“

ان عبارتوں میں نہایت مزاحمت کے ساتھ قرار کیا گیا ہے۔ کہ بلحاظ اسم وصفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے۔ اور ضرور احمد تھے۔ ایسے کہ اگر حضور احمد نہ ہوتے تو مسیح موعود بھی احمد نہیں ہو سکتے تھے۔ اور بلحاظ اسم وصفی پیشگوئی اسم احمد کا مصداق اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لیکن حضور کا اسم ذات احمد نہ تھا۔ اور جن عبارتوں میں یہ بتایا ہے کہ بلحاظ اسم ذات اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہ تھا۔ بلکہ محمد تھا۔۔۔ کسی جگہ بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہوتا اور جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ والدہ کو الہام کے ذریعے سے یہ نام بتایا گیا ہوتا۔ تو قرآن کریم میں جو وحی الہی ہے۔ اول تو احمد نام ہی آتا۔ اور اگر محمد بھی آتا تو احمد بعض مقامات پر ضرور آتا۔ وہ عجیب الہی نام نہ تھا۔ کہ قرآن کریم اس نام سے ایک دفعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارتا۔ ہر جگہ محمد ہی کے نام سے پکارتا ہے۔ (جیسا کہ آیت ما محمد الا رسول اور آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اور آیت بما نزل علی محمد اور آیت ما کان محمد اباً احد من رجالکم سے ظاہر ہے۔) (شمس)

دوسری دلیل آپ کا نام احمد نہ ہونے کی یہ ہے۔ کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔ کلمہ شہادت میں پر اسلام کا دار و مدار ہے۔ اس میں بھی محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ کبھی احمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ اگر آپ کا نام احمد ہوتا تو کلمہ شہادت کی کوئی روایت تو یہ بھی ہوتی۔ کہ اشہد ان احمد رسول اللہ۔ بخجرتہ اذان میں بھی بیانگ بلند محمد رسول اللہ کہہ کر آپ کی رسالت کا اعلان کیا جاتا ہے کبھی احمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ بخجیر میں بھی محمد ہی آنحضرت کا نام آتا ہے۔ اور درود اللہ صل علی محمد (میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد نام لے کر ہی یاد کیا جاتا ہے اور اس نام کے رسول پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں بھیجی جاتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی نقیص موجود ہیں ان سب میں اپنے دستخط کی جگہ محمد نام کی ہی ہر لگائی ہے۔ ایک خط میں بھی احمد اپنا نام تحریر نہیں فرمایا (ہر نقل کو جو ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ جب آپ نے خط لکھا تو اس پر بھی آپ نے محمد نام کی ہی ہر لگائی۔ حالانکہ اسے یہ بتانے کے لیے کہ میں مسیح علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں احمد نام کی ہر لگانا زیادہ مناسب تھا۔ شمس) اگر آپ کا نام احمد ہوتا تو پھر صحابہ کرام کی گفتگو میں احادیث میں مذکور ہیں۔ لیکن ایک دفعہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کسی صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد کہہ کر پکارا ہو۔ اور نہ ان کی آپس کی گفتگو ہی میں یہ

نام آٹھ بے نہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کا نام احمد رکھا گیا تھا۔ بلکہ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ آپ کے مخالف جس قدر تھے جن میں خود آپ کے رشتہ دار اور چچا بھی شامل تھے سب آپ کو محمد نام سے پکارتے تھے۔ یا شرات سے مندم کہہ پکارتے تھے۔ کہ وہ بھی محمد کے وزن پر ہے۔ غرض جس قدر بھی غور کریں اور فکر کریں آپ کا نام قرآن کریم سے احادیث سے کلمہ سے اذان سے تکبیر سے درود سے آپ کے مخلوط سے معادلات سے تاریخ سے صحابہ کے اقوال سے محمد ہی معلوم ہوتا ہے نہ کہ احمد پھر اس قدر دلائل کے ہوتے ہوئے کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔
(انوار خلافت صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

اور فرماتے ہیں :-

”آیت مبشوراً برسول یاقی من بعدی اسمہ احمد یعنی نام احمد نہ تھا۔ اور دوسرے جو نشان اس کے بتائے گئے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں پورے ہوئے۔ اور مسیح موعود پر پورے ہوئے ہیں۔ اور آپ کا نام احمد تھا۔ اور آپ احمد کے نام پر ہی بیعت لیا کرتے تھے۔ اور خدا نے بھی آپ کا نام احمد رکھا تھا۔ اور آپ نے اپنے نام کا یہی حصہ اپنی ادلاو کے ناموں سے ملا۔ اس لیے سب باتوں پر غور کرتے ہوئے وہ شخص جس کی نسبت خبر دی گئی تھی۔ مسیح موعود ہی ہیں، ہاں اس لحاظ سے کہ آپ کے کل کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیے ہوئے تھے۔ اولین مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دینا ضروری ہے۔ مگر اس لیے کہ آپ صفت احمدیت کے سب سے بڑے مظہر تھے۔ اس لیے آپ کا نام احمد تھا۔ کیونکہ درحقیقت آپ کا نام احمد نہ تھا“
(القول الفصل ۲۹)

اور فرماتے ہیں :-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے۔ اور سب سے بڑے احمد تھے۔ کیونکہ آپ سے بڑا کوئی مظہر صفت احمدیت کا نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا نام احمد نہ تھا۔ اور اسمہ احمد کا مصداق (بمجاہد اسم ذات احمد ہونے کے مسیح موعود ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ پیشگوئی بوجہ آقا اور استاد ہونے کے اشارہ کرتی ہے“
(القول الفصل ۳۱)

اور فرماتے ہیں ”انوار خلافت ص ۱۱۹ میں“

”کسی شخص کا پیشگوئی کا مصداق ہونا دلائل سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب دلائل اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کسی وجہ سے ہتک نہیں ہوئی؟ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہیں آپ کی ہتک نہیں ہے۔ کیونکہ نام

کابغیر نام کی صفات کے ہونا کچھ نام نہ ہمیں رکھتا جب تک کسی میں اس نام کے مطابق اوصاف نہ پائے جاتے ہوں۔ نام کوئی قابل عزت بات نہیں دیکھو بعض لوگوں کا نام عبدالرحمن اور عبدالرحیم ہوتا ہے۔ لیکن وہ کاہن و جادوئی شیطان کے کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض کا نام نیک اور شریف ہوتا ہے۔ لیکن دراصل وہ بدادور بدوضع ہوتے ہیں۔ تو ماں باپ کا رکھا ہوا نام کوئی عزت کی شے نہیں ہو جاتا۔ اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہیں کہ رسول اللہ میں احمد کی صفت نہیں پائی جاتی تو یہ آپ کی بچک ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ آپ کا نام احمد نہیں ہوگا آپ کی بچک کرنا نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ یہ امر واقعہ کہلائے گا۔ پس جب کہ نام فضیلت کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ کام فضیلت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ تو پھر آپ کا نام احمد نہ ماننے میں آپ کی ہنسک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہ ہوتا۔ بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہنسک کسی طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہ ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہنسک ہو جاتی اور کیا آپ کے ہر کام میں کسی آجاتی آپ کا نام جو کچھ بھی ہوتا وہی مبارکت ہوتا اور اس نام پر دنیا اسی طرح فدا ہوتی جس طرح آپ کے محمد نام پر فدا ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ آپ کے نام پر فدا نہیں ہوتے بلکہ درحقیقت آپ کے کام پر فدا ہوتے ہیں۔ پس اگر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہیں، ہاں احمد کی صفات آپ میں پائی جاتی ہیں۔ تو پھر نادان ہے وہ جو یہ کہے کہ ایسا کہنے سے آپ کی ہنسک ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں جو احمد کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے متعلق میں نے وہ آیات پڑھ دی ہیں۔ جن میں احمد کا ذکر ہے۔ اور اب میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بتانا ہوں کہ آیات میں احمد کا اصل مصداق (اس لحاظ سے کہ آپ کا اسم ذات احمد تھا) حضرت مسیح موعود ہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نام کے لحاظ سے احمد کا مصداق نہیں کیونکہ آپ کا نام احمد نہیں بلکہ محمد تھا) صرف صفت احمدیت کی وجہ سے اس کے مصداق ہیں۔ ورنہ جس احمد نام کے انسان کے متعلق خبر ہے وہ حضرت مسیح موعود ہی ہیں۔ (الذرائع خلافت ص ۲۰)

اور فرماتے ہیں :-

”جب کہ واقعات سے ثابت ہو گیا کہ احمد سے مراد (اسم ذات کے لحاظ سے) آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا ایک نام (یعنی حضرت مسیح موعود) ہے تو پھر بھی ہٹ دھرمی سے کام لینا شیوہ مومنانہ نہیں۔ (الذرائع خلافت ص ۲۱)

اور فرماتے ہیں :-

”اس پیشگونی (من بعدی اسمہ احمد) کے آپ ہی مصداق ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ پر آپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس آیت کا مصداق قرار دیا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ بوجہ اس کے کہ کل فیضان جو حضرت مسیح موعود کو پہنچا ہے۔ آپ ہی سے پہنچا ہے اس

بیسے جو خبر آپ کی نسبت دی گئی ہے۔ اس کے مصداق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور ہیں۔ کہ جو خبریاں
 اصل میں ہوں اصل میں ضرور ہونی چاہئیں۔ عکس کی خبر دینے والا ساتھ ہی اصل کی خبر بھی دیتا ہے۔ پس اس آیت
 میں ضمنی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خبر دی گئی ہے اور اس بیان سے یہ واجب نہیں آتا کہ اس پیشگوئی
 کے مصداق حضرت یسع موعود نہ ہوں۔ اس کے اصل مصداق حضرت یسع موعود ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ آپ کے
 سب کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے ہوئے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پیشگوئی اس
 میں سے نکل آتی ہے ۛ
 (انوار تلافی ص ۳۸)

ان عبارتوں میں نہایت تفصیل و تشریح سے ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذات احمد
 نہیں بلکہ محمد ہی تھا۔ ہاں بلحاظ صفات آپ ضرور احمد تھے۔ اور بلحاظ اسم وصفی آپ کا ایک نام احمد بھی بنا جیسے
 کہ علیہ عاف و حاشرو نبی التوبہ و نبی الرحمتہ وغیرا بہت سے نام بھی بلحاظ وصف ہی تھے نہ بلحاظ ذات۔ اور آپ کی
 پیشگوئی من بعدی اسمہ احمد کے مصداق بھی بلحاظ اسم وصفی تھے نہ کہ بلحاظ اسم ذات۔ کیونکہ آپ کا اسم ذات

علیہ۔ اس موقع پر یہ شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسماء
 محمد۔ احمد۔ ماحی، حاشر۔ غائب۔ بیان فرمائے ہیں۔ لہذا یہ سب آپ کے نام ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی
 زبان میں اسماء بمعنی صفات آتا ہے جیسا قرآن شریف میں ہے۔ لہذا اسماء الحسنیٰ یعنی سب اچھے نام
 خدا تاملے کے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اسم ذات تو صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ۔ باقی سب صفاتی نام ہیں پس
 حدیث میں بھی آپ نے اپنے صفات بیان فرمائے ہیں اور: ماننا چاہئے گا کہ ماحی حاشر۔ عاف سب آپ کے نام ہی
 حالانکہ تمام مسلمان تیرہ سو برس سے اتنے چلے آتے ہیں کہ یہ آپ کے صفات ہیں نام نہیں تھے
 اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس حدیث میں بلاشبہ محمد بھی بطور صفت ہی آتا ہے بطور نام نہیں آیا۔ ہاں قرآن کریم
 اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد ہی تھا۔ اور اس امر کا ثبوت کہ اس حدیث میں بطور صفت آیا ہے۔ یہ
 ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا ہے کہ میرے یہ نام میں اب ظاہر
 ہے کہ صرف یہ امر تو کسی تعریف کے لائق نہیں ہو سکتا کہ فلاں فلاں میرے نام ہیں اور کیا آنحضرت صلعم جیسے عظیم الشان
 انسان کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ خالی نام پر فخر کریں گے۔ معاذ اللہ من ذلک حقیقتہ الامریسی ہے
 کہ آپ نے اس حدیث میں اپنے صفات ہی بیان فرمائے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے محمد بنا یا ہے۔ یعنی خود میری
 تعریف کی ہے۔ اور مجھے احمد بنا یا ہے یعنی سب سے بڑھ کر خدا کی تعریف کرنے والا۔ اور دیگر صفات حسنہ سے
 منصف کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھنا چاہیے ”انوار رحمت“ کہ اس میں تمام خدشات و دسارس کا نہایت قوی دلائل سے
 قلع قمع کر دیا گیا ہے ۛ

خود بخانہ کراچہ اور اسم ذات کے لحاظ سے اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں کیونکہ آپ کا اسم ذات احمد تھا اور اس مدعا کے ثبوت میں حضرت خلیفۃ المسیح ایده اللہ بنصرہ العزیز نے "انوارِ خلائق" کے صفحہ ۱۸ سے لے کر ۲۵ تک نہایت قوی اور زبردست دلائل کا دریا بہا دیا ہے۔

اور اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ جو شخص اپنے امام کو اس آیت کا مورد و مصداق ٹھہراتا ہے۔ وہ یقیناً اس آیت پر صدقِ دل سے ایمان لاتا ہے۔ ورنہ وہ اپنے امام کے صدق پر اس آیت سے استدلال نہ کرتا۔ اور نیز اگر ختمِ انبیا کی مدعیہ کو منکذب ثابت ہونے کا فتویٰ دینے کا بہت ہی شوق تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ پہلے ان مفسرین اور تفسیروں کے بھی جنہوں نے آیت ہو الذی ارسل رسولہ بالهدی و دین الحق لیبظہرہ علی الدین کلہ۔ میں مسیح موعود اور مہدی کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل بتایا تھے۔ یہ منکذبیت ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے پھر دوسری طرف توجہ کرنے کا خیال دل میں لاتے۔

(۶)

قرآن مجید اور احادیث اور وحی مسیح موعود

مختار مدعیہ نے اعجازِ احمدی صفحہ ۳۰ اور صفحہ ۵۷ کے حوالوں کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دینے کے قابل قرار دے کر حدیثوں کی سخت ترمیم کی ہے۔ اور اپنی وحی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر ترجیح دی ہے اور یہ بھی حدیثوں کی ترمیم ہے۔

لیکن مختار مدعیہ کا یہ بھی ایک مغالطہ ہی ہے۔ کیونکہ اس اعتراض سے اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود نے صحیح احادیث کی بابت یہ فرمایا ہے۔ کہ ہم وہ ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور حضرت مسیح موعود نے صحیح احادیث کی بابت ہرگز یہ نہیں فرمایا جیسا کہ علاوہ اور بے شمار حوالوں کے خود مختار مدعیہ کے پیش کردہ حوالوں سے بھی ظاہر ہے۔

مختار مدعیہ کا پیش کیا ہوا پہلا حوالہ یہ ہے۔

"میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہے۔ ہاں تاہم یہی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔"

(اعجازِ احمدی صفحہ ۳)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کلام ان حدیثوں کی بابت ہے جو آپ کے دعویٰ کے متعلق ہیں اور ان کی آپ نے دو تئیس مزادیں ہیں۔ ایک وہ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور ان کے متعلق آپ نے صاف فرمایا ہے کہ ہم انہیں تاہدی طور پر پیش کرتے ہیں۔ یعنی ہم انہیں قبول کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کے مقابلے میں دوسری قسم انہی حدیثوں کی ہوگی جو مخالف قرآن ہیں۔ اور اسی قسم کی حدیثوں کے متعلق حضرت مسیح موعود نے یہ فرمایا ہے۔ کہ دوسری حدیثوں کو ہم رومی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دینی جیسا کہ آگے بیان ہوگا قرآن کے بالکل مطابق ہے۔

پس مختار مدعیہ کے پیش کیے ہوئے اس حوالے سے بخوبی ظاہر ہے کہ رومی میں پھینک دینے کا ارشاد ان حدیثوں کے لیے رکن نہیں ہے جو مطابق قرآن ہوں بلکہ ان کے لیے ہے جو مخالف قرآن ہوں۔ (۲) دوسرا حوالہ مختار مدعیہ نے یہ پیش کیا ہے۔

”اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور ہر ایک گوہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے۔ ہم نے اس سے لیا کہ وہ حقیقی اور صالحہ لاشریک ہے اور تم لوگ مردوں سے حمایت کرتے ہو“
(الماہذا احمدی ص ۵۷)

جواب۔ نظر بر حوالہ اڈل جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان احادیث کے متعلق جو قرآن کے مطابق ہیں اور آپ کی دینی کی (جو قرآن مجید کے موافق ہے) معارض نہیں فرمایا ہے کہ انہیں ہم قبول کرتے ہیں اور اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور جو حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہیں انہیں رومی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اس حوالہ میں بھی انہی حدیثوں کا ذکر ہے جو خلاف قرآن ہے لیکن اس پر بس نہیں بلکہ جہاں سے مختار مدعیہ نے یہ حوالہ لیا ہے۔ جو درحقیقت ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے وہیں یہ بھی موجود تھا کہ یہ خلاف قرآن حدیثوں کے لیے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”اسے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے۔ اور بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے“

اور اسی صفحہ میں فرماتے ہیں

”پس اسے مخالفو! نقلوں کے ساتھ خوش نہ ہو جاؤ اور بہتری نقلیں اور حدیثیں ہیں جو دھوکہ باز نے بنائی ہیں اس کے بعد ہی فرماتے ہیں“

”اور خدا تعالیٰ کی وحی کے بعد نقل کی کیا حقیقت ہے پس ہم خدا کی وحی کے بعد کسی حدیث کو مان لیں۔ یہ تعلیم آیت نبوی حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ص ۵۸ کے شروع ہی میں جو شعر ہے اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے۔ اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور ہر ایک گوہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے“ اور یہ وہ مضمون ہے جو مختار مدعیہ کے دوسرے حوالے کا پہلا جز ہے۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ و مشعروں میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر فرماتے ہیں۔ "کیا تو میرے پاس اس اتنے والا کا ذکر کرتا ہے۔ جس کو تو نے نہیں دیکھا۔ اور ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے جس کا تخریب لختینا میں کر دیا۔ پھر دو شعروں میں اس بیان کے بعد کہ ظن کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اور میں تیری طرح ظنون میں گرفتار نہیں ہوں فرماتے ہیں۔"

"ہم نے اس سے لیا کہ وہ جی وقیوم اور واحد لا شریک ہے اور تم لوگ مردوں سے روایت کرتے ہو۔" پچھلے شخصیں آپ نے ایک مخالف کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی نشان سے انکار کرتا ہے درجہ بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس مضمون سے ظاہر تھا کہ یہ خطاب ایک ایسے مخالف کو ہے جو قرآن شریف سے بھاگتا اور مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی تردید میں کچھ ایسی حدیثیں پیش کرتا تھا جو خلاف "قرآن ٹھیلیں۔ کیونکہ اگر وہ موافق قرآن ہو تو قرآن شریف سے گریز کر کے کیوں حدیثیں کی جاتیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اسی پر اکتفاء نہ فرما کر صاف الفاظ میں ظاہر فرمادیا کہ اسی موقع پر ذکر کس قسم کی حدیثوں کا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"بہتیری نقلیں اور حدیثیں ہیں۔ جو دھوکہ باز نے بنائی ہیں،" ص ۵۶

اور پھر اس سے بھی زیادہ مخالف مذکور کو مخاطب کر کے یہاں تک فرمادیا۔ کہ کیا تو میرے سامنے ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے۔ جن کا تخریب نے سبب بنانا کر دیا۔ اب ہر منصف مزاج و حق پسند کے لیے یہ امر قابل توجہ ہے کہ باوجود اس صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیئے جانے کہ اس موقع پر خلاف قرآن حدیثوں کا ذکر ہے۔ نہ کہ مطابق قرآن کا۔ لیکن غمناک مدعی نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کر کے اور ان سب اشارے سے جو اس امر کو ظاہر کر رہے تھے۔ منہ پھیر کر صفحہ ۵۷ کے پہلے شعر کا اور پھر پچ کے شعر چھوڑ کر ساتویں شعر کا ترجمہ نقل کر کے یہ دکھانا چاہا کہ گویا حضرت اقدس نے صحیح اماریت کو وہی کی طرح پھینک دیتے کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادق اور کاذب کی امتیازی علامت یہ فرمائی کہ صادق شخص اپنے اقوال اور اپنے افعال میں صادقوں سے مشابہت رکھتا ہے اور کاذب اپنے اعتراضات اور اپنی حکریات اور اعمال میں کاذبوں کا ہم رنگ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت قل ما کنت بدعا من الرسل اور آیت ما یقال لك الا ما قد قبل للرسول من قبلک اور آیت تشا بہت قلوبہم وغیرہ آیات سے ظاہر ہے۔ اب دیکھ لو کہ غمناک مدعی نے حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کے اس قول پر کہ "ہم نے اس سے لیا کہ وہ جی وقیوم اور واحد لا شریک ہے۔ اور تم مردوں سے روایت کرتے ہو" اعتراض کیا ہے۔ اور یہی قول آپ سے قبل اولیاء اللہ کی جماعت کا ایک ممتاز فرد اپنے منکرین کے جواب میں کہہ چکا ہے چنانچہ ایو اقیقہ والجاہر جلد ۱ صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے۔

وقد کان الشیخ ابو یزید بسطامی یقول لعلماء زمانہ

(خطاباً للمنكرين عليه وفي الصفحة ص ۱۱۱ الجزء الثاني) قد اخذتم علمكم

ميتا عن مبيت و اخذنا علمنا من الی الذی لا یوت

یعنی ابوبکر مدظلہ العالی اپنے زمانہ کے منکرین مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے تھے تم نے اپنا علم مردوں سے حاصل کیا ہے۔ اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم پایا ہے جو کسی نہیں مرتا کیا یہ وہی قول نہیں ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے اور جن پر تمنا مدعی نے اعتراض کیا ہے۔

یہاں اس امر کا ظاہر کر دینا نامناسب نہیں ہے کہ مختار ان مدعیوں کے پیشتر اعتراضات کی بنا قطع و برید عبارات پر ہے۔ وہ اچھے خاصہ مضمونوں اور عبارتوں میں سے بعض ایسے جملے قطع کر کے جن کے معنی اپنی ملحد عبارت سے علیحدہ ہونے پر خراب ہو جائیں پیش کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی دکھایا جا چکا ہے اور اس اعتراض کے حوالہ کے متعلق بھی دکھایا گیا ہے اور حوالہ نمبر اول میں مختار مدعی نے جتنی عبارت پیش کی ہے۔ اگرچہ وہی اظہار حقیقت الامر کے لیے کافی ہے۔ تاہم اس موقع سے چند اور حوالے بھی پیش کرنا مولیٰ۔ جن کے دیکھ لینے کے بعد کسی مذاکرے اور شریف الطبع انسان کے لیے یہ موقع نہیں ہے کہ حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کر سکے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

مختار مدعی نے جس مضمون کے صفحہ ۲۰ سے ایک حوالہ نقل کر کے حضرت مسیح موعود پر صحیح حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دینے کا بہتان باندھا ہے۔ اسی مضمون کے صفحہ ۲۶، ۲۸ میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

علاوہ اس کے ان حدیثوں میں اس نہ رہتا قص ہے کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کر دو تو فی الفور مل جائے گی۔ پس اس سے قرآن شریف کے بیانات کو چھوڑنا اور ایسی متناقض حدیثوں کے لیے ایمان ضائع کرنا کسی اہلہ کا کام ہے۔ نہ عقلمند کا۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود ان حدیثوں کو چھوڑ دینے کے لیے فرما رہے ہیں جو قرآن شریف کے خلاف ہوں اور فرماتے ہیں۔

”مناسب ہے کہ حدیث کے لیے قرآن کو چھوڑا جائے ورنہ ایمان ہاتھ سے جائے گا۔ (اعجاز احمدی ص ۱۵۱) اور فرماتے ہیں۔

”ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے وہ قبول کر دو جو قرآن کے سنائی و معارضی نہ ہوں تاہم ہلاک نہ ہو جاؤ۔ (اعجاز احمدی ص ۱۵۱)

یہ اس مضمون کے حوالجات میں جس کے صفحہ ۳۰ سے ایک حوالہ نقل کر کے مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کو صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کا مدعی قرار دینا چاہتا تھا۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس باطل کارروائی کا جواب پہلے ہی حضرت مسیح موعودؑ کے قلم حق رقم سے لکھوایا اور وہ بھی اس شان سے کہ گویا آپ مخالف کا یہ اعتراض دیکھ رہے ہیں کہ مرزا صاحب نے احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ سب کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لائق ٹھہرایا ہے اور اس اعتراض کے جواب میں آپ فرماتے ہیں: ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی و معارض نہ ہوں تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔ (اعجاز احمدی ص ۲۸)

مرزا صاحب کی اتنی ہی تھریر قابل لحاظ ہے۔ جو ان پر اعتراض کرنے کے لیے پیش کی جائے۔ اور جس سے ان کی تکفیر کی جائے باقی تحریروں کے دیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ان کی تحویریں متضاد ہوتی ہیں۔ کہیں کچھ اور کہیں کچھ۔ اب حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتیں اور مختار مدعیہ کے اعتراضات عدالت کے سامنے ہیں۔ اور ان سے اچھی طرح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتوں میں تناقض و تعارض سے یا مختار مدعیہ کے خیالات میں۔ اگرچہ منقولہ بالا حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہی حدیث رد کر دینے کے لائق ہے جو مخالف قرآن ہو کیونکہ مخالف قرآن حدیث درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ لیکن انہیں پر بس نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری کتب میں بھی یہ مضمون بڑی کثرت اور بڑی صفائی سے موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

”جو حدیث قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کو سہرو چشم قبول کیا جائے اور جہاں قرآن و سنت سے کسی حدیث کو متعارض پائیں تو اس کو چھوڑ دیں۔“
(ریویو پر مباحثہ مولوی محمد حسین کلچر الوہی)

اور فرماتے ہیں:-

”ہاں اگر ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کی مخالف ہو تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے۔ اور یہی جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اس برجواہت نہیں کرے گا۔ کہ اس حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن و سنت کے برخلاف ہو اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہیں۔“

(دکشتی نوح صفحہ ۵۸)

اور فرماتے ہیں:-

”لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن کریم کے بائیں کردہ قصص کے صریح مخالف ہے تو اس کی تطبیق

کے لیے فکر و مشاہدہ تناظر تہماری غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تناظر دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہے۔
(کشتی نوح) ص ۵۷

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں کہیں بھی حدیث کو چھوڑنے، رد کرنے اور پھینک دینے کے لیے لکھا ہے وہ اس کے لیے لکھا ہے جو مخالف قرآن ہو اور جو باوجود سعی بلیغ کے بھی موافق نہ ہو سکے اور ایسی حدیث باریب آنحضرت صلم کی حدیث کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں کچھ اور فرمایا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف کچھ اور فرمادیں۔ حاشا دکلا اور ایسی مخالف قرآن حدیثوں کو رد کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی اکابر علماء اہل سنت والجماعت بلکہ مسلم بزرگان دیوبند بھی بارہا لکھ چکے ہیں اور انہیں سے بعض کے اقوال حدیث "فاظہوہ ہے۔" کتاب اللہ کے عنوان کے ماتحت درج کیے جائیں گے۔"

پس خوب یاد رکھو کہ جن احادیث کے رد کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز احمدی" میں ارشاد فرمایا ہے۔ وہ وہی حدیثیں ہیں جو مولوی محمد حسین ثالوی وغیرہ قرآن مجید کے خلاف آپ کے دعویٰ مہر دیت و مسیحیت کو باطل ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔ جن کا نقلی ہونا سب کو مسلم ہے۔ اور ان میں سے اکثر اکابر علماء امت کے نزدیک موضوع ہیں۔ چنانچہ ان حدیثوں کی مثال آپ نے تحفہ گولڈرہ میں ذکر کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں ا۔

"لوگ اپنے دلوں میں پہلے ہی ٹھہرا لیتے ہیں کہ جو کچھ مہدی اور مسیح کی نسبت حدیثیں لکھی ہیں اور جس طرح ان کے معنی کیے گئے ہیں وہ سب صحیح اور واجب الاعتقاد ہیں اس لیے جب وہ لوگ اس فرضی نقشہ سے جو قرآن شریف سے بھی مخالف ہے مجھے مطابق نہیں پاتے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کاذب ہے۔"

مثلاً وہ خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود ایک ایسی قوم یا جوج ماجوج کے وقت آنا چاہیے جن کے لیے درختوں کی طرح قد ہوں گے اور اس قدر بے کان ہوں گے۔ کہ ان کو بستر کی طرح بچھا کر ان پر سوئیں گے۔ اور نیز کہ مسیح آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترنا چاہیے بیت المقدس کے منارہ کے پاس مشرقی طرف اور دجال عجیب المخلقت اس سے پہلے موجود چاہیے جس کے قبضہ قدرت میں سب خدائی کی باتیں ہوں۔ مینہ برسانے اور کھیتیاں اگانے اور مردوں کے زندہ کرنے اس کے گرجے کا سرائتا بڑا موٹا ہو کہ دونوں کانوں کا فاصلہ تین سو ہاتھ

کے قریب ہوا اور جہاں کی پیشانی پر کاز لکھا ہوا ہو۔

اور مہدی ایسا چاہیے کہ جس کی تصدیق کے لیے آسمان سے زور زور سے آواز آوے کہ یہ خلیفہ اللہ المہدی ہے۔ اور وہ آواز تمام مشرق و مغرب تک پہنچ جائے اور مکہ سے اس کے لیے ایک خزانہ نکلے اور وہ عیسائیوں سے لڑے اور عیسائی بادشاہ اس کے پاس پکڑے آویں۔ اور تمام زمین کو کفار کے حزن سے پر کر دیوے اور ان کی تمام دولت لوٹ لے اور اس قدر قاتل اور خون ریز ہو کہ جب سے دنیا کی بنیاد پڑی ہو ایسا خون آدی کوئی نہ گذرا ہو۔ اور اس قدر اپنے تابوں میں مال تقسیم کرے کہ لوگوں کو مال رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہ رہے۔۔۔۔۔ قبول کر لینے تک
(تحفہ گوڑویہ ص ۲۲۲)

پس ایسی روایات جو بعض ترغیظ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے اور بعض من کل الوجہ قرآن مجید اور آپ کی وحی کے جو قرآن مجید کے موافق ہے۔ مخالف ہیں انہیں ردی کی طرح پھینکنے کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے کیونکہ وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہیں بلکہ ذخیرہ موعظت ہیں۔ اگرچہ مذکورہ بالا تمام بیان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام موافق قرآن احادیث کو مانتے ہیں۔ لیکن اب اس امر کے متعلق چند مستقل حوالجات بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کیا یہ سچ ہے کہ حدیثیں ایسی ہی تھی اور لغوی ہیں۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے سمجھا ہے معاذ اللہ ہرگز نہیں (حکم ربانی کارپوریو ص ۱) اور فرماتے ہیں۔

احادیث نبویہ مرفوعہ منقولہ ایسی خبر تھیں ہے کہ ان کو ردی اور لغو سمجھا جائے۔ ص ۱
اور فرماتے ہیں۔

احادیث کا انکار ایک طرح سے قرآن شریف کا انکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے تو پھر آنجناب کے علی غیروں کے دریا نت کے لیے جن پر اتباع موقوف ہے حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص حدیث کو بھی نبی پڑتا ہے وہ طریق اتباع کو بھی چھوڑتا ہے۔ ص ۱
اور فرماتے ہیں:-

جو حدیث قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو اس کو کبھی چشم قبول کیا جائے۔ ص ۵
اور فرماتے ہیں:-

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض و مخالف قرآن و سنت نہ ہو تو حواہ کیسی

ادنی درجہ کی حدیث ہو وہ اس پر عمل کریں گا حد
ادکشتی نوح میں آپ فرماتے ہیں۔

(۱) - حدیث کی قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا لٹ دینا ہے حد

۱۲) بہر حال احادیث کی قدر کرنا اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہیں اور جب تک
قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرنا بلکہ چاہیے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کارند
ہو کہ کوئی حرکت نہ کرے اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل اور نہ ترک فعل مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس
کوئی حدیث ہو حد

(۳) - اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن اس کا
مصدق ہے۔ اور اگر کوئی ایسی حدیث ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف
ہے۔ اور تمہارے زمانہ میں یا پہلے اس سے اس حدیث کی پیشگوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو حد
۱۴) اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہیں جو قرآن
کے موافق ہیں تو اس حدیث پر عمل کرو حد

اب دیکھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ حدیث کو ماننے اور اس کی قدر و عظمت کرنے کی اور کون سی سورت ہو
سکتی ہے احادیث صحیحہ مرفوعہ منسلکہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت اقدس تو ایک ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی
ماننے اور اس پر عمل کرنے کی اتنی شدید تاکید فرما رہے ہیں کہ کوئی حرکت و سکون اور کوئی فعل یا ترک فعل ایسا نہیں
ہونا چاہیے جس کے متعلق تمہارے پاس حدیث نہ ہو یعنی تم اپنے تمام کاموں میں حدیث کو دستور العمل بناؤ مگر اس
شرط سے کہ وہ حدیث قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سنت ثابتہ کے خلاف نہ ہو اور آپ نے یہاں تک فرما دیا
ہے کہ

کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس حدیث کو

ان حوالجات سے یہ امر بڑی وضاحت سے ظاہر ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں احادیث
کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لیے لکھا ہے جو مخالف قرآن اور مخالف سنت ثابتہ و احادیث صحیحہ ہونے کی وجہ
سے اس قابل ہیں کہ ردی کی طرح پھینک دی جائیں معلوم نہیں کہ ایسی حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دیے جانے کے
خلاف قرآن ہونے کی حالت میں وہ بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ ایسی حدیثیں ردی کی طرح پھینک دی جائیں
اور یا کہ (لنؤذبا لئلا تقرأن شریف سے دست کشی کی جائے اور اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ جو شخص خلاف قرآن

عریضوں کو ردی کی طرح پھینک دینا نہیں چاہتا وہ یقیناً ایسے سامان پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے جس سے (معوذ باللہ) قرآن شریف ردی کی طرح پھینک دیا جائے۔

مختاران مدعیہ نے تو سراسر منالطہ کی راہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احادیث صحیحہ کا ردی کی طرح پھینک دینے والا ثابت کرنا چاہتا اور نہ صرف حضرت اقدس کو ہی بلکہ آپ کے ساتھ علامہ ابن خلدون جنہوں نے عہدی کی احادیث کو مجروح اور ضعیف ٹھہرا ہے۔ اور دیگر محققین کو بھی لیکن آپ خود خیر سے قرآن شریف کے ردی کی طرح پھینک دیجئے والے ٹھہر گئے اور اس مصرع کے پورے مصداق ثابت ہوئے ہیں۔

میں اوام ان کو دیتا تھا قصور اپنا کھل آیا۔

چونکہ مختاران مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف قرآن احادیث کو ردی کی طرح پھینکا دینے والے قول میں بڑے قصور سے بخت کی ہے۔ حتیٰ کہ من جلد وجہ کفر کے ایک یہ بھی وجہ کفر قرار دی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ خود بہت بڑے عامل بالمحدیث ہوں اس لیے یہ دیکھ لینا نہایت ضروری ہوگا کہ وہ صحیح حدیث النثرۃ کہاں تک حدیث ہیں کرنے والے ہیں۔ اور اس کے متعلق ہم سب سے پہلے نماز کی حدیثوں کو لیتے ہیں۔

کیا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے اور رفع یدین کرنے۔ آمین بالجہر کہنے اور وتر کی ایک اور تراویح کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں اور ضرور ہیں۔ تو کیا دیوبندی حضرات امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھتے ہیں اور کیا وہ رفع یدین کرتے ہیں؟ کیا وہ آمین بالجہر کہتے ہیں؟ کیا وہ وتر کی ایک رکعت اور تراویح کی آٹھ رکعات ادا کرتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو کیا وہ ان سب حدیثوں کو جرحی نہیں کہ خلاف قرآن شریف نہیں ہیں۔ بلکہ صحیح بخاری میں آئی ہیں ردی کی طرح پھینک دینے والے ہوئے یا کوئی کسر باقی رہ گئی؟

اس طرح حدیث لودکان موسیٰ وعیسیٰ جیین لما یسعہما الا اتباعی اور حدیث مالکہ تخافون

من موت بدینکم علیٰ حلذنبی قبلی فیمن بعث فاضلہ فیکہ (البیہ الاما اخبار ص ۴۲)

جی سے وفات مسیح ثابت ہوتی ہے۔ کیا دیوبندی مولویوں نے وفات حضرت مسیحؑ کا نظر ان کو صحیح تسلیم کیا؟ اگر نہیں تو وہ ان احادیث کو ردی کی طرح پھینکنے والے ہوئے یا نہیں؟ پھر حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ یعنی جو روایت ہو اسے قرآن مجید پر عرض کر۔ جو اس کے موافق ہو لے اور جو منافی ہو اسے چھوڑ دو۔ کیا مختاران مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے سدبر اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا یا نہیں۔ اس طرح حدیثیں ہیں۔ جنہیں مختاران مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے سدبر اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا نہیں۔ اس طرح اور حدیثیں ہیں جنہیں مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ ردی سمجھ کر قابل عمل خیال نہیں کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے عدالت میں اپنے آپ کو عامل بالمحدیث اور تمام احادیث کو صحیح ماننے والے ظاہر کرتے ہیں

راہ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی دہی کو احادیث پر ترجیح دی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے حدیث کے رد کر دینے کے متعلق جہاں کہیں فرمایا ہے تو وہ قرآن شریف کے خلاف ہونے کی سبب سے اس کے ساتھ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اپنی دہی کا جو ذکر کیا اپنے منصب علم و عدل کے اظہار کے لیے اور اس غرض سے کہا ہے کہ معلوم ہو کہ آپ کو مخالف قرآن دہی ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ اپنی دہی کو اول تا آخر تمام و کمال مطابق قرآن شریف جانتے ہیں۔ اور کسی امر میں سر موچی غلط نہیں جانتے۔ اب پہلے میں وہ حوالہ بیان کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے امر مذکورہ میں اپنی دہی کو اپنے عہدہ منصب کے اظہار کی غرض سے شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ بعض چالاک مولوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی آسمان سے اترے اور یہ کہے کہ فلاں فلاں حدیث جو تم جانتے ہو صحیح نہیں ہے۔ تو ہم بھی قبول نہ کریں گے۔ اور اسے ہند پر ملانچے ماریں گے اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں حضرات آپ کے وجود پر یہی امید ہے مگر ہم با ادب عرض کرتے ہیں کہ پھر وہ حکم کا لفظ جو مسیح موعود کی نسبت صحیح بخاری میں آیا ہے۔ اس کے ذرا معنی تو کریں ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کے لیے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گواہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناحق سمجھا جائے۔ جو شخص خدا کی طرف سے آئے گا وہ آپ کے ملانچے کھانے کو نہیں آئے گا۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے خود ماہ نکالے گا۔ جس شخص کو خدا نے کشف اور الہام عطا کیا اور بڑے بڑے نشان اس کا ہتھ پر ظاہر فرمائے۔ اور قرآن کے مطابق ایک راہ اس کو دکھلا دی تو پھر وہ بعض ظنی حدیثوں کے لیے اس دشمن یقینی راہ کو کیوں چھوڑ دے گا۔ اور کیا اس پر واجب نہیں ہے۔ کہ جو کچھ خدا نے اس کو دیا ہے۔ اس پر عمل کرے۔ اور اگر خدا کی پاک دہی سے حدیثوں کا کوئی مضمون مخالف یا نئے اور اپنی دہی کو قرآن کے مطابق یا نئے اور بعض حدیثوں کو بھی اس کے مؤید دیکھے تو ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے۔ ان حدیثوں کو قبول کرے جو قرآن کے مطابق ہیں۔ اور اس کی دہی کے مخالف نہیں (۱۱ مجاز احمدی ص ۲۰۲) میں اس موقع پر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہ وحی الہی جب کہ اس کا وحی الہی ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ تو وہ حدیث پر مرجع ہے یا نہیں اور جب ہمارے مخالفین کے وہ مسیح جو ان کے خیال میں آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔ دنیا میں نازل ہونگے۔ اللہ ان کو وحی ہوگی تو یقینیت کلام الہی ہونے کے وہ حدیثوں پر مرجع ہوگی یا نہیں ہوگی۔ بلکہ موقعہ کے لحاظ سے صرف اتنا بیان کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف ان احادیث کے متعلق لکھا ہے جو قرآن شریف کے بھی خلاف ہوں اور احادیث صحیحہ کے بھی۔ یہ عرض کر دینے کے بعد میں حضرت مسیح موعود کے مندرجہ بالا طریقہ فیصلہ حدیث کی طرف عدالت کو توجہ دلانا ہوں کہ کیا یہ طریقہ فیصلہ پکا نہیں رہا۔ کہ میں ایک حدیث کے صادق اور لاسبتا ز انسان کے دل و دماغ کا نتیجہ ہوں اور کیا اس کا لفظ لفظ ظاہر نہیں کر رہا ہے۔

کہ میں کسی منصوبہ باز اور دنیا ساز کے مناسب حال نہیں ہوں۔

اس کے بعد سب وہ توالہ بیان کرتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی وحی قرآنی وحی سے سرمومخالف نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”وکل ما فہمت من موهبات القرآن ادا لہمت من اللہ الرحمن فقہلتہ علی شریطۃ الصحت والصلوٰۃ والہمت وقد کشف علی انہ صیح خالص یوافق اشریعۃ لاریب فیہ ولا بس ولا شک ولا شبہۃ الی والرسول الکریم“
 رآئینہ کلمات اسلام صلیٰ یعنی جو کچھ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف تعلیم ہوئی ہے یا الہامات نازل ہوئے ہیں ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے۔ کہ وہ سب صحیح اور درست ہیں اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھتے اور مجھے میرے کشفانیہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن حکیم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک و شبہ نہیں اور بغرض محال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا۔ وہی کی طرح پھینک دیتے اور وہی معنی مراد لیتے جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ سلم کی مراد تھی“

اور فرماتے ہیں :- ”وان القرآن مقدم علی کل شیئی ووحی الحکمہ مقدم علی احادیث ظنیۃ بشرط ان لتطابق القرآن وحیہ مطابقتہ تامۃ بشرط ان تكون الاحادیث غیر مطابقتہ للقرآن ولو جد فی قصصہا مخالفتہ لقصص صفت مطہرہ“ (مواہب الرحمن ص ۶۹)
 یعنی قرآن مجید ہر ایک چیز پر مقدم ہے۔ اور حکم کی وحی ظنی حدیثوں پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت تام رکھتی ہو اور بشرطیکہ احادیث قرآن مجید کے غیر مطابق ہوں اور قرآن مجید کے قصص کے برخلاف ان احادیث میں قصص مذکور ہوں۔

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی قرآن مجید کے موافق ہے۔ اس لیے اس کے معارض جو ظنی حدیثیں ہوں گی وہ قرآن مجید کے بھی معارض ہوں گی اس لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ اور رسی کی طرح پھینکنے کے قابل ہیں۔ لیکن احادیث صحیحہ کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں ہمارا عقیدہ اور ہمارا مذہب بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہی ہے جو آپ نے فرمایا :-

اقتدائے قول اور درجائے ماست
 ہرچہ زو ثابت شود ایمان ماست

حدیث قاعرضوہ علی کتاب اللہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجماز احمدی میں فرمایا ہے۔ کہ جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہے اسے ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اور وہی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

”تکثر لکم الاحادیث بعدی فاذا مروی لکم عنی حدیث قاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالف فرددوہ“ کہ یعنی میرے بعد کثرت سے تمہارے پاس حدیثیں پہنچیں گی پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث میری طرف منسوب کر کے بیان کی جائے۔ تو تم اس کو کتاب اللہ پر عرض کر دو پس جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اسے قبول کرو۔ اور جو اس کے مخالف ہو۔ اسے رد کرو۔

لیکن اس حدیث پر مختار مدعی نے یہ جرح کی ہے :-

(۱)۔ کہ یہ حدیث توضع تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے۔ اور وہ اصول فقہ کی کتابیں ہیں۔ کسی حدیث کی کتاب سے نقل نہیں کی گئی۔ اور جن کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ وہ محدث نہیں ہیں :-

(۲)۔ فوائد المجموعہ میں علامہ شوکانی نے کہا ہے۔ وضعنہ الزنادقہ کہ یہ بے دینوں کی حدیث ہے اور یہی بات یحییٰ بن مین اور علامہ ذہبی کہتے ہیں۔ اور علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے اس آیت کو ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا درکرتی ہے۔

(۳) گواہ مدعا علیہ ملکا کا یہ کہنا کہ حدیث بلا سند بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتاب مخرج نخبہ الفکر میں ایسا لکھا ہے محض اتہام ہے۔ اور محض مخالف دینے کی کوشش دی گئی ہے۔ اور صحیح مسلم جو صحیح بخاری کے ہم پایہ کتاب ہے۔ اس میں عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ اسناد جن سے ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا لہذا بلا سند حدیث معتبر نہیں ہو سکتی۔

پہلی بات کا جواب ۱۔

مختار مدعی نے یہ اعتراض کر کے کہ چونکہ یہ حدیث توضع تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے۔ اور وہ اصول فقہ کی کتاب ہے۔ اس لیے قابل تسلیم نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اصول جن پر فقہ حنفی مبنی ہے۔ وہ ایسی حدیثوں سے بھی وضع کئے گئے ہیں جو غیر معتبر اور وضعی ہیں کیا کوئی سچا حنفی اس خطرناک اعتراض کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گا ہرگز نہیں!

اب دیکھنا یہ ہے کہ جن کتب میں یہ حدیث آئی ہے۔ آیا ان کے مولفوں نے یہ حدیث وضع کر لی ہے۔ یا وہ فی الواقع اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ بھی اسی امر کے متعلق بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ انہوں نے صحیح سمجھ کر یہ حدیث اصول فقہ کی کتابوں میں درج کی ہے اور صحیح قرار دے کر صحابہ کرام کے کلام سے اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ محمد رفیع الحسن ابن علامہ فخر الحسن صاحب گلوہی اصول شاشی میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں۔

”دتحقیق ذلك فيما روى عن علي ابن ابى طالب انه قال كانت السوادة على ثلاثة اقسام۔ الى قلها المعنى وجب عرض الجز على الكتاب والسنة المشهورة“ (اصول شاشی مطبوعہ مطبعہ بانى کا پورہ ص ۷۷)

یعنی اس حدیث کی حقیقت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ جو علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا راوی میں قسم تھی۔ ایک مومن مخلص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رہے۔ اور آپ کے کلام کے معانی کو سمجھا۔ دوسرا اعرابی جو اپنے قبیلہ سے آیا۔ اور اس نے سنا جو معنا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حقیقت تک نہ پہنچا اور اپنے قبیلہ میں واپس آکر آپ کے الفاظ سے دوسرے الفاظ میں آپ کی بات بیان کی۔ اور معنی بدل گئے۔ لیکن اس کا خیال یہی رہا۔ کہ مطلب میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ تیسرا منافق جس کا نفاق غیر معروف تھا۔ تو اس نے افواہ کو کہہ کر باتیں روایت کیں جو اس نے سنی نہ تھیں۔ اور لوگوں نے اس سے سن کر اور اسے مومن مخلص سمجھ کر وہ روایت آگے بیان کی۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں میں شہرت پا گئی۔ پس اس وجہ سے روایت کا کتاب اللہ اور سنت مشہورہ پر عرض کرنا واجب ہو گیا۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حدیث کسی محدث نے بیان نہیں کی۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ تلویح میں یہ روایت امام بخاری کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ کہ انہوں نے یہ روایت اپنی کتاب میں بھی بیان کی ہے۔ اور تلویح کے حاشیہ فرزی میں لکھا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔

”کہ صاحب تلویح نے صاحب اکشاف کے اس جواب کو رد کیا ہے۔ جو اس نے حدیث کے ضعیف ہونے کا دیا تھا۔ کہ چونکہ امام ابو عبد اللہ البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ اور وہ اس فن میں نہایت بلند پایہ اور اس صفت کا امام ہے۔ پس اس کا اس حدیث کو بیان کرنا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے کے طعن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور صاحب تلویح کے رد کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ امام بخاری نے جو حدیثیں اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا اس نے اثبات کیا ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جسے اس نے محض استشہاد اور تائید کے لیے ذکر کیا ہے۔ پہلی قسم تو بالکل صحیح ہے۔ بخلاف دوسری قسم کی۔ فرزی کہتا ہے کہ اس تردید کا یہ جواب ہو سکتا ہے۔ کہ یہ رد اس وقت تام کہلا

سکتا ہے۔ جب کہ اسی حدیث کی تائید میں دوسری حدیث موجود نہ ہوتی۔ جو محمد بن جبریر مطہم سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”ما حد شتم عن ما تنكرون فلا تصدقوا فانی لا اقول الا لصدق وانما يعرف ذلك بالعرض علی الكتاب“

یعنی اگر میری طرف سے کوئی ایسی بات جو تمہارے نزدیک منکر ہے بیان کی جائے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ میں منکر بات نہیں کہتا اور کسی بات کا منکر ہونا کتاب پر عرض کرنے سے ہی معلوم ہوگا (شرح التوضیح علی التنبیخ ص ۲۶۱)

اور اس حدیث کی تائید ایک اور صورت سے بھی ہو سکتی ہے جو امام بیہقی نے پوری سند کے ساتھ مدخل میں نکالی ہے چنانچہ علامہ وجید الزمان صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں۔

”اخرج البيهقي في المدخل باسناد ٤٥ عن ابي جعفر من رسول الله صلى الله عليه وسلم انه دعا اليه ودعا اليه فحدثوه حتى كذبوا على عيسى فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فخطب الناس وقال ان الحدیث سيفشوننا انا كم عني يوافق القرآن فهو عني وما انا كم عني يخالف القرآن فليس عني“

(اشراق الابصار فی تخریج احادیث الانوار مطبوعہ مصطفائی دہلی ص ۲۶)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر ان سے سوال کیا۔ تو انہوں نے باتیں کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بعض جھوٹ باتیں منسوب کیں تو آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں میں یہ خطبہ کیا۔ اور فرمایا کہ غضب میری بہت باتیں پھیل جائیں گی۔ پس جو بات تمہارے پاس میری طرف سے قرآن مجید کے موافق پہنچے۔ تو وہ مجھ سے ہوگی اور جو مخالف قرآن پہنچے۔ تو وہ مجھ سے نہیں ہوگی۔ پس بیہقی کی وہ حدیث بھی حدیث متنازعہ فیہ کی تو یہ ہے۔ جس سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

علاوہ ان کے اور بھی بہت سی احادیث اور روایات اس قسم کی پائی جاتی ہیں جن سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے اور اس حدیث کے معانی اور مفہوم کی مقوی اور عمدہ ہیں۔ مثلاً دارقطنی میں ہے۔ ”کلامی لا ینسخ کلامہ اللہ“ (مشکوٰۃ ص ۳۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کا نسخ نہیں۔ پس جو حدیث بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کے مخالف منافی اور اس کی نسخ ہوگی۔ وہ یقیناً حدیث مذکورہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہوگا۔

اس طرح بخاری کی حدیث اوصی بکتاب اللہ بخاری جلد ۲ ص ۶۵ ”ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل قضاء اللہ احق“ بخاری جلد ۲ ص ۵ اور حدیث ما عندنا شیخی الا کتاب اللہ اور حدیث

انی ترکت فیکہ ما ان تمسکتہ بہ لن تفضلوا کتاب اللہ دستخی، اور حدیث ترکت فیکہ امرین لن تفضلوا ما تمسکتہ بہما کتاب اللہ دست سنت رسولہ مشکوٰۃ ص ۳ اور مذکورہ ہر امر کے لیے کتاب اللہ کو محکم اور کسوٹی قرار دیتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث یقیناً صحیح ہے۔ اور اس کو موضوع کہنا لغو و باطل۔

دوسری بات کا جواب

اول تو اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث زنادقہ اور دجالہ کی مختصر عمر ہو، ہی نہیں سکتی کیونکہ اس حدیث میں زندیقانہ اور لھمانہ ردش کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ اور یہ ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ یہ حدیث زنادقہ کی وضع کی ہوئی نہیں ہے۔

دوم۔ اگر اس حدیث کے مفہوم اور معانی پر غور کیا جاوے تو بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں ایک ایسا اصل بنا گیا ہے کہ اگر اسے مدنظر رکھا جائے تو امت محمدیہ کا اکثر حصہ تباہی و بربادی سے بچ جاتا۔ محض اس اصل کو ترک کر دینے کی وجہ سے قرآن مجید کی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی۔ اور مدایات اور فقہ کی کتابوں پر دار و مدار سمجھ لیا گیا۔

در اصل اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا جو احادیث موضوعہ سے پیدا ہونے والا تھا۔ جس سے بچنے کے لیے سرور کائنات نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب احادیث کثرت سے ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ فرمودہ نبوی کون سا ہے۔ تو اس وقت اس اصل کو مدنظر رکھنا۔ کہ جو احادیث قرآن کریم کے موافق ہوں۔ انہیں قبول کر لینا اور جو احادیث قرآن کریم کے مخالف ہوں انہیں رد کر لینا۔ یہ اعلیٰ مفہوم ہے اس حدیث کا۔ کیا اس پاکیزہ و مفید مفہوم کی موجودگی میں یہ خیال کئے جانے کی گنجائش ہے کہ یہ حدیث موضوع اور زنادقہ کی اختراع ہو سکتی ہے؟

سوم۔ بہت سی احادیث اور روایات اس حدیث کے مضمون کی تائید کر رہی ہیں۔ جن میں سے بعض ادب پر بیان کی جا چکی ہیں۔

یہ صادم: کسی امام کے ایک حدیث کو موضوع کہہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ فی الواقعہ بھی موضوع ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اسے اس حدیث کی سند یا سمت کا علم نہ ہوا ہو۔ اور اس لیے اس نے اس کو موضوع کہا ہو۔ اور جسے علم ہوا۔ اس نے صحیح کہا مثلاً حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" جس کے متعلق مختار مدنی نے یہ کہا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیات میں سے ہے۔ جس میں آپ کا کوئی

شریک نہیں اس کے متعلق منعافی تہ کہا ہے کہ موضوع ہے۔ (ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶)
 اور گو امان کے مسلم متقد انگلو ہی صاحب بھی اس کی کوئی اصل پائے جانے کے منکر ہیں اور حدیث طلب العلم
 فیہم علی اکل مسلم کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے۔ وهو باطل لا اصل لہ کہ یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے۔ حالانکہ
 یہ عقین اور ابن عدی نے اس سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ (فوائد المجموعہ ص ۱۱۶)

پس صرف کسی کے اس قول کی بنا پر کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کوئی حدیث موضوع نہیں قرار دی جاسکتی بلکہ
 موضوع قرار دینے والوں کے دلائل پر غور کر لینے کے بعد اس کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔
 چنانچہ ممتاز عرفیہ حدیث پر در قسم کی حرج کی گئی ہے یا

مختار مدعیہ کی پہلی حرج

یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث سے اور اسے ثوبان سے روایت کی ہے۔ اور یزید ابن ربیعہ مجہول
 ہے۔ اور اس کا ابوالاشعث سے سماع معروف نہیں ہے۔ یہ حدیث منقطع ہوگی۔

جواب :- اس حرج کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بہت ہی کم راوی ایسے ہی جن کے متعلق امر حدیث میں اختلاف
 نہ ہوا ہو۔ اگر ایک کہتا ہے۔ کہ فلاں راوی نہایت راست باز ہے تو دوسرا کہتا ہے۔ کہ وہ مشرک الحدیث ہے
 اور تیسرا کہتا ہے کہ وہ صحیح الحفظ ہے چوتھا کہتا ہے کہ وہ وضاع ہے۔ خود حدیثیں بنا لیتا ہے۔ غرض کہ
 روایت کے متعلق کثرت سے اختلاف ہے۔ پس جب کسی راوی کے نقد اور غیر نقد ہونے کے متعلق اختلاف
 ہے۔ تو وہ حدیث اس وقت نہیں چھوڑنی چاہیے۔ جب تک کہ حدیث کا مفہوم بھی اس کے چھڑوانے پر مجبور نہ
 کرے۔ چنانچہ یزید ابن ربیعہ کے متعلق بھی متقدمین میں اختلاف ہوا ہے۔ ابومعمر نے کہا ہے:-

”کان یزید ابن ربیعہ فقیہا غیر متہم صانئہ علیہ۔ اذ ادرك بالاشعث و لیکن اختی
 علیہ سوء الحفظ والوہم۔“

یزید بن ربیعہ نقیبہ تھا۔ اس پر کوئی اتہام نہیں لگایا جاسکتا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس امر کا انکار کریں کہ اس نے
 ابوالاشعث کو پایا۔ البتہ مجھے اس پر سوء حفظ اور وہم کا ڈر ہے۔

اور ابن عدی نے کہا ہے۔ ”ادجوانہ لا یاس بہ“ مجھے تو یہی امید ہے کہ اس میں کسی قسم کا حرج
 نہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۶)

اور مولوی محمد رفیع الحسن اور حافظ مولوی نور الحسن صاحب کہتے ہیں۔ ”فان قلت سے الی غیر ہا تک
 ”یعنی اگر تو کہے کہ اس حدیث میں محدثین نے طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث

سے اور اس نے ثوبان سے روایت کی ہے۔ اور یزید بن ربیع مجہول ہے۔ اور ابوالاشعث سے اس کا سماع نیز
مردوف ہے۔ تو یہ حدیث منقطع ہوگی۔ جس سے حجت کیڑنا درست نہیں ہو سکتا تو اس طعن کا جواب ہے کہ امام
محمد بن اسماعیل البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ اور وہ محدثین کے امام ہیں۔ پس یہ ان کا حدیث
لانا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کے طعن پر التفات نہیں کیا جاسکتا۔
(عمدة الحواشی بر حاشیہ اصول شاشی مطبوعہ نامی کا پورہ ص ۷۶)

اور تلویح کے حاشیہ فزی میں یہ لکھا ہے۔ کہ چونکہ اس حدیث کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی رہے جو محمد بن جریر
مطمع سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں۔

مختار مدعیہ کی دوسری جرح

علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں خود اس کا رد موجود ہے۔ کیونکہ جب ہم نے اسے کتاب اللہ پر عرض
کیا تو اسے کتاب اللہ کی آیت مآتا کہ الرسول فخذ وہا منہا کم عنفا متلوکے مخالف پایا اور خطاب نے کہا
ہے کہ اسے حدیث ادتلیت الکتب ومثلہ معہ رد کرتی ہے اور فریوز آبادی نے بھی حدیث یعنی ادتلیت
الکتب ومثلہ معہ کو لے کر اسے موضوع ٹھہرایا ہے۔
جواب ۱۔ مولوی وحید الزمان حیدر آبادی نے اشواق الابصار فی تخریج احادیث الاثر ان اخلال کو

درج کر کے لکھا ہے۔ و فیہ ما فیہ یعنی یہ جواب بہت کمزور ہے۔ چنانچہ حاشیہ پر وہ اس کی تخریج
میں لکھتے ہیں۔

« اشارة الى ان هذا القول يعجزى فيما سكت الكتاب عنه وما اذا خالفه
كما هو المراد ههنا لعدم الموافقة فردا واجب -

یعنی علامہ شوکانی نے جو آیت پیش کی ہے۔ کہ رسول جو تمہارے پاس لائے اسے لے لو اور جس سے روکے اس
سے رک جاؤ۔ اور حدیث کہ مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے۔ تو اس سے مراد وہ قول یا وہ باتیں ہیں جن کے
بارہ میں قرآن مجید ساکت ہے۔ اور لیکن اگر کوئی قول قرآن کے مخالف ہو جیسا کہ حدیث میں عدم موافقت
بالقرآن سے مراد ہے تو ایسے قول کا رد کرنا واجب ہے۔

جب علامہ شوکانی وغیرہ کو حدیث اذ اس دی لکھ عتی حدیث فاعرضوا علی کتاب اللہ کی
آیت مآتا کہ الرسول فخذ وہا منہا کم عنفا متلوکے مخالف سے ملاقات معلوم نہ ہوئی تو اسے
موضوع ٹھہرایا۔ حالانکہ آیت میں یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ جو بات رسول قرآن مجید کے مخالف لائے تو اسے لے لو

اور نہ ہی حدیث میں یہ تھا کہ جو قرآن کی مثل آنحضرت صلیم کو دیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے مخالف ہے بلکہ حدیث اڈا رومی لکم عنی“ اس آیت اور حدیث کی تعبیر کر رہی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا موضوع اقوال سے جو افتراء کر کے آپ کی طرف منسوب کیے گئے ہوں معلوم کرنا مشکل ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ آنحضرت صلیم کا قول وہی ہو گا جو قرآن مجید کے مخالف نہ ہو اور اگر کوئی مخالف یا دو توفیقاً سمجھ لو وہ قول افتراء کے طور پر آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ شرح التوضیح علی التبیح ص ۲۲۳ میں اذاروی لکم عنی حدیث“ کو ذکر کر کے لکھا ہے۔

”فدل هذا الحدیث علی ان کل حدیث یخالف کتاب اللہ فانه لیس یجد فیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وانما هو مقتوی“ کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو تو وہ رسول اللہ کی حدیث نہیں۔ بلکہ وہ محض افتراء ہے۔ جو آپ پر کیا گیا ہے۔

پہنجم ۱۔ یہ حدیث مسلم اکابر اللہ نے صحیح نسیم کی ہے اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھا ہے۔ چنانچہ لوزر الاوزار میں لکھا ہے۔

وتمسک الشافعیؒ ایضاً فی عدم جو ان نسخ الكتاب یا لسنۃ نقولہ علیہ السلام اذا رادی لکم عنی حدیث فاعرضوا علی کتاب اللہ تعالیٰ فما وافقہ فاقبلوا والافردوا فکیف ینسخ بہا۔ (لوزر الاوزار مطبوعہ مصطفائی ص ۱۷۷)

(۱) اور امام شافعیؒ نے کتاب کے سنت سے منسوخ نہ ہونے پر آنحضرت صلیم کی اس حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی روایت بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ اسے رد کرو۔ پس سنت کے ساتھ کتاب اللہ کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔

(۲) اسی طرح تفسیر قادری میں زیر آیت اقیمو الصلوة ولا تکنوا من المشرکین لکھا ہے۔

”تیسیر میں شیخ محمد بن اسم طوسی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی کہ جو کچھ مجھ سے روایت کی جائے۔ تو اسے قرآن شریف پر پیش کرو اگر موافق ہو تو وہ روایت مجھ سے ہے۔ تو میں نے اس حدیث کو کہ من ترک الصلوة متعمداً فقد کفر۔ یا ہا کہ کسی آیت سے موافق کر دوں اور میں برس تک میں نے فکر کی یہاں تک کہ یہ آیت پائی کہ اقیمو الصلوة ولا تکنوا من المشرکین۔

بہت صاف بات ہے کہ اگر حدیث اذاروی لکم عنی حدیث موضوع ہوتی تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک جلیل القدر امام اس پر عمل کر کے حدیث من ترک الصلوة متعمداً کی صحت قرآن کریم سے معلوم کرنے کے لیے تیس برس تک کوشش کرتے رہے۔ کیا شیخ محمد بن اسم طوسی قدس سرہ جیسے رفیع المرتبت

امام کا جن کی جلاوت شان محتاج بیان نہیں ہے۔ زنادقہ کی گھڑی ہوئی حدیث پر عمل کرنے میں طویل زمانہ ضائع کر دینا عقل انسانی تسلیم کر سکتی ہے۔ برگز تہیں اور عقل و انصاف سے واسطہ رکھتے والوں کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کہ دراصل امام موصوف اس حدیث کو نہایت صحیح اور درست سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے انجناب نے مدت دراز تک اس کے مطابق عمل کر کے بحر تلاش میں فواجی جاری رکھی اور بالآخر گہر مقصود حاصل کر لیا۔

اور علامہ جیونہ اپنی تفسیر احمدی کے مقدمہ میں جو زمانہ اور رنگ زریب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصنیف فرمائی تھی آیت ما فرطنا فی الكتاب من شیئی وغیرہ لکھ کر فرماتے ہیں :-

”وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ ابلاغکم عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان واقعه فاقبلوه والا فردوا۔ نفی القرآن تصدیق کل حدیث و مرد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (التفسیر الاحمدی ص ۳ مفہوم مبلغ پنجابی لاہور) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کر دے اگر اس کے موافق ہو تو اسے قبول کر لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس قرآن مجید میں ہر ایک اس حدیث کی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ تصدیق موجود ہے۔

ششم :- جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید کے مخالفت ہے انہوں نے صریح غلطی کی ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس حدیث کی تصدیق و تائید کرنے والی آیات کثرت سے موجود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی شان میں فرماتا ہے۔

”فیہا کتب قیمۃ۔ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ ان ہذا القرآن یہدی للتی حقو۔ وانہ لحق الیقین۔ حکمۃ بالغۃ نبیاً کل شیء۔ انزل الکتاب بالحق والبعیزان۔ ہدای للناس و بیانات من الہدای والفرقان۔ انہ نقول فضل لا یرب فیہ۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ نہ وہ تمام صد اقول پرستل ہے۔ اور باطل کسی طور سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ وہ حق الیقین ہے۔ اس میں غلو اور شک کی جگہ نہیں۔ وہ کلمتہ بالغہ ہے۔ اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ وہ حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لیے محکم بھی ہے۔ وہ لوگوں کے لیے صاف ہے۔ ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے۔ اور حق و باطل میں فرق کرنا ہے۔ وہ قول الفصل ہے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں۔

پس جس کتاب کی یہ خصوصیات ہوں وہ کیوں احادیث کی صحت کا معیار نہ ٹھہرے۔ اور اپنی خصوصیات کی

وجہ سے اللہ فرماتا ہے۔ قبای حدیث بعد اللہ و آیا تکہ یومنون اور اقبای حدیث بعدہ یومنون
یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اسباب کی طرف اشارہ
ہے۔ کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دل سے پہنچا تا کہ اس فیصلہ میں کسی طور تک باقی
نہ رہ جائے اور منشاء ابھی طرح کھن چا دے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف
پڑی ہو مومن کا کام نہیں پرتا چہ مشکوٰۃ سنی میں ایک حدیث ترمذی اور دارمی سے منقول ہے جس سے متنازعہ
فیہ امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

”عن الحارث الاعور قال صررت فی المسجد فاذا الناس یجوزون فی الاحادیث قد خلت علی علی
فاخبرته فقال او قد فعلوها۔ قلت نعم۔ قال اما فی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
الا انها ستكون فتنۃ قلت ما الخرج یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ فیاء ما قبلکم و خیر ما بعدکم
و حکم ما بینکم هو الفصل لیس بالہزل من ترک من حیثا یرقصہ اللہ و من ابغی الہدی فی عتبہ
اضلہ اللہ و هو حبل اللہ المتین من قال بہ صدق و من عمل بہ اجز و من حکم بہ عدل
و من دعا الیہ ہدی الی صراط مستقیم و ما دالا الترمذی و والد امری“

یعنی عارث انور نے کہا کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور مردیوں میں فوج کر رہے تھے۔ گذرا سو
میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو تہہ زک حدیثوں میں کیوں لگ گئے ہیں حضرت علیؑ کے پاس گیا اور آپ کو خبر دی آپ
نے مجھ سے فرمایا۔ یقیناً سمجھ کر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ عنقریب ایک فتنہ ہوگا
یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں ہوں گی اور اختلاف میں پڑ جائیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے۔ تب میں نے عرض کی
کہ اس فتنہ سے کیونکر بچائی ہوگی۔ تب آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ سے رہائی ہوگی اس میں تم سے پہلوں کی
خبر موجود ہے۔ اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے۔ جو تم میں تنازعات پیدا ہوں ان کا اس میں فیصلہ موجود ہے اور
وہ قول فصل ہے۔ ہزل نہیں۔ جو شخص اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا۔ اور اس کو حکم نہیں بنائے گا۔ خدا تعالیٰ
اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی اسے سچ کہا اور جس نے اس
پر عمل کیا وہ نابور ہے۔ اور جو اس کی رو سے حکم بنا اس نے عدالت کی اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے
ماہ راست کی طرف بلایا۔

پس اس حدیث میں صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اختلافیات کے فتنہ کے وقت جو شخص قرآن مجید کو حکم اور
معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا۔ اور جو شخص اسے حکم نہیں بنائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا یہ حدیث
باوازی بند بکار رہی ہے کہ امامیث وغیرہ میں جس قدر اختلاف باہمی پائے جاتے ہیں ان کا تصفیہ قرآن کریم کے

یعنی جس نے تجربے سے نہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ خدا تعالیٰ کو دیکھنا آیت لا تدركه الابصار اور آیت وما كان بشئ من خلقه الا بقرين لا يمشي معك الا بالحق الا ان تكسب الخوف اور اگر تجھے کوئی بتائے کہ جو کل ہونے والا ہے۔ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے ہیں تو اس نے بھی جھوٹ بولا۔ کیونکہ یہ آیت لا تدركه الابصار، اذا تكسب الخوف کے مخالف ہے۔ اور اگر تجھے کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے بھی جھوٹ بولا کیونکہ ایسا کہنا آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك کے خلاف ہے اور سورہ نجم کی آیت ولقد راہ بالافق المبین اور آیت ولقد راہ نزلت اخروی سے جبرئیل کو اس کی اصلی صورت میں دوسرے دیکھنا مراد ہے۔ حضرت عائشہؓ کے تعلق سے بھی کہ وہ احادیث کو قرآن مجید سے رو کر دیتی تھیں صاف ظاہر ہے کہ حدیث اذاری کلم عنی بالصلیح صحیح ہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب کنگوہی بھی حضرت عائشہؓ کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا کہ وہ کہتی تھی کہ مطلقہ ثلاث کو نفقہ دیکھ سکتی نہیں مگر آپ نے فرمایا کہ ہم کتاب و سنت کو ایک عورت کے قول و روایت سے رد نہیں کر سکتے۔ معلوم نہیں کہ اس کو یاد رہا یا بھول گئی۔ اور حضرت عائشہؓ نے یہ کہنے کی وجہ سے اس بیان کو رد کر دیا کہ وہ بھی تھی اور حضرت عائشہؓ کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عمر اہل بیت کے رونے سے میت کو معذب ہوا روایت کرتے ہیں۔ تو آیت قرآن سے جو نقل تمادہ کلبہ کے ہے۔ ولا تزروا زورا و زورا آخری دو کی یاد رکھا کہ قرآن تم کو بس ہے۔

(۲) - اس طرح ابن سعد اور طبرانی نے مقنع تمیمی سے روایت کی ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ لوگ اس طرح آپ کی حدیث میں تخریج کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اتنے اونچے اٹھا لے کہ مجھ کو آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور یوں دعا کی "اللہم لا تجعل لہما ان یکذبوا علی" کہ اسے خدا میں ان کے لیے یہ جائز نہیں قرار دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھیں۔ مقنع نے کہا۔

فلما احدث بحدیث عنہ علیہ السلام الاحادیث نطق بہ کتاب او جرت بہ سنتہ یکذب علیہ فی حیاتہ فکیف بعد مماتہ، (موضوعات کبیر ص ۷)

یعنی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد آپ کی طرف کوئی حدیث بیان نہیں کی مگر وہی جو منقول کتاب اللہ کے مطابق ہو یا اس پر سنت جاری ہو یعنی سنت سے ثابت ہو آپ کی زندگی میں آپ پر جھوٹ باندھا جاتا ہے تو آپ کی وفات کے بعد کیا حالت ہوگی۔

(۲) امام ملا علی قاریؒ نے موضوعات میں لکھے ہیں:

«الکفریم حبیب اللہ ولو کان فسقا۔ انبیاء اللہ ولو کان راہبا۔ لا اصل لہ بل الفقرا
الاولیٰ موضوعۃ بمعازفتہا بنص قولہ تعالیٰ ان اللہ یحب التوابین واللہ لا یحب
الظالمین والفا سق اما من الظالمین او الکافرین» (موضوعات کبیر ص ۷)

یعنی اس حدیث کا پہلا ٹکڑا "الکریم حبیب اللہ ولو کان فاسقاً" اس لیے موضوع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب
ان اللہ یحب التوابین اور واللہ لا یحب الظالمین کے معارض ہے کیونکہ فاسق یا ظالم ہو گا یا کافر۔
(۱) - اس طرح فوائد مجموعہ شوکانی میں لکھا ہے۔

"حدیث مامات النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی قرأ وکتب قال الطبرانی منکر معارض للکتاب
الغریب"
(فوائد مجموعہ ص ۱۱۶)

یعنی یہ حدیث کہ آنحضرت صلعم فوت نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ پڑھ لکھ لیتے تھے۔ طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث
بوجہ معارض ہونے قرآن مجید کے منکر یعنی غیر صحیح ہے، ایسے حدیثوں کے متعلق گذشتہ اماموں کا روشن
اور نورانی طریق عمل اور اس کے ہوتے ہوئے حدیث اذ اللہ ہی لکم عنی کی صحت
کے خلاف کسی کی لب کشائی بجوئے نئے ارز و یہ ہے حدیثوں کے متعلق گذشتہ اماموں کا روشن اور نورانی طریق عمل
اگرچہ بات نہایت صاف اور مطلب بالکل واضح ہو چکا ہے اور انہ روئے انصاف گنہائش چون درچراکی مطلق باقی
نہیں رہی ہے۔ تاہم میں اس پر اکتفاء نہ کر کے گراہان مدعیہ و مختاران مدعیہ کی ذہنیت کی رعایت سے چند حوالہ اور
پیش کرتا ہوں۔ اور حوالے بھی ایسے جو میرے مدعا کو مختاران مدعیہ کی نظر میں روشن سے روشن تر اور مختاران مدعیہ
کو حیران و ششاد بنا دینے والے ہی نہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کر دینے والے ہیں کہ مختاران مدعیہ حالات باذرون خانہ
سے بھی کتنے ناواقف اور بے خبر ہیں۔ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا اور امام جناب مولوی محمد قاسم صاحب
تافزوی ہائے دارالعلوم دیوبند اپنی مشہور عالم کتاب ہدیۃ الشیعہ میں فرماتے ہیں کہ اہلسنت "کلام اللہ کے سامنے
کسی کی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابقت کر کے دیکھتے ہیں اگر اوائلی نکلے تو نہا ورینہ موافق مثل مشہور
کالائز بون بریش خانداس کو ناویوں کے سرار تے، ان اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راویوں کا قصور ہے۔
الفصل عقل و نقل کی کسوٹی دین و دنیا میں امام سمجھتے ہیں" (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۱۶)

حالانکہ حضرت اقدس کا یہ قول نبی کریم صلعم کی سچی حدیثوں کے متعلق ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ ان کے متعلق تھا۔ جو علی
سے حدیثیں خیال کی جاتی تھیں اور درحقیقت حضور کی حدیثیں نہیں تھیں بلکہ جعلی اور موضوع تھیں اور مفروضہ
طور پر آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے حدیثیں کہلاتی تھیں۔ اب میں نے اس قسم کی حدیثوں
کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی ایک ایسا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ جس میں وہ ایسی حدیثوں کو جو خلاف
قرآن ہوں راویوں کے سرار نے پڑھی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان کو کالائز بون بھی ٹھہراتے ہیں۔ کیا مختاران
مدعا علیہ مولوی صاحب کو بھی احادیث رسول اللہ صلعم کی روئی کی نوگرمی میں ڈال دینے سے بھی زیادہ
بے وقفی کرنے یعنی لوگوں کے سرار دینے والا قرار دے کر کافر و مرتد ٹھہرائیں گے۔

اور مولوی محمد قاسم صاحب بجا بے سبب احمد خان تصفیۃ العقائد صفحہ میں فرماتے ہیں: "واقعی مخالف

کلام اللہ کسی محدث کا قول معتبر ہو گا نہ کسی محدث کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائے گی۔ مگر مخالف و توافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں اس کے لیے تین سطحوں کی ضرورت ہے ایک تو علم یقینی۔ معانی قرآن دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جس کو یہ منسوب خدا مطلقاً اس کے بڑے نصیباً یہ یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ صاحب کے قول "ہم جیسوں سے" ان کے نزدیک مختار مدعیہ نہرا کے دینی بزرگ سر سید رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ مراد میں نہ اپنے جیسے لوگ اور نہ اپنے بزرگوں اور اسنادوں جیسے کیونکہ آپ بدیۃ الشیعہ میں بیاقرار فرما چکے ہیں۔ کہ اہل سنت ان حدیثوں کو جو مخالف کلام اللہ ہوں راویوں کے سمراتے ہیں اور اس قول کے مطابق ایسے لوگ جو مخالف قرآن عادیہ کو راویوں کے سمراتے والے ہوں ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں ہر شخص کا یہ کام نہیں چرنا چہ آپ فرماتے ہیں۔

دوسری غلط نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ بفضل تعالیٰ ان میوب سے پاک ہیں۔ بلکہ جیسے کسوٹی پر جانزی سونے کو لگا کر کھوٹا پرکھ لینے ہیں۔ سنی کلام اللہ پر روایات کو مطابق کر کے صحیح و صنیف کو دریافت کریتے ہیں۔ (بدیۃ الشیعہ ص ۱۹۰)

اور فرماتے ہیں نہ۔

"جس صورت میں کلام اللہ میں رحمانو مینہم ہو اور اس کے تمہارے نزدیک یہی معنی ہوں کہ ان میں ہرگز کبھی مدیخ ہوتا ہی نہیں۔ تو موافق قاعدہ اصول کے ان روایات کا اعتبار نہ ہو گا جو کلام اللہ کے مخالف ہیں (بدیۃ الشیعہ ص ۱۹۰) روایات صحیحہ اس قول میں احادیث ہیں

کیا مختاران مدعیہ کے لیے اپنے اس مسلمہ امام کی یہ صراحت موجود ہوتے ہوئے بھی حدیث اذاردی لکم عقی کے متعلق یہ کہنے کی از روئے انصاف کوئی گنجائش ہے کہ یہ حدیث بجا خلاصے و مفہوم کے بھی قرآن مجید کے خلاف ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

تیسری بات کا جواب

مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا یہ قول کہ حدیث بلا سند بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتاب شرح منجبتہ الفکر میں ایسا لکھا ہے۔ محض اتمام ہے۔ عدالت کو صریح مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ کے جواب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شرح منجبتہ الفکر کی عبارت دکھادی تھی اور اس کا ترجمہ یہ ہے "کہ حدیث مشہور کا اطلاق ایک تو اس پر ہوتا ہے۔ جو ہم لکھ چکے ہیں۔ اور جو حدیث زبالوں پر چڑھی ہوئی ہو اس کو بھی مشہور کہتے ہیں اور یہ تشریح ان حدیثوں کو بھی شامل ہے۔ جس کے لیے ایک سند پائی جاتی ہو اور جس کی کوئی سند نہ ہو"

چنانچہ حاشیہ میں اس کی مثال جس کی کوئی سند نہیں پائی جاتی (ولولک لما خلقت الافلاک لکھی ہے جسے مختار مدعیہ بھی آنحضرت صلیم کی خصوصیات میں سے تسلیم کرتا ہے اور اس کی سند نہ ہونے کی وجہ سے صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶)

اور اس طرح حدیث علماء امتی کا بنیاد یعنی اسرائیل جسے امام ربانی جمد العارف ثانی نے مکتوبات جلد ۱ ص ۲۶ میں جو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اور ان کے مقتداؤں کو بھی علم ہے۔ اس کی بھی کوئی سند نہیں پائی جاتی چنانچہ فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶ اور موضوعات کبریہ ص ۱۱۶ اور المصنوعات فی احادیث الموضوعات ص ۱۱۶ میں ابن حجر اور زرکشی اور دبیری اہ مستظلی کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس طرح حدیث اختلاف امتی رحمتہ کے متعلق موضوعات کبریہ ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے حالانکہ دیوبندیوں کے سلیبزرگ مولوی قلیلی احمد بٹھیوی نے البراہین القاطعہ ص ۱۱۶ میں جو مولوی رشید احمد صاحب کی تصدیق ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب نے لطائف تاسیہ مطبوعہ مجتہبی ص ۱۱۶ میں اس حدیث کو صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے ۴

اس طرح البراہین القاطعہ ص ۱۱۶ میں اس حدیث کو جس کا ترجمہ یہ ہے "وَلَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا حَقِيقَتَهُ" صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق بھی لکھا ہے۔ لا اعلم فلعن جداري فذا قال ابن حجر لا اصل له (فوائد المجموعہ ص ۱۱۶) کہ ابن حجر نے کہا یہ حدیث بے اصل ہے۔

پس مذکورہ بالا احادیث جن کی کوئی سند نہیں پائی جاتی ائمہ اور اکابر امت میں صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ اور زبان زد خلائق ہیں۔ اور مشہور کی قسم میں داخل ہیں اور بلا سند معتبر ہیں اہل عبداللہ بن مبارک کے قول کے مطابق اس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی حدیث اس حد تک قبولیت کا درجہ پا چکی ہو کہ اس کے لیے سند کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو اور وہ بلا سند مشہور ہو گئی ہو۔ تو وہ حدیث بھی اس حدیث کی طرح جس کی سند بیان کی گئی ہے معتبر سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہے کہ باوجود ان کی سندوں کے نہ ہونے کے اکابر ائمہ اور جہت علماء انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں ۴

دوسرے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے تمام پیرو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور حضرت اقدس کی کتابوں میں متعدد جگہ ایمان بالرسول کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آپ حقیقۃً اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماتے ہیں: ”اللہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا۔ اور آدم کو پیدا کیا۔ اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں۔ اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔“

اور فرماتے ہیں: ”

خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ امانت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلاً
والبعث بعد الموت و اشہدان ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہدان
محمد اعبداً ورسولہ۔ (زرالہ اہام ص ۷۔)

اور اسی طرح اپنے مضمون لمحظہ چشمہ معرفت آیت امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے کو تحریر کیا ہے اور اپنی مقدمہ و کتب میں ایمان بالرسول کا اظہار کیا ہے جیسا کہ گواہان مدعا علیہ کے بیانات سے واضح ہے۔ اس کے بعد مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعودؑ پر انبیاء و اور امت محمدیہ وغیرہ کی توہین کے الزامات لگائے ہیں۔ جن کا جواب عنوان توہین کے ذیل میں آئے گا۔ شاہ اللہ تعالیٰ اسے دست میں اس اعتراض کو لیتا ہوں۔ جو مختار مدعیہ نے، اکتوبر کی بحث میں پیش کیا ہے۔ اور ۱۰ اکتوبر کی بحث میں بھی کہ مرزا صاحب نے کرشن ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح میں کہا ہے کہ کرشن کو نبی ماننا خلاف قرآن نہیں، اعتراض مختار مدعیہ کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ایک غیر نبی بلکہ ایک کافر کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنا کفر ہے اور پھر اس کے مثیل ہونے کا دعویٰ کفر و کفر ہے۔

جواب:۔
اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ تو کسی کا فر یا مومن غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل فرمایا ہے۔ اور نہ کسی کافر کے مثیل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

پہلے میں اس امر پر نظر کرتا ہوں کہ آیا سری کرشن جی کافر تھے۔ یا مومن اور نبی۔ اور اس کے لیے قرآن شریف کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نبی ہونا خلاف قرآن نہیں۔ بلکہ بالکل مطابق قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وان من امتہ الاخلاقینما نذیروم) (پطع ۱۵) یعنی دنیا میں کوئی

امت ایسی نہیں ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔ اور فرمایا ہے متھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقص علیک (پہا - ۲۶) یعنی (اے نبی کریم) ہم نے بعض رسول کا ذکر تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت میں تو یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ قرآن شریف میں کل نبیوں کا ذکر نہیں۔ صرف بعض کا ہے اور بعض نبی ایسے بھی ہیں۔ جن کا قرآن شریف میں کچھ ذکر نہیں آیا۔ اور ایک آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے ڈرانے والے یعنی نبی آئے ہیں۔ اور جب ہر قوم میں نبیوں کا آنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ تو اس میں کیا شک ہے۔ کہ ہندو بھی ایک بہت بڑی قوم ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ بڑی قوم میں کوئی نبی نہ بھیجا گیا ہو۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ مذہب کے لفظ سے نبی مراد ہونا ضروری نہیں، عالم وغیرہ بھی مراد ہو سکتے ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ جس آیت میں یہ لفظ مذہب آیا ہے اس سے پہلے اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مخاطب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ان انت الانذیر انارسلناک بالحق بشیرا و نذیرا وان من امة الا اخلا فیہما نذیر یعنی تو ایک نذیر ہے اور ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشیر و نذیر کر کے بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں ہے۔ مگر ہماری طرف سے اس میں ایک نذیر گزرا ہے۔

سیاق کلام بتا رہا ہے کہ اس آیت میں نذیر سے مراد نبی ہی ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد بعثنا فی کل امة رسولا رطباً یعنی ہم نے ہر امت میں اپنا رسول ضرور بھیجا ہے۔ اور اس سے لفظ نذیر کی اچھی طرح تشریح ہوگئی۔ اور ظاہر ہو گیا کہ ہر امت میں خدا کا نبی و رسول ضرور آیا ہے۔ پھر قرآن مجید اور صحف انبیاء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جھوٹے نبی کا ذکر دنیا میں زیادہ مدت تک قائم نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ جلد منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی نام پورا نہیں رہتا۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

نظام عالم میں جہاں اور قوانین ہیں یہ بھی ہے۔ کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ خدا نے کسی جھوٹے نبی کو سرسبز نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا نبوت مخالف بھی نہیں بتا سکے۔ (مقدمہ تفسیر ثنائی جلد اول)

پس ہندوستان کا ایک بڑا ملک اور ہندو قوم کا ایک بڑی قوم ہونا اور سری کرشنن جس کا ہزاروں سالوں سے اس ملک اور قوم میں اعلیٰ درجہ کا برگزیدہ اور خدا رسیدہ سمجھا جانا اور غیر معمولی عزت و عظمت سے دکھا جانا بتا رہا ہے۔ کہ درحقیقت وہ خدا کے نبی تھے۔ ورنہ ایک جھوٹے کے لیے خدا کی عزت اتنی دیر پا عزت کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ حتیٰ پسند طابع کے لیے تو یہ بیان نہایت تسلی بخش بیان ہے۔ کہ جب قرآن شریف سے

سری کرشن جی کا نبی ہونا پایا جاتا ہے۔ تو ان کے مشیل ہونے کا دعویٰ ایک نبی کے مشیل ہونے کا دعویٰ ہوا پھر اس کا کفر سے تعلق لیکن جو لوگ باوجود اس کے مقبول اور قابل قبول ہونے کے اس کو مقبول نہ کریں ان پر بڑے بڑے علماء و فضلاء بلکہ اولیاء و ائمہ تک کو کافر و مرتد ماننا پڑے گا۔ یہ کیونکہ انہوں نے حضرت کرشن جی کو نبی مانا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ بعض حضرات نے انہیں آیتوں سے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور طرہ یہ کہ مختار ان مدعیہ کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے اس معاملہ میں دوسروں سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب تانوتوی فرماتے ہیں۔

ادل تو قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ وان من امة الا خلا فيها نذیر۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہ عظیم اٹھان نہیں ہے۔ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ پھر کیوں کہ کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے۔ کوئی ہادی نہ پہنچا ہو کیا تعجب ہے کہ ہندو صاحبان جن کو اوتار کہتے ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے نبی یا ولی یا نائب نبی ہوں۔ دوسرے قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے۔ ومنہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقص علیک جس کا حاصل یہ ہوا کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے۔ اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجیب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہیں میں سے ہوں۔ جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا؟ (مباحثہ شاہجہانپور مابین مولوی محمد قاسم و پنڈت دیانند و منشی اندر من دہادی اسکاٹ ولوسن صاحبان منعقدہ ۱۲۹۵ھ مطبوعہ مجتہبان دہلی ص ۳۲)

(۲) اسی طرح مولوی محمد علی صاحب کانپوری ثم نوگیری اپنی کتاب ارشاد رحمانی و فضل یزدانی مطبوعہ مطبع منبع فیض شاہجہانی میں اپنے پیر حضرت قدوة الکملہ داسوۃ الفضلا ہادی مراحل شریعت و طریقت و واقف اسرار حقیقت و معرفت محیطہ جلال کرام و مرجع خواص و عوام قطب دوران عوث زمان مولانا افضل الرحمان صاحب کا ارشاد لکھتے ہیں۔

ایک روز بعد عصر کجاری شریف کے سبق میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا۔ صاحب زادہ صاحب احمد میاں نے فرمایا کہ کہنیا کی سولہ ہزار گویاں تھیں۔ ارشاد ہوا کہ حضرت کے پیشتر یہ لوگ مسلمان تھے، فقیر کہتا ہے کہ بعض ادر حضرات نفتشند یہ تھے بھی ایسا ہی کچھ کہا ہے چنانچہ قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ اس شخص کی خواب کی تعبیر میں فرماتے ہیں۔ جس نے دیکھا تھا کہ ایک جھگڑاگ سے میرا ہوا ہے اور کنھیا اس کے بیچ میں ہے۔ ادر درجند اس کے کنارہ پر ایک شخص نے اس کی تعبیر میں بیان کیا۔ کہ یہ لوگ کافروں کے سردار ہیں۔ اس لیے جہنم کی آگ میں جلتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ اس کی تعبیر دوسری ہے۔ جتنے لوگ گزر گئے ہیں۔ ان میں سے کسی خاص شخص پر کفر کا حکم کرنا بغیر ثبوت شرعی جائز

نہیں ہے۔ اور ان دونوں کا حال نہ قرآن مجید میں ہے۔ نہ حدیث میں اور قرآن مجید میں آپکا ہے۔ کہ ہر قریبہ میں ہدایت کرنے والا گذرا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہنود میں کوئی ہادی گذرا ہو گا۔ اس تقدیر ہو سکتا ہے۔ کہ لوگ اپنے عہد میں دلی ہوں یا نبی اور لاچند نسبت سلوکی تعلیم کرتا ہے۔ اور کس نسبت جذبی چونکہ کنھیا میں ذوق شوق کا غلبہ تھا۔ اس لیے وہ عشق و محبت کی آگ میں جلتا ہوا نظر آیا اور لاچند پر سلوک غالب تھا۔ جذب کو طے کر چکا تھا۔ اس وجہ سے وہ اس آگ کے کنارے نظر آیا۔ حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ نے اس تبغیر کو پسند کیا۔ اور خوش ہوئے ۱۰ ارشاد رحمانی فضل یزدانی ص ۳۷۷

ان عبارتوں میں جن صاحبوں نے سری کشن جی اور سری راجچندی کے مومن اور ولی ہونے اور نبی ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ سب مختلان مدعیہ کے مسلم بزرگ ہیں۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب نے تو کشن جی اور راجچندی کی نبوت پر انہی آیتوں سے ردی ڈالی ہے۔ جو میں نے ابتدائے بیان میں اس غرض سے پیش کی ہیں ۱۰

اب کیا مختار مدعیہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیوبندیوں کے دوسرے مسلم بزرگ اور مختار مدعیہ کے قبلہ و کعبہ مولوی محمد علی صاحب کاپوری ثم مونگیری سابق ناظم ندوۃ العلماء اور شہرہ آفاق بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی اور قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ اور حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ انیسرا نبیاء کا زمرہ انبیاء میں داخل کرنے والا قرار دے کر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے گا۔

یہ بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر میں اس موقع پر ان سب حضرات کے مقتدا پیشوا امام ربانی حضرت الشیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد فیہم ارشاد بھی نہ سنا دوں۔ آنجناب فرماتے ہیں:-

دوران سابقہ کہ ملاحظہ سے کتہ کہ کم بقعہ سے یا بد کہ در آنجا بعثت پیغمبر شدہ باشد حتی کہ در زمین ہند کہ دور اتریں معاملہ میں یا بد کہ از اہل ہند پیغمبران مبعوث شدہ اند دعوت یہ مانع جل شاہ فرمودہ اند بعضہ بلا ہند محسوس میگردد کہ انوار انبیاء در ظلمات مشرک دلد رنگ مشعلہا زدرختہ اند۔۔۔۔۔ ایجا کہ نہ اندینے سوال نہ کنند کہ اگر در زمین ہند انبیاء مبعوث سے شد نہ ہر آئینہ جز بعثت ایساں غیر ما میر سید بلکہ آن جز از جہت تو فردا علی بنواز منقول میگشت۔ ویس فلیس۔ زیرا کہ گویم کہ دعوت ای پیغمبران مبعوث عام نبود بلکہ دعوت بعضے مخصوص بیک قوم بودہ بعضے دعوت بیک قریہ و یا بیک بلکہ بود و تو اند بود کہ حضرت حق سبحانہ در قومی یا در قریہ شخص را بایں دولت مشرف ساختہ باشد و آن شخص آن قوم یا اہل آن قریہ را دعوت معرفت مانع جلی شانہ کردہ باشد و منع از عبادت غیر او تعالیٰ نمودہ۔۔۔ الفاظ رسالت و نبوت و پیغمبری از لغات عرب و فارس آمدہ بواسطہ

اتحاد دعوت پیغمبر علیہ وعلی آلہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات وایں الفاظ در لغت ہند بودہ تا انبیاء مبعوثہ ہند
 را یعنی یار رسول یا پیغمبر گویند و باین اساسی ایشان را یاد کنند۔۔۔۔۔ اگر انبیاء ہند مبعوث نہ شدہ باشند وہم زبان
 ایشان بایشان دعوت نکرذہ باشد ہرگزینہ حکم اینہا حکم شاہنہی جبل بود با وجود تردد دعوی الوہیت بدوزخ نہ در آئید و
 عذاب مخلد ایشانرا نشود و ہذا مما لا یرتضیہ العقل السلیم و لایا عدہ الکتف الصیح فان انشا ہر بعض مردہم فی وسط الحمیم
 مکتوبات جلد اول ص ۲۸۵ ۲۸۵ مکتوب ص ۲۵۹

اس عبارت کا حلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ ہندوستان میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں اور ہندوستان کے بعض
 شہروں کے اندر شرک کی تائیدیوں میں انبیاء کے انوار مشعل کی طرح روشن معلوم ہوتے ہیں اور اس جگہ کوئی کونہ
 اندلیس یہ سوال نہ کرے کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث ہوئے ہوتے تو ہم کو بھی اس کی خبر ہوتی۔ کیونکہ خبر نہ ہونے کی وجہ
 یہ ہے کہ ہند میں جو انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ ان کی دعوت عام نہیں تھی۔ بعض ایک مخصوص قوم کے لیے تھے۔ اور
 بعض ایک گادوں کے لیے اور بعض ایک شہر کے لیے اور وہ نبی اور رسول اور پیغمبر کے نام سے مشہور نہیں ہوئے
 کیونکہ یہ الفاظ عربی و فارسی کے تھے۔ ہندوستان کی زبان کے نہیں تھے۔ اور اگر یہ پایا جائے کہ ہندوستان
 میں انبیاء مبعوث نہیں ہوئے اور اہل ہند کو ان کی زبان میں دعوت نہیں دی گئی تو پھر یہاں کے لوگ بھی انہیں
 لوگوں کے حکم میں ہوں گے۔ جو بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے والے ہوں۔ اور جنہیں کسی رسول کی دعوت نہ
 پہنچی ہو۔ تو اسی صورت میں یہاں جو سرکش اور مدعی الوہیت وغیرہ گزرے ہیں۔ چاہیے کہ انہیں جہنم کا عذاب نہ
 ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جس کو قبول کرنے کے لیے عقل سلیم تیار نہیں ہے۔ اور کشف صحیح بھی اس کو رد کرتا ہے
 اور اس کی تائید نہیں کرتا ہے کیونکہ ہم کشفائان کے بعض سرکشوں کو دوزخ میں پڑا ہوا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس عبارت میں بڑی ہراحت و وضاحت اور بڑے شد و مد سے ہندوستان میں نبیوں اور رسولوں کا آنا
 بیان کیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کو جو اس میں کلام کریں مثلاً یہ کہیں کہ ہم کو ان کی آمد کیوں معلوم نہ ہوئی تم سمجھ
 اور کم فہم قرار دے کر یہاں کے انبیاء کی آمد معلوم نہ ہو سکنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہاں کے انبیاء رسول اور
 نبی اور پیغمبروں کے نام سے مشہور نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ الفاظ ان کی زبان کے نہیں ہیں۔ اور چونکہ وہ ان
 ناموں کی بجائے اور ناموں سے مشہور ہوئے اس لیے ان کا نبی و رسول ہونا عام طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ اور
 پھر بتایا ہے۔ کہ ہندوستان میں نبیوں کا نہ آنا ایسی بات ہے جس کو عقل سلیم کسی طرح قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ
 جہاں نبی نہ آیا ہو وہاں کے نافرمان باشندے دوزخ میں نہیں ڈالے جا سکتے۔ حالانکہ یہاں کے نافرمان و سرکش
 باشندوں کا دوزخ میں پڑا ہوا ہونا کشف صحیح کے ذریعہ ہمارے مشاہدے میں آ رہا ہے۔

اب کیا گذشتہ اصحاب کے ساتھ مختار مدعیہ حضرت مجددالفت ثانی پر بھی یہی فتویٰ لکائے گا کہ وہ

سے زیادہ اور بوجہا۔ زیادہ۔ کیوں کہ ان میں سے بعض نے تو صرف کرشن جی اور بعض نے نام نہیں لیے ہندوستان میں تہیوں کا آنا بنا دیا۔ مگر حضرت خواجہ صاحب نے تو اس پر بس نہ کر کے تمام اقداروں اور تمام ریشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی بتایا۔ اور وید کو آسمانی کتاب پھر کلام کو چہار دیواری ہند سے نکال کر ایران تک پہنچایا اور زردشت کا بھی نبی ہونا ظاہر فرمایا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو یہ مان لیا جائے۔ کہ مختار مدعیہ کا حضرت اقدس مرزا صاحب پر یہ الزام لگانا کہ آپ ایک غیر نبی یعنی کرشن جی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعمو بالشد) کافر میں اقطاعاً لغو و باطل ہے۔ اور کسی لحاظ سے بھی قابل الثقات نہیں۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بکثرت علماء و فضلاء اور اولیاء ہو حضرت رام چندری اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول اور ہنود کے تمام اقداروں اور ریشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی و رسول مانتے ہیں۔ اور جن میں سے صرف بعض کے نام میں نے درج کر دیئے ہیں۔ یہ سب کے سب (نعمو بالشد) مانتے ہیں۔ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور میں ایک آن کے واسطے بھی یہ فرض نہیں کر سکتا کہ کوئی مسلمان ان علماء اور اولیاء کو جن کے نام میں نے لکھے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ہندوستان کے تمام اقداروں اور ریشیوں کو علی العموم اور بالخصوص حضرت رام چندری اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول مانا ہے۔ کافر مانا ہے۔ اور مختار مدعیہ کو اپنے بزرگوں کے کافر قرار دینے کے بعد بھی مسلمان ہی سمجھے گا۔

اس موقع سے بغیر اس امر پر غور کیے ہوئے گذر جانا مناسب نہ ہوگا۔ کہ اگرچہ حضرت رام چندری اور کرشن جی کو نبی و رسول تو اور بزرگوں نے بھی مانا اور بتا یا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے جس حقیقی پوش و خروش اور جلیبے شد و مرد سے ان کے نبی و رسول ہونے کی شہادت دی ہے۔ کہ کسی اور بزرگ میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ اگر بختاب نے یہ کام ایک خاص ارادہ الہی کے ماتحت ہی کیا ہے۔ چونکہ خدا کے علم میں تھا۔ کہ ریاست بہاولپور میں عدالت کے روبرو بخت پیش آئے گی کہ سری رام چندری اور سری کرشن جی کو نبی کہنے والا ایک غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے اور پھر اپنے آپ کو اس کی مثل قرار دینے کی وجہ سے کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لیے اس نے بلحاظ ردعائیت اس سرزمین کے سب سے بڑے انسان سے یہ شہادت قلم بند کرا دی کہ رام چندری اور سری کرشن جی نبی ہیں۔ تا وقت پر یہ شہادت پیش ہو کر اس سر زمین کے ہر چھوٹے بڑے پر حجت تمام ہونے کا موجب رہے۔ اور اکابر کی شہادتوں کا یہاں والوں پر اتنا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ جتنا کہ یہاں کے ایک فرد و حید حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ جیسے مسلم مقدس بزرگ کا خواجہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت اس لیے دلوائی ہے۔ تا اس کے مامور پر جو الزام ریاست بہاولپور میں عائد کیا جائے گا۔ اس کا لغو و باطل ہونا اس کی زمین کے ایک مسلم مقدس کے ذریعہ ظاہر فرما دے۔ لیکن

آئی جب کہ یہ ارادہ الہی و تعوی میں آچکا ہے۔ ہر شخص کے سامنے ہے۔ مبارک وہ جو اس پر غور کریں۔

بیان مندرجہ بالا سے سری کرشن جی کی نبوت معقول و منقول دو دو طریقوں پر اس طرح ثابت ہوتی ہے۔ کہ گنجائش کلام باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر یہ دوسرے پیش کیا جائے۔ کہ جب سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کی قوم یعنی ہندو ان کی طرف چوری زنا اور دعوی الوہیت وغیرہ امور جو شان نبوت کے بالکل منافی ہیں۔ منسوب کر رہے ہیں۔ تو پھر ان کو نبی ماننا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اور ایسی حالت میں ان کے مثیل ہونے کا دعویٰ جو ایک نہایت خراب حال مدعی الوہیت کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہوا کیونکہ جائز ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے۔ کہ ان کو نبی ماننا اسی طرح درست ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت لوط و حضرت یوسف و حضرت داؤد و حضرت سلیمان اور حضرت مسیح کو نبی ماننا درست ہے۔ حالانکہ ان سب نبیوں کی قوموں نے ان کی طرف ویسی ہی لغویات منسوب کی ہیں۔ جیسی کہ ہنود نے سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کی طرف منسوب کی ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر اور جس طرح ان انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا ان کی طرف لغویات منسوب کرنا غلط تھا۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام ان لغویات سے متبرک و منزہ تھے۔ اسی طرح سری رام چندر جی اور سری کرشن جی ان لغویات سے جو ان کی قوم نے ان کی طرف منسوب کیں بری ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا۔ تو کرشن جی کے مثیل ہونے کا دعویٰ قابل اعتراض نہ رہا۔ میں اس کو ایک مثال کے ذریعہ سے اور زیادہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ تمام دیوبندی حضرات کے مسلم مقتدا اور ان کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو اس زلنے کا میسا اور ماہ کنعان یعنی اس زمانے کا یوسف لکھا ہے۔ جیسا کہ وہ مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

میسامے زمان پہنچا فلک پر تھوڑ کر سب کو

پھبھا چاہ لمد میں دائے قسمت ماہ کنعان

کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فوت ہو کر زیر زمین دفن ہو گئے۔ مجھے اس موقع پر یہ کہنا نہیں لگتا کہمان پر چلے جانے سے زیر زمین دفن ہونا بھی مراد ہوا کرتا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام بھی مولوی رشید احمد صاحب کی طرح زیر زمین دفن ہو کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ میسامی قوم یعنی عیسائی قوم میسامی طرف شراہنوری اور دعویٰ انبیت والوہیت وغیرہ بہت سے خراب امور منسوب کر رہے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب کو میسامے زمان لکھنا ان کیوں لکھا۔ اس غرض سے جو بائیں عبدانی میسامی پر ان سے پہلے دلوئی خردنیں وہ بائیں کو دلائی خردنیں بھی مانتے تھے۔ ہرگز نہیں بلکہ مولوی محمود حسن صاحب ان باتوں کو جو عیسائی میسامی کی طرف منسوب کرتے ہیں، غلط سمجھتے تھے۔ اور دعویٰ انبیت والوہیت وغیرہ تمام خراب امور سے پاک جانتے تھے۔ اور ان کے نبی و رسول ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ اور میسامی انہیں صفات کے لحاظ سے جو وہ خود مانتے تھے۔ انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو میسامی کہا تھا۔ یہی اور بالکل یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ ہنود جو بائیں حضرت کرشن جی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام انہیں صحیح نہیں جانتے

اور دعویٰ الہمیت وغیرہ امور جو ان کی طرف منسوب کئے جا رہے ہیں، اور جو شان نبوت کے خلاف ہیں حضرت اقدس ان سب سے سری کرشن جی کی ذات کو بری جانتے ہیں۔ اور انہیں خدا کا نبی اور رسول یقین کرتے ہیں۔ اور آپ کا مثل کرشن ہونے کا دعویٰ کرشن جی کی ان صفات کو ملحوظ رکھ کر ہی نہیں آپ صحیح جانتے اور مانتے تھے، نہ ان خراب امور کے لحاظ سے جو ہندوان کی طرف منسوب کر رہے ہیں!

اگرچہ اس مثال سے یہ بات بالکل صحت ہو گئی ہے کہ کرشن جی کی طرف ان کی قوم یعنی ہندوؤں کا خلاف شان نبوت کچھ اور منسوب کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت مسیح وغیرہ انبیاء کی قوموں کا ان کی طرف خلاف شان نبوت بہت سے امور سے منسوب کر دینا۔ لیکن زیادہ اطمینان کے لیے ہمیں اپنے اس بیان پر تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداؤں بشیر مولانا محمد قاسم صاحب کی شہادت بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

”رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اذکار انبیاء یا اولیاء ہونے تو دعویٰ خدائی نہ کرنے۔ ادھر افعال ناشائستہ مثل زنا، چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے۔ حالانکہ اذکاروں کے معتقد یعنی ہندوان دونوں باتوں کے معتقد ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں بے شک اس سے سرزد ہوتی ہیں۔ سو اس شبہ کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہے۔ اور دلائل عقل و نقل اس کے خلاف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے۔ سری کرشن اور سری راجندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروح منسوب کر دیا ہو۔۔۔۔۔ علی ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہما السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود و نصاریٰ تہمت نثار چوری اور تاراجی لگاتے ہیں۔ اور ہم انکو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجیب ہے۔ کہ سری کرشن اور سری راجندر بھی عیوب مذکورہ سے ہمراہوں۔ اور ان کے ذمے یہ تہمت زنا و سرقت لگادی ہو۔“

(مباحثہ شاہجان پور ص ۳۱، ۳۲)

قیامت کے متعلق

علم قیامت صرف خدا کو ہے۔

فخرا مدعبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے قیامت کے متعلق جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے میکچر سیا لگوٹ کے صدمہ پر فرمایا ہے :-
 ”بہ صیح نہیں ہے۔ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں ہے۔
 جواب :-

اگر مختار مدعبہ کا مقصد معالطہ اندازی نہ ہوتا تو وہ یہ اعتراض کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اتنا صاف ہے کہ علم قرآن و علم حدیث سے نہایت قلیل مس رکھنے والا شخص اس کی صحت کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔
 چنانچہ ممتا، مدعبہ نے جو فقرہ نقل کیا ہے۔ اس کے آگے ہی حضرت اقدس فرماتے ہیں۔
 ”پھر آدم سے اخیر تک سات ہزار سال کیونکر مقرر کر دیئے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالیٰ کی کتاب میں صیح طور پر فکر نہیں کیا۔“

اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عربی آدم سات ہزار سال ہے۔ اور ایسا ہی پہلی تمام کتابیں بائبائی میں کہتی ہیں۔ اور آیت ان یوما عند ربك کلافت سنۃ ما تعدون سے یہی نکلتا ہے اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں اور جہاں کہیں بھی بیان کیا ہو سورہ النعیم کے اور آیت میں بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم سے الف چیم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتہ ہے۔۔۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صیح میں کہے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے بھی قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں

زمین پر بکثرت نہریں جاری ہوں گی۔ کتابیں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور اونٹ بیکار ہو جائیں گے سو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور اونٹوں کی جگہ بیل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہوگی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے آیت اقربت الساعۃ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخر زمانہ کی علامتیں لکھنے آئے ہیں۔ اور انہیں میں بھی لکھی ہیں پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ (لیکچر سبھا کوٹ ص ۶۸)

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول کا مطلب جس پر منتہا مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ قیامت کا کسی وجہ سے بھی کسی کو علم نہیں بلکہ علامات و آثار قیامت کے ذریعہ سے ایک قسم کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس علم کے متعلق اس حدیث میں بھی جسے گواہ مدعیہ ص ۳۳ بجواب جرح ص ۲۴۔ اگست کو صحیح تسلیم کر چکا ہے۔ لکھا ہے، جبریل نے قیامت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا اس کے متعلق مشول کو مسائل سے زیادہ علم نہیں ہے تب جبریل نے علامات ساعت یعنی قیامت کی نشانیوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں علامات قیامت بیان فرمائیں۔ اور خود منتہا مدعیہ اور گواہان مدعیہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کا نزول علامات قیامت میں سے ہے۔ جیسا کہ گواہ ص ۲۹ اگست کو بجواب جرح تسلیم کر چکا ہے۔

پس قیامت کے متعلق جس قسم کے علم ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ فریق ثانی کو بھی مسلم ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث سے بھی ثابت ہے۔ ہاں اس گھڑی کا کسی کو علم نہیں جس پر قیامت قائم ہوگی۔

عقیدہ

اوتار و تناسخ

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ بھی کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب عقیدہ اوتار اور تناسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ لیکچر سیا لکوٹ میں لکھتے ہیں: "اسی طرح میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں" اور کتاب البرہہ ص ۶۷ میں لکھا ہے "خدا ترے اندر آ گیا" یعنی اوتار۔ اور تناسخ کا عقیدہ اسی سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے لکھا ہے کہ میں کرشن ہوں۔ چنانچہ اپنا الہام پیش کیا ہے۔ "سے دور گویا تیری ہما گیتی میں لکھی گئی ہے" اور اسی طرح کہا ہے۔

سے
میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں؛
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اور تناسخ کی تعریف یہ ہے۔ کہ ایک روح دوسرے جسم میں چلی جائے۔ اوتار اور تناسخ کا عقیدہ بالاتفاق کفریہ عقیدہ ہے۔
جواب :-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہ عقیدہ اوتار کے جو ہندوؤں میں رائج ہے قائل ہیں۔ اور نہ تناسخ کے اور مختار مدعیہ نے اپنا ادعا باطل ثابت کرنے کے لیے جو عبارت لیکچر سیا لکوٹ سے پیش کی ہے۔ اس کے آگے اوتار کی تشریح حضرت مسیح موعود نے نبی لکھی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-
واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں پائی نہیں جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف تختہ اور باقیال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پڑھا۔ ادنیٰ کی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا برد یعنی اوتار

پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۴)

کیا مختار مدعیہ پر وہ حکایت لفظ بلفظ صادق نہیں آتی؟ معمولی محمد قاسم صاحب نے لکھی ہے کہ کسی بانو نے کہا تھا کہ کلام اللہ میں خدا نے نماز سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ہم نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا کہ صاحب ہمیں بتلاؤ۔ ہم نے تو آج تک یہ بات نہیں سنی۔ اگر یہ حکم ہے تو کلام اللہ کے قربان جانیے۔ بڑی آسام کی بات نکل آئی بانو نے کہا صاحب سورہ نساء میں ہے۔ لا تقربوا الصلوٰۃ یعنی نماز کے پاس نہ بیٹھو اس نے کہا صاحب اس کے بعد وائتم سکالی بھی تو ہے۔ یعنی نشے کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ ساری آیت کے معنی پر عمل کرنا چاہیے۔ بانو نے کہا بااسرار سے کلام پر کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے۔ جو اتنا بھی عمل ہو جائے (مدینۃ الشیعہ ص ۱۰)

سو شاید مختار مدعیہ نے بھی یہ طریقہ عمل اختیار کیا ہے۔ ایک عبارت لے کر اعتراض کر دیتا ہے۔ اور اس کی تشریح اور توضیح کو جو اسی جگہ درج ہوتی ہے۔ تھوڑا دیتا ہے۔

نبیؐ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں

کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اذکار کہتے ہیں وہ اپنے زمانہ کے نبی یا ولی یعنی نائب ولی ہوں۔۔۔

۔۔۔۔۔ رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اذکار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔

اس کے جواب میں لکھتے ہیں:-

”سو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہو۔ کیا عجب ہے کہ سرکارش اور سرورِ راجندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو؟“

(مباحثہ شاہ جہاں پور ص ۳۱)

اور نواب صدیقی حسن خان صاحب شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:-

”بالجملہ اذکار ہنود مظاہر حق گشتہ باشند خواہ از افراد بشر باشند یا از شیر و ماہی وغیرہ مثل عصائے موسیٰ و ناقہ حضرت صالح علیہما السلام، لیکن عوام ایں فرقہ سبب تصور فہم در میان ظاہر و منظر فرقہ کارہ ہمدام میبود ساختہ دور ضلالت اقتادند و ہمیں استمال فرقہ ہائے بیچار از مسلمان مثل تعویذ سازان و مجادران تمبر جلالیان و مداریان و اللہ اعلم (ذبح الکرامہ ص ۹۵)

پس اذکار سے مراد حدائق لینا نہ نائل کی منشا کے ہی صریح خلاف ہے بلکہ علمائے نے بھی اذکار کی جو حقیقت بیان کی ہے۔ اس کے بھی خلاف کرنا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب کہ اذکار کی تشریح اور تفسیر ”نبی“ کے لفظ سے کر دی تو اس کے بعد کسی نیک نیت انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس سے مراد خدا لے کر آپ کی

طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرے۔

اور جو الہ کتاب البریہ کا پیش کیا ہے۔ کہ خدا تیرے اندر اتر آیا یا تو اس کا جواب بھی اسی جگہ موجود ہے کیونکہ اس سے پہلا الہامی فقرہ یہ ہے۔ "میں نے ارادہ کیا کہ اپنا جانٹ بین بناؤں تو میں نے آدم کو مینی تجھے پیدا کیا۔ اور اس کے بعد کا فقرہ یہ ہے۔ خدا تجھے ترک نہیں کرے گا اور نہ چھوڑے گا جب تک کہ پاک اور پلیدی میں ذوق نہ کرے۔ پھر اس کے اگلے الہاموں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں فرستادہ اور نذیر وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں۔ نیز ان الہامات اور کثوف کا ذکر کر کے آپ عیسائیوں پر حجت قائم کرتے ہیں کہ ایسے کلمات سے کوئی خدا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تقرب اور محبت کے اظہار پر دلالت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"یسوع ابن مریم خدا نہیں ہے۔ یہ کلمات جو اس کے منہ سے نکلے اہل اللہ کے منہ سے نکلا کرتے ہیں۔ مگر ان سے کوئی خدا نہیں بن سکتا۔ اٹھو اور توبہ کرو کہ دقت آگیا ہے!! اس خدا کو پوچھو جس پر نوریت اور قرآن کا اتفاق ہے یسوع ابن مریم ایک عاجز بندہ تھا۔ اس کو نبی سمجھو جس کو خدا نے بھیجا تھا۔ اگر اب بھی کوئی عیسائی نہ مانے تو یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس پر پوری ہو چکی ہے" (کتاب البریہ ص ۱۲۸)

پس خدا کے اترنے سے مراد قطعاً وہ نہیں ہے۔ جو فخر مدعیہ نے لی ہے۔ کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے برخلاف ہونے کے علاوہ سابق و سابق کے بالکل متناقض ہے۔

اور خدا کے اترنے کا محاورہ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے جس سے مراد نزول رحمت اور اللہ تعالیٰ کی توجہ لی گئی ہے۔ چنانچہ امام محمد طہر فرماتے ہیں۔ "ینزل کل لیلۃ الی۔ سمکالذ نیا المنزول والضعوف والحرکات من صفات الاجسام والله یتعالی عن خلک والحواد نزول الرحمة والالطاف الالہیۃ وقربہا من العباد وقت التہجد۔"

کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اور نزول اور صعود اور حرکات اجسام کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ان صفات سے منصف ہو اس لیے خدا تعالیٰ کے نزول سے مراد نزول رحمت اور اللطاف خداوندی اور اس کا تعجب کے وقت بندوں کے قریب ہونا ہے۔

پس جب احادیث میں خدا تعالیٰ کے اترنے سے ظاہری طور پر اترنا نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ ظاہری مراد قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث کے منافی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں خدا تعالیٰ کے اترنے سے ظاہر طور پر اترنا مراد لینا جو آپ کے دوسرے الہامات اور اقوال اور عقائد کے مریخ خلاف ہے کیونکہ جو اترنا ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

” جب ایک انسان بچے دل سے خدا سے محبت کرتا ہے۔ اور تمام دنیا پر اس کو اختیار کر لیتا ہے۔ اور غیر اللہ کی عظمت اور جاہت اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بلکہ سب کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ تب خدا جو اس کے دل کو دیکھتا ہے۔ ایک بھاری تھیلی کے ساتھ اس پر نازل ہوتا ہے اور جس طرح ایک صاف آئینہ میں جو آفتاب کے مقابل پر رکھا گیا ہے۔ آفتاب کا عکس ایسے پورے طور پر پڑتا ہے۔ کہ مجازاً داستعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے۔ اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے اور اس کے دل کو اپنا عرش بنا لیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۶۲)

پس خدا کے اترنے سے مراد خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہے۔ اور حکم تخلقو ایا خلق اللہ اللہ تعالیٰ کے صفات کو جذب کر کے اس کے رنگ میں رنگین ہونا ہے نہ یہ کہ حقیقہً خدا تعالیٰ کا نزول۔ چنانچہ اس کے مطابق امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

” حدیث قدسی میں ہے: دلا سمائی ولكن لیصح قلب عبدی المؤمن مخصوص بقلب بندہ مومن است کہ معاملہ او از سائر ناس جدا است کہ بفناء و بقا مشرف گشته است و از حصول دارستہ بحضور پیوستہ است۔ آنجا اگر گنجائش است باعتبار حضور است نہ باعتبار حصول ہے

در کدام آئینہ در آید (مکتوبات احمدیہ جلد ۲ ص ۷۷)

اسی طرح سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب کے مقالہ ۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

” لا تکشف البرقع والقناع عن وجهك حتى تزوج من المخلوق. الی ان قال. لا یبقی فیک ارادة غیر ارادة ربك فتمتلی بوبك فلا یكون بغیر ربك فی قلبك مکان ولا مدخل وجعلت بواب قلبك واعطیت سیف التوحید والعظمة والجبروت فکل من رآیتہ دفأ من ساحة صدره الی باب قلبك انددت راسه من کا هله“

یعنی اسے انسان تو اپنے چہرہ پر سے برقع اور روپوش مت اٹھایاں ہمک کہ تو مخلوقات سے باہر نکل جائے یہاں ہمک کہ تجھ میں تیرے رب کے ارادہ کے سوا اور کوئی ارادہ نہ رہے پس تو اپنے رب سے بھر جائے گا پس تیرے رب کے سوا تیرے قلب میں اور کسی کا نہ مکان ہوگا اور نہ داخل ہونے کی جگہ اور تجھے تیرے دل کا دربان بنا یا جائے گا۔ اور تجھے توحید اور عظمت اور جبروت کی تلوار دی جائے گی پس ہر وہ شخص جسے تو دیکھتا ہے کہ وہ تیرے سینہ کے صحن سے تیرے دل میں آنا چاہتا ہے۔ تو اس تلوار سے اس کا سر اس کے شانہ سے علیحدہ کر دے گا۔ یعنی ہے

غیر حق ہر ذرہ کا مقصود تست
نیخ لابر کش کہ آں معبود تست

پس یہی معنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامِ آدہن یعنی خدا نیر سے اندر اتر آیا کے ہیں۔ نہ کچھ اور۔ اور سید عبدالقادر جیلانی نے صرف خدا کے اتر آنے پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ امتلاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بھر جانے کے ہیں۔ یعنی بندہ خدا کے ساتھ بھر جاتا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تمام کتابوں میں کسی جگہ بھی تناسخ کے مسئلہ کو صحیح نہیں قرار دیا بلکہ جا بجا اس کی تردید کی ہے۔

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ تناسخ ثابت کرنے کے لیے لیکچر سیالکوٹ کا حوالہ دیا ہے کہ آپ نے اس میں اپنے آپ کو کرشن قرار دے کر تناسخ کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی کے آگے تناسخ کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے کرشن ہونے کے متعلق الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں۔ ایک تو وہی ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں۔ کہ یہ طریقی اور یہ عقیدہ صحیح نہیں۔ کہ روجوں اور ذاتِ عالم کو جن کو پر کرنی یا پر مانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور اتاری سمجھا جائے۔۔۔ پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو بھنسا دیا ہے۔ جس میں ان کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں پر میٹر کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے لکتی کو میعاد دی ٹھہرا دیا ہے۔ اور تناسخ ہمیشہ کے لیے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کبھی نجات نہیں یہ نخل اور تنگدلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل تسلیم تجویز نہیں کر سکتی۔ (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۵، ۳۶)

پھر اس کے بعد ص ۳۷ سے لے کر ص ۳۸ تک تناسخ کی تردید میں دلائل تحریر فرمائے ہیں۔ عقیدہ تناسخ کی اس قدر پر زور تردید کے ہوتے ہوئے کیا کوئی دیا مند ار شخص یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ لیکچر سیالکوٹ کا مؤلف عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتا ہے۔ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!

پھر اس سے بھی عجب تر تملیض یہ ہے۔ کہ مختار مدعیہ نے تناسخ کی تعریف۔ ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا، کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر سے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں کبھی آدم ہوں کبھی ہوئی ہوں کبھی یعقوب ہوں، اور نیز ابراہیم ہوں کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوا۔ کہ مرزا صاحب عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتے تھے۔ حالانکہ وہ خود تناسخ کی یہ تعریف کرتا ہے کہ ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا۔ لیکن اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا استدلال

صحیح ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ایک روح نہیں ہوگی بلکہ کئی ارواح ہوں گی۔ اور یہ بات عقیدہ
تناسخ رکھنے والوں کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ کئی ارواح ایک جسم میں داخل ہو جائیں۔ بلکہ اس شعر کا مطلب یہاں
کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو بہت سے نبیوں کے نام دیئے جانے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے خود
نخبر بیان فرمایا ہے۔ یہ ہے۔ ”سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔ اور ہر ایک نبی کی ایک
صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہوگا۔ تمہرے حقیقۃ الوحی ص ۸۱۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو ذریعہ عنوان ”تو ہیں“

بحث متعلق وحی

اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے۔ کہ گواہان مدعیہ نے مطلق ادعا وحی
کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ گواہ مس نے اپنے بیان میں لکھ دیا ہے۔ کہ ادعا وحی کفر ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت
نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے۔ خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو۔ تب بھی کافر ہے۔ اگر نبی آدم
میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور غیروں کے لیے کشف، الہام یا وحی لغوی ہو سکتی ہے۔ اگر وحی کی
تعریف یہی ہے۔ کہ فرشتہ بھیجا جائے کہ فلاں سے جا کر یہ کہہ دو۔ اور اپنی تائید میں شرف شفا کا حوالہ بھی پیش
کیا ہے۔

لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے عدالت کو منالطہ دینے کے لیے یہ صریح غلط بیانی کی۔ کہ گواہان مدعیہ
نے صرف وحی رسالت کو بند قرار دیا ہے۔ مگر گواہ مس کا بیان مختار مدعیہ کے اس دعویٰ کو باطل ثابت کرتا ہے۔
نیز گواہ مس نے ۲۱ اگست کو بحجاب جرح تسلیم کیا ہے کہ آیت ما کان للبشر میں جو طرق وحی بیان کئے گئے ہیں۔
وہ امت محمدیہ پر بند ہیں۔ اور گواہ مبرائف دہ نے مطلق وحی کے بقا سے کہہ کر انکار کیا ہے۔ کہ وحی ہمیں ہو
سکتی کیونکہ نبوت اور وحی لازمی چیز ہے۔ اور اگر دوسری وحی آسکتی ہو۔ تو ممکن ہو جائے گا۔ کہ قرآن شریف کا کوئی
حکم منسوخ ہو جائے۔

اس بحث میں مندرجہ ذیل امور تفتیح طالب ہیں۔

- (۱) کیا وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔
- (۲) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی غیر شرعی مسدود ہے۔

- (۳)۔ کیا قرآن مجید سے بقاعدہ کی پرکونی دلیل نہیں ہے۔
 (۴)۔ کیا احادیث سے بقاعدہ کی غیر شرعی پرکونی دلیل نہیں ہے۔
 (۵)۔ کیا بقاعدہ کی غیر شرعی عقیدہ سلف صالح کے خلاف ہے۔
 (۶)۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک ہر قوم کی دہی بند ہے۔
 (۷)۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی دہی کو قرآن دہی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۱)

دہی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں

مختار گواہان مدعیہ کا یہ دعویٰ کہ دہی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے باطل ہے۔

پہلی آیت :- ما کان لیقنوا ان یکلّمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسلا رسولا
 فیومی باذنہ ما یشاء۔ ۲۲ : ۵۱

(شورائی) اس آیت میں لفظ بظہر جو نبی اور غیر نبی دونوں

پر یکساں اطلاق پاتا ہے۔ استعمال کے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا۔ کہ نزول دہی انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن مختار مدعیہ اس آیت میں بظہر سے مراد نبی لیتا ہے۔ حالانکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو بظہر کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کرے۔ اور فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۱۶۶ رقم ۱۱ میں اس آیت کو ذکر کر کے یہ لکھا ہے۔ کہ ان تمام طرق سے ادلیا امت کو بھی دہی ہوتی ہے۔ اور نبی اور ولی کی دہی میں فرق یہ ہے۔ کہ ولی پر شریعت دہی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

پس مختار مدعیہ کا بظہر سے صرف انبیاء و مراد لینا قرآن مجید کے ایک لفظ کی عوامیت کو باطل ثابت کرنے کے علاوہ ان امر کی بھی مخالفت کرتا ہے جنہوں نے ادلیا پر آیت میں مذکورہ طرق سے دہی کا ہونا تسلیم کیا ہے۔

(۸)۔ واوحینا الی موسیٰ ان ارضعبہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی
 ولا تحزنی انارادوۃ الیک دجا علوہ من الممسلیں رقصص (ع)

یہ ایک یقینی اور قطعی دہی ہے۔ جو کئی عظیم اشیاں غیب کی خبروں پر مشتمل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دہی کی غفلت ایک دوسری آیت میں یوں فرمائی ہے۔

ولقد متنا علیک مرۃ اخریٰ اذا ووحینا الی امک ما یوحی (طہ ۲)

یعنی اسے موسیٰ ہم نے عجب پر ایک اور بھی احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف ایک خاص شاندار وحی کی تھی۔ مختار مدعیہ نے اس آیت کے متعلق کہا ہے۔ کہ اس میں بھی وحی نبوت کا ذکر نہیں ہے۔ گواہ مدعا علیہ کا مقصود اس آیت سے فیضانیا پر وحی کا نزول ثابت کرنا تھا۔ سو وہ مختار مدعیہ نے تسلیم کر لیا ہے۔

(۳) "واذ کرفی الکتاب مریم اذا نبتذت من اهلها مکانا شرقیا فاتخذت من دونهم حجابا فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لها بشرا سويا۔ قالت انی اعود بالرحمان ان کنت تقیا۔ قال انما انارسلو لک لایہب لک غلاما ذکیا۔ (مریم ع)
اس آیت میں صاف طور پر مذکور ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں متمثل ہو کر حضرت مریم کے پاس آئے۔ اور ان کے سوال کرنے پر جواب دیا۔ کہ میں خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ تاہم میں ایک تڑکے کی شدتوں میں۔ جو تمہیں دیا جائے گا۔

(۴) واذ قالت الملائکة یا مریم ان اللیبشرک بکلمة منہ اسمہ المسیم عیسیٰ ابن مریم وجیہا فی الدنیا والأخوة ومن المقربین (آل عمران ع)
اس آیت میں فرشتوں کے ذریعہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور ان کے نام و نبوت اور ان کی خبریں کی جو درحقیقت زبردست پیشگوئیاں تھیں۔ حضرت مریم کو بشارت دی گئی ہے۔

(۵) واذ قالت الملائکة یا مریم ان اللہ اصطفاک وطهرک واصطفاک علی العالمین یا مریم اقدتی لوبک واسجدی وادعی مع الراءعین (آل عمران ع)
اس آیت میں حضرت مریم کو کئی فرشتوں نے خدا تعالیٰ کا پیغام دیا ہے۔ اور پھر فرمانبرداری اور نماز کے لیے حکم دیا۔

(۶) وامرأتہ قائمة فصحکت فیشرتها یا سحاق ومن دراء سحاق یعقوب قالت یا ویلتی اللہ وانا عجز وهدا بعلی شیخا ان هذا لشیء عجیب قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمة اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البیت انہ حمید مجید (ہود ع)
اس آیت سے بھی صاف طور پر عیاں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت سارا سے کلام کیا۔ جس میں عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ جو ان کی زندگی اور زندگی کے بعد سے تعلق رکھتی تھی۔

(۷) قلنا یا ذالقرنین امان تعذب واما ان تتخذ فیہا حسنا۔ (رکھت ع)
اس آیت میں ذالقرنین سے مکالمہ کا ذکر ہے۔ جو نبی نہ تھا۔ اور ایسی یقینی اور قطعی مکالمہ کا ذکر ہے۔ جس

میں ایک قوم کو عذاب دینے یا اس سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی کے مطابق ذوالقرنین نے اس قوم کے متعلق اعلان بھی کر دیا۔ قال اما من ظلم نسوف نعد بہ ثم یرد الی ربہ فیعد بہ عذابا نکرًا واما من امن و عمل صالحا فلہ جزا الحسنی و مستقول لہ من امرنا ایسا ^{دکھف} یعنی ظالموں کو سزا دیں گے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔ تو وہ بھی انہیں دردناک عذاب دے گا۔ لیکن نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو اچھا بدلہ ملے گا۔ مختار مدعیہ نے کہا کہ کنز البرکی بحث میں کہا کہ ذوالقرنین کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ وہ نبی تھا۔ لیکن (صحیح) قول یہی ہے۔ کہ وہ نبی نہ تھا۔ اور اس کے لیے اس نے ابن جریر اور ابن کثیر اور تفسیر کبیر کا حوالہ دیا تھا۔ حالانکہ ابن جریر اور ابن کثیر میں ذوالقرنین کے نبی ہونے کے متعلق کوئی قول مذکور نہیں ہے۔ البتہ تفسیر کبیر میں دو قول لکھے ہیں۔ مجھے یہاں مرث اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ مختار مدعیہ منالطہ دینے اور اپنے دعویٰ کی تائید میں ان تفسیروں کے نام لکھوانے سے جس میں کہ اس کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا اور انہیں چھوڑنا۔ ان مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل امر ثابت ہوئے۔

(۱) وحی انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں۔ بلکہ غیر نبی کو بھی وحی ہوتی ہے۔

(۲) جن طرق سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہیں طریقوں سے غیر انبیاء یعنی اولیاء وغیرہ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۱۷۱ سے ظاہر ہے۔

(۳) فرشتوں کا نزول بھی غیر انبیاء پر ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی نابت فرشتوں کے ذریعہ سے ان کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۶۱ سے ظاہر ہے۔

(۴) بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی ہو جاتی ہے۔ جس میں امر وہی پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آیت ۱۷۱ سے ظاہر ہے۔

(۵) غیر انبیاء کو وحی بھی بعض وقت غیب کی خبر پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت ۱۷۱ سے ظاہر ہے۔

(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد با وحی غیر تشریحی مسدود
نہیں ہے۔

گو اہل وقتاران مدعیہ نے ایک آیت یا حدیث میں ایسی پیش نہیں کی جس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الہی کا بند

ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ ہاں ایسی آیتیں پیش کر دی ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہونے کا ذکر ان کو نظر نہیں آیا۔ اور ان سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی مسدود ہے۔ حالانکہ کسی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کا ذکر نہ ہونا اور بات ہے۔ اور باب نزول وحی کے مسدود ہونے کا ذکر آیات سے ذکر نزول وحی نہ ہونے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب نزول وحی مسدود ہے ایسی آیتیں پیش کرنا جن میں نزول وحی کا ذکر نہیں۔ یہ یقین دلانے کی کوشش کر ان سے باب نزول وحی مسدود ثابت ہوتا ہے۔ صریح غلط ہے۔ چنانچہ گواہ سننے آیتنا الذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ہ یوقنون سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہوتی تو اس آیت شریفہ میں اس کا ذکر بھی ضرور کیا جاتا۔ لیکن چونکہ کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہو سکتی۔

۱) اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ عدم ذکر عدم ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل ہونے والی نہیں ہے۔

۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ اس وحی میں کئی شریعی احکام اور شریعت سابقہ میں قدرے تغیر و تبدل کرنے والی وحی بھی شامل ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کاں ہو جانے کی وجہ سے شریعت والی وحی کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ تا کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی شریعت والی یا شریعت سابقہ میں ترمیم کرنے والی وحی نازل ہو سکتی ہے چنانچہ اس قسم کی ایک دوسری آیت ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک الا یتقوا فی نفسہم ما یغفر اللہ لعلی ان یتقوا نے اس امر کی تشریح کی ہے۔ امام عبد الوہاب شعرائی بحوالہ فتوحات مکیہ اپنی کتاب البیواقیات والحوار جلد ۲ ص ۲۷۱ میں لکھتے ہیں

انہ لصیحی لفاخیر اللہ ان یحد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی تشویر ابداء۔
انما لنا وحی الالہام قال تعالیٰ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک۔

یعنی ہمارے پاس کوئی خبر الہی نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی تشریحی ہوگی۔ بلکہ اب وحی الہام ہوگی۔ جب کہ آیت ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک سے

ظاہر ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ تمام اکابر علمائے سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح موفور پر وحی ہوگی۔ اور یہی

بات حدیث سے بھی ثابت ہے کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔ چنانچہ علامہ ابن حجر اہمیتی سے سبب پوچھا گیا۔ کہ آخری زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ تو ان پر وحی ہوگی۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا۔ نعم یوحی الیہ علیہ السلام کما فی حدیث ائمتنی ان کی طرف وحی ہوگی جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ (رد المحتار جلد ۷ ص ۱۶۵)

بس اکابر علماء سلف کے عقیدے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت والذین یؤمنون بما انزل الیہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریحی وحی کا اتنا بند ہے۔

چوتھا جواب ہے :- کہ آیت والذین یؤمنون بما انزل الیہ میں اگر مطلق وحی مراد لی جاتی تو تشریحی غیر تشریحی دونوں کو شامل ہے۔ تو آخرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والی وحی جو آپ کے بعد آنے والی نبوت رسالت کو مستلزم ہے۔ مراد لینا بالکل قرین قیاس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کی وجوہوں میں فرق کرنے کے لیے اسلوب کلام کو بدل کر یعنی مائینزل من بعدک کی جگہ بالاخرتہ فرمایا ہے۔ تا یہ امر متعین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی ایسی وحی نہیں ہے جو حاصل شریعت یا شریعت محمدیہ میں کچھ ترمیم کرنے والی ہو۔

اور گواہ مدعیہ سب نے یہ آیت پیش کی ہے۔ قولوا اٰمنوا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراہیم واسماعیل واسحاق و یعقوب والاسیاط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ واما اوتی النبیون من ریحہم لافرق بین احد منهم و نحن لدمسکون اور اس سے بھی وہی استدلال کیا۔ جو پہلے آیت سے کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس آیت میں بھی کہیں یہ ذکر نہیں۔ کہ آئینہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے مابقی و مالمحق میں اہل کتاب کو ایمان کی طرف بلا یا ہے۔ اور اس امر کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ جیسے ہم تمام نبیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حق تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان سے جو مکالمہ البیہ ہوا۔ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی اس کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے۔ اور جو اس پر اترا ہے۔ تسلیم کرو۔ اس آیت سے وحی آئندہ کی نفی نکالنا اسی طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت سے نکالنا غلط تھا۔ اور پہلی آیت کے استدلال کے غلط ہونے کے متعلق جو جواب دیئے گئے ہیں اس آیت کے استدلال کو بھی غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں

اور اسی گواہ نے آیت المترالی الذین یؤمنون انہم اٰمنوا بما انزل الیہ وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امرنا ان یکفروا بمرن عم من کر کے بھی یہی استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی مسدود ہے۔ حالانکہ اس میں بھی قطعاً اس بات

کا ذکر نہیں ہے۔ کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ جو باوجود اس دعا کہ قرآن مجید اور پہلی کتب الہیہ پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے مطابق فیصلہ کرنے کی جگہ طاعت یعنی کفار کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو وحی بھی قرآن مجید و احادیث کے مصدق و موعود شخص پر نازل ہوگی۔ وہ اس کلام کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ مخالف نہ ہونے کی وجہ سے بجا نازلہ ایک میں شامل بھی جائے گی۔ یہ بات بڑی دلچسپی سے دیکھے جانے کے لائق ہے۔ کہ مختاران مدعیہ کو حضرت مسیح موعود کی وحی کو بھی منزل من اللہ ماننے کو تیار نہیں اور ان کے خاتم المرسلین مولوی رشید احمد صاحب گلگاہی مجتہدین کے اجتہادات کو بھی منزل من اللہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

کتاب اللہ منزل من اللہ تعالیٰ ہے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اعتقاد مجتہدین علیہم الرحمۃ کے بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ جو کچھ اشارت و دلالت نفوس سے مستخرج ہیں۔ وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے ۛۛ سبیل الرشاد ص ۳۱۱

دلالت اور اسی گواہ مدعیہ مسلمانوں نے یہ آیت بھی پیش کی ہے۔ - وما ارسلنا قبلك من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام (پاکہ ۸) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسل بھیجے۔ وہ ضرور کھانا کھاتے تھے۔ اور اس سے بھی انقطاع نزول وحی پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت سے وحی کے انقطاع کا وہم بھی نہیں گذر سکتا۔ کیونکہ کفار جو یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کھانا کھا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اعتراض کو یوں روک دیا کہ دیکھو پہلے جس قدر رسول آئے وہ بھی تو کھانا کھایا کرتے تھے۔ پس ان آیات میں سے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی بند ہے۔

(۳)

دلائل بقائے وحی غیر تشریعی از روئے قرآن شریف

گواہان مدعا علیہ لے فریق مخالف کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیے کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی قرآن کریم سے مندرجہ ذیل آیات پیش کی ہیں :-
پہلی آیت :-

دفع الدرجات ذوالعرش یلتقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لیبتزیرہم التلاق (سورہ مؤمن ص ۲۰)
اس آیت میں تین باتیں نزول وحی کا موجب قرار دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیئ الدرجات اور ذوالعرش ہونا۔
اور اس کے بندوں کا اپنا جانا تیسرا ضرورتاً انذار۔

پس جب کہ یہ بتوں بائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی موجود ہیں تو باب نزول وحی کا محدود اور
وحی کا مفقود ہونا کیا معنی۔ اور روح کے معنی ذراہ ہجرتی کے ہیں۔ ذراہ معانی آیت اوحینا الیدع روحا من امرنا
کلام الہی کے ہیں۔ یہ مطلب دونوں صورتوں میں بالکل واضح ہے۔ آئندہ ذراہ میں بھی کلام الہی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ
تفسیر جلالین میں اس آیت میں الروح کے معنی وحی کے کئے ہیں اور امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں
لکھا ہے۔ والصحیح ان المراد بالروح الوحی یعنی وحی ہی ہے کہ مراد روح سے وحی ہے۔ تفسیر سیرتہ

ص ۳

اور شیخ محمد الدین ابن عربی اس آیت کو لکھ کر فرماتے ہیں۔ قال تعالیٰ یلتقی الروح من امرہ علی من یشاء
من عبادہ فجاء من وہی نکرۃ فینذرہم التلاق فجاءہ۔ یا لیس بشرع ولا حکم بل بالانذار فقد
یکون الولی بشیراً ونبیاً وراکباً لا ینزلون الا یومئذ بالشرع والنبوۃ لا بالشرع قد
انقطع فلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نبی ای لا شرع ولا شریعۃ وقد علمنا
ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل ولا ید مع کو نہ رسولاً، ولکن لا یقول یشرع بل یحکم فینا
بشرعنا۔ (فتوحات مکیہ ص ۲ ص ۱۰)

اصل اس عبارت کا یہ ہے کہ اس آیت میں شریعت یا احکام کے نزول کا ذکر نہیں۔ بلکہ انذار کا ذکر ہے۔ اور
وحی بھی کبھی بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ لیکن شرع یعنی شارع نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسالت اور نبوت نشر و تبیین رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گئی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام بھی وقت نزول باوجود رسول ہونے کے ہماری ہی شرع
کے ساتھ حکم کریں گے۔

پس اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی منقطع نہیں ہوتی۔ بلکہ
جاری ہے۔ اور اب کوئی رسول یا نبی بھی ہو۔ تو صرف تبشیر و نذیر ہے۔ شرعی وحی نہیں
ہو سکتی۔ چنانچہ شیخ بکر کے نزدیک مسیح علیہ السلام بھی باوجود رسول ہونے کے نئی شریعت نہیں لائیں گے۔ بلکہ شریعت
محمدیہ کے تابع ہوں گے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس میں صرف یہ بتایا ہے کہ ذراہ کادق الہی سے کہ اتنا اللہ کی نکتہ انتخاب
پہرے نہ کسی دنیوی ماہ و جانیر۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ نزول وحی منقطع ہے۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی یہ صفت انتخاب پہلے موجود تھی اب بھی موجود ہے، جیسا کہ لفظی صحیحہ مفارح سے تراسترا رنجروی پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے۔

دوسری آیت :-

يُنزِلُ الْمَلَائِكَةُ بِالرُّوحِ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ اِنْ اَنْذَرُوا اَنْهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ (سجۃ)

اس آیت میں سے اہم نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کلام دے کر اپنے بندوں کے پاس بھیجتا ہے۔ اور بھیجا کرے گا۔ پس اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت ستمرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کا اقطع نہیں ہے۔ کیونکہ وحی لے کر فرشتوں کے نزلوں کے جو بواعث آیت میں مذکور ہیں۔ وہ آنحضرت کے بعد میں بھی پائے جاتے ہیں :

تیسری آیت :-

۲۳
وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَانۡصِبۡ وِجۡهَكَ لِحُبِّهِ خَالِدًا

اس آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے خاص طور پر یہ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ پکارنے والے کی پکار کا کیا جواب دے گا۔ اگر ان کی بحث میں مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے۔ کہ اس آیت میں احیب کے معنی ہیں۔ میں قبول کرتا ہوں۔ کلام کرنے کے نہیں ورنہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ ہر ایک سے کلام کرتا ہے۔ لیکن اگر مختار مدعیہ نے یہ معنیوں کو صحیح بتا دیا ہے تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ وہ ہر ایک کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف ہے بہر حال مختار مدعیہ یہ کہے گا کہ جس شخص کی دعا کو قبول ہے۔ اسے قبول کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ جواب ہے۔ کہ جسے خدا تعالیٰ بندہ جہ کلام جواب دینا چاہے اسے جواب دیتا ہے۔ اور یہ معنی تفسیر ابن جریر میں بھی لکھے ہیں۔

الوجہ ان یكون معناه احیب دعوة الداع اذا دعان ان شئت فیکون ذلك (ابن جریر ص ۱۱۱)

یعنی ایک وجہ اس آیت کے معنی کی یہ ہے۔ کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ یعنی اگر میں چاہوں تو ایسا ہوتا ہے۔

چوتھی آیت :-

ان الذین قالوا ذنبنا اللہ ثم استقاموا نُنزِلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةَ اِلَّا تَخَافُوْا وَا لَا تَحْزَنُوْا

البشر و ابالجنة التي كنتم ترتعدون نحن اولیاءکم فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة (رحمة السجدة ص ۱۱۱)

یہ آیت بھی صاف طور پر بیان کر رہی ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رستے میں استقامت دکھائیں گے ان کو پختہ ایمان دادوں گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے نئے بشارتیں سنایا کریں گے چنانچہ روح المعانی جلد ۷ ص ۱۱۱ میں لکھا ہے

والاخبار طارحة بروية الصحابة للملك وسماعهم كلامه وكفى وليك لما نحن فيه قوله سبحانه
ان الذين قالوا ربنا الله ثم استغنا فماتوا على ما كانوا على فماتوا على ما كانوا على فماتوا على ما كانوا على
التي كنتم توعدون الاية قال فيها نزول الملك على غير الانبياء في الدنيا وتكليمه اياها -
صحابہ کے فرشتوں کو دیکھیے اور اس کی کلام کو سننے کے متعلق کثرت سے خبریں پائی جاتی ہیں اور جس امر میں ہم گفتگو کر
رہے ہیں۔ اس کے اثبات کے لیے خدا تعالیٰ کا قول ان الذين قالوا ربنا الله ہی کافی ہے کیونکہ اس
میں اس دنیا میں غیر انبیاء پر فرشتے کا نزول اور اس سے کلام کرتے کا ثبوت موجود ہے۔

پس مختار مدعیہ کا اس آیت کے متعلق اور اکتوبر کی بحث میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوتا ہے۔ قابل التفات
نہیں ہے۔ اور اس آیت سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے کامل راستبازوں پر خدا تعالیٰ کے فرشتے خوشخبری لے کر نازل
ہوتے ہیں۔ اور آپ کو خدا تعالیٰ کی حمایت و نصرت کا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔
پانچویں آیت -۱-

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله (ال عمران)

یہ آیت پیدائش انسان کی اصل غرض اور فطرت انسانی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت کو قرار دیتی ہے۔ اور
انسان اور اس کے خالق میں محبت و عشق کا رشتہ ہونا چاہیے۔ پہلے انسان خدا کا سچا عاشق بنے اور ظاہر ہے
کہ حقیقی طور پر محبت دو ہی ذریعوں سے پیدا ہوتی ہے۔ دیدار سے یا گفتار سے

کیونکہ جب ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نصیب نہ ہوئی۔ دیدار تو اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے صمد الوہام
ہونے کی وجہ سے اس عالم میں نہیں ہو سکتا۔ اور گفتار اس لیے کہ اس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع
ہو گیا۔ تو عاشق الہی بننے کے لیے کہ وہی صورت رہے گی۔ کوئی کس طرح اللہ کا عاشق بنے گا۔ اور منازل عشق میں
مصائب کے جو مصیب پہاڑ اور ہولناک دریا مائل ہیں۔ وہ کس طرح طے ہو سکیں گے۔

مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے۔ کہ بھروسہ نبوت صحابہ پر بھی ہونی چاہیے۔ حالانکہ اس موقع پر بخت اس امر
میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی چیز تشریحی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔

پہلی آیت :-

ومن اضل من يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيمة وهم من دعواتهم غافلون (احقاف ۱۷)
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سچے خدا کی یہی نشانی قرار دی ہے۔ کہ وہ بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ لیکن
معبودان باطلہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ لوگوں کی پکار کا جواب دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں
کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ جس سے وہ وجود باری تعالیٰ کے متعلق درجہ حق الیقین تک فائز ہوں۔ یعنی انہیں اس امر کا

کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ حق الیقین حاصل ہو جائے۔

اس آیت کے متعلق مختار مدعی نے «راکتور کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ یستجیب کے معنی قبول کرنے کے ہیں جو اب دینے کے کہیں نہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ یستجیب کے معنی جواب دینے کے عربی زبان میں بکثرت آتے ہیں چنانچہ کعب بن سعد الغنوی کا شعر ہے۔

وداع دحایا من یجیب الی العدمی فلم یستجیبہ عند ذلک مجیب

(ابن جریر جلد ۲ ص ۹۳)

اس شعر میں لہو یستجیبہ کے معنی اسے جواب نہ دیا کے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یستجیب کے معنی جواب دینے ہی کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر میں اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لا یستجیب لہ الیوم القیمة یقول لا یجیب دعاہ ابد الا نھا حجر و خشب او نحو ذلک۔

ابن جریر جلد ۲ ص ۹۳ یعنی وہ اس کی پکار کا کبھی جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ پتھر ہیں یا لکڑی وغیرہ ہیں اور مولانا

شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی اس آیت میں یستجیب کے یہی معنی لئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

و اور کون شخص ہے بہت گمراہ اس شخص سے کہ پکارتا ہے۔ سوائے خدا کے اس شخص کو کہ نہ جواب دے اس کو دن قیامت تک کیا مختار مدعی کے اس قسم کے اعتراضات سے جو اس نے گواہان مدعا علیہ کے استدلال پر کئے ہیں علم قرآن سے اس کی محرومی ظاہر نہیں ہوتی۔

ساتویں آیت :-

المیروا انہ لا ینکلمہم ولا ینہدوہم سبیل الاتخذ وھکما نوا ظالمین (اعراف ۱۸)

اسی طرح فرمایا کہ دعوت الحق والذین یدعون من دینہ لا یستجیبون لہم بشیء (رعد)

اسی طرح فرمایا ان تدعوہم لا یسمعون دعاکم ولوسمعواما استجابوا لکم (فاطر)

اسی طرح فرمایا ان تدعوہم الی الہدی لا تقبلوہم کما ساء علیکم دعوتہم انتم صامتون (اعراف)

ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے مبعوثان باطلہ کی اوجہیت کے بطلان کے اظہار کرنے کے لیے ان کے

مبعوثان کے غیر تکلم ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور ان کے عدم تکلم کو ان کی موت اور عدم اوجہیت پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے اپنے تکلم ہونے کو اپنی حیات اور حقیقی الہ ہونے کا ثبوت گروا کرتے اور یہ دلیل قطعی ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تکلم ہر زمانہ میں اپنا جلوہ دکھاتی رہے گی۔

آٹھویں آیت :-

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ (فاتحہ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو تزیین دلائی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے منعمین علیہم کے مقامات عطا کئے جانے کے اب کا زہرہا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ مقامات عطا کرے گا۔ اور وہ مقامات نبوت اور صدیقیت اور شہادت اور رسالت کے ہیں۔ جب وہ مقامات اور مراتب امت محمدی کو ملیں گے۔ تو لازمی طور پر مکالمہ الہیہ اور وحی کے جو اندامات پہلی امتوں کے حامل افراد پر ہوئے۔ اس امت کے حامل افراد بھی اس سے متمتع ہوں گے۔

لویں آیت :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اَخْرَجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خیر الامم قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو کوئی لقب دینا بلا معنی نہیں ہو سکتا۔ کوئی عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ کہ امت محمدیہ ہو تو خیر الامم۔ لیکن وہ ان مقامات سے پہلی امتوں پر ہوئے۔ محدود ہو۔ انہوں نے امت محمدیہ میں بقا و وحی کے منکرین نہیں سوچتے۔ کہ اللہ تعالیٰ قدیم سے اپنے بندوں کے ساتھ مکالمہ ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں عورتوں نے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کی ماں اور مریم صدیقہ کو۔ تو کھیر امت کیسی بد قسمت اور بے نصیب ہے۔ کہ اس کے مرد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح بھی نہیں۔ یا دوسرے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کبھی معطل نہیں ہوتے۔ پس جیسا کہ وہ ہمیشہ ستارہ ہے گا۔ ایسا ہی وہ ہمیشہ بولتا بھی رہے گا۔ اس دلیل سے زیادہ تر صاف اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سننے کی طرح بولنے کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ الیاس رہے گا جن سے اللہ تعالیٰ مکالمات و مخاطبات کرتا رہے گا۔ اس وقت دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے توحید میں آیا ہے کہ علماء امتی کا نیا و بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء بانی بنی اسرائیل کے پیوں کی طرح ہیں۔ اور حدیث میں بھی علماء و بانی کو ایک طرف امتی کہا۔ اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی ہے۔ پس امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا مستلزم ہے۔ اس بات کو کہ ہر امت کے کامل افراد وحی الہی کے فیض سے مستفیض ہوں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین جلالی نے بھی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ امت محمدیہ کے کاملین کو بذریعہ الہام غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔ اسی آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

بعد تسلیم اس امر کے کہ خدا تعالیٰ بعض وجہ سے اطلاع غیب غیبی کو بھی دیتا ہے۔ اور یہ امر پہلی امتوں میں بشہادت قرآن پایا گیا ہے۔ اس امت مرحومہ کے لیے اس شرف کے حصول پر ہمارے پاس کوئی خاص

نصف قرآنِ مدیث نہ بھی ہو۔ تو ہم کو حصولِ اس شرط کے ثابت کرنے کے لیے ایک وہ آیت جس میں اس مردِ مامت کو تیر امت
 عظمٰی یا گیا ہو۔ اور ایک وہ حدیث جو اس آیت کی تفسیر ہے۔ اور اس میں یہ تصریح ہے۔ کہ تم نے (اسے امتِ محمدیہ) ستر امتوں
 کو پورا کیا ہے۔ اور تم ان سب سے اللہ کے نزدیک بہتر اور باعزت ہو کافی دلیل ہے۔ ومع هذا بالفعل ہم ایک خاص
 حدیثِ حصولِ اس شرف کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ منکرینِ محققین اس حدیث کا ثبوت اس مدعا کے لیے ناکافی ہونا
 ثابت کریں گے ہر اشاعت السنۃ جلد ۱ ص ۲۵، ۲۶ (۲۰۲۶)

پس گیارہ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت کو مسئلہ دہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لغو و باطل ہے
 مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ کہ جن آیات سے وحی یا نبوت کا اثبات کیا گیا ہے۔ ان
 آیات کی یہ تفسیر پہلے کسی نے نہیں کی۔ اس لیے ان سے وحی یا نبوت کے بقا پر استدلال کرنا تفسیرِ لائے ہے۔ اس کا
 پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ گواہانِ مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں کچھ مختار مدعیہ کے جواب میں ابھی میں نے بعض آیات
 کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیروں کے حوالے نقل کئے ہیں۔ لیکن اصولاً یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ پہلی تفسیروں میں سے ان
 ان کے معنی نقل کئے جائیں۔ کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ اور اسی کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی ہے
 گواہانِ مدعا علیہ نے جو تفسیریں ان آیات کی پیش کی ہیں وہ قواعدِ صحیحیت اور قرآنِ حدیث کی رو سے بالکل صحیح ہیں۔
 اور مختار مدعیہ کی طرف سے ان کی کوئی تغلیظ نہیں کی گئی

دوسرا جواب یہ ہے :-

کہ چونکہ قرآن مجید کے معارف اور مجاہد کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ جبکہ بعض الفاظِ حدیثِ مرفوعہ میں لایشبع
 منه العلماء ولا یخلق عن كثرة الرد و لا تنقض عجائبہ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کسی آیت کی تفسیر مجرور اس
 وجہ سے تفسیر بارائے نہیں کہلا سکتی۔ کہ وہ تفسیر گذشتہ مفسرین میں سے کسی نے نہیں کی ہے۔ گواہ مدعیہ نے
 ۲۴ اگست کو اس حدیث کے متعلق جو اب طرح یہ کہا تھا کہ اس کی سند جھول ہے۔ اس واسطے قابلِ اسناد نہیں
 ہے۔ لیکن یہ امر اس نے محض اپنے بچاؤ کی غرض سے پیش کیا تھا۔ ورنہ وہ غیب اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ اس حدیث
 کے متعلق ذرا بھی گنجائشِ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو اس سے بے خبری نہیں ہو سکتی۔ کہ
 تھمذیر الناس کے صفحہ ۱۱ میں حدیث بطور دلیل پیش کی ہے جبکہ مختار مدعیہ کے اس باطل خیال کی تردید میں بھی کسی امت
 کی ایسی تفسیر کو جو مفسرین گذشتہ میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرای کہتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔ جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی ایسی تفسیر جو قواعدِ عربیہ کے مطابق
 ہو۔ اگرچہ پہلے کسی مفسر نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرای نہیں کہلائے گی۔ چنانچہ مولوی صاحب فرماتے ہیں۔
 اب بہ گزارش ہے۔ کہ ہر حدیث آیت اللہ الذی خلق سبع سموات کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ کھی

ظن کو جسے دلانے کا وہ حقیقی مومن اور مذاقناطے کے نسب سے نہیں تباہ ہو سکتا اور نہ وہ خداوند کے ساتھ ہو۔ اور ہر جگہ ان کو غلبہ عطا کرے۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح موجود کو وحی ہوگی۔ چنانچہ اٹھارہ اعلانے سلف نے یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ مسیح موعود پر وحی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ گواہ ملنے ہی ۱۹ اگست کو بجاوب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو وحی ہے۔ وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ اور منثار مدعیہ کا اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس ہی اسمان کی اس حدیث کو مجرد فرار دیا ہے۔ کہ اگر یہ حدیث تسلیم بھی کر لی جائے تو اس میں وحی کا لفظ بمعنی الہام ہے۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث کے متعلق کھلا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا۔ کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے کہ انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے۔ اور تو اس بن اسمان کی حدیث کو از قبیل استعارات و کنایات خیال کرنے لگے۔ اور اس کی حقیقت کو عالم بجزا کرتے تھے ۱۱ (ازالہ اوہام ص ۱۰ بار بیجم)

اور خصوصاً اس کے فقرہ متنازعہ کو اپنی کتب میں مسیح سمجھ کر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۱۲ ایسا ہی ایک اور حدیث مسیح میں ہے۔ جو مسیح موعود کے بارے میں ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا اس حدیث کے الفاظ ہیں۔ اخوجت عباداً لی لا یدان بقفالہم لا حد فاحوز عبادی الی الطوس یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے بت سے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں۔ یعنی یورپ کی قومیں، کہ کسی کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس تو ان سے جنگ نہ کر۔ بلکہ میرے بندوں کو طر کی پناہ میں لے آ۔ یعنی تجلیات آسمانی اور روحانی نشانوں کے ذریعہ سے ان بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں۔ کہ یہی حکم مجھے ہوا ہے ۱۳ (مضمون چشمہ معرفت ص ۱۲)

اور اگر یہ نہ بھی ہوتا۔ تو بھی چونکہ فریق مدعیہ کو اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں ہے۔ اس لیے گو اہان مدعا علیہ اس کو بطور حجت ملحقہ فریق مدعیہ کے مقابلہ میں عقلاً و قانوناً و شرعاً پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ بر تقدیر تسلیم وحی کے معنی الہام کے ہیں۔ علماء سلف صالحین کے معنی کے خلاف ہے۔ جیسا کہ روح المعانی جلد ۶ ص ۶۵ کے حوالہ سے گواہان مدعا علیہ اپنے بیانیوں میں بتا چکے ہیں۔ کہ یہ وحی جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔ کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان پیغمبر ہے۔ اور حدیث لا وحی بعدہ ص ۱۱ اطل ہے۔ اور یہ جرم مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور غالباً اس شخص کی مراد بھی جس نے مسیح علیہ السلام پر آپ کے نزول کے بعد وحی کی نفی کی ہے۔ وحی تشریح سے ہے۔ اور جس وحی کا یہاں ذکر ہے۔ اس میں تشریح نہیں ہے۔ اور روح المعانی مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے

ہمسکات سے ہے۔ اور یہی بات حج الکرامہ میں لکھی ہے۔

دوسری حدیث :-

ابن ابی الدنیا نے کتاب الذکر میں حضرت انس سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابی ابن کعب نے کہا کہ میں مسجد میں داخل ہونگا اور نماز پڑھوں گا۔ اور خدا تعالیٰ کی ایسی حمد کروں گا۔ جو کسی نے نہ کی ہو۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے اگر میری امت میں کوئی محدث ہو۔ تو وہ عمر ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ کو ان کے محدث اور منکلم ہونے میں کوئی تردد تھا۔ کیونکہ آپ کی امت افضل الامم ہے اور جب دوسری امتوں میں ایسے لوگ پائے گئے تو امت محمدیہ میں ایسے لوگوں کا تعداد میں زیادہ۔ رتبہ میں بلند پایا جانا زیادہ مناسب اور ضروری ہے بلکہ یہ جملہ تاکید اور یقین کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے۔ اور اس جملہ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے۔ وہ ذی فہم انسان پر مخفی نہیں اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ اگر کوئی میرا دوست ہے۔ تو وہ فلاں ہے۔ تو ایسے جملہ سے قائل کا منتہا یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں شخص میرا چکا دوست ہے۔

ان تینوں حدیثوں سے صاف طور پر ثابت ہے۔ کہ آنے والے مسیح پر وحی نازل ہوگی۔ اور ان کے علاوہ بھی کا بلین افراد محمدیہ پہلی امتوں کے کامل افراد کی طرح مکالمہ الہیہ سے مشرف ہونگے۔

گو ابان مدعیہ نے اپنے بیانوں میں انقطاع وحی کے متعلق ایک حدیث بھی پیش نہیں کی ہے۔ لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے اراکتور کو عدالت میں بحث کرتے ہوئے علاقہ یہ غلط بیانی کی کہ گو ابان مدعیہ سے انقطاع وحی کے متعلق پچیس حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے جو دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک زین کی مشکوٰۃ ص ۵۵ سے اور دوسری بخاری جلد ۳۳ سے تو ان دونوں حدیثوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر شرعی منقطع ہے۔

مشکوٰۃ کی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو حضرت عمر نے ان لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کا یہ جواب دیا۔ کہ آجباد فی الجاہلیۃ و خوار فی الاسلام آنہ قد انقطع الوحی و تمہ الدین اینقص و انا حی یعنی کیا جاہلیت میں تو جبار تھے۔ اور اب اسلام میں اگر بزدل اور ضعیف بنتے ہو۔ یاد رکھو وحی منقطع ہوگئی۔ کہ دین پورا ہو گیا۔ کیا دین میں کمی بیشی کی جائے گی اور میں زندہ ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وحی سے مراد شرعی وحی ہے۔ جو پہلے دین کو یا اس کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والی ہے۔ بس جب وہ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے لیے بیٹھے۔

اذا هو بصوت عال من خلف اللهم لك الحمد كله وبيدك الخير كله واليك يرجع الامر كله فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقص عليه فقال ذلك جبرئيل عليه السلام“
(روح المعاني جلد ۷ ص ۶۷)

یعنی اس نے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی جس کے یہ الفاظ تھے۔ اللهم لك الحمد الى آخره پھر ابابن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر بھی جبرئیل کا نزول ہوتا تھا۔
تیسری حدیث:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فی قبلكم من الامم محدثون فان یك فی امتی احد فانه عمر (منفق علیہ)
(مشکوٰۃ مطبوعہ مجتہدانی ص ۵۸۶)

اسی طرح فرمایا۔ نقد کان فینم قبلكم من بنی اسرائیل رجال یكلمون من غیر ان یكونوا انبیاء فان یك فی امتی منهم احد فعمر۔ (بخاری کتاب الفعائل بقائل عمر)
کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں۔ اور بنی اسرائیل میں ایسے اشخاص بھی ہوئے جن سے خدا تعالیٰ نے ہمکلام ہوا۔ لیکن وہ نبی نہ تھے۔ ایسے اشخاص میری امت میں سے بھی ہوں گے جن میں سے ایک عمر ہے اور محدث کی تشریح آنحضرت صلعم نے یہ کی ہے۔ قال یتكلم الملائکة علی لسان الطیراتی اسنادہ حسن۔
(تاریخ الخلفاء مطبوعہ مصر ص ۱۱۱)

یعنی فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں امام ملا علی قاری بیظاہر کرنے کے لیے کہ محدث سے کیا مراد ہے لکھتے ہیں۔ اللهم المبالغ فیہ الذی انتہی الی درجۃ الانبیاء فی الالہام“ یعنی محدث سے ایسا ملہم مراد ہے۔ جو الہام میں انبیاء کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ اور فرماتے ہیں۔

فان یك فی امتی احد فهو عمر لم یرد هذا القول مورد التردد قال امتہ افضل الامم واذاکانوا موجودین من غیرہم من الامم فبالحری ان یكونوا فی ہذہ الامتہ اکثر عددا واعلیٰ رتبۃ دانما ورد مورد التکید والقطم، ولا یخفی علی ذی الفہم محلہ من البالغہ۔ کما یقول الرجل ان یکن لی صدیق فانه فلان یرید بذاک اختصاصہ بالکمال فی صداقتہ۔ - مرقاۃ جلد ۳ ص ۵۳۔

ہی بخاری کی حدیث تو اس میں بھی وحی کے انقطاع سے مراد قرآن مجید کی وحی کا انقطاع ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی جس میں احکام اور منافقوں کے نفاق اور مومنوں کے ایمان کی حالت کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

”ان اناسا كانوا يوحذون بالوحى فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وان الوحى قد انقطع وانما نأخذ كما الان بما ظهر ان من اعمالهم۔“

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ اب تو ہم تمہارے اعمال کی بنا پر ہی مواخذہ کریں گے۔ اور جو کسی کے دل یا نفس میں ہوگا۔ اس کے مطابق محاسبہ نہیں کریں گے اس کا مناسب اللہ تعالیٰ ہوگا پس اس حدیث میں بھی خاص وحی کے انقطاع کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی۔

(۵)

عقیدہ سلف صالحین بقائے وحی غیر تشریحی کے خلاف مہمیں

گو اہان مدعا علیہ نے اپنے بیانیوں میں قرآن و حدیث سے امت محمدیہ میں وحی الہی کے بقاء کا ثبوت پیش کرنے کے بعد سلف صالحین کے وہ انزال پیش کیے ہیں۔ جن میں انسان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریحی کا دروازہ کالمین امت محمدیہ کے لیے کھلا ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور نزول وحی تشریحی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔ گواہ مدعا علیہ کا بیان مطبوعہ ۲۵۵ تا ۲۷۷

اب میں مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں پر نظر کرتا ہوں۔ جو اس نے سلف صالحین کے ایسے انزال پر کیے ہیں جن سے امت محمدیہ کے لیے وحی غیر تشریحی کا باقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حوالہ فتوحات مکہ

گو اہان مدعا علیہ نے امت محمدیہ میں بقائے وحی غیر تشریحی کے متعلق فتوحات مکہ جلد ۲ ص ۱۲، ۱۳، ۱۴ کا جو حوالہ پیش کیا تھا۔ اور جس کا ترجمہ گواہ مدعیہ نے اپنی کتاب ”جواب جرح یہ کیا ہے۔“ جو وحی رسول اللہ پر نازل ہوتی تھی۔ یعنی آپ کے قلب پر تو آپ پر ایک حرارت سی ہو جاتی تھی جس کو حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ سخت ہوتی تھی۔ اور اس کی وجہ سے مزاج مغرب ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حالت آپ سے جاتی رہتی اور آپ خبر دیتے۔ اس چیز کی جو آپ کو دی جاتی اور یہ تمام اقسام وحی موجود ہیں اب بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اور وہ وحی جس کے ساتھ نبی مخلص ہے۔ وہ تشریحی وحی ہے کہ حلال کرے اور

اور حرام کرے گا

حوالہ مذکورہ کے اس ترجمہ سے جو گواہ مدعیہ مل کا کیا ہوا ہے، بڑی صفائی سے ظاہر ہے کہ آیت

وما کان للبشر ان یکلّمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب اذ یدسل رسولاً -

میں جو اقسام وحی بیان کئے گئے ہیں، اور جن طرق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی، وہ تمام اقسام وحی اب بھی اولیاء اللہ میں مانے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے، کہ وحی کو وحی تشریحی جس میں تحلیل و تحریم ہونے سے ہوتی، کیونکہ تحلیل و تحریم نبوت کے ساتھ مختص ہے، یہ بیان اپنے مطلب کے اظہار میں کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ اور اس میں نہایت صراحت سے وحی تشریحی کے سوا تمام اقسام وحی کا اولیائے امت محمدیہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کبھی عجیب جرات ہے، کہ مختار مدعیہ نے اس بیان کو بھی اپنے مفید مدعا ظاہر کرنے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔ اور ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا، کہ حضرت بیخ اکبر نے وحی تشریحی کو انبیاء کے ساتھ مختص کیا ہے جو ہمارے مدعا کے موید ہے۔ حالانکہ مختار مدعیہ کا حضرت شیخ کے اس بیان کو اپنے مدعا کے موید کہنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی قائل الوہیت و انبیت مسیح کا سورۃ اخلاص کے ترجمہ کو اپنے مفید مطلب کہنا۔ کیونکہ علاوہ انتہائی صفائی و مراحت کے جو حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان میں اختیار کی ہے۔ لفظ تشریحی کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

فلا یشو ح الا بنی دلائشو ح الا رسول خاصۃ فیحلل و یحوم و یمیم،

یعنی نبی اور رسول کی تشریح سے مراد کسی چیز کو حلال اور کسی کو مباح وغیرہ قرار دینا ہے جس ایسی وحی کے بقا کے تو ہم بھی قائل نہیں۔۔۔ جس میں نئے احکام تحلیل و تحریم کے پائے جاتے ہوں۔ اور نہ ہم ایسی نبوت ہی کے قائل ہیں۔ اور اسی قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق الکبریٰ الاحمریہ میں عبارت ہے در نہ دوسری قسم کی وحی جس میں نئے احکام تحلیل و تحریم کے نہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ہوئی۔ فتوحات مکہ اور الکبریٰ الاحمریہ عبارت سے ظاہر ہے۔

اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح تسلیم کر چکا ہے، کہ حضرت عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں ان کی وحی تو وحی نبوت ہوگی۔ اس کے سوا جو وحی ہے۔ وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ گو لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا یا اسی قسم کے اور امور کی نسبت سے کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو، لیکن نفس مکالمہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں آتا۔ یعنی جو کلام کسی نبی پر نازل ہو۔ وہ بھی خدا کا کلام ہوتا ہے۔ اور جو کلام کسی نبی کے کلام پر نازل ہوتا ہے۔ وہ بھی خدا ہی کا کلام ہے۔ اور یہ مختار مدعیہ کے فریق مقابل یعنی احمدیوں کے عقائد سے بالکل ہی مطابق ہے ہاں مختار مدعیہ کی اس توجیہ نے گواہان مدعیہ کے بیانات کا مقرر قلع قمع کر دیا ہے۔ کیونکہ مختار مدعیہ نے

نو حضرت مجدد الف ثانی کے اس حوالہ کو اپنے مدعا کا مثبت قرار دیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ ۳-۲۹- اگست کو بجاوب جرح کہ چکا ہے۔ کہ مکتوبات امام ربانی جلد ثانی ۹۹ مکتوب ص ۱۱۱ میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ کشفی یا الہامی ہے۔ جو حجت نہیں، اور اسی صورت پیدا ہوگی ہے۔ کہ مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ دونوں کے لیے یہ کہنے کا موقع ہے۔

زخمی کرے مجھی کو میری آہ دل خراش

میرا ہی تیر میرے کلبھے کے پار ہو

گواہ مدعیہ نے تو مکتوبات کے مذکورہ حوالہ کو یہ کہہ کر کہ کشفی یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہنے کے بعد بھی کہ ہمارے لیے یہ مثبت مدعا ہے۔ غلط توجیہ کر کے مال دینا چاہا ہے۔ مگر ان دونوں کے مقتدا و پیشوا جناب مولیٰ اسماعیل صاحب دہلوی کا جو سوال گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔ وہ ان دونوں کے خلاف احمدیوں کی تائید اور حوالہ مکتوب امام ربانی کی تصدیق کر رہا ہے۔ اور جس کو دیکھنے کے بعد ایک منصف مزاج انسان کو یہ تسلیم کہ بغیر چارہ نہیں کہ جن طرق سے انبیاء کو وحی اور الہام اور مکالمہ الہیہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ بعینہ انہی سے اولیاء اللہ کو ہونا بھی ثابت ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی تہذیباً ساختہ اصطلاح ہے۔ و لکن ان یصطلح

(۴)۔ اور تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۶۵ سے بھی صاف منقول ہے۔ کہ میس علیہ السلام پر نزول کے وقت بندہ جبرئیل وحی ہوگی اور وہ وحی باوجود ان کے نبی اور رسول ہونے کے نیز تشریحی ہوگی پس اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پر غیر تشریحی وحی ہوتی ثابت ہے۔

اور اسی طرح گواہ ۱ نے ۲۱ اگست کو بجاوب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ حدیث میں جو وحی کا ذکر آیا ہے۔ وہ مسلم ہے۔ مگر اس سے تبلیغی وحی مراد نہیں ہے۔ اور اس نے حدیث مسلم ج ۱ میں وحی کا ذکر ہے جو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور بجاوب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے۔ تو وہ رسول ہوں گے۔ ہر رسول پر غیر تبلیغی وحی کے نزول کو انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ سمجھ نہیں آیا کہ غیر تبلیغی سے گواہ کی کیا مراد ہے۔ کیونکہ حدیث میں جس وحی کا ذکر ہے۔ کہ میرے بندوں کو طرحی طرف جمع کرو۔ اب اگر میس موجودیہ وحی لوگوں کو پہنچائے گا نہیں۔ تو انہیں جمع کیسے کرے گا۔ بہر حال یہ وحی تبلیغی تو ہوگی۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں گواہ کی مراد تبلیغی وحی سے یہ ہے کہ تشریحی نہ ہوگی جس میں سے احکام اور نواہی ہوں۔

فتوحات مکہ جلد ۲ ص ۹۹ کے حوالہ کے متعلق بھی جس میں کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے صریح طور پر بیجاہر کیا ہے۔ کہ جو مکالمہ الہیہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہی ان کے بعض کامل متبعین کے لیے بھی بطور اتباع اور دراست کے

ہو جاتا ہے۔ مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ یہ حوالہ بھی ہمارے مثبت مدعا ہے۔ کیونکہ مجدد صاحب نے جس کلام الہی کا ذکر کیا ہے، وہ وحی ہے جو محمدؐ میں پر ہوتی ہے۔ اور وہ وحی الہام ہے، وحی نبوت نہیں۔

مختار مدعیہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے بیان کی جو یہ نئی توجیہ کی ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جس کلام الہی کا ذکر کیا ہے، وہ کلام ہے تو وحی الہی ہی جو محمدؐ میں پر نازل ہوتی ہے۔ اور جو وحی محمدؐ میں پر نازل ہوتی ہے وہ وحی الہام ہوتی ہے، وحی نبوت نہیں ہوتی اس عجیب و غریب توجیہ سے فریق مقابل کا تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ جس کلام الہی کا ذکر حضرت، مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے۔ مختار مدعیہ خواہ اس کلام کا نام محمدؐ میں پر نازل ہونے والی وحی رکھے خواہ اس کی وحی الہام کے موجب تفریح نام سے نامزد کرے۔ خواہ اور کچھ کہے بہر حال حضرت مجدد صاحب کے مضمون مکتوب منذر جربالاسے روز روشن کی طرح سے یہ ظاہر ہے کہ جس کلام کا آپ نے اس موقع پر ذکر فرمایا ہے۔ انبیاء پر بھی وہی نازل ہوتا ہے، اور جو مکملہ و مخاطبہ انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے۔ بعینہ اسی طرح کا اس کے گان ضعیفین کو بھی ہوتا ہے:

(۵) اور مختار مدعیہ نے حج الکرامہ کے اس حوالہ پر ظاہر است کہ آئندہ وحی یسوع اور جبرئیل علیہ السلام بانقید بلکہ یہ ہمیں یقین دہانہ در آن تردیدی کنیم“ اور کتب کی بحث میں کہا ہے کہ یہ حوالہ غیر مسلم ہے۔ کیونکہ نواب صدیق حسن خاں صاحب متشدد غیر مقلدین سے نہیں، اور حنفیوں کو وہ مشرک سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے حوالے کے متعلق باوجود گواہ کے یہ کہہ دینے کے کہ مکتوب کا حوالہ ہمارے لیے حجت نہیں۔ مختار مدعیہ کے اس حوالہ کی بابت یہ کہنا کہ ہمارے مدعا کو ثابت کرنے والا ہے۔ نادانستگی سے نہیں، بلکہ دیدہ و دانستہ تھا۔ اور وہ گواہان مدعیہ کی شہادت کو غلط اور انہیں کم علم اور اپنے آپ کو ذی علم ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نے ۲۱ اگست کو جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے، کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کو میں مسلمان سمجھتا ہوں، اور ان کی کتاب حج الکرامہ میں ظاہر است سے عبارت ہے۔ پس گواہ مدعیہ تو انہیں مسلمان تسلیم کر کے یہ نہیں کہتا۔ کہ ان کا قول ہمیں مسلم نہیں ہے، لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے، کہ چونکہ وہ حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں اس لیے ان کا قول غیر مسلم ہے۔ اور مختار مدعیہ یہ کہہ کر حرف گواہ مدعیہ کی شہادت ہی کو بے وقعت نہیں بنا رہا ہے، بلکہ اپنے سب سے بڑے پیشوا و مقتدا اور اپنے خاتم المرثیین مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر بھی اپنی فوقیت جتلا رہا ہے۔ کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب نواب صدیق حسن خاں صاحب کو مرحوم اور ریش عالیہن بالحدیث قرار دیتے ہیں، اور دیگر مفسرین عظام کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے قول سے مستطین نہیں، چنانچہ کہتے ہیں

” اور مولوی صدیق حسن خاں مرحوم ریش عالیہن بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہا تفاسیر میں یہ معنی اولی الامر کے قبول کرتے ہیں۔ (سبیل الرشاد ص ۳۱)

اور فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول حاشیہ ص ۳۱ میں لکھا ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب رئیس، بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارتقا فرماتے ہیں، خطبہ مجملہ شفا دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہونہ لگی۔ اور نثر ہو نہ نظم۔ سلف سے یہی طریق چلا آیا ہے۔ اور فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۱ میں ہے مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب فتوحی رحمۃ اللہ علیہ روضۃ التدریہ شرح درالہیئہ میں فرماتے ہیں اور فتاویٰ حصہ سوم ص ۵۵ میں ہے۔ چنانچہ مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المؤمنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں شک ہے۔ لیکن معنی اس کے صحیح ہیں۔

مختار مدعیہ نے گواہان مدعیہ کی شہادت کو قابل استناد بنانے کے رد کرنے کے قابل بنا دیا ہے کیونکہ دریا معلیٰ نے اپنے فیصلہ میں یہ تحریر کیا ہے، کہ علمائے اسلام کی رائے حاصل کرنی چاہیے۔ لیکن عالمین بالحدیث، جو لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔ ان کے رئیس نے گواہان مدعیہ کو جو حنفی مذہب ہونے کے مدعی ہیں، مشرک قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ مشرک ہوں۔ وہ علمائے اسلام کیونکر ہو سکتے ہیں، علمائے اسلام سے وہی علماء اہل بیہ جا سکتے ہیں جو کفار نام مسلمانوں کے فرقے عالم اسلام سمجھے ہوں، مگر جو مدعیہ کی طرف سے گواہ پیش کیے گئے ہیں۔ ان سب کی بابت رئیس عالمین بالحدیث کا یہ فتویٰ ہے، کہ وہ مشرک ہیں۔ لہذا ان کی شہادت رد کر دینے کے لائق ہے۔ مختار مدعیہ نے نواب صدیق حسن خان صاحب کے اس قول کو مسیح موعود پر درج لانے والا یقیناً جبرئیل ہے۔ انہیں بغیر نقلہ بنا کر ٹال دینا چاہتا تھا لیکن ہم نے دکھا دیا ہے۔ کہ وہ پہلے بغیر نقلہ ہیں۔ جن کے اقوال مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوے میں بھی بطور سند پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن اسی پر بس نہ کریں ہم حضرت امام اقلاد علی قادری مسلم حنفی عالم کا قول بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”ثم الظاهر ان الجأٹی اليه بالنوحى هو جبرئيل بل هو الذي قطع به ولا نتردد

فيه لان ذلك وظيفته وهو السفير بين الله وبين انبياءه واما ما اشتهر على السنة

العامه ان جبرئيل لا ينزل الى الارض بعد موت النبي صلى الله عليه وسلم فلا اصل له

(كتاب الاشارة لاشراط الساعة علامه السيد الشريف محمد بن رسول الحسيني البرزنجي ثم المدني ص ۳۲)

یعنی ظاہر یہی ہے کہ مسیح کے نزول کے بعد ان کی طرف وحی لانے والا جبرئیل ہے۔ بلکہ اس پر ہم یقین رکھتے

ہیں اور ہم اس میں کسی قسم کا تردد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ اس کا وظیفہ ہے، اور وہ اللہ اور انبیاء کے درمیان سفیر ہے

اور عامۃ الناس کی زبان پر جو یہ مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوئے

تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ الا علی قادری کے بتائے ہوئے انہیں عوام میں سے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ سے

بھی ہے۔ جس نے ۳۱ اگست کو جواب جرح کہا۔ جبرئیل علیہ السلام وحی کے رسول اللہ کے بعد کسی شخص پر نازل

نہیں ہو سکتا حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے ۛ
امام ملا علی قاری نے بعینہ وہی الفاظ کہے ہیں۔ جو مولف بیچ الکرمان نے کہے ہیں۔ صرف زبان کا فرق ہے۔ وہ عربی
میں ہیں اور یہ فارسی میں۔

لیکن ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ اب مختار مدعیہ اپنی تقلید کا یوں ثبوت دے گا کہ وہی بات جو ایک بغیر تقلد کی طرف
سے ہونے کی وجہ سے غیر مسلم تھی۔ اب ایک مسلم حنفی امام کے کہنے کی وجہ سے قابل تسلیم ہو جائے گی۔ ورنہ اس عقیدہ
کی وجہ سے ان سب کو کافر ماننا پڑے گا۔

پس سلف صالحین کے اقوال سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی نثر شریعی
جاری ہے۔ اور صرف وہی نثر لیبی بند ہوئی ہے۔

(۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نزدیک تشریحی وحی بند ہے

گو اہل ان مدعیہ نے اپنے بیان میں ازالہ اوہام اور حماۃ البشریٰ کے بعض حوالجات پیش کئے ہیں۔ جن میں لکھا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی الہی کا سلسلہ منقطع ہے لیکن ہر ایک شخص جو ان تحریروں کا غور سے مطالعہ کرے گا
وہ جان لے گا کہ اس وحی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مراد شریعت والی وحی یا نبی مستقل کی وحی ہے، جو
بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ہو، چنانچہ آپ ازالہ اوہام ہی میں فرماتے ہیں۔

”اے خالو اس امت مرحومہ میں وحی کی تالیاں قیامت تک جاری ہیں۔ مگر حسب مراتب ۛ

(ازالہ اوہام ص ۲۲۷)

اور اس سے بھی پہلی کتاب توضیح مرام ص ۱۹ پر فرماتے ہیں۔

”اور اگر یہ عذر پیش ہو۔ کہ باب نبوت مسدود ہے۔ اور وہی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ اس پر ایک چکی
ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ بابت نبوت مسدود ہوا ہے، اور نہ ہر ایک طور سے وہی پر ہر لگائی گئی ہے۔
بلکہ جزئی طور پر وہی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے ۛ

اور اسکی صفحہ پر آپ فرماتے ہیں۔

”میں محدث ہوں۔ اور خدا نعالے مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے ۛ

اور محدث کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں۔

” رسول اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے ۛ
اسی طرح کشتی نوح صلاۃ کے ماسنہ پر فرماتے ہیں۔

”قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ پچھدین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الہی کا
سلسلہ جاری نہیں۔ وہ دین مروہ ہے۔ اور خدا اس کے ساتھ نہیں ۛ
اسی طرح اسی صفحہ میں فرماتے ہیں۔

”یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا، بلکہ پہلے زمانوں
میں ہی اتر چکا۔ اور میں نہیں سچ سچ کہتا ہوں، کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مگر روح القدس کے اترنے کا دروازہ کبھی
بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو۔ تا وہ ان میں داخل ہو۔ تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے
ہو، جب کہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو، اے نادان اٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب
آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا

اسی طرح استفتاء میں فرمایا ہے کہ۔ ”ان اللہ سمانی نبیاً بوحیہ“ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام اپنی وحی میں
نبی رکھا ہے اور اس نام رکھنے کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے میری طرف کثرت سے وحی کی اور کثرت سے امور
غیبیہ کا اظہار کیا۔ اور اسی طرح عامۃ البشریٰ میں بھی اپنی وحی کو پیش کیا ہے۔ اور آپ نے الہام کا لفظ حسب اصطلاح
متفقین یعنی وحی استفعال کیا ہے۔ جیسا کہ الہام کی تعریف بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ الہام ایک الفاظ غیبی
ہے۔ جس کو نفث فی الروح اور وحی بھی کہتے ہیں مگر اپنی تحریریں صلاۃ

اسی طرح ہر ابن احمدیہ صفحہ ۲۲۲ میں لکھتے ہیں: لفظ الہام جو اکثر جگہ عام طور پر وحی کے معنوں پر اطلاق
پاتا ہے۔ وہ باعتبار لغوی معنوں کے الملاق نہیں پاتا۔ بلکہ الملاق اس کا باعتبار عرف علماء کلام ہے۔ کیونکہ قدیم سے
علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہوگئی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ وحی کو خواہ وحی رسالت ہو۔ یا کسی دوسرے پردہی اعلام ہونا
ہو۔ الہام سے تعبیر کرتے ہیں ۛ

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف شریعت جدیدہ والی وحی کا انقطاع مانتے ہیں۔ یا اس وحی کا جو کسی مستقل
نبی کی طرف ہو، جس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نتیجہ نہ ہو۔ چاہے وہ ایک دو فقرے ہی کیوں نہ ہو اس وجہ
سے جہاں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کے انقطاع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ نزول
لمنعے والوں کا رد کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ مستقل نبی تھے۔ ان کی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ
میں نہیں تھی۔ ورنہ مطلق وحی کے بقا کا دعوے اور یہ کہ آپ کو وحی ہوتی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تقریباً اپنی
ہر کتاب میں لکھا ہے۔

(۷)

کیا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک آپچی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے۔

عجب بات ہے کہ فریق مخالف ایک طرف تو حضرت مسیح موعود کی عبارتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اور دوسری طرف آپ کی کتب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، کہ نعوذ باللہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے بالمقابل اور اس کے ہم مرتبہ بتایا ہے۔

اس نے اپنے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالے پیش کئے ہیں :

(۱) میں خدا تئیں لائے تھے تیس برس کی متواتر وحی کو کیونکہ وہ کہہ سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵)

(۲) میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں۔ کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتا بوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اس طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶)

(۳) میں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات پر یقین رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے اس کسی کھلی دی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھے ہوگی۔ اور جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے۔ اور میں بہت اللہ میں کھڑے ہو کر قسم کھا سکتا ہوں۔ کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہے وہ اس خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

اب ان تینوں حوالوں کی عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان عبارتوں میں آپ نے اپنی وحی پر ایمان لانے کا اظہار کیا ہے۔ جس طرح وحی قرآن اور دوسری وجہوں پر۔

پس ان عبارتوں سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی وحی کے منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطان سے پاک و منزہ ہونے پر یقین کامل ہے۔ سوائے کہ وہ فرماتے ہیں۔

وحی دلیگیشن کہ منظر گاہ اوست

(مشنوی دفتر ۴ ص ۱۵)

چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست

اور فریق مخالف کا یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے مقابل پریش کیا ہے، اور اس کو قرآن شریف کی

مثل قرار دے کر اپنے آپ کو صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ دینا ہے۔ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے کہیں نہیں لکھا۔ کہ میری وحی شرعی اور قرآن کے مثل اور اس کے ہم مرتبہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

خواتین کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں، قرآن کریم سر ایا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم مرکز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی وحی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم النبیین پر ہوئی۔ ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی اور جو شان قرآن مجید کی وحی کی ہے۔ وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں۔ اگرچہ قرآن کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے معارف و حقائق کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے، (الہدیٰ ص ۳۲۱)

اور اسی طرح آپ وحیوں کے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے نزولِ مسیح ص ۱۱ میں فرماتے ہیں۔
 کلام الہی سے مراد وہی کلام الہی ہے۔ جو زمانے کے لیے تازہ طور پر اترتا ہے۔ اور اپنی خاصیت سے ہم اور اس کے ہم نشینوں پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں۔ اور ایسا مہم طبعاً اس میں اور خدا کے دوسرے کلمات میں جو پہلے نبیوں پر نازل ہوئے جن حدیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھا۔ گودوسرے وجہ سے کچھ فرق ہوا، اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنی وحی کو قرآنی وحی کے تابع و خادم قرار دیا ہے۔ اور قرآن کریم کو متبوع الخدام اور آپ کی وحی میں جا بجا قرآنی وحی کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ
 (النجم کلامی القرآن (حقیقۃ الوحی ص ۲۲) الرحمن علم القرآن ص ۱)

اور کل برکت من محمد صلعم فتبارک من علم ومن تعلم، یعنی تمام برکات رومانہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱)
 اور توضیح مرام ص ۲۵ میں فرماتے ہیں۔

”تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے، جس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر ایک تاریخی سے اس بنیشتی ہے۔ اور ہر ایک غبار سے خالی ہے۔ اور اس کا نام شدید القوی بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے۔ جس سے قوی تر وحی معصور نہیں اور اس کا نام ذوالائق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے۔ اور اس کو رانی مادائی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور موم و گمان سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے۔ جس پر تمام سلسلہ انبیین کا ختم ہو گیا ہے۔ اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچتا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائش الہی کے خطِ محمد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے۔ جو ارتقاع کے تمام مراتب کا انتہا ہے۔

جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ نہایت تعریف کیا گیا ہے۔

یعنی کلمات نامہ کا مظہر ہو جیسا کہ قدرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ وارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت نامہ ہے۔ (ص ۲۵-۲۶)

۱۱) اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھول کر بتا دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا مرتبہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے۔ جو کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔

۱۲) اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کی تفریح کی ہے کہ آپ کی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

اور محض محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ اعلیٰ مرتبہ مکالمہ الہیہ کا اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے۔ کہ بجز سچے نبی کے پیردے کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے گا۔

(آئینہ کلمات اسلام ص ۲۶)

اور فرماتے ہیں :-

دینا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع کے ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ (حقیقۃ النبوة بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۸)

اور فرماتے ہیں :-

”میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ (حقیقۃ النبوة بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص ۲۲)

اور فرماتے ہیں :-

میں خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں۔ کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں، بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی آفاقہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(حقیقۃ النبوة بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص ۲۵)

اور فرماتے ہیں :-

قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے۔ کہ لہم البشریٰ فی الخلیۃ الدنیا اور یہ وعدہ ہے کہ ابد ہم بروح متہ اور یہ وعدہ ہے۔ کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے۔ ان کو مبشر فرمائیں اور الہام دینے جائیں گے یعنی بکثرت دینے جائیں گے یہ ... اور یہ فرمایا کہ کامل پیروی کرتے والے کی روح القدس سے تائید کی جائے گی۔

(ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۱۴۱)

اور فرماتے ہیں ا۔

”ہماری طرف سے دعویٰ ہے۔ جس کو ہم مقابل ہر فریق کے ثابت کرنے کو تیار ہیں، اور وحی قرآنی انجی تعلیم اور اپنے معارف و برکات اور علوم میں ہر ایک وحی سے افزائی و اعلیٰ ہے“ سرمد چشمہ آریہ حاشیہ ص ۱۴۱

اور فرماتے ہیں ا۔

ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا۔ کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے۔ اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی الہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو قائم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی۔ کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا اتھی ہونا ثابت نہ کرے۔ اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود دھونہ کرے۔ ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پاسکتا ہے۔ اور نہ کامل مہم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ مگر نخل نبوت جس کے منے ہیں۔ کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ انسان کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔ اور تاہم نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے۔ کہ مکالمات و مخاطبات الہیہ کے دروازے کھلے ہیں۔ اور معرفت الہیہ جو مدار نجات ہے۔ مفقود نہ ہو جائے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۸)

اور فرماتے ہیں۔

اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، اس بے شک نبی کے ذریعہ میں میسر آیا ہے۔ کہ آفتاب ہدایت کی شمع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم سنوار سکتے ہیں۔ جب تک ہم اس کے مقابل پہنچتے ہیں۔

(حقیقۃ الوحی ص ۸۱۶)

اور فرماتے ہیں ا۔

خدا تعالیٰ نے صدی المتقین میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ اگر اکی کتاب اور رسول پر کوئی ایمان لائے گا۔ تو وہ مزید ہدایت کا مستحق ہو گا۔ اور خدا اس کی آنکھ ہو جائے گا اور اپنے مکالمات و مخاطبات سے مشرف کرے گا۔ اور بڑے بڑے نشان اس کو دکھائے گا۔

(حقیقۃ الوحی ص ۱۳۸)

اور فرماتے ہیں ا۔

”وہ رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں۔ وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے، اس کے قبول پرورد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک

ہیں ہوں جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانیوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔
(حقیقۃ لہوی ص ۱۷۷)

اور فرماتے ہیں :-

اے نادان تو میری مراد نبوت سے یہ نہیں۔ کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں، یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت، مکالمات و مخاطبات الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ (تمہ حقیقۃ لہوی ص ۱۷۷)

ان تمام حوالوں سے بھی میں سے اکثر انہی کتابوں سے ہیں، جن کی عباراتوں پر اعتراض کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی وحی کو سب سے افضل و بزر اور اپنی وحی کو قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور کامل متابعت اور پیروی کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں :-

علاوہ ازیں آپ قرآن مجید پر عمل کرنے کی جماعت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

” جو لوگ قرآن شریف کو عزت دیں گے۔ وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جاوے گا۔ نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول تیفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نجات یافتہ کون ہے، وہ جو یقین رکھتا ہے۔ جو خدا پر ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں دریا نی تیفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم تبرک کوئی اور کتاب ہے۔“ (کشتی نوح ص ۱۳ مطبوعہ ۱۹۱۱ء)

اور فرماتے ہیں :-

تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بحر قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلا واسطہ قرآن نہیں ہدایت دے سکے۔“ (کشتی نوح ص ۱۷)

اور فرماتے ہیں :-

” قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں۔ جو نئے حکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔“ (الوصیت ماشیہ ص ۱۲۵ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

اور فرماتے ہیں :-

” اور ہم لوگ جو قرآن مجید کے پیرو ہیں۔ اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے

ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں۔ چہ شہ معرفت ص ۲۱ مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں ملاحظہ ہو ص ۲۱ اور تجلیات الہیہ ص ۲۵ اور مواہب الرحمن ص ۶۹ وغیرہ۔

جس بگزیدہ خدا کے یہ ارشادات ہم کو کیا اس کے متعلق یہ شبہ کہے جانے کی گنجائش ہے۔ کہ وہ اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتا ہے۔ اس کا فیصلہ عموماً ہر منصف مزاج اور خصوصاً عدالت کے انصاف پر چھوڑ کر کہتا ہوں کہ ان ارشادات پر ہی بس نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے اپنی وحی کی صداقت معلوم کرنے کے لیے قرآن کریم کو محکم معیار قرار دیا ہے چنانچہ آئینہ کمالات اسلام کے ص ۱۱ میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قرآن شریف آنحضرت صلیم کے بعد قیامت تک تخریب و تبدیل اور کسی خطا کار کی غلطی پیدا کر دینے سے محفوظ ہے۔ نہ وہ منسوخ ہوگا۔ اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوگی۔ اور نہ کسی ظلم صادق کا کوئی الہام اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اور جو کچھ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف تعہیم ہوتی ہے۔ یا الہامات نازل ہوئے ہیں۔ ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے۔ کہ وہ سب مسیح اور درست ہیں۔ اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ اور مجھ پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن کریم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک نہ ہو۔ و شبہ نہیں اور بغرض حال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا۔ تو ہم اسے ردی نشان کی طرح پسینہ دیتے۔ اور فرماتے ہیں:-

وان القرآن مقدم علی کل شیء و وحی الحکم مقدم علی احادیث ظلیف۔ بشرط ان تطابق القرآن وجہ مطابقت نامہ و بشرط ان تكون الاحادیث غیر مطابقت القرآن مواہب الرحمن ص ۶۹

یعنی قرآن ہر شیء پر مقدم ہے۔ اور حکم کی وحی ظنی احادیث پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن سے مطابقت نامہ رکھتی ہو۔ اور احادیث قرآن کے مطابق نہ ہوں اور فرماتے ہیں:-

اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا۔ تو آیا نہ قطعیت اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۱۲۹)

غرض میں پیدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں صراحتاً اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ میری وحی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے۔ اور قرآن مجید کی وحی سب وجہوں سے مرتبہ میں اعلیٰ وارفع ہے۔ اور وہ میری وحی کے لیے محکم اور معیار اور کسوٹی کے طور پر ہے۔ یا میں ہمہ کثرت۔ ارشادات

و تفریحات مختاران مدعبہ اور گواہان مدعبہ کا ان سب کے خلاف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے نرکانی وحی کے برابر ٹھہرا یا ہے۔ کہنے والوں کو جس مقام پر کھڑا کرتا ہے دیکھنے والے خود دیکھ سکتے ہیں ۛ

دوسری وجہ تکفیر کا رد

(۱)

جماعت احمدیہ آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے۔

دوسری وجہ تکفیر فریق مخالف نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کے معتقدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں اور آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین یقین کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور جو ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کر دے وہ کافر ہے لہذا حضرت مرزا صاحب اور آپ کے تمام معتقدین کافر کوٹھے والا جواب :-

یہ امر کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے متبعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں صریح بہتان ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا بڑی کثرت سے اقرار موجود ہے۔

(۱) چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ انجام آتم ص ۲۱ میں اور اصل حقیقت جس کی میں ملی ٹوس الا شہاد گواہی دیتا ہوں۔ یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم الانبیاء ہیں ۛ

(۲) اور فرماتے ہیں۔ الحکم ۷۱ مارچ ۱۹۰۵ء میں

” اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراء عظیم ہے۔ ہم جس وقت یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس کا لاکھوں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے ۛ ان کے علاوہ ازالہ اولام ص ۳۱۰ و آئینہ کلمات اسلام ص ۳۸۷ ایام الصلح ص ۹۶ و کرامات الصادقین ص ۲۵ و ایک غلطی

کا ازالہ اور مواہب الرحمن ص ۶۶ اور حقیقۃ الوحی ص ۲۱۔ واستفتاء ص ۶۷ سے نہایت صفائی کے ساتھ حضرت اقدس کا آنحضرتؐ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ظاہر ہے۔ اور ان سوالوں کی عبارات، دیکھتے کے لیے ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ص (موسومہ بہ مقدمہ بہاولپور ص ۳۲ تا ۳۴)

پھر واضح رہے کہ کوئی شخص جماعت احمدیہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بیعت کے وقت وہ آنحضرتؐ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا صدق دل سے اقرار نہ کرے۔ جیسا کہ بیعت، فارم کے فقرہ آنحضرتؐ وسلم کو خاتم النبیین یقین کروں گا سے ثابت ہے پس یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتی۔ قطعاً نادر و باطل ہے۔

بحث خاتم النبیین

(۲)

جمع مسلمان آنحضرتؐ وسلم کے بعد ایک نبی کا آنا مانتے ہیں۔

مختار مدعیہ اور گواہان نے آنحضرتؐ وسلم کے بعد باب نبوت کو مسدود و قبات کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین پیش کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لفظ خاتم ہمیشہ عربی زبان میں صرف آخر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۰ اگست کو جواب جرح اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص ختم کے معنی آخر کے سوا کچھ اور کرنا ہے۔ وہ کافر ہے مگر دوران جرح میں ہی جب الہ سے دریافت کیا گیا کہ زبان عرب کے کوئی عبادہ پیش کرو جس میں خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہو اور پھر اس کے معنی آخری فرد کے لئے گئے ہوں تو وہ کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کر کے ہاں انہوں نے صرف ایک حوالہ مشہی الارب اور لسان العرب کا پیش کیا ہے جس میں لکھا ہے۔ خاتم القوم آخر ہم۔ سوا اس کا مفصل جواب میں آگے چل کر لفظ آخر کی بحث میں دوں گا کافی الحال یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں جیسا کہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے کئے ہیں کہ آپ کے بعد کسی قسم کا بھی نبی نہیں ہو سکتا تو یہ معنی تمام مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ کا انابجیثیت نبی کے مانتے ہیں جیسا کہ گواہ مدعیہ نے ۳۱ اگست کو جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور تقریباً جمیع قائلین نزول مسیح علیہ السلام کا یہی اعتقاد ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ نبی ہوں گے چنانچہ بیان گواہ مدعا علیہ ص ۷۱ کلام سے اس کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کر لئے گئے ہیں اب میں امام ملا علی قاری کا قول جو حنفی علماء میں ایک نہایت ہی جلیل القدر عالم میں پیش کرتا ہوں۔

فمن قال بسلب نبوته كفر حقا كما صرح به الامام السيوطي فان النبي لا يذنب هب عنه
وصفت النبوة ولا بعد موتها واما حديث لا وحى بعدى باطل لا اصل له لعدم وروده
بعدى ومعناه عند العلماء انه لا يتحدث بعده نبى بشرع ينسخ شرعه -

(کتاب الاشاعت لاشراط الساعة ص ۲۲۶)

یعنی جس شخص نے کہا کہ مسیح علیہ السلام مسلوب النبوة ہو کر آئیں گے تو وہ یقیناً کافر ہو گیا جیسا کہ امام سیوطی نے
اس امر کی تصریح کی ہے کیونکہ نبی سے اس کی موت کے بعد بھی وہ نبوت، زائل نہیں ہو جاتا اور یہ حدیث کہ میرے بعد
وحی نہیں ہے اطل اور بے اصل ہے ہاں لابی بعدی آیا ہے۔ اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ نہیں کہ آپ کے
بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہو گا جو الہی شریعت، لائے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت منسوخ ہو جائے اور
ص ۲۲۶ میں مسیح پر بعد نزول وحی بذریعہ جبرئیل مان کر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ وہ نبی ہوں گے جس کو خاتم النبیین میں انبیین
سے مراد ہر قسم کے نبی ہیں تو حضرت عیسیٰ بھی دوبارہ نہیں آسکتے اگر کہو کہ نئے نبی کا انا منع ہے۔ پرانے کا نہیں تو ہم
بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ اگر انبیین سے پرانے نبیوں کا استثناء ہو سکتا ہے تو اس طرح ایک اتنی غیر شرعی
نبی کا استثناء بھی ہو سکتا ہے۔

خاتم النبیین سے کیا مراد ہے۔

(۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لفظ خاتم سے کیا سمجھے

گو اہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیا کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیت خاتم النبیین سے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ نہیں سمجھے، ورنہ آپ آیت خاتم النبیین
کے نزول پر پانچ سال گزر جانے کے بعد اپنے صاحبزادے ابراہیم کے حق میں قطعاً یہ نہ فرماتے کہ اگر وہ زندہ
رہتے تو نبی ہوتے۔ ختمار مدعیہ نے اس حدیث پر دو قسم کی جرح کی ہے۔

(۱) لوجس چیز پر داخل ہوتا ہے اس کا وقوع میں آنا محال ہوتا ہے جیسے آیت لو کان فیہما
الہما الا اللہ میں کہ متعدد خداؤں کا ہونا محال ہے اور گواہ مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو
بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ لوجس جگہ داخل ہونا ہے وقوع نہیں ہوتا۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان بن شیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور ثقہ نہیں ہے اور متروک الحدیث ہے۔

(۳) یہ حدیث باعتبار معنی مثبت مدعا نہیں کیونکہ بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۱۴ میں ابن ابی اوفی سے نقل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ حضور کے بعد نبی نہیں ہو سکتا فلذات مات پس اس لیے مر گیا پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ ایک وقت میں شرط ہو کا وقوع بوجہ گذشتہ زمانہ میں وقوع نہ ہونے کے محال ہوتا ہے لیکن آئندہ زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شرط اور جزا دونوں کا وقوع جائز و ممکن ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
لو انهم صبروا حتى تنخرج اليهم لكان خيرا لهم (سورہ ہجرات ع) کہ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو خود ان کے پاس باہر آتا تو یہ ان کے لیے مناسب اور بہتر اور باعث خیر و برکت تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں یہ مذکور ہے۔ لو عاش لا اعتقت اخواله من القبط کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کے قبلی ماموں آزاد کے بچے اور دوسری حدیث میں ہے۔ لو عاش ابراہیم صادق بہ خال (ابن ماجہ) اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا تو اب ظاہر ہے کہ بوجہ شرط جواب بشرط کا وجہ بالکل جائز اور ممکن تھا ورنہ اس فقرے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ پھر جب کسی شخص کی مدح کرنی مراد ہو اور اس کی فضیلت کا اظہار مقصود ہو تو محال اور ناممکن الوقوع امر سے فضیلت کا اظہار کرنا بالکل عبث اور بے معنی ہے اور کسی کی فضیلت تمہی ظاہر ہو سکتی ہے جب کہ جواب بشرط ممکن الوقوع ہو مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ لو عاش زید کلان نابغہ کہ اگر زید زندہ رہتا تو بہت بڑا عالم ہوتا یہ قول زید کے لیے اس وقت نعمتی بن سکتا ہے جب کہ پہلے تو ابغ یعنی اعلیٰ درجہ کے علماء کا وقوع ممکن تسلیم کیا جائے ورنہ یہ قول باطل اور بے معنی ہوگا اس طرح آنحضرت مسلم کا فرماتا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا اسی حالت میں درست ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد نبوت کے وقوع کا امکان تسلیم کیا جائے ورنہ اس قول کے کچھ معنی نہیں ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے کہ حضور کی طرف ایسے قول کی نسبت دی جائے جو بالکل بے معنی ہو اور معیار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعیہ نے ۸ مارچ کو جواب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ لو جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا یہ ایک صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ کے الفاظ یہ ہیں: جس چیز پر لو داخل ہوتا ہے۔ اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا نہ یہ کہ کسی جگہ میں وقوع ممکن نہیں ہوتا۔

دوسرے شبہ کا جواب :-

مختار مدعیہ نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان کو ضعیف

قرار دیا ہے اور بحوالہ ازالہ اوہام ص ۲۳۱ کہا ہے کہ مجموعہ حدیث لائق قبول نہیں ہوتی حالانکہ ابراہیم بن عثمان پر یہ حکم لگانا کہ اس کی تمام احادیث ضعیف ہیں اور قابل اعتماد نہیں ہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ جو جو اخبار مدعیہ نے اسے ضعیف ثابت کرنے کے لیے میزان الاعتدال سے پیش کیا ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ شہر واسط کے قاضی تھے اور شعبہ نے اسے اس روایت کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا ہے کہ اس نے حکم سے روایت ابن ابی سلیمان بیان کیا کہ ضعیف ہیں ۷۰ صحابی جو جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے شریک ہوئے۔

مصنف کتاب سے کہ میں نے (تہذیب سے) بحمان اللہ کہا۔ کیا حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما میں شامل نہیں ہوئے اور وہ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ پس شعبہ نے جس وجہ سے ابراہیم کی تخریب کی تھی مصنف نے خود اس کا رد کر دیا پھر لکھا ہے کہ عثمان الدارمی نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں اور اس کے ثقہ نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کیا اور احمد نے اسے ضعیف کہا ہے امام بخاری نے کہا ہے "سکتوا عنہ" کہ محمد بن اس کے بارے میں خاموش ہیں اور امام مسلم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ یہ اختلاف صاف بتا رہا ہے کہ یقینی طور پر اس کے کاذب یا ضعیف ہونے کی کسی کے پاس دلیل نہیں ہے اور تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر العسقلانی اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

وقال عباس الدوري عن يحيى بن معين قال قال يزيد بن هارون ما قضي
على الناس رجل اعدل في قضاء منده وقال ابن عدى له احاديث صالحة وهو خير
من ابي حنيفة -

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱)

یعنی عباس الدوری نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا کہ اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کیے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی نہایت اچھی حدیثیں بھی ہیں اور وہ البیہقی سے بہتر ہے۔

مختار مدعیہ نے کہا تھا کہ ابن معین چونکہ اس فن کے ماہر ہیں اور عثمان دوری نے ان سے اس راوی کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے اس لیے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں مگر ابن معین نے ہی اس کے تقاضا میں عادل ہونے کے متعلق یزید ابن ہارون سے نقل کیا ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے زمانہ میں نہایت مصنف قاضی تھے تو وہ شخص جو (نعوذ باللہ) جھوٹ حدیثیں بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منسوب کرے وہ عدل قاضی کیسے ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی تھے اور فیصلہ کرتے وقت کسی کی رعایت ہمیں کرتے تھے اس لیے ان کے مخالفوں نے ان کو بنام کرنے کے واسطے وضعی حدیثیں ان کی طرف منسوب کر دی ہوں تو کوئی

بعید امر نہیں ہے پھر ابن عدی جو فن جرح اور تعدیل کے ماہرین سے ہیں اور انہوں نے اس فن میں ایک نہایت عمدہ کتاب بھی لکھی ہے جس کے متعلق علامہ ذہبی کہ یہ رائے ہے۔ (دلائل احمد بن عدی کتاب الکامل

هو اکمل الكتب و اجلها في ذلك۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۱)

کہ ابن عدی کی ایک کتاب کامل ہے جو اس فن جرح و تعدیل میں سب کتابوں سے اکل اور اجل ہے۔ ان کی اس راوی کے متعلق یہ رائے ہے کہ ان سے نہایت معتبر اور اچھی حدیثیں بھی مروی ہیں تو اب کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک خاص حدیث کو صرف اس وجہ سے غیر معتبر یا ضعیف قرار دے کہ اس کا راوی ابراہیم ہے جب تک کہ دوسرے قرائن سے اس حدیث کا وضعی اور ضعیف ہونا ثابت نہ کرے۔
یہ حدیث صحیح ہے۔ ۱۔

اس حدیث کی صحت بڑے بڑے علماء نے تسلیم کی ہے۔ چنانچہ شہاب علی البیضاوی کی جلد ۱ ص ۱۱۱ میں اس حدیث کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے۔

”قول اما صححة الحديث فلا شبهة فيها لانه رواه ابن ماجه وغیره كما ذكره ابن حجر“

یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ اور اس کے سوا دوسروں نے بھی یہ روایت کی ہے جیسا کہ ابن حجر نے اس امر کا ذکر کیا ہے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ شہاب ہمیں مسلم نہیں لیکن مسلم نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی دراصل بات یہ ہے کہ مختار اصل میں شہاب سے ناواقف ہے کہ وہ کون ہیں اگر وہ واقف ہوتا تو غیر مسلم ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھاتا کیونکہ ان کی کتاب شرح الشفاء للنفیابی کے حوالے خود گواہان مدعیہ نے پیش کیے ہیں اور عنایت القاسمی جس کا یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ انہی کی تصنیف ہے اور ان کا نام احمد بن محمد ہے مصر کے باشندے اور حنفی المذہب تھے اور ذاتی العضاقتھے اور شہاب الدین النفیابی کے لقب سے ملقب تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جو بات کہی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور ابن حجر مستقلانے جو حافظ حدیث ہیں ان کے قول سے سند پکڑتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہہ نہیں ہے اس لیے مختار مدعیہ کا قول کہ شہاب کا حوالہ غیر مسلم ہے بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

(۲)۔ پھر ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں اس حدیث کے موضوعات ٹھہرانے والوں کو جواب دے کر لکھا ہے
”لہ طرق ثلاث یقوی بعضها ببعض (موضوعات کبیر ص ۱۵) کہ یہ حدیث موضوعات نہیں بلکہ صحیح ہے اور یہ تین طریق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور پھر اس حدیث کی صحت پر

عذر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہونے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں (کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ آنحضرت مسلم کے بعد امتی ہو کر نبی ہوں گے۔) پھر اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے کہ ابراہیم کا نبی ہو جانا یا حضرت عیسیٰ کا نبی ہو جانا آپ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف نہ ہوتا کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ انہ لایا قی نبی بعدہ نیسوخ ملتہ ولم یکن من امتہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو پھر ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

ولا یخفی انہ لا یستلزم من کون احد الرواة متروکا کون الحدیث موضوعا لا سیمّا اذا جاء الحدیث من طریق آخر بل وتعدد طرقہ (مرقاۃ ص ۱۵۷)

اور یہاں مخفی نہیں کہ ایک راوی کا متروک الحدیث ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ حدیث بھی موضوع ہو خصوصاً اس حالت میں جب کہ وہ حدیث دوسرے طریق سے مروی ہو بلکہ متعدد طرق سے روایت کی گئی ہو جیسے کہ حدیث متنازعہ فیہ متعدد طرق سے روایت ہوئی ہے۔ (۳) امام ملا فاریجی نے اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے۔

قال النودی فی تہذیبہ واما ما روى عن بعض المتقدمین حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً۔ فباطل وجسارۃ علی الکلام بالمغیبات ومجا تر فہ و ہجوم علی عظیم۔

کہ علامہ نودی نے اپنی کتاب تہذیب میں کہا ہے کہ یہ حدیث جو بعض متقدمین سے مروی ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے باطل ہے اور امور غیبیہ کے اظہار پر تجارت اور اکل بچو بات کہنا ہے اور ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔
ابن عبد البر کا قول ہے۔ لکھا ہے۔

ولا ادری ما ہذا فقد ولد نوح غیر نبی ولولہ یلد الانبیاء لکان کل احد نبیاً لابند من ولد نوح انتہی۔

میں نہیں سمجھتا کہ یہ حدیث کیسی ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کے بیٹے ایسے بھی تھے جو غیر نبی تھے اور اگر اس کا ہر ایک بیٹا نبی ہوتا تو ہر ایک شخص نبی ہوتا کیونکہ وہ نوح کی اولاد کے ہیں۔

ان دونوں اختراضوں کے رویں لکھا ہے۔

قال شیخ مشایخنا العلامة الربانی الحافظ ابن حجر العسقلانی فی الاصابة
وهذا عجیب من النووی مع درودہ عن ثلاثۃ من الصحابة ولا
یظن بالصحابی ان یهجم علی مثل هذا بظنه قلت مع انهم
لم یقولوا موقوفاً بل استدوه مدفوعاً كما بینه خاتمة الحافظ
السیوطی باسانیدہ فی رسالة علیحدۃ مع ان من القواعد المقررة
فی الاصول ان موقوف الصحابی اذا لم یتصور ان یشک من رای
فہو فی حکم المرفوع فانکار النووی کا بن عبد البر الذالک اما لعدم
اطلاعہا او لعدم ظہور التاویل عنہما ۱۱ ہما و
اللہ اعلم۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۳۹۵)

کہ ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ربانی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابت میں لکھا ہے کہ نووی عامر سے اس
قسم کی بات کا صدور عجیب بات ہے کیونکہ یہ حدیث میں صحابیوں سے مروی ہے اور صحابی پر یہ ظن نہیں کیا جا
سکتا کہ وہ اپنے گمان سے ایسے امر کا ارتکاب کرنے پر جرات کرے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بیان کرنے
والوں نے موقوف نہیں بیان کیا بلکہ اس کو سند کے ساتھ مرفوع بیان کیا ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے
ایک مستقل رسالہ میں اس کی تمام سندیں ذکر کی ہیں ۱۱

اصول حدیث میں ثابت شدہ قواعد سے یہ بات بھی ہے کہ صحابی کی موقوف حدیث جب کہ اس کا رائے
سے ہونا غیر منقول ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوگی۔ پس نووی کا ابن عبد البر کی طرح اس حدیث کی صحت سے
انکار کرنا یا نوزان دونوں کے عدم اطلاع کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ ان پر اس حدیث کی تاویل ظاہر
نہیں ہوئی پس اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور مرفوع متصل ہے یا مختار
مدعیہ یہ نہ کہہ سکے کہ حدیث مرفوع متصل کے خلاف کوئی حدیث قبول نہیں اور اس حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ
حافظ ابن حجر عسقلانی بھی جو حدیث کے ماہرین سے ہیں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں پس یہ حدیث فی نفسہ
مجروح نہ رہی

(۱۴) فریق مخالف نے جو قول اپنی تائید میں ابی ابی ادنی صحابی کا پیش کیا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہنے لونی ہوتے
لیکن وہ باقی نہیں رہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ یہ قول دلیل ہے۔

اس بات کی کہ حدیث لومعاش ابراہیم مکان صدیقاً بتایا صحیح ہے۔ ورنہ یہ خیال کیسے پیدا ہو سکتا تھا کہ ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی بنتے کیونکہ نبی کی اولاد سے ہونا نبی ہونے کو مستلزم نہیں ہے پس صحابی کو ان کی نبوت کا خیال بھی ہو سکتا ہے جب کہ ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہوتی کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے پس عبد اللہ ابن اونی کا قول خود اس حدیث کی صحت ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن عامر نے ابن ابی ادنی سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۱

تیسرے شیعہ کا جواب ۱۔

علم حدیث سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے کہ فہم صحابی حجت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا قول حجت ہو سکتا ہے جب کہ اس کے مخالف دوسرے صحابی کا قول بھی موجود ہو کیونکہ صحابی فہم قرآن و حدیث میں غلطی کر سکتا ہے۔ مثلاً نافع سے روایت ہے کہ اس نے کہا۔ (کان ابن عمرو یقول واللہ ما اشک ان المسیح الدجال ابن صباد)۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۴۷)

کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ بخدا مجھے اس میں ذرہ شک نہیں کہ ابن صباد ہی المسیح الدجال ہے۔ مالا نکہ ان کا یہ سمجھنا درست نہ تھا اس طرح انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب آیت یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی نہ اتیری تو ثابت بن قیس اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ گئے اور کہنے لگے کہ میں تو دوزخی ہوں آنحضرت نے سعد بن معاذ سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ ثابت کو کیا ہوا کیا وہ بیمار ہو گئے ہیں تو سعد نے جواب دیا کہ وہ تو میرے ہمسایہ ہیں مجھے تو ان کی بیماری وغیرہ کا کوئی علم نہیں پھر سعد نے اگر ان سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ انزلت ہذا الایۃ ولقد علمتم انی عن ارفعکم صوتا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا من اهل الناس۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ مجتہبی)

یعنی یہ آیت اتاری گئی جس میں یہ حکم ہے کہ تم اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کیا کرو ورنہ اعمال کے جبٹے ہو جانے کا خطرہ ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بلند آواز ہوں تو یقیناً میں اہل نار سے ہوں سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو اہل جنت سے ہے۔ پس ثابت نے جو آیت کا مفہوم صحابہ صحیح نہیں تھا۔

اسی طرح اور بہت سی ایسی مثالیں امام حدیث میں پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ سے آیات و احادیث کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو جاتی تھی پس ابن ابی ادنی کا یہ فہم کہ ابراہیم اس لیے زندہ نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قوم کا کوئی نبی نہیں ہو سکتا تھا..... جبکہ ان کے اس مفہوم کے خلاف حضرت عائشہ کا قول بھی موجود ہے

اور اگر یہ وجہ کہ وہ اسی لیے وفات پا گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا صحیح تسلیم کی جائے تو پھر اس سے بہ مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ کے بعد نبی نہ ہونے سے مراد آپ کی وفات کے بعد منسل نبی ہونا ہے۔ اور اس طرح اس قول اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں مطابقت بھی ہو جائے گی اور نیز بخاری کی حدیث کا انت بنو اسرائیل تسوسو سہمہ الا ندباء اذا هلك نبی خلفہ نبی کے خلاف بھی نہ ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد منسل کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ خلافت موعودہ کا سلسلہ جس کی مدت ایک دوسری حدیث میں آپ نے تیس بیان فرمائی ہے شروع ہوگا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہرگز یہ منشاء و ظاہر نہیں ہوتا جو ابن ابی اوفیٰ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوعاشہ ابراہیم لکان صدیقاً ندباً ابراہیم کی وفات کے بعد فرمایا: تا ظاہر ہو کہ ابراہیم میں کمالات نبوت، حاصل کرنے کی استعداد موجود تھی اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے۔ لیکن اب موت اس مقام کو حاصل کرنے میں روک ہو گئی ہے اور اگر اس قول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک اس امر کا اثبات ہے تو تا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو آپ اس طرح فرماتے لوعاشہ ابراہیم لکان ندباً کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ بھی رہتا تو باوجود استعداد حصول کمالات نبوت رکھنے کے وہ ہرگز نبی نہ ہوتا۔ پس یہ کمالات اس وقت کلمات مدحیہ ہو سکتے ہیں جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی غلامی اور آپ کی اتباع میں تمام نبوت مل سکتا ہے ۱۱

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاتم النبیین سے کیا سمجھے

اس کے متعلق ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۱

فقہاء مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں مریخ غلط بیانی کی ہے کہ گواہان مدعیہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں ۶۴ صحابہ سے زائد کے آثار ابن جریر کی تفسیر میں سے پیش کیے ہیں۔ حالانکہ ان آثار کا نہ تو ذکر ابن جریر میں خاتم النبیین کی تفسیر میں ہے اور نہ گواہان مدعیہ نے پیش ہی کیے ہیں اور نہ تمام صحابہ کا اس پر کہ آپ کے بعد کوئی امتی نبی نہ آئے گا اجماع ہی ہوا ہے جیسا کہ بحث اجماع میں بیان کیا جائے گا اور گواہان مدعا علیہ کی طرف سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق فقہاء مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں یہ جرح کی۔

(۱) گواہان مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو یہ تسلیم کیا کہ صحابہ تفسیر میں غلطی کرتے تھے اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی لیکن گواہان مدعا علیہ کے سمات کی بنا پر یہ جواب ہے۔

مختار مدعیہ کے نزدیک صحابہ غلطی نہیں کرنے تھے اور گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت عائشہؓ نے یہ تفسیر صحیح کی ہے اس لیے فریقین کو اس تفسیر کی صحت میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔
 (۲) حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں اور گواہ مدعا علیہ نے ان سے درمنثور کے متعلق جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے نزدیک اس میں رطب دیا بس ہے۔ اس لیے یہ دونوں قول غیر مسلم ہونے چاہئیں۔

جواب :-

چونکہ یہ دونوں قول گواہان مدعا علیہ کے نزدیک بوجہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق ہونے کے صحیح ہیں، اور مختار مدعیہ کے نزدیک درمنثور میں یا بس کوئی چیز نہیں سب رطب ہی ہے اس لیے فریقین کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح ہیں۔

(۳) سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں نہ کسی معتبر حدیث کی کتاب سے نقل کی ہے اور اس کا تعلق آنحضرت صلعم کے قول لابنی بعدی سے ہے۔

جواب :-

مختار مدعیہ کا یہ قول کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اور اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے جن کی سند بھی ہے نکالا ہے اور تلمذ جمع البحار میں بھی (جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نے مجالہ نافذہ میں لکھا ہے کہ شکل احادیث کی شرح اور توجیہات بیان کرنے کے لحاظ سے جمع البحار دوسری کتابوں سے مستغنی کر دینے والی کتاب ہے) حضرت عائشہؓ کا مذکورہ بالا قول صحیح سمجھ کر درج کیا گیا ہے اور پھر اس کی حدیث لابنی بعدی سے مطابقت کر کے دکھائی گئی ہے۔ اور اگر یہ قول جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بسند صحیح ثابت نہ ہو تو اس صورت میں اول تو اس کو درج کرنے کی ضرورت نہ تھی دوسرے اگر درج کیا تھا تو ضعیف اور موضوع کہہ کر رد کر دیا جاتا مگر وہ نہیں کیا گیا بلکہ مولف جمع البحار نے اسے صحیح سمجھ کر حدیث "لابنی بعدی" سے اس کی تطبیق کی اور بتایا کہ اس قول اور حدیث لابنی بعدی میں جیسا کہ مختار مدعیہ نے بھی کہا ہے کوئی تنازع نہیں کیونکہ لابنی بعدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مطلب لیا ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں ہے جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے

(۴) حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید کہ خانم زبیر سے پڑھاؤ زبیر و زبیر سے معنی میں کوئی فرق نہیں آنا گواہان مدعا علیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ غلط عقیدہ پیدا نہ ہو لیکن باوجود اس کے حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادے کا ایک قول بھی ایسا نہیں جو احمدی حضرت کی تائید کرتا ہو

جواب :-

لفظ خاتم کے معنوں کی تحقیق اور خاتم کے کبیر التام اور بفتح التام میں جو معنوی لحاظ سے فرق ہے وہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱ اور حضرت علیؓ عنہ کا یہ قول جب کو مخاطب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الا انہ لاجبی بعدی فرمایا تھا۔ احمدیوں کی تائید کرتا ہے اس کے بعد حضرت علیؓ با آپ کے صاحبزادے کے اس قول کے مخالفت کوئی قول نہیں کرتا تو مختار مدعیہ یا گواہان مدعیہ کا فرض تھا نہ گواہان مدعا علیہ کا کیونکہ گواہان مدعا علیہ کے لیے تو اس روایت کا ذکر کر دینا کافی تھا جس سے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادوں کا مذہب خاتم کے معنوں کے بارہ میں ظاہر ہے۔

سلف صالحین خاتم سے کیا معنی سمجھے

اس عنوان کے ماتحت گواہان مدعا علیہ نے پندرہ حوالے پیش کئے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی صاحب شرع جدید نبی نہیں آسکتا اور ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور آپ کی شریعت کا جو اپنی گردن پر رکھنے والا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے منافی نہیں ہے۔ مختاران مدعیہ نے ان اقوال پر جو حرج ۹ ر ۱۱ اور کنزبر کو کی ہے وہ مع جواب ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) گواہ مدعا علیہ ۱ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ صحیح احادیث تک ظنی ہوتی ہیں اور کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہونا ہے اور یہاں بھی عقائد کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اس میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر ان کا جواب نہ بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب :-

مختار مدعیہ نے اپنے اس قول سے اس اصل کو تسلیم کر لیا ہے کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور علماء اور ائمہ کے اقوال قطعیات میں سے نہیں ہیں اس لیے ان کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی یا ان کی تکفیر کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا اس لیے جو حوالجات معسرین اور دیگر نبرہوں کے گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کئے ہیں اور ان کی بنا پر مدعا علیہ کی تکفیر کی ہے وہ قابل التفات نہیں ہیں۔ اس لیے کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا گواہان مدعا علیہ نے سلف صالحین کے اقوال کو اپنی تائید میں اس لیے پیش کئے ہیں کہ گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النبیین کے لیے ہیں وہ سلف

صالحین کے معنی کے خلاف ہیں اور اگر گواہان مدعیہ کے معنی سے اختلاف کرنے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے تو یہ تمام علماء و ائمہ بھی کافر قرار پائیں گے اور صحیح احادیث بھی طینی ہوتی ہیں۔ اور عقائد میں طلیعیات کا اعتبار ہوتا ہے یہ میں ہی نہیں کہتا بلکہ آپ کے مسلم بزرگ مولوی غلیل احمد انہٹوی بھی لکھتے ہیں "مولف خود مقرر ہے کہ اعتقادات میں روایات ضعاف معتبر نہیں بندہ کہتا ہے۔ کہ احاد صحاح میں معتبر نہیں چنانچہ فی اصول میں مبرہن ہے پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں"۔ (برہین: طالعہ ص ۹۶)

موضوعات کبیر کا حوالہ !

امام ملا علی قاری نے جو حنفی فرقہ کے بہت بڑے امام ہیں اپنی کتاب موضوعات کبیر ص ۶۹ میں خاتم النبیین کے معنوں کی بابت یہ لکھا ہے۔ ۱۵۱ المعنی انه لا یاتی بعدہ نبی ینسخ ملتہ و لہ یکن من امتہ۔ اور اس کے معنی گواہ مدعیہ نے ۲۵ اگست کو جواب جرح یہ لکھوائے ہیں "یہ قول کہ اگر اہل ایم زندہ رہنے تو نبی ہو جاتے تو پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہوتے اور آپ کی اتباع میں ہی بنتے۔ جیسے علی و خضر الیاس علیہم السلام اور یہ بات قول خاتم النبیین کے خلاف نہیں کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہو گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو اور اسی گواہ نے انہیں باوجود خاتم النبیین کے یہ معنی کرنے کے مسلمان تسلیم کیا ہے۔"

مختار مدعیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی کا مسلم ہونا اور چیز ہے اور اس کی کتب کا مسلم ہونا اور چیز یعنی ملا علی قاری کا مسلمان ہونا اور امام ہونا تو مسلم ہے لیکن ان کی کتب کا مسلم ہونا مسلم نہیں مختار مدعیہ نے حضرت ملا علی قاری کی کتب کو جو غیر مسلم کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہ سمجھ لئے جائیں کہ وہ من کل الوجوہ غیر مسلم ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی وقت غیر مسلم ہیں جب کہ ان کا کوئی قول مختار ان مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے خلاف ہو لیکن اگر کوئی قول ایسا مل جائے جو ان حضرات کے خیال میں ان کی تائید کرنا ہو تو پھر ملا علی قاری کی کتب بڑے دھڑلے سے مسلم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ گواہان مدعیہ نے جب مشرح فقہ اکبر اور مشرح شفا کے حوالے پیش کئے ہیں تو وہ مسلم تھیں کہ وہ حوالے اپنے موافق معلوم ہوتے تھے لیکن جب انہیں کی کتب سے ایسے حوالے پیش کئے گئے جو مختار مدعیہ کو اپنے خلاف نظر آئے تو موصوف کی کتب غیر مسلم ہو گئیں چلو اگر تمہارے نزدیک ان کا یہ قول غیر مسلم ہے۔ اور جیسا کہ گواہ مدعیہ نے ۲۰ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں نبوت کو بند کرنے والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی

قسم کا کوئی نبی نہیں آسکا اگر کوئی شخص ان معنوں کے سوا ختم نبوت کے کوئی اور معنی کرے تو وہ یقیناً کافر ہوگا۔ ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگائیں اور پھر انہیں مسلمان بلکہ امام سمجھنے والے تمام حنفیوں کو کافر و مرتد سمجھیں اور ان کے نکاحوں پر فسخ ہونے کا فتویٰ لگائیں۔ مختار مدعیہ نے اس حوالہ کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ موضوعات کبیر کوئی عقائد کی کتاب نہیں دوسری کتابوں شفا اور شرح فقہ اکبر وغیرہ میں انہوں نے مسلمانوں کا سا عقیدہ ظاہر کیا ہے یعنی چونکہ موضوعات عقائد کی کتاب نہیں اس لیے انہوں نے یہاں کفر یہ عقیدہ لکھ دیا (معاذ اللہ) بیٹے! انہوں نے جو شفا اور شرح فقہ اکبر میں جو لکھا ہے وہ اس کے مخالف نہیں کیونکہ انہوں نے لابی بعدی کے معنی یہی کئے ہیں کہ آپ کے بعد ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا نسخ ہو نہیں آسکتا۔ اور صرف یہی نہیں کہ انہوں نے اپنی طرف ان معنوں کی نسبت دی ہے بلکہ فرماتے ہیں۔

”دما حدیث لا دومی بعدی باطل لا اصل له نعم ددد لا نبی بعدی
ومعنا لا عند العلماء انه لا یحدث بعدا نبی بشروع ینسجم شرعاً“
(کتاب الاشاعت لاشرائط الساعة ص ۲۲۶)

یعنی حدیث لا دومی بعدی باطل اور بے اصل ہے۔ ہاں لابی بعدی آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک (جہلاء کے نزدیک نہیں) یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو نبی شریعت لانے اور آپ کی شریعت منسوخ کرے اس لیے جہاں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہ ہوگا تو اس سے مراد ایسا ہی نبی ہے۔ جو نسخ شریعت محمدیہ ہو۔ جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں قولوں سے ظاہر ہے۔

(۳)۔ مختار مدعیہ نے اس کے متعلق یہ کہا ہے۔ جب مرزا صاحب کے اپنے اقرار سے اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبی امتی نہیں ہو سکتا اور عقل کے بھی خلاف ہے تو حلا علی قاری کے حوالہ کے یہ معنی کیسے لیے جاسکتے ہیں۔ ملا علی قاری کے نزدیک امتی سے مراد محض حضرت عیسیٰ ہے۔ مفہوم کلی ادا کر کے اس سے مراد جزئی ہے۔ جیسا کہ حقیقت النبوة ص ۲۳۹ میں بعض افراد سے جو مفہوم کلی مراد جزئی صرف مسیح موعود لی گئی ہے۔

جواب :-

مختار مدعیہ ص ۲۱ کا ایک مریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی نبی امتی نہیں ہو سکتا یعنی جس شخص کو خدا تعالیٰ نے نبوت عطا فرمادی ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص کسی دوسرے نبی کا امتی ہو سکے اور آپ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کوئی امتی شخص نبی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خلاف اس کے آپ نے اپنی کتاب میں جا بجا اس کی تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے آپ کے امتیوں کو عند اللزوم ضرورت مقام نبوت بطور الہام مل سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

کسی حدیث صحیح سے اس بات کا پتہ نہیں ملے گا کہ آنحضرت مسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے جو امتی نہیں

یعنی آپ کی پیروی سے فیضیاب نہیں اور اس جگہ سے ان لوگوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں لاتے ہیں اور وہ حقیقت جو الیاس نبی کی دوبارہ آنے کی تھی جو خود حضرت عیسیٰ کے بیان سے کھل گئی اس سے کچھ عبرت نہیں پاؤ گئے بلکہ جس آنے والے مسیح موعود کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے اس کا انہی حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی بھی ہو گا اور امتی بھی مگر کیا مریم کا بیٹا امتی ہو سکتا ہے، کون ثابت کرے گا اس نے براہ راست نہیں بلکہ آنحضرت مسلم کی پیروی سے درجہ نبوت پایا تھا، حقیقت الہی ۲۹/۲۸ اور فرماتے ہیں:-

اور مجھے خدا تعالیٰ نے میری رحمت میں بار بار امتی کر کے بھی پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے۔ اور ان روزوں اموں کے سننے سے میرے دل میں نہایت لذت پیدا ہوتی ہے اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی اور اس مرکب نام کے رکھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا جیسا یوں پر ایک سرزنش کا آزار یا نہ لگے کہ تم عیسیٰ بن مریم کو خدا بتاتے ہو مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اس کی امت کا ایک مرد نبی ہو سکتا ہے۔ اور یہی کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ امتی ہے (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۷)

اور فرماتے ہیں:-

”پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً لگتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں۔ گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے مگر وہ ان ہدایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی، یہ ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرت مسلم کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے ان کو خدا تعالیٰ نے الگ کیا۔ نبی دی تھیں اور ان کو ہدایت تھی کہ وہ ان کتاہوں پر عمل کریں اور کراویں جیسا کہ قرآن فخریت اس پر گواہ ہے پس اس بدیہی شہادت کی رو سے حضرت عیسیٰ مسیح موعود کیوں کہ ٹھہر گئے ہیں۔ پس چونکہ وہ امتی نہیں اس لیے وہ اس قسم کے نبی بھی نہیں ہو سکتے جس کا امتی ہونا ضروری ہو۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۹۲/۱۹۳)

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول سے کہ نبی امتی نہیں ہو سکتا یہ مراد ہے کہ جس نے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل نہ کی ہو۔ وہ نبی امتی نہیں ہو سکتا ہاں ایک امتی شخص جس نے نبوت کا تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل کیا ہو وہ امتی نبی ہو سکتا ہے۔

اور الفاظ امام ملا علی قاری کے اس ترجمہ سے جو بزبان گواہ مدعیہ لکھا جا چکا ہے ظاہر ہے کہ وہ اس موقع پر امتی سے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مراد نہیں لیتے بلکہ ابراہیم کو بشرط زندگی نبوت ملنے کے ذکر کے ساتھ ہی حضرت عمر کا بھی ذکر کے ظاہر فرمادیتے ہیں کہ ان کی مراد عمومیت کے ساتھ تمام انبیاء کے معنی بیان کرنا ہے نہ کہ امتی کے لفظ سے موقعہ مذکورہ پر حضرت عیسیٰ کی تخصیص و تعین۔

مختار مدعیہ نے اپنے غلط مفہوم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حقیقتہ النبوہ ص ۲۳۹ کا جو حوالہ پیش کیا ہے وہ قطعاً یہاں منطبق نہیں ہوتا کیونکہ بعض افراد کا لفظ بول کر ایک شخص مراد لیا جاتا ہے اور جس جملہ میں بعض کا لفظ آئے تو وہ قضیہ جزیئہ ہوتا ہے۔ قضیہ کلیہ نہیں ہوتا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے واضح ہے کہ بعض افراد سے حضور نے اپنی ذات مراد لی ہے۔ اور یہ امر بوضوح تمام حقیقتہ النبوۃ میں موجود ہے۔ لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ امام ملا علی قاری کے اس قول سے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ کہ آپ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ مراد ہیں سوال تو یہاں خاتم النبیین کے معنوں کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے جو معنی خاتم النبیین کے کئے ہیں وہ گواہان مدعیہ کے معنوں کے خلاف اور گواہان مدعا علیہ کے معنوں کے مطابق ہیں :-

مکتوبات کا حوالہ

مختار مدعیہ نے امام ربانی مجدد العت ثانی کے قول کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو صرف کمالات نبوت کے حصول کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں کمالات نبوت پائے جائیں وہ بنی بھی ہو جائے۔ لیکن ہمارا استدلال اس قول سے صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور آپ کا وارث بن کر کمالات نبوت کا حصول جب ختم نبوت کے منافی نہیں تو اسی طرح کسی امتی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت سے وراثت کے طور پر اسم نبی کا یا لینا بھی خاتمیت کے منافی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کسی قسم کی نبوت اور کمالات نبوت کا یا لینا اعمال سے ہو تو ان سے صرف ایسی نبوت اور ایسے کمالات نبوت مراد ہیں جو بجز طریق وراثت اور متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں :-

صوفیاء کے حوالے

مختار مدعیہ نے حضرت شیخ محمد الدین ابن عربی اور شیخ عبدالوہاب شمرانی اور سید عبدالکریم جمیلی وغیرہ صوفیاء کرام کے حوالوں کے متعلق ۹ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ صوفیاء کرام اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے ایمان والے ہیں۔ مگر محبت کا رنگ اور ہے۔ صوفیاء پر محبت کی وجہ سے سکر کا رنگ آتا ہے۔ تو اس میں وہ بہت کچھ کہہ رہے ہیں گودہ کہنے تو ٹھیک ہیں مگر شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ ظاہر میں خلاف شریعت ہو تو تاویل و درز تو حذف ہو گا۔ یہ ہے گواہان مدعا علیہ کے پیش کئے ہوئے ان حوالہ نامے صوفیاء کرام کے متعلق مختار مدعیہ کا جواب جو گواہان مدعا علیہ نے خاتم النبیین اور حدیث لاجبی بعدی کی تفسیر میں پیش کئے ہیں یہ جواب جس رنگ کا ہے اس میں حضرات صوفیاء

کرام کے اقوال سے تعلق بغیرت رکھنے والوں کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ صوفیائے کرام باوجود یکہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان ہوتے ہیں۔ مگر محبت کا معاملہ چونکہ اور ہی ہے اس لئے جہت کا جوش بڑھتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب ازلی کی بنائی ہوئی شریعت کے خلاف جو منہ میں آئے کہنا شروع کرتے ہیں اور اس کی محبت و عشق کی عمیق در عمیق لاپرواہی میں ایسے بڑھتے چلے جاتے اور ایسے طالب رضاد فنا شدہ بن جاتے ہیں کہ اس کی ہر فی اور اس کی خوشنودی کی بھی کچھ پردا باقی نہیں رہتی۔ اس نے تو کچھ فرمایا ہے۔ اور یہ بندگان خاص کچھ اور ہی ہانک لگاتے ہیں تو استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فالتبعونی یحببکم اللہ یعنی اے نبی کریم آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے عاشق صادق بنانا چاہتے ہو تو میرے پیچھے ہو اور خدا تعالیٰ تمہیں میری پیروی کی برکت سے اپنا محبوب بنائے گا مگر باوجود سُن لینے اور باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلاف شریعت کچھ نہ فرماتے تھے یہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان یعنی صوفیائے کرام جو چاہتے ہیں وہ خلاف شریعت کہتے چلے جاتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ خدا کی محبت میں جو رہنے کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور صاحبان ایمان ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اگر نعوذ باللہ یہ صحیح ہو تو پھر خدا کی محبت کی زیادتی تو نہایت ہی خطرناک اور پناہ مانگنے کے قابل چیز بن جائے گی اور اسی سے مختار مدعیہ کے قول کی لغویت ظاہر ہے۔ بات دراصل کچھ اور ہے۔ مفصل کی تو نہ اس موقع پر ضرورت نہ اس کے لیے وقت ہے مختصر یہ کہ یا تو صوفیاء کی طرف ایسے اقوال منسوب کر دیئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان کے اقوال نہیں ہوتے یا ان کے مطالب عالیہ تک علمائے ظہور کی نظر رسائی نہیں رکھتی۔

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صوفیاء کے اقوال تصوف میں تو مستبر ہیں مگر عقائد میں نہیں اس کا جواب یہ ہے کیا صوفیاء کو آپ مسلمان نہیں سمجھتے مگر کتب کون سی منزل من اللہ میں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ وہ بھی امت محمدیہ کے بعض افراد کی تصنیف شدہ ہیں اور صوفیاء بھی امت محمدیہ کے افراد ہیں مگر خدا کی کتب میں تو زیادہ تر تھلی طور پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن صوفیاء کو اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ ہے کہ وہ کشف کے ذریعہ بھی بعض باتوں کی صحت یا عدم صحت معلوم کر لیتے ہیں اسی لیے ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے علماء کے متعلق جو ان کی باتوں پر متعجب تھے فرمایا ہے۔ اخذتم علمکم میتاً عن میت و اخذنا علمنا عن الحي الذی لا یموت“

(الیواقیت جلد ۲ ص ۲۰۷)

یعنی تم نے مردوں سے علم حاصل کیا ہے اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم حاصل کیا جو ہمیشہ زندہ ہے اور تمنا نہیں پس اس لحاظ سے کہ ان میں مقربان ہارگاہ الہی تھے۔ ان کی باتوں کو بھی تا یبدری طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ صوفیائے کرام میں جو بزرگ علم ظاہری میں بھی کمال رکھتے ہوں اور علم باطنی میں بھی ان کے اقوال تا یبدری طور پر نہ

پیش کئے جاتے ہیں

(۳) مختار مدعیہ نے جو الرشامی جلد ۲ ص ۲۹۴ ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف سے یہ قول پیش کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہے اس لیے جب تک ان کا کوئی محرم راز نہ ہو تب تک اسے ان کی کتاب دیکھنا نہیں چاہیے۔

جواب:-

مختار مدعیہ کے اس قول کا کہ جب تک کہ ان کا کوئی محرم راز نہ ہو ان کی کتابیں نہ دیکھنے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صوفیاء ہی ان کی کتابوں کو پڑھیں علما و علما ہر جو ان کے طریق سے واقف ہیں ان کے لیے بقول ابن عربی ان کی کتابیں دیکھنا حرام ہے۔ اور اگر یہ بات جو مختار مدعیہ سمجھا ہے اور اس نے پیش کی ہے۔ صحیح ہوتی تو انہیں کتابیں لکھنے اور شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ قول شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کیا گیا تو اس کا وہ مفہوم جو مختار مدعیہ سمجھا ہے۔ قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کتب کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس نے کہا ہے۔

”دما قول بعض المنکروں ان کتب الشیخ لا تحمل قرا تھا فکفوا۔“

یعنی بعض منکروں کا یہ کہنا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا پڑھنا حلال نہیں ہے یہ کفر ہے پھر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ منکروں نے میرے پاس یہ سوال کیا کہ کبھی ان کتابوں کے بارے میں جو شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے قصص اور فتوحات، کیا کہتا ہے۔ کیا ان کا پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے اور کیا وہ ان کتب سے ہیں جو پڑھی اور سنی جاتی ہیں؟

”فاجبت نعم ہی من الکتب المسموعۃ المفردۃ وقد قراھا

علیہ الحافظ البرذلی وغیرہ“

یعنی میں نے جواب دیا کہ ہاں یہ ان کتب میں سے ہیں جو سنی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اور حافظ برذلی وغیرہ نے اسے سنا کر پڑھی میں پھر کہتے ہیں۔ کہ میں نے تونہ شہر میں فتوحات، کے پڑھنے پڑھانے کا اجازت نامہ خود شیخ محی الدین ابن عربی کے نام لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور بہت سے علماء اور محدثین کے پاس کتابتہ اجازت دیکھی۔

فمطالعت کتب الشیخ قربۃ الی اللہ تعالیٰ ومن قال غیر ذلک فهو

جاهل نرائع عن طریق الحق“

پس شیخ کی کتب کا مطالعہ باعث قرب الہی ہے۔ اور جس کے سوا کہ تروہ جاہل ہے اور طریق حق سے ایک طرف ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ خدا کی قسم وہ اپنے زمانہ میں صاحب ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ کے مقام پر تھے

اور شیخ صلاح الدین الصفوری نے تاریخ علماء مصر میں یہ لکھا ہے۔ ”من اراد ان ينظر الى كلام اهل العلوم المدمية فلينظر في كتب الشينخ محي الدين ابن العربي رحمه الله“
یعنی جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے تو اسے شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔
(البیواقیت والجمہر جلد اول)

اور امام ابن اسعد البانی بھی شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کی روایت کو جائز کرتے تھے اور کہتے تھے ان جاہلوں کے اہل طریق کا انکار کرنے کی مثال بیہوشی سے جیسے ایک پھر اپنی بیوی تک سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ کر دینا چاہیے۔ (البیواقیت، جلد اول)

اسی طرح ان کی کتب کے مطالعہ کرنے کی نسبت، البیواقیت، والجمہر جلد اول ص ۱۱۲ و ۱۳ میں مختلف علماء کبار کے اقوال درج ہیں پس ان اقوال کے مغابہ میں جن میں ان کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس قول کی کیا حقیقت ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور مختار مدعی نے جس کا ایک رکیک مفہوم لے کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت محی الدین ابن عربی کی کتب کا مطالعہ کرنا حرام ہے۔
(۴) نبوت تشریحی سے شریعت لانے والی نبوت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی نبوت مراد ہے جس کو شریعت میں نبوت کہا جاتا ہے اور مرزا صاحب نے جو تشریحی کے معنی صاحب شریعت ہونا اور کتاب مستقل احکام سے ہونا یا بعض پہلے احکام کا نسخ ہونا لئے ہیں۔ یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

جواب :-

مختار مدعی کا تشریحی نبی کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ نبی شریعت لانے والا ہو بلکہ جسے شریعت میں نبی کہا جاتا ہے۔ وہ مراد ہے صریح مخالفت کیونکہ تیب ہم فتوحات کا قصصی عالم وغیرہ کو پڑھتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ تشریحی نبوت سے مراد شریعت دالی نبوت ہے۔

تشریح کے معنی (۱) شاہ ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

تشریح عبارت ازاں است کہ انسان چوں مرکب است از قوت ملکبہ و بہیمہ اعتدال نوعی او تقاضا سے کند آل حرکات را کہ بسبب آل ہر دو قوت، بجملے خوبماند و در معاد سعادت نصیب او شود و در اتفاقات ضروریہ از آداب معیشت و نکاح و ابتغائے معیشت و سیاست مدن از جاوہر قلیہ بیرون زود و این ہمہ احوال و افعال را بزرگے نوع انسان مبین کردن تشریح است (رسالہ سطحات مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب ص ۹)

(۲) شیخ محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

”فانہ تعالی اعطی خلفاء من الانبیاء و التشریح و اعطی ہذا الامۃ الاجتہاد فی نصب الاحکام و امرہم ان یحکموا نبأ دی الیہ

اجتہاد ہم و ذلک تشریح فلحقوا المقامات الا نبیاء علیہم السلام فی ذلک۔

(الکبریٰ الاحمریہ حاشیہ البیاقیت جلد ۱ ص ۱۴۲)

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جو تشریح دی تو اس امت کو احکام قائم کرنے میں اجتہاد دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو سمجھیں اس کے مطابق حکم کریں اور یہ بھی تشریح ہے۔ پس اس امر میں وہ انبیاء علیہم السلام کے مقام سے مل گئے۔

(۳) اور فصوص الحکم میں لکھا ہے۔

وان کان خاتم الادیاء تابع فی الحکم لما جاء بہ خاتم الرسل من التشریح
فلذا الذک لا یقدح فی مقامہ (فصوص الحکم ص ۲۸ مطبوعہ کانپور)

اور اس کا ترجمہ جو اسی کتاب میں سے ہے یہ ہے: اگرچہ خاتم الادیاء پیرو بیچ حکم شریعت کے اس چیز کا کہ لائے اس کو خاتم الرسل احکام ظاہر شریعت سے پس یہ پیروی نہیں ضرور کرتی ہے۔ بیچ مرتبہ خاتم الادیاء کے مختار مدعیہ نے فصوص الحکم کا ایک یہ حوالہ پیش کیا ہے کہ ”واما نبوة التشریح والرسل منقطعہ و فی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقد انقطعت فلا نبی بعد لا یعنی مشرعا او مشرعا له ولا رسول وهو المشرع۔ اس میں لفظ مشرع اور لفظ مشرع لہ سے اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر قسم کی نبوت منقطع ہے۔ اب نہ کوئی نبی شریعت جدیدہ لے کر آسکتا ہے اور نہ جس کے لیے کوئی شریعت بنائی گئی ہو۔ ملائکہ یہاں بھی تشریح سے مراد شریعت بنا نا ہی ہے۔ اور مشرع کے معنی میں ہی تشریح لائے والا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب توراہ اور مشرع لہ کے معنی ہیں۔ جن پر کوئی جدید کتاب نازل نہ ہوئی ہو جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو احکام تورات کے تابع تھے لیکن اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں وہی نبی مراد ہیں جو مستقل ہیں ورنہ وہ نبوت جو اتباع سے حاصل ہو جس کا نام وہ نبوت عام رکھتے ہیں۔ وہ منقطع نہیں ہوتی چنانچہ اس عبارت کے متصل ہی پھر سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

”فابقی لهم النبوة العامة التي لا تشریح فیہا و ابقی لهم التشریح فی الاجتہاد
فی نبوة الاحکام و ابقی لهم الورد ثلثة فی التشریح۔“

یعنی پس باقی رکھا اللہ تعالیٰ نے واسطے ان کے نبوت عام کو کہ نہیں ہے تبلیغ احکام ناموس (شرعی) کی بیچ اس کے اور باقی رکھی اللہ تعالیٰ نے واسطے بندوں کے تشریح یعنی تحریر احکام شرعیہ کی بیچ اجتہاد بیچ نبوت احکام شرعیہ کے۔ مترجم شاہ محمد مبارک علی صاحب نبوت عامہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”یعنی نبوت دو قسم پر ہے۔ ایک نبوت تشریحی ہے۔ اور وہ عبارت ہے ادا مرد و نواہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت سے حق تعالیٰ کی جانب سے خلق کی طرف بذریعہ انبیاء اور رسولوں کے۔ دوسری قسم نبوت عامہ ہے

اور وہ عبارت ہے عرفان اور اسرار غیب اور خیر دینے سے اور ظاہر کرنے سے اسرار ملک اور ملکوت اور ربوبیت
(مفہوم الحکم مترجم مطبوعہ کا پورعاشیہ ص ۱۷۱)

اس حوالہ سے نبی تشریحی کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ نبوت تشریحی انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ خدا
تعالیٰ کی طرف سے اور اولاد ہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت کے مخلوق کے لیے دئے جانے کو کہتے ہیں اس کے
بعد میں فتوحات کبیرہ سے بھی ایک حوالہ پیش کرتا ہوں۔ تا تشریحی کے معنی بیان کرنے میں مختار مدعی نے جو مغالطہ دینا
چاہا ہے وہ دور ہو جائے۔

چنانچہ شیخ محمد الدین ابن العربی فرماتے ہیں:-

”فان النبوة التي انقطعت بوجود رسول الله صلى الله عليه وسلم انما هي
نبوة التشريع لا مقامها فلا شرع يكون ناسخاً لشرعه صلى الله عليه وسلم
ولا يزيد في شرعه حكماً آخر وهذا المعنى قوله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة
والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا بنى - ائى لا نبى بعدى يكون على شرع
يخالف شرعى بل اذا كان يكون تحت حكمه شريعتي ولا رسول بعدى الى احد من خلق
الله بشرع يدعوهما اليه فهذا هو الذي انقطع وسد باب لا مقام النبوة -

یعنی جو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہوئی ہے وہ نبوت تشریحی ہے نہ کہ مقام نبوت
پس کوئی شریعت ایسی نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو اور آپ کی شریعت میں کوئی حکم
زائد کرنے والی ہو اور یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے
پس نہ میرے بعد کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا جو ایسی شریعت پر جو میری شریعت
کے مخالف ہے بلکہ جب کبھی ہو گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے تحت ہو گا اور میرے بعد خلق اللہ میں سے کوئی
رسول نہیں جو شریعت لائے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے پس اس قسم کی نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ اور اس
کا دروازہ بند کیا گیا ہے نہ کہ مقام نبوت۔ اس کے آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے میں جو نبی
اور رسول ہیں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی کہ وہ نئی شریعت نہیں لائیں گے بلکہ شریعت محمدیہ کے ہی تابع ہوں گے
پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت اور متحقق ہے اور وہ نبی اور رسول ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر
ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس قول میں بھی صادق ہیں کہ میرے بعد نبی نہیں۔ پس ہم سمجھ لیتے کہ آپ کی
مراد خاص نبوت تشریحی سے ہے جس کو اہل نظر اختصاص سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔

”فالنبوة مقام عند الله بينا له البشر وهو مختص بالابن من البشر يعطى للنبي

المشروع و يعطى للتابع لهذا النبي المشروع الجارى على قال الله تعالى فى القرآن و دعوا بآدم من تحتنا اخاه هارون نبيا فاذا نظر الى هذا المقام بالنسبة الى التابع و انه با تبايعه حصل له هذا المقام سمي مكتسبا بهذه الاتباع اكتساباً و لم يأت به شرع من ربه يختص به ولا شرع يوصله الى غيره و كذلك كان هارون عليه السلام مسدداً باب اطلاق لفظه النبوة على هذا المقام مع تحقيقه لتلا تيميل متخيل ان المطلق لهذا اللفظ يريد بنسوة التشريع في قسط كما اعتقده بعض الناس فى الامام الى حامد الغزالي ،

(فتوحات كبرى جلد ۲ ص ۳۳)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نبوت خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام ہے جس کو انسان حاصل کرتا ہے اور یہ مقام اکابر لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو نبی مشرع کو بھی ملتا ہے اور اس مشرع نبی کے تابع کو بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کو اس کے لیے نبی بنایا ہے۔ پس جب وہ اس مقام کی نسبت کو تابع اور اس کی اتباع کے لحاظ سے دیکھتا ہے تو اس مقام کا نام ملتصیب اور اس اتباع کے تعبیل کا نام اکتساب رکھتا ہے اور نہ تو خدا کی طرف سے اس کے لیے کوئی خاص شریعت آئی ہے۔ اور نہ دوسروں کو بھی اس کے لیے اور ہارون علیہ السلام بھی ایسے ہی نبی تھے اس وجہ سے ہم نے اس مقام پر باوجود اس کے متحقق ہونے کے لفظ نبوت کا اطلاق کرنا بند کر دیا۔ تا کوئی خیال کرنے والا غلط طور پر یہ خیال نہ کر لے کہ اس لفظ کے بولنے والے کی مراد نبوت تشریحی ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے امام غزالی کے متعلق کہہ دیا ہے کہ وہ اکتساب نبوت کے فائل ہیں۔

اس حوالہ سے ساتھ طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں ایک تشریحی دوسری غیر تشریحی نبوت اس کہتے ہیں کہ جو مستقل ہو اور وہ کسی نبی کی اتباع کے نتیجے میں نہ ہو اور اسے کوئی شریعت دی جائے چاہے وہ اس کے لیے خاص ہو اور دوسروں کے لیے اسے پہلی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہو اور دوسری قسم کی نبوت غیر تشریحی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام روحانی ہے جو کسی انسان کو کسی نبی کی اتباع کے نتیجے میں ملتا ہے اور ہارون علیہ السلام صاحب فتوحات کے نزدیک نبی غیر تشریحی تھے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول کے وقت غیر تشریحی نبی ہوں گے۔ مذکورہ بالا تمام حوالجات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو نبی تشریحی لائے اور آپ کی شریعت میں کمی دہشتی کرنے والا ہو لیکن مطلق نبی کا نام متعین نہیں ہے۔

اب زیادہ سے زیادہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تو ایسے شخص پر جو مقام نبوت کو بھی حاصل کر لے
نبی کا اطلاق جائز نہیں قرار دیا تا کوئی اس سے نبوت نشر یعنی نہ خیال کر لے میں اسے تسلیم کرنا ہوں گا ان کا یہ قول عموم
کے لحاظ سے ہے ورنہ مسیح موعود کا تو خود نبی غیر مشروع مانتے ہیں اور ہارون علیہ السلام کو بھی انہوں نے تابع نبی
اور غیر مشروع نبی قرار دیا ہے لیکن باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے انہیں نبی کا نام دیا ہے جیسا کہ دو صہبناہ میں رحمتنا
افاہ صادق نبی سے ظاہر ہے پس ان کے مذہب کی رو سے بھی جس تابع نبی کو خدا تعالیٰ نے نبی قرار دے دے تو
اس پر نبی کا اطلاق ہو سکتا ہے اور ایسے نبی کا ان حدیث لابی بصری اور آیت قائم النبیین کے خلاف نہیں ہے۔
کیونکہ اس سے صرف ایسے نبی کا نہ انما مراد ہے جو ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ لا غیر۔ اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء
نے جو یہ کہا ہے کہ ان کا نام نبی نہیں رکھا جائے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی طرف
سے نبی کا نام نہیں دیا گیا تھا اس لیے انہوں نے مسیح موعود کو جن کے متعلق احادیث میں نبی کا لفظ آیا تھا نبی کا نام دیا
اور دوسروں کے متعلق ایسا نہ کہا۔ لیکن چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام دیا
گیا تھا اس لیے آپ نے اسی حقیقت کو علی رؤس الاشہاد ظاہر فرمایا کہ جس شخص کو انحضرت صلعم کی اتباع میں اور
آپ میں فنا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام عطا ہو وہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے اور شیخ محمد بن عبد
العربی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اہل اللہ کے بھی مختلف درجات اور مراتب ہیں اور اگر بڑا مرتبہ رکھنے والا ایک
بات کہے تو اس کی بات، نسبت، دوسروں کے قابل قبول ہے چنانچہ فرماتے ہیں و سبب غلط الغزالی وغیرہ

فی منع تنزل الملک علی الوئی عدم الذوق و ظنہم انہم
قد عملوا بسو کھم جمیع المقامات فلما ظنوا ذلک یا نفسہم ولہیروا
ملک الالہام نزل علیہم انکروہ و قالوا ذلک خاص بالانبیاء
فذا ذتہم صحیح و حکمہم باطل مع ان ہو لاء الذین منعوا قائلون بان زیادۃ
الثقتہ مقبولۃ و اهل اللہ کلہم ثقات قال ولوان ابا حامد امام الغزالی وغیرہ
اجتمعوا فی زمانہم بکامل من اهل اللہ و اخیرہم بتنزل الملک علی الوئی
یقبلو ذلک۔ (الیواقیت جلد ۲ ص ۹۵)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ غزالی وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ دلی پرفرشتہ نازل نہیں ہوتا تو اس غلطی کی وجہ
عدم ذوق اور ان کا یہ خیال کہ لینا ہے کہ گویا انہوں نے سلوک کے تمام مقامات، طے کر لئے جب انہوں نے اپنے
متعلق یہ خیال کر لیا اور فرشتہ الہام کو اپنے اوپر نازل ہوتے نہ دیکھا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ فرشتہ
کا نزول انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پس ان کا ذوق تو صحیح ہے لیکن حکم باطل ہے اور پھر یہی لوگ جنہوں نے

کہا کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا اس امر کے قائل ہیں کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور تمام اہل اللہ ثقہ ہیں اگر امام غزالی وغیرہ اپنے زمانہ میں کسی کا اہل اللہ سے ملتے اور وہ انہیں ولی پر فرشتہ کے نزول کی خبر دیتا تو وہ اُسے ضرور قبول کر لیتے ہیں اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صوفیاء نے غیر تشریحی نبی کے متعلق یہ کہا ہے کہ اُسے نبی کا نام نہیں دیا جاتا تو بھی کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور جب ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ نے نبی کا نام نہ دیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ نبی کا نام کسی کو نہیں دیا جاتا تا شریعت والی نبوت نہ سمجھی جائے پس ان کا ذوق تو صحیح ہے۔ لیکن ان کا حکم باطل ہے کیونکہ مہدی موعود و مسیح موعود کو جو بالاتفاق سب اہل اللہ سے افضل اور ثقہ ہیں خدا تعالیٰ نے نبی کا نام دیا اور آپ نے یہ ہانگہ دل فرمایا۔

”میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات و مخاطبت الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ میں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوتی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں اس کی کثرت کا نام بموجب علم الہی نبوت رکھتا ہوں و سکن ان یصلح ۴

(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۵۷)

اور اصطلاح کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب بھی لکھتے ہیں: ”اصل مطلب میں تو شریک ہی نکلے نفلوں اور اصطلاح کا ہی فرق رہا سو یہ کیا بڑی بات ہے مصرع ہر یکے کے ما اصطلاح دادہ الہم (مدیریتہ الشیعہ ص ۳۲)

(۵) مختار مدعی نے یہ بھی کہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ (احمدی) وہ حوالے پیش کرتے ہیں جو ان کے مطلب کے ہیں لیکن جو باقی عبارات ان میں ہیں وہ نہیں پیش کرتے۔ فتوحات میں صبر اڑا ہے۔ کہ مسیح زندہ ہیں اور ان کا نزول ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بھی تو ان کتابوں سے وہی حوالے پیش کرتے ہیں جو آپ کے مطلب کے ہیں۔ دوسرے نہیں پیش کرتے۔ ہم تو ان بزرگوں کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ نزول مسیح کی پیشگوئی چونکہ مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اور علم غیب میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے اس کی کیفیت وقوع کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور ان سے یہ غلطی ہوئی لیکن اس وجہ سے ہم ان کی تکفیر تو نہیں کرتے برخلاف اس کے آپ نے تو یہ کہا ہے۔ کہ لائمی بعدی اور خاتم النبیین کے معنی صرف یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا اور اگر اس آیت و حدیث کے اس کے سوا کوئی اور معنی کرے تو وہ کافر ہے اس لیے ہمیں ضرورت پیش آئی کہ آپ لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے ان بزرگوں کے اقوال پیش کریں جن کو آپ مسلمہ نہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ خاتم النبیین اور لائمی بعدی کے وہی معنی کرتے ہیں۔ جو جماعت احمدیہ کرتی ہے۔

مختار مدعی نے ہمارے طریق پر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور قابل تعجب خود اس کا طریق ہے یہاں تک

کہ اس کے علم مقتدا مولوی غلیل احمد صاحب انیسٹروی و مولوی رشید احمد صاحب لکھنوی بھی اس کے طریق کو قابل تعجب بتاتے اور ادنیٰ طالب علموں کے تعجب کرتے کے لائق ٹھہراتے ہیں چنانچہ البراہین القاطعہ جو دونوں صاحبوں کی طرف منسوب ہے ص ۸۹ پر فرماتے ہیں۔

”مولف نے یہ قاعدہ نیا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو وہ تمام کتاب ناقص کے نزدیک معتبر ہو جائے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا۔ مثلاً ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لائے ہیں۔ مع ہذا اس کی ضعیف روایت پر جرح کر کے ترک کر دیتے ہیں۔ ترمذی ابوداؤد وغیرہ کتب سے سدر لاتے ہیں۔ مع ہذا۔ جس روایت میں اس کے ضعف ہے اس کو ترک کرتے ہیں اس کو ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے مگر مولف کہتا ہے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب نے شیخ عبدالحق اور خزائنہ اور دستور القصاصات سے روایات نقل کی ہیں۔ تو بس سب روایات منقولات، ان کے نزدیک معتبر واجب القبول ہو گئی یہ عجیب العجاب استدلال ہے۔“

حوالہ تحذیر الناس

پھر مختار مدعی نے مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کے قول کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا ان کے قول مندرجہ تحذیر الناس ص ۲۷ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ہونا آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے سو اس کے جواب میں میں ان کا وہی قول پیش کر دینا چاہتا ہوں اور اس امر کا فیصلہ کر آیا گویا ان مدعا علیہ اس سے جو کچھ سمجھتے ہیں صحیح ہے یا نہیں عدالت کے انصاف پر چھوڑتا ہوں اور وہ قول یہ ہے۔

”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (تحذیر الناس ص ۲۷)“

اس عبارت کے الفاظ صاف سلیس سادہ آسان اور بالکل ہی عام فہم اور دو زبان میں ہیں اور ان میں برائے نام بھی ابہام نہیں ہے۔ اور بوجہ اپنی انتہائی وضاحت کے ناظرین کو پکار پکار کر بتا رہے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا حضور کی خاتمیت میں کوئی خلل ڈالنے والا نہیں ہے۔ اور علمائے عصر نے بھی اس عبارت کے یہی معنی سمجھے ہیں چنانچہ ہندوستان کے شہرہ آفاق عالم مولوی احمد حسن صاحب کابولوری اپنی کتاب افادات الاحمدیہ میں مقدمہ مقلد و غیر مقلد کے متعلق ہندو کشن کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”البتہ پیغمبری ختم ہو گئی اور یہ لفظ خاتم النبیین قرآن شریف میں موجود ہے۔ مگر بعض علماء نے اس کے معنی

یہ بیان کئے ہیں کہ اگر حضرت کے بعد یا حضرت کے زمانہ میں کوئی پیغمبر پیدا ہو تو اس آیت کے منافی نہیں اور اس مسئلہ کی ایجاد سے ان پر اور بہت سے علماء نے اعتراضات کئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(اقادات الاحمدیہ ص ۴۷)

مولوی احمد حسن صاحب کے اس جواب سے ظاہر ہے۔ کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت کے جو کچھ معنی وہ سمجھتے ہیں۔ وہ اکیلے نہیں ہیں۔ بلکہ اور بہت سے علماء عجمی ان کے ساتھ شریک ہیں یعنی وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا ہو۔ تو بھی خاتمیت محمدیہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اور ان علماء پر کیا موقوف ہے۔ ہر عالم وغیر عالم جو خواہ مخواہ حق پوشی و ناحق پوشی سے کام لینا نہ چاہے۔ عبارت منقولہ بالا کے ذہی معنی سمجھے گا۔ جو مولوی احمد حسن صاحب سمجھے ہیں۔ اگرچہ عبارت اپنے معنی کے اظہار میں کسی تشریح و تفصیل کی ہرگز محتاج نہیں تاہم میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ خود مولانا محمد قاسم ہی کے قول سے اس کی کیا تشریح و تفصیل ثابت ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:-

اول معنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کیے چاہئیں تاہم ہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو وہاں کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بیاں معنی ہے۔ کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا۔ کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فیصلت نہیں پھر مقام مدح میں و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہتے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیتے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں۔ کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گولو نہ ہوگی۔ کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نمود باللہ زیادہ کوئی کا درہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت و غیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے۔ جو اس کو ذکر کیا اور ان کو ذکر کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصان قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال کجیاں کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہوتو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ ہاں یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لیے سدباب اتباع موعیان نبوت کیا ہے۔ جو کل بھوٹے دعویٰ کر کے خلافت کو گمراہ کر کے اللہ فی حد ذاته قابل لحاظ ہے۔ پھر جملہ ما کان محمد ابا احد من رجا لکھ اور جملہ و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین میں کیا تا سب تھا۔ جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا۔ اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدارک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس

قسم کی بے رطلی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا۔ تو اس کے لیے اور بیسیوں مواقع تھے ۱۱

(تجدیر الناس ص ۳)

اس تحریر سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) کہ خاتم النبیین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ کو سب میں آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے۔

(۲) لیکن رسول اللہ و خاتم النبیین مقام مدح میں فرمایا گیا ہے۔

(۳) تقدم یا تاخر زامانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں جب کہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے۔

(۴) باعتبار تاخر زامانی کے خاتم النبیین کو ایسا وقت درست ہو سکتا ہے۔ اگر اسی وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ قرار دیا جائے۔

(۵) اور اوصاف مدح میں سے نہ لینے کی صورت میں ایک تو خدا تعالیٰ پر زیادہ گوئی کا الزام آتا ہے۔

دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کم ہوتی ہے۔

(۶) اگر آخری دین ہونے کے لحاظ سے سد باب اتباع مدعیان نبوت کہو۔ توفی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے لیکن اس کے لیے یہ موقع نہیں بلکہ بیسیوں اور مواقع اس کے بیان کرنے کے ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں۔

”بلکہ بناو خاتمیت اور بات پر ہے۔ جس سے تاخر زامانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آتا ہے۔ اور فضیلت نبوی بانا ہو جاتی ہے ۱۲ ص ۳

یعنی خاتم النبیین کے وہ ایسے معنی کریں گے کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی دو بالا ہو جائے اور تاخر زامانی بھی پایا جائے۔ یعنی آخری دین ہونے کی وجہ سے جو سد باب اتباع مدعیان نبوت ضروری تھا۔ وہ بھی پورا ہو جائے کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی ایسا نہیں ہو گا، جو دنیا دین لائے۔ کیونکہ آپ کا دین آخری دین ہے۔

اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ موسوف بالعرض کا قصر موسوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موسوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موسوف بالذات کا وصف جن کا ذاتی ہوتا اور مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات میں سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہونا۔ مثال درکار ہے تو لیجئے زمین د کہسا۔ اور درو پلوار کا لوز اگر آفتاب کا فیض ہو۔ تو آفتاب کا لوز نہیں اور کا فیض نہیں۔ اور عماری غرض وصف ذاتی ہونے

سے آتی ہی تھی۔ بارہن ہمہ اگر یہ وصف آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو۔ وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا اور کسی اور سے مکتسب اندکی اور کا فیض نہ ہوگا۔ الغرض یہ بات یہی ہے۔ کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ "عسک"

موصوف بالذات اور موصوف بالعرض میں یہ فرق ہو کرتا ہے۔ کہ موصوف بالذات کو جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ بلا واسطہ اور ذاتی ہوتی ہے۔ اور موصوف بالعرض کا وصف بلا واسطہ مکتسب ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے۔ اور جس کا وصف بالذات ہوتا ہے۔ وہ سلسلہ اس پر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آفتاب پر اگر اس کا نور ذاتی ہے تو ہم کہیں گے کہ اس پر نور کا سلسلہ ختم ہے۔ لیکن اس سے بمراد قطعاً نہیں ہوگی کہ اس کے واسطہ سے بھی نور حاصل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ آپ اس تقریر کا نتیجہ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

”سوا سی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمت کو تصور فرمائیے۔ یعنی آپ موصوف بوصف نبوت خاص ہیں۔ اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اور رول کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامتہ ہیں۔ ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔ اور یہی وجہ ہوتی۔ کہ بشہادت واذا خذ اللہ میثاق النبی الخ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ پر ایماق لائے ہیں اور کے اتباع اور اقتداء کا عہد لیا گیا ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے علاوہ ربی بعد نزول حضرت عیسیٰ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے اور رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ علمت علم الاولین والآخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس معنی کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلعم میں مجتمع ہیں۔ عالم حقیقی رسول اللہ صلعم ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں۔ کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے (صفحہ ۴)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں ہے۔ دوسروں کی نبوت بالعرض اور آپ کا فیض ہے۔

(۲) اس کمال کی وجہ سے نبوت آپ پر ختم ہے۔ کہ آپ کی طرح نبوت سے موصوف بالذات کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو بھی ہوگا بالعرض ہوگا گذشتہ زمانہ میں ہوا ہو یا آئندہ زمانہ میں ہو۔

(۳) اس وجہ سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں۔ کہ نبوت کالات علمی میں سے ہے۔ اگر آپ میں تمام کمالات علمیہ جمع ہیں۔

(۴) جیسے آپ نبی الامت ہیں۔ ویسے ہی آپ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ یعنی آپ جیسے اپنی امت کے روحانی معنوی باپ ہیں۔ اسی طرح آپ انبیاء کے بھی روحانی باپ ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

” نیز اس صورت میں جیسے قرأت خاتم کبیر النساء چسپاں ہیں۔ ایسے ہی قرأت خاتم بفتح التاء بھی نہایت درجہ کو بے تکلف موزوں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جیسے قرأت خاتم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختم علیہ میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ البتہ معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں۔ پر البتہ معنوی امتیوں کو بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے۔ سو جب ذات بابرکات محمدی صلعم موصوف بالذات بالنبوة ہوتی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض۔ تو یہ بات اب ثابت ہو گئی۔ کہ آپ والدہ معنوی ہیں اور باقی انبیاء آپ کے ہی میں بمنزلہ اولاد معنوی اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے۔ ص ۱۱۔

پھر لکھتے ہیں۔

” اطلاق خاتم اس بات کو مقصود ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تفریہ مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اس طرح اگر فرض کیجئے، آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو۔ تو یہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر ختم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو علم کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن طشہ ہی ختم ہو گیا۔ تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے غرض اختتام اگر باہین معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا۔ تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو۔ جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“

(ص ۱۲)

اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کہ نبوت جو کمالات علم میں سے ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتم و اکمل طور پر موجود ہے۔ اور اس سے زیادہ علم کا حصول بشر کے لیے ممکن نہیں۔ کہ اس وجہ سے جو بھی نبی ہو یا فرض کیجئے آئندہ ہو۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اس کی نبوت اور کمالات علمیہ بھی آنحضرت صلعم پر ختم ہیں۔ کیونکہ آپ مستجمع جمیع کمالات انبیاء ہیں۔ اور آپ نبوت سے موصوف بالذات ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہیں۔ لیکن باقی نبی موصوف بالعرض ہونے کی وجہ سے وصف نبوت میں آپ کے محتاج

ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس میں ایک لطیف نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سے آخر میں آنے اور انہیں ختم کر دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں بنتے۔ کیونکہ اگر پہلے انبیاء کو ختم کر دیا۔ تو وہ تو پہلے ہی ختم ہو چکے تھے ان کا ختم کرنا کیا۔ اور آئندہ کوئی آنا نہیں تھا۔ جو اسے ختم کرتے لیکن بلا اظہار تب کے خاقیت لینا نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے۔ اور انہیں کچھ کمالات حاصل تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کمالات کو حاصل کر کے آگے بڑھ گئے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ کی نبوت کو آپ نے ختم کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم حضرت نوح علیہم السلام وغیرہ کی نبوت چند کمالات کی جامع تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کر کے ان سے بھی آگے نکل گئے۔ اسی طرح ان کی نبوتیں بھی آپ نے ختم کر دیں۔ اور معراج میں یہی بات آپ کو دکھانی گئی کہ آپ تمام نبیوں کو چھوڑ کر ان سے آگے نکل گئے۔ اس وجہ سے آپ تمام انبیاء کے خاتم ٹھہرے۔ کہ ان تمام کے کمالات آپ پر ختم ہو گئے۔ اور آپ سب کے جامع ہوئے اس لحاظ سے مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو انبیاء پہلے گذر چکے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تو آپ کی خاقیت زمانی سے انکار نہ ہو سکے گا۔

”ہاں اگر خاقیت بمعنی انصاف ذاتی بوصف نبوت یعنی جیسا کہ اس پیمانہ نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کس کو افراد مفضوہ بالخلق میں سے شامل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مفذوہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاقیت محمدی میں کچھ فرق نہ آنے کا چہرہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور کو نہ میں میں یا نرض کیجئے۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔“ ص ۱۵

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتم النبیین کے معنی ایسے بیٹے ہیں جن کی رد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے بعد بھی کوئی نبی آئے۔ جو آپ کی نبوت کا محتاج ہو۔ اور اس کی نبوت درست۔ بالعرض ہو۔ نہ بالذات۔ تو وہ بھی آپ کے خاقیت کے منافی نہیں ہے۔ اور خاقیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ اور آپ ہی ہر زمین اور ہر زمانے کے بادشاہ ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تمت علیہ صفات کل مرتبہ

ختمت بہ نعام کل زمان

کہ آپ پر تمام اعلیٰ صفات پوری ہو گئیں۔ اور آپ پر ہر زمانہ کی نعمتیں ختم ہو گئیں۔

پھر مولانا فرماتے ہیں :-

” وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو۔ اور بارگاہِ علمی تک باریاب ہو۔ تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور
رتبہ میں اعلیٰ اور سب کا سردار اور سب کا مخدوم و مکرم ہوگا۔ اور سب اس کے تابع و محتاج ہونگے۔ اس پر مراتب
کلاسات ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضروری ہوگا۔ جس کی یہ ہے کہ انبیاء بوجہ احکامِ رسائی
مثل گونہ و غیرہ نواب خداوندی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا حکم ہو نا ضروری ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ اس لیے جیسے عہدِ پلٹے
ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے۔ اور سوا اس کے اور سب عہدے ماتحت ہوتے ہیں
اور ان کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے۔ اس کے احکام کو کوئی اور نہیں توڑ سکتا۔ اور وجہ اس کی یہی ہوتی ہے۔ کہ اس
پر مراتب عہدہ جات ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو
ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے احکام اور ان کے احکام کے نسخ ہوں گے اور ان کے
احکام اس کے احکام کے نسخ نہ ہوں گے اور اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانہ بھی ہو کیونکہ اوپر کے حکم تک
نبوت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہے۔ اور اس لئے اس کا حکم اخیر حکم ہوتا ہے و

(مباحثہ شاہ جہانپور ص ۲۴ ر ۲۵)

پھر جیسے گورنر خاتم الحکام کے ماتحت ہو کر کسی حکم کا آنا اس کی خاتمیت کے خلاف نہیں ہے اسی طرح خاتم النبیین
کے ماتحت ہو کر اور آپ کے احکام کے نفاذ کے لیے کسی نبی کا آنا آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے اگر کسی نبی کا آنا
آپ کی خاتمیت کے خلاف ہو۔ تو وہ ایسا نبی ہے۔ جو آپ کے احکام کو آخری احکام نہ سمجھے۔ اور ان کو منسوخ کرے
ورنہ ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا متبع ہو۔ اور آپ کی غلامی کا دعویٰ کرے۔ وہ آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں کیونکہ
اس کی نبوت آپ کی نبوت سے علیحدہ نہیں بلکہ اسی سے مستفیض ہے۔
چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

” جیسے اس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو۔ تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے۔ جو گورنر زمانہ حال ہے۔ ایسے ہی
اس زمانے میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبریل بھی موجود ہوتے۔ تو ان کو جارا ناچار رسول عربی صلعم ہی کا
اتباع کرنا پڑتا۔“

پس آنحضرت کا متبع ہو کر کسی نبی کا آنا منافی خاتمیت نہیں۔ اس امر کی تائید میں ایک اور حوالہ پیش کر دینا بھی ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ تحذیر الناس میں جس حدیث پر بحث ہے۔ اسی حدیث پر کتاب نضر المؤمنین میں بھی بحث کی گئی ہے
اور جس لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کو علماء نے ارتداد اور کفر صریح کی طرف نسبت دے کر اس کے
پچھے نماز پڑھنے اور اس کے پاس بیٹھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ دیکھو نضر المؤمنین ص ۳۲ ر ۶۴
اور اس فتویٰ پر چودہ علماء کی مواہیر ہیں۔

پھر اس کتاب کے صفحہ میں اس حدیث کو صنیف اور موضوع قرار دینے والوں کے اس سوال کا کہ انبیسی میں الف لام استغراق کا ہے۔ اس لیے آپ تمام قسم کے انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ جواب دیا ہے۔
 ” ہم نہیں تسلیم کرتے۔ کہ الف لام انبیسین میں استغراق کا ہے۔ بلکہ عہد کے لیے ہے۔ اور مراد انبیسین سے وہ ہیں جو حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے اسی طبقہ علیا میں تھے اور یہ اگرچہ ایک احتمال ہے لیکن باعتبار اصول کے یہ بات بہت قوی ہے۔“
 پھر لکھتے ہیں:-

” اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریحی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے۔“
 (نصر المؤمنین مطبوعہ نور کانپور ۱۲۹۱ء ص ۱)

آخری جلد میں تو بعض ایسے فرقوں کا ذکر کر کے جو تشریحی نبوت کے ختم ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ان کو بھی سلمان ہی قرار دیا ہے۔ اور مختار ان مدعیہ صرف ختم نبوت غیر تشریحی نہ ماننے والوں کو بھی کافر کہنے سے نہیں رکھتے۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے مناظرہ عجیبہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ تو اس سے مراد وہی لی جائے گی۔ جو ان تصریحات کے خلاف نہ ہو اور ان کو ملحوظ رکھ کر ایسا ہی نبی ہو سکتا ہے جو نبیادین لائے۔ جیسا کہ تحذیر الناس صفحہ میں

مولوی محمد قاسم صاحب نے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔ کہ یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لیے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ قائل لحاظ ہے پھر آپ کے اس قول سے کہ آئندہ نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ ایسا ہی نبی مراد لیا جاسکتا ہے۔ جس کے آنے سے آنحضرت صلعم کا دین آخری دین نہ رہے۔ اور اسی طرح تحذیر الناس صفحہ کی عبارت میں بھی اس قسم کے نبیوں کے لحاظ سے انہوں نے آنحضرت صلعم کو خاتم زمانی مانا ہے۔ درہ وہ بغیر دین جدید و شریعت جدیدہ کے حضرت عیسیٰؑ کا آنحضرت صلعم کے بعد نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں:-

علاوہ ازیں اگر ان کے معنوں میں اور دیگر علماء کے معنوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اور وہ دیگر علماء کی طرح آنحضرت صلعم کو خاتم زمانی تسلیم کرتے۔ تو انہیں ان کی تکفیر کی کیا ضرورت تھی۔ اور جیسا کہ نصر المؤمنین کے حوالے سے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں۔ اور بعض قائل ختم نبوت تشریحی کے ہیں۔ ایسا ہی فقہانے بھی لکھا ہے کہ۔ یکفو بقولہ لا اعلم ان آدم علیہ السلام نبی اولاد لو قال امت بجمع الا نبیاً علیہ السلام و بعدہم معرفۃ ان محمد اصلی اللہ علیہ وسلم اخر الانبیاء
 (بحر الرائق جلد ۵ ص ۱۳)

عند البعض“

یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ میں تمام انبیاء پر ایمان لایا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم شناخت پر تو بعض کے نزدیک کافر ہو گا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معنوں میں آخری نبی ماننا جس کا مختار اور گواہان مدعیہ دعویٰ بدرہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک ضروریات دین سے نہیں ہٹے اور نہ ہی موجب کفر ہے۔

باقی حوالے جن میں لانا نبی بعدی اور خاتم النبیین کے یہ معنی کٹے گئے ہیں۔ کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو۔ یا جیسا کہ مولانا جلال الدین دہلوی نے مشنوی دفتر ششم میں لکھا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ ان سب پر مختار مدعیہ نے کوئی جرح نہیں کی۔ البتہ اقرب الساعۃ کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ نواب صدیق حسن خان کی تالیف ہے۔ اس لیے غیر مسلم ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی شخصیت کے متعلق زیر عنوان۔

سلف صالحین کا عقیدہ دربارہ وحی :-

ذکر کہ چکا ہوں۔ اور یہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اقرب الساعۃ سے جو یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ لانا نبی بعدی کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی ناسخ شریعت محمدیہ نہیں آئے گا۔ درحقیقت اس کے قائل امام ملا علی قاری ہیں جیسا کہ پہلے حوالہ کتاب الاشارة۔ لاشراۃ الساعۃ گذر چکا ہے۔ پس امام سلف کے اقوال سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے اور آپ کے قول لانا نبی بعدی سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد مستقل صاحب شرع جدید کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کے احکام کو منسوخ کرے۔

(۶)

سیاق و سباق کے لحاظ سے آیت کے معنی

اس آیت کی تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہان مدعا علیہ

(۷)

خاتم النبیین کے صحیح معنی

خاتم بفتح التاء کے اصل معنی عربی زبان میں انگوٹھی یا مہر کے ہیں۔ اور گواہ مدعا علیہ نے ان معنی کے اثبات کے لیے حدیث اور تفسیر اور لنت کو پیش کیا تھا۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح

کی ہے کہ مجھ سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ مفرد ہے۔ اور کتاب اللہ میں مضاف ہو کا استعمال ہوا ہے۔ یہاں بحث مضاف کے اندر ہے۔ لہذا غیر متعلق ہے میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ مختار مدعیہ کا یہ قول کس حد تک قابل التفات ہے کیونکہ تھوڑی سی غفلت رکھنے والا شخص بھی جان سکتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے معنے کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں کے علیحدہ علیحدہ معنے معلوم ہوں۔ ورنہ اس کے معنے کوئی گراہی نہیں سکتا پس خانم کے حقیقی معنے معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ مفرد ہونے کی صورت میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور خانم کا لفظ مہر اور انگوٹھی کے معنے میں احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح بہ تسلیم کیا ہے کہ لغت والوں نے تشریح کی ہے کہ خانم بفتح التاء مہر کے معنوں میں بھی ہے۔

اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الحقیقت مہر یا انگوٹھی نہیں۔ پھر جو آپ کو نبیوں کا خانم کہا گیا۔ تو وہ اس لیے کہ آپ کے خانم النبیہ ہونے اور حقیقی مہر یا انگوٹھی میں مندرجہ ذیل وجہ مشابہ ہو سکتی ہے۔

(۱) زینت جیسا کہ فتح البیان کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح البیان جلد ۲ ص ۲۸ مطبوعہ ص ۲۲)

(۲) احاطہ جیسے انگوٹھی اٹکی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ ایسے آپ بھی تمام نبیوں کے محیط ہیں۔ یعنی ان کے تمام کلمات کے جامع ہیں جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں۔

” اس ارشاد سے ہر خاص دعاء کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں“ (تخیر الناس ص ۱)

اور کمال کے اظہار کے لیے لغت عرب اور دوسری زبانوں میں بکثرت خانم اور ختم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور ان معنی کی تائید میں گواہان مدعا علیہ نے منجملہ اور بہت سے عبارات کے ایک حوالہ فتوح النیب کا۔ بک تحم الولاية اور ایک و قیامات الامیان سے مجمع التریض بماتم الشعراء شعر نہیں کہا تھا۔ مگر مختار مدعیہ نے فتوح النیب کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو خانم الولاية کا ذکر ہے۔ نبوت کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس لیے یہ غیر متعلق ہے۔ گویا کہ مختار مدعیہ کے نزدیک جب خانم کا لفظ دلالت کی طرف منسوب ہو۔ تو پھر آخر کے معنے نہیں ہوتے۔ لیکن جب نبوت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنے آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن کیا مختار مدعیہ کے نزدیک اس تفریق معنی کی دلیل سوائے تعصب کے اور بھی کوئی ہے، ہرگز نہیں

اور اس شعر کے متعلق مختار مدعیہ نے تین باتیں کہی ہیں۔

اول :- اشعار سے قرآن مجید کو مل کر تفسیریں کلام الہی ہے۔

جواب - ۱

معلوم ہوتا ہے۔ مختار مدعیہ کو بالکل قرآن مجید کی تفاسیر دیکھنے کا موقعہ بھی نہیں ملا۔ کیونکہ تفسیروں میں قرآن مجید کے شکل الفاظ کو حل کرنے کے لیے جا، بجا شعروں کو پیش کیا گیا ہے۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں لکھا ہے

قال ابو بکر بن الانباری قد جاء عن الصحابة والتابعین کثیرا لا احتجنا

على غریب القرآن ومشكله بالشعر وانكر جماعة (علم لہ علی النخعی بن ذکوان اتقان ص ۱۲۹)

یعنی ابو بکر بن الانباری نے کہا ہے۔ کہ قرآن مجید کے شکل الفاظ کے معانی بیان کرنے میں صحابہ و ازواج میں سے کثرت

شعر سے حجت کپڑا ثابت ہے۔ اور بعض بے علم لوگوں نے خوبوں پر اس امر کو برا منایا ہے۔ کہ انہوں نے شعروں کو قبول پیش کیا۔

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں :-

قال ابن عباس اشعر دبیوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن الذی انزلہ

اللہ بلغتہ العرب وجعنا الی دیوانہا فالتمسنا معرفة ذلك منہ۔

یعنی ابن عباس نے فرمایا۔ کہ شعر عرب کا دیوان ہے۔ جب قرآن کلمہ جسے خدا تعالیٰ نے عربی زبان میں اتارا ہے

کوئی حرف ہم پر مخفی ہو جائے۔ یعنی اس کے معنی سمجھنا مشکل ہو جائیں۔ تو ہم عرب کے دیوانوں کی طرف رجوع کر کے اس کے اصل معنی جان لیں گے۔

پس یہ کہنا کہ اشعار کو قرآن مجید سے حاصل کرنا تنقیح کلام الہی ہے۔ اپنے آپ کو بے علم لوگوں کی صف میں داخل کرنا

ہے۔

دوم :-

قرآن مجید میں جمع مذکر سالم کی طرف مضاف ہے۔ اور یہاں جمع تکیس کی طرف لہذا یہ شعر ماہد النزاع بحوث سے خارج

جواب :-

منجد کے حوالے کے مقابلہ میں تو انہوں نے حرف یہ عذر کیا ہے۔ کہ یہ مفروضہ ہے اور کتاب التکمیر میں مضاف ہو کر اشتغال

ہوا ہے۔ اور اس طرح گواہ مدعیہ نے ۳ اگست کو جواب برج یہ کہا ہے کہ

(۱) خاتم کالفظ جب جمع کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب خاتم الشعر کی مثال پیش

کی گئی۔ کہ اس میں تو خاتم کالفظ جمع کی طرف مضاف ہے اور اس کے معنی آخر کے نہیں۔ تو مختار مدعیہ نے یہ عذر پیش

کر دیا کہ شعراء تو جمع تکسیر ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں التیسین جمع مذکر سالم ہے۔ لہذا یہ شعر ماہد النزاع بحوث سے خارج ہے

یعنی مختار مدعیہ کے نزدیک اگر خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل کہا جاتا۔ تو پھر اس کے معنی آخر کے نہیں۔ کیونکہ الانبیاء اور

الرسل جمع تکسیر ہیں۔ جمع مذکر سالم نہیں۔ اور اگر التیسین جمع مذکر سالم کہا جائے تو پھر آخر کے معنی ہوتے ہیں۔

پس خاتم کے لفظ کے جمع مذکر سالم یا جمع تکمیل کی طرف مضاف ہونے سے معنوں میں کوئی فرق نہیں آتا خاتم النبیین کہنا یا خاتم الانبیاء کہنا یا خاتم المرسلین یا خاتم الرسل کہنا معنوی لحاظ سے ایک ہی ہے۔

سوم :-

شعر جاہل و اسلامی کے اقوال کو بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ نہ کہ بعد کے شاعروں کے اقوال کو۔

جواب:

یہ فقہار مدعیہ کا اپنا وضع کردہ اصول ہے۔ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ اس کے جو ادیب شعر اگزر سے ہیں۔ جب تک ان کے قول کے خلاف شعر او جاہل میں سے کوئی قول پیش نہ کیا جائے۔ ان کا قول بھی ایک مختلف فیہ لفظ کے معینہ بیان کرتے وقت بطور سند کے پیش ہو سکتا ہے۔ اور ماہہ النزاع بحث میں تو قرآن مجید کے زمانہ کے بعد کے شاعروں کا قول بدرجہ اولیٰ پیش کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ اگر قرآن مجید میں خاتم النبیین میں لفظ خاتم کے معنی عربی زبان کی رو سے محض آخری کے ہوتے۔ تو پھر اس کے بعد کوئی اسلامی شاعر خاتم کے لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اور ختم کا لفظ اردو زبان میں بھی کمال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب کے متعلق مولوی محمد یعقوب صاحب، نونوی اپنی کتاب "محالات" جناب طیب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم مطبوعہ صادقی الانوار بہاولپور میں لکھتے ہیں۔

"ہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے"

اس فقرہ میں قطعاً یہ منشا نہیں ہے۔ کہ آپ کے سوا کوئی اور ہمان نواز تھا یا نہیں ہے۔

تیسری وجہ شد یہ ہے نہ

کہ یہ تصدیق کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی تصدیق ہوتے۔ دو معنوں کے لحاظ سے ایک تو اس لحاظ سے کہ تمام انبیاء نے آپ کے آنے کی بشارت دی۔ اور تصدیق کی دوسرے اس لحاظ سے کہ آپ مصدق النبیین ہوئے۔ کیونکہ کسی نبی کی نبوت بدوں آپ کی ہر تصدیق ثابت ہونے کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کی تفصیل دیکھو مع اشلہ بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

اس کے علاوہ عربی زبان کی رو سے خاتم کے معنی علامت کے بھی ہیں چنانچہ مجمع البحار میں زیر لفظ ختم لکھا ہے

في اعناقهم الخواتم اتراد ہی اشیاء من ذهب وغیرہ معلق فی اعناقهم یعرفون بها " آنحضرت صلعم کے قول کہ ان کے گلوں میں خواتم ہوں گی، سے یہ مراد ہے۔ کہ ان کے گلے میں سونے وغیرہ کی چیزیں ڈالی جائیں گی۔ جن سے ان کی شناخت ہوگی۔

پھر حدیث آمین خاتم رب العالمین کے معنی لکھے ہیں۔

” ای الغلامۃ التي تدفع عنهن الاغراض والاعاهاث كرخانم سے مراد بیہوشی ہے۔ کہ یہ ایک نشانی ہوگی۔ جوان سے بیماریاں اور آفات دور کرے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خانم کے معنی علامت کے بھی ہیں۔ اور اس کی تصدیق شعر لہر عرب کے کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابان بن عبدہ شاعر حماسی کہتا ہے۔

بیمض خفات مرهفات قواطع لداؤد فیہا اثرہ دخواتہ

اس کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہ کہا ہے۔ الخواتم۔ الاعلام عم ان سے ٹریں ساتھ مبتدلار بسک تیز برندہ تلوار دنگے جن میں حضرت داؤد کی نشانیاں اور پتے ہیں۔ یعنی بہت پرانے ہیں۔

(حماسہ مجتہائی ص ۱۸۴)

اس لحاظ سے خانم التین کے معنی علامت التین کے ہوئے۔ کہ آپ کے ذریعہ انبیاء شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور آپ کی ذات معیار نبوت ہے۔ جو آپ کے اسوہ حسنہ پر ہو گا وہ نبی ہے پس آپ انبیاء کے صدق و کذب جانچنے کے لیے بطور معیار کے ہیں۔ جن معیاروں کی رو سے آپ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہ معیار کسی نبی میں پاتے جائیں۔ تو وہ بھی صادق ہو گا۔

زبان عرب میں خانم یعنی التاء کا لفظ کبھی اخیر کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ آخر کے معنوں میں جب بھی استعمال ہوا ہے۔ تو وہ لازم معنی کے کرنے کا اصل معنی کی رو سے۔

خانم کے معنی آخر!

مختار مدعی نے صرف ایک حوالہ لسان العرب اور منہجی الارب سے پیش کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے خانم القوم آخر عم لیکن جب کہ ہم نے محاورات عرب سے معین اقوال اور استعمالات پیش کئے ہیں۔ یہ ویسے نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف نے یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا کہ کس شاعر نے یا کس ادیب نے خانم القوم کو آخر عم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لیکن بر تقدیر صحت میں کہتا ہوں کہ یہ حوالہ بھی فریق مخالف کو مفید نہیں ہے۔ کیونکہ محاورات عرب میں ایسے مقام پر آخر کے معنی آخری فرد کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اشرف اور افضل کے ہوتے ہیں چنانچہ فنیس حوای شاعر کہتا ہے۔

شری ددی و شکرى من بعید

لاخر غالب ابداً ربيع !!

اس کی شرح میں لکھا ہے۔

و ابداً الاخر و ابداً به نفس ربيع بقول شری ددی و شکرى ربيع من مکان بعید لرجل

ہو آخر بنی غالب ایداً حیث لا یكون مثله فیہم یعنی شری لنفسہ (حماسہ مصری ص ۱۳۱)
اور اس کا ترجمہ مولی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہ کیا ہے۔

ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر و درویشی ایسے شخص کے لیے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لیے
عدم المثل ہے خرید لیا ہے ۱ (حماسہ مجتہاتی باب المماسہ ص ۱۳۶)
اور اس فقیدہ کے شروع میں بطور دیباچہ لکھا ہے۔

”قال قیس یمدح بنی زیاد العیسین وکانوا اسیبۃ دکان ربیع بن زیاد افضلہم“
کہ قیس نے عبسی بنی زیاد کی مدح میں یہ شعر لے لیے ہیں۔ اور وہ سات تھے اور ربیع بن زیاد ان سب سے
افضل تھا۔ پس آخر بنی غالب اپنے ہوئے۔ کہ جو قوم میں اشرف اور افضل اور عدیم المثال فرد سے۔ کیونکہ ایسے مقام پر
قوم کا آخری فرد مراد لینا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور وہ مقصور ہونہیں سکتا۔ جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے۔ کہ وہ
قوم بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہے۔ اور اس کے آگے ان کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔ پس خاتم القوم آخر ہم کے معنی بھی
مخادرات عرب کی رو سے اشرف اور افضل اور عدیم المثال کے ہی ثابت ہوئے ہیں پس یہی ایک مثال تھی جو وہ کتب
نعت سے پیش کر سکے ہیں۔ اور یہ بھی ان کے معانی کے خلاف ہے۔ موافق نہیں۔ باقی جو معنی خاتم کے گواہان مدعا علیہ
نے بیان کئے ہیں۔ ان کی تائید میں انہوں نے زبان عرب کے مخادرات اور استعمالات پیش کئے ہیں۔ ان کیا مختار مدعو
بیان بھی کئے گا۔ کہ خاتم القوم میں تو القوم جمع مذکر سالم نہیں ہے۔ اور یہ مثال ماہہ النزاع بحث سے خارج ہے دیوہ باہ

(۸)

خاتم النبیین کے معنوں کا ضروری ادین سے ہونا

مختار مدعو نے گواہوں کی طرح اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ جس کے
بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور جو بات ضروریات دین سے متواتر ثابت ہو اس
کی تاویل کرنا کفر و ارتداد ہے۔ جانتا چاہیے کہ کسی شخص کے کہنے سے کہ نلال بات ضروریات دین سے ہے وہ
بات ضروریات دین سے نہیں ہو جاتی۔ بلکہ کسی چیز کو ضروریات دین سے ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ
امر قرآن مجید و احادیث متواترہ یا مشہورہ سے بدرجہ غایت صحت پہنچ چکا ہو۔ اور وہ اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہو۔
ضروریات دین کے متعلق مولانا شاہ عبدالغفریز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

” ضروریات دین وہ امور ہیں۔ جو قرآن مجید اور حدیث مشہورہ اور اجماع متواتر سے ثابت ہوں ۱
(شفاء العلیل ترجمہ قول الجلیل مطبوعہ نظامی کاپنور)

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ جیسے حشر و نشر اور جنت و دوزخ اور وزن اعمال اور گذرنا پل صراط پر وغیرہ ذلک۔

لیکن خاتم النبیین کے جو معنی فریق مخالف نے کیئے ہیں۔ نہ تو ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ نہ حدیث مشہور میں اور نہ اجماع متواتر سے یہ ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے صحابہ اور ائمہ سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہو چکا ہے۔ صحابہ کا تو ان معنوں پر جیسا کہ اجماع کی بحث میں آئے گا۔ کبھی اجماع نہیں ہوا۔ اور مسلمانوں کے بعض ذرقتے اہل حدیث وغیرہ اس اجماع کو جو فہم والوں نے پیش کیا ہے۔ حجت شرعی ہی نہیں سمجھتے۔ اور امام مالک کے قول سے بھی ایسی مستفاد ہے۔ کہ جو صحابہ کے بعد اجماع کا مدعی ہے۔ وہ کاذب ہے۔ (مسلم الثبوت جلد ۲)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا۔ بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے۔ اور کل میں سے ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔ اس کا ثبوت بھی تحریر ۵ میں ہے۔

(اشاعت السنۃ نمبر ششم لغایت دہم جلد ۱۲ ۱۸۹۰ء)

گوہاں مدعیہ و مختار مدعیہ کے معنوں کے خلاف ایک نہیں بلکہ کئی ائمہ و علماء سلف کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں پس یہ معنی قطعاً غلط و بدعت دین سے نہیں ہو سکتے۔ لہذا مختار مدعیہ کا یہ قول کہ امت کا ان معنوں پر اجماع ہو چکا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

(۹)

کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہو سکتا ہے

گوہاں مدعیہ اور مختار ان مدعیہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ لیکن خاتم النبیین کی تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے بھی ذی القدر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ گوہاں مدعیہ نے کوئی مثال پیش نہیں کی۔ کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہ کہا گیا ہو یعنی مختار ان مدعیہ کے نزدیک بھی احمدیوں کے کفر کی وجہ خاتم النبیین کی تاویل کو نہ ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا۔ تو گوہاں مدعیہ کا احمدیوں کو کافر قرار دینا بھی غلط ثابت ہو جائے گا۔

سوال دو نو امور کے متعلق گوہاں مدعیہ نے اپنے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ اور بتایا تھا۔ کہ بڑے بڑے ائمہ نے ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان

سمجھتے ہوں۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کا کلمہ جو ملا حظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ اس میں ثابت کیا تھا کہ احمدیہ جماعت خاتم النبیین کے معنی کی تاویل نہیں کرتی بلکہ لغت کی رو سے جو اس کے معنی بن سکتے ہیں۔ وہ یقینی ہے۔ اور اس کے برعکس گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النبیین کے لیے ہیں وہ تاویل اور تلازم معنی ہیں۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر کے اوائل ایام خلافت میں جن عربوں نے تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا۔ انہیں حضرت ابو بکر نے مرتد قرار دیا۔ بالکل غلط ہے۔ بعض لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر ہو گئے تھے۔ اور اکثر نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا۔ اور بعض جگہ معنی بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ اور بعض نے اپنے ارتداد کی یہ وجہ قرار دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر نبی ہوتے۔ تو نہ مرتے پس حضور صلعم کے وفات پانے کو ارتداد کا سبب بنا لیا تھا۔ کسی حدیث میں ان کے ارتداد کی وجہ تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی ذکر نہیں۔ مختار مدعیہ کا محض منطابہ ہے۔

تاویل کرنے والوں کو کافر کہنے کے متعلق ایک حوالہ گواہ مدعا علیہ اس نے منہاج السنۃ کا پیش کیا تھا۔ کہ گواہ اس کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت علی اور دیگر صحابہ نے خوارج کو مسلمان ہی سمجھا۔ اور الخوارج میں ان کی عدم تکبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خولوں اور جانوں کو طال سمجھتے ہیں تاویل سے کام لیتے تھے۔ اگرچہ وہ تاویل باطل تھی۔ اور اگر کوئی بغیر تاویل کے جائز سمجھے تو وہ کافر ہے۔

پھر منہاج السنۃ میں ہی لکھا ہے۔

الثانی ان المتأول الذی تصدہ متابعة الرسول لا یکفر ولا یفسق
اذا اجتهد فأخطأ وهذا مشهور عند الناس فی المسائل العملیة واما
مسائل العقائد فکثیر من الناس کفرا المخطئین فیہا وهذا القول لا یعرف
عن احد من الصحابة والتابعین لهم باحسان ولا یعرف عن احد ائمة المسلمین
وانما هو فی الاصل من اقوال الیدع الدین یبتدعون بدعة ویکفرون من خالفهم
فالخوارج والمعتزلة والجمہیة“
(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۳)

بعض وہ تاویل کرنے والا جس کا ارادہ تاویل سے متابعت رسول ہو۔ اس کو کافر یا فاسق نہیں کہا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کرے اور غلطی کی جائے مسائل عملیہ کے متعلق تو یہ بات عام لوگوں میں مشہور ہے لیکن عقائد کے مسائل میں بہت سے لوگوں نے مخطیئوں کو کافر کہا ہے۔ لیکن یہ نہ کسی صحابی کا قول ہے اور نہ تابعین میں سے کسی کا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی امام کا یہ درحقیقت ان بدعتوں کا قول ہے۔ جو ایک بدعت نکالتے ہیں

پھر جو ان کی مخالفت کرے۔ اسے کافر کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ اور اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ عقائد ہمیشہ مندریات، دین سے ہوتے ہیں۔ پس ان میں بھی اگر کوئی تاویل کرے۔ اور غلطی کھائے تو پھر بھی ان کی تکفیر کرنا سوائے بدغنیوں کے صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے جائز نہیں سمجھا۔

گو اہل مدیجہ تو احمدیوں کی اس لاجہ سے تکفیر کرتے ہیں۔ کہ احمدی خاتم النبیین کے معنی یہ نہیں کرتے۔ کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ حالانکہ یہ معنی نہ تو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ نہ کسی صحیح مشہور حدیث میں۔ اور جس روایت میں آخرا لا نبیاء کا لفظ آیا ہے۔ تو وہ بھی اولیٰ درجہ کی حدیثوں میں سے آیا ہے۔ اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی گو اہل مدیجہ بڑے شوق سے ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکاس ہم صحابہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ تقدیر کا مسئلہ جو اعتقادات اور ایمانیات میں سے ہے اس کا بطن لوگوں نے جب انکا رکھا۔ تو اکثر صحابہ نے پھر بھی ان کو کافر نہ کہا۔ چنانچہ علامہ ابن کرم فرماتے ہیں۔

وقد حدث انكار القدر في ايامهم فما كفرهم اكثر الصحابة رضي الله عنهم

(کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۵۷)

یعنی ان کے زمانہ میں تقدیر کا انکار ہوا۔ لیکن اکثر صحابہ نے منکرین تقدیر کو کافر نہ کہا اور گواہ مدعا علیہ نے جو والہ الیو اقیبت والخواجر بار ۲ جگہ سے پیش کیا تھا۔ اسے یہ تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

امام عبد الوہاب الشعرانی ان غلط تاویل کرنے والوں کے متعلق جو اہل قید ہیں جیسے معتزلہ اور بخاریہ اور و افاض اور خوارج اور مشیخہ لکھتے ہیں۔ کہ

جمہور علماء اور خلفاء نے مؤولین کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ انہیں مسلمان سمجھا اور مسلمانوں سے معاملہ کیا۔ اور جس نے انہیں کافر کہا۔ اس نے ظلم کیا۔ اور حد سے بڑھ گیا۔ یہ اختلاف بیان کر کے مؤولین کو کافر نہ کہنے والے اماموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

” کہ اللہ کے دوسرے گروہ نے مؤولین کی تکفیر نہیں کی۔ اور نہ ان میں سے کسی کو کافر اور نہ رسولوں کا مکذب قرار دیا۔ اور انہوں نے یہ دلیل دی ہے۔ کہ اگر تاویل کرنے والے کافروں کی طرح رسولوں کے مکذب ہوتے۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تاویل کے پیچھے نہ پڑتے بلکہ۔ اس کلام کو ہی پورے پھینکتے اور اس سے اعراض کر لیتے۔ پس ان کا اس کی تاویل کی طرف مائل ہونا جتنا ہے۔ بکرا انہوں نے اس کلام کو قبول کیا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ مگر اتنی بات سے کہ وہ درست تاویل نہ کر سکے اور اس میں غلطی کھا گئے۔ تو ان کا حکم اس شخص کا سا ہے۔ جو کفر سے بھاگا۔ اور اپنی غلطی سے بدعت میں مبتلا ہو گیا۔“

اور ابو یسحاق الحطابی فرماتے ہیں۔

کہ پہلی منارقت اہل سنت سے حضرت علیؑ کے زمانہ میں ہوئی اور مخالفت کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ خبر دی تھی۔ کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کتیر نشانہ سے نکل جاتا ہے اور حضرت علیؑ سے ان کے منعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ کافر ہیں تو آپ نے فرمایا وہ کفر سے تو بھاگ گئے لیکن گواہ مدعیہ نے اپنے بیان میں کھوایا تھا۔ کہ جب خوارج سے بعض ضروریات دین کا انکار ہوا۔ تو نماز و روزہ ان کو حکم کفر سے بچا نہ سکا تو کہا گیا۔ اچھا وہ منافق ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ کیونکہ منافقین تو خدا تعالیٰ کا قلیل ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ تو خدا تعالیٰ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ تو دریافت کیا گیا کہ اچھا وہ ہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ وہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جنہیں فتنہ پہنچا۔ تو اس میں اندھے اور بہرے ہو گئے۔

”قال الخطابی و انما لہ یجعلہم کفاراً لانہم تعلقوا بغرب من التادیل“
 اور خطابی نے کہا کہ حضرت علیؑ نے انہیں کافر قرار نہیں دیا۔ کیونکہ وہ ایک قسم کی تادیل کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول غیر قول من الدین سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ اطاعت سے نکل جائیں گے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت دما کان لیاخذ اخاۃ فی دین الملک میں دین سے مراد اطاعت ہے۔ اور اس نے کہا کہ جو علماء تادیل کرنے والے کو کافر نہیں کہتے۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ تادیل کرنے والے کے خون اور اموال کی حفاظت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کی وجہ سے ایک ثابت شدہ امر ہے۔

”ولہ یشیت لنا ان الخطا فی التادیل کفر۔“

اور یہ بات کہ تادیل کرنا کفر ہے۔ یہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کے لیے بھی نص یا اجماع کی دلیل کا ہونا ضروری یا اجماع کی اصل صحیح پر کوئی قیاس صحیح ہو۔ لیکن ہم نے ان میں سے کوئی بات نہیں پائی۔ پس تادیل کرنے والے لوگ مسلمان ہی ہوں گے۔ ہاں اگر کسی زمانہ میں کسی ایسے مجتہد کا وجود پایا جائے۔ جس میں ائمہ اربعہ کی طرح شروط اجتہاد کا مل طور پر پائے جائیں۔ اور وہ کہے کہ اس کے پاس یقینی دلیل ہے۔ اور تادیل میں غلطی کرنا موجب کفر ہے۔ تو ہم انہیں کا ذکر کریں گے لیکن ایسے شخص کا پایا جانا بہت ہی بعید ہے۔
 اور لکھتے ہیں۔

کہ ہمارے شیخ امام الدین مصری امام جامع الغری نے بیان کیا کہ ایک شخص نے توحید کے بارے میں کچھ ایسی کلام کی جو بظاہر شریعت کے مخالف تھی۔ تو شاہ مصرکی حضوری میں علماء کی مجلس منعقد ہوئی اور انہوں نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا۔ اور شیخ جلال الدین الملکی اس وقت غیر حاضر تھے۔ جب حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ کس نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ تو شیخ الاسلام صالح البلقینی اور ایک جماعت نے کہا۔ کہ ہم نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اس دلیل سے۔ تو شیخ صالح نے جواب دیا۔ کہ میرے والد شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی نے ایسے ہی واقعہ میں کفر کا فتویٰ دیا

تھا۔ تو شیخ جلال الدین نے کہا۔ تم اپنے باپ کے فتویٰ کی وجہ سے ایک موصد مسلمان شخص کو قتل کرتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد ہمارا نبی اللہ کا رسول ہے۔ پھر اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے قلعہ سے نیچے لے آئے اور کسی کو ان کا پھینچا کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

اور لکھتے ہیں۔

کہ مخزومی نے کہا۔ کہ شیخ الاسلام شہاب الدین زہریؒ نے ایک شخص کے قتل کا فتویٰ دیا۔ جس نے باوجود منع کرنے کے حضرت عائشہؓ ام المؤمنین کو گالیاں دی تھیں۔ پس جب وہ اس شخص کو قتل کرنے کے لیے کھینچ کر لے چلے تو اس نے بلند آواز سے کہا۔ کہ اے زہری بتا۔ تیری جنت اللہ تعالیٰ کے پاس کیا ہوگی۔ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے۔ کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد میرا نبی خدا کا رسول ہے۔ تو زہری اس کے بعد ہمیشہ اس کے قول کو یاد کر کے زار و زار رویا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں اس آدمی کے قتل سے عاقبت ہوں۔ کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہ کرے۔

دیکھو یہ خوف اس شخص کے متعلق ہے۔ جس نے کہ اس کو گالیاں دیں۔ اور برا بھلا کہا تھا۔ جس کی برأت قرآن میں مصرح ہے۔

اور لکھا ہے۔

کہ امام شافعی سے منقول ہے۔ کہ میں جو ظاہر کے مخالف تاویل کرنے والے ہیں۔ ان کو کسی ذنب کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتا۔

مخزومی کہتے ہیں۔ کہ امام شافعی کی مراد اہل اجماع سے محض تاویل کرنے والے ہیں۔ جیسے معتزلہ اور مرجعہ اور اہل قبلہ سے اہل توحید مراد ہیں۔

اسی حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ کسی آیت کی تاویل یا کسی عقیدہ کی تاویل میں غلطی کرنے سے کوئی انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ اور اسی طرح ابن حزم نے ایک گروہ کا ان لوگوں کے متعلق جو ان سے اعتقادی مسائل میں اختلاف کریں۔ یہ مذہب نقل کیا ہے۔

”ان كان الخلاف في صفات الله عز وجل فهو كافران كان فيما دون ذلك فهو فاسق وذہبت طائفة الى انه لا يكفر ولا يفسق مسلمٌ يقول قاله في اعتقاد۔ اذفتيا وان كل من اجتهد في شئ من ذلك فان بما راي انه الحق فانه ما جود على كل حال ان اصاب الحق فاجدان فان اخطأ فاجرٌ واحد وهذا قول ابن ابي سيني وابي حنيفة و الشافعي و سفيان الثوري و داؤد بن علي رضي الله عنه

من جمعهم و هو کل من عرفنا له قولاً فی هذه المسألة من الصحابة رضی اللہ عنہم لانعلم منهم فی ذلك خلافاً اصلاً۔

(کتاب الفصل فی السنن والاعمال جلد ۲۲)

لیکن اگر مخالفت اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر اس کے سوا دوسرے معتقدات میں اختلاف ہے۔ تو وہ فاسق ہے۔ اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے۔ کہ کسی مسلم کی تکبیر اور تفسیق اس کے کسی قول کی وجہ سے جو اس نے اعتقاد کے بارے میں یا فتویٰ میں کہا ہو۔ نہیں ہوگی۔ اور ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے۔ اور جو اسے حق معلوم جو اسے اختیار کرے۔ تو وہ بہر حال مباح ہے اگر اس نے حق کو پایا۔ تو اسے دو اجر ملیں گے۔ اور اگر غلطی کی تو ایک اجر اور یہ قول ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہ اور شافعی اور سنن توری اور داؤد بن علی اور تمام صحابہ کا ہے۔ جو مہمان کے ہیں۔ اور اس کے خلاف کوئی قول نہیں ملا۔

اور جو اختلاف خاتم النبیین کے معنوں میں فریق مدعیہ اور فریق مدعا علیہ کے مابین ہے ان حوالوں کی روشنی میں کون انسان ہے۔ جو یہ کہے کہ اس کی وجہ سے گو اہل ان مدعیہ کو فریق مدعا علیہ کی تکبیر کا حق حاصل ہے۔ اور مختار مدعیہ کا یہ قول کہ اہل اہوا و وہ ہیں۔ جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔ یہاں بھی ضروریات دین میں سے کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ معتزلہ اور مشبہہ اور جہمیہ وغیرہ نے جو اللہ تعالیٰ کی صفات وغیرہ اور قرآن مجید کے متعلق آپس میں اختلاف کیا ہے۔ کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا۔ کہ اگر خاتم کے معنی آخری معنی جس کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہ آرسے۔ ضروریات دین میں سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تائید یا عدم تائید کرنا کیوں ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

اور علاوہ ازیں جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ احمدی جماعت خاتم النبیین کے معنی کرنے میں تاویل نہیں کرتی بلکہ اس کے صحیح معنی لیتی ہے۔ جو عربی زبان اور محاورات کی رو سے بالکل درست ہے لیکن فریق منافق ہے جو اس کے تاویل معنی کرتا ہے کیونکہ زبان عرب اور محاورات عرب کے لحاظ سے خاتم کے معنی آخر کے حقیقی معنی سے نہیں بلکہ لازم معنی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نزویات خاتم النبیین کے معنی

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خاتم النبیین کے ہی معنی کئے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور اس کے لیے ایام ائصال ص ۵۱۷ اور ص ۱۲۶ آئینہ کالات اسلام ص ۳۸۷ اور راز حقیقت ص ۱ اور ازالہ ادہام ص ۲۳۸ اور ص ۱۶۲ وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے سے انکار کیا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو جہاں جہاں حضرت اقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ آپ کے بعد

کوئی نبی نہیں آسکتا۔ تو وہاں سے وہ نبی مراد ہے۔ جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو۔ اور اس کی نبوت آنحضرت
صلم کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ نہ ہو چنانچہ۔

ایام الصلح ص ۱۶ میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ

اسلام میں اس نبوت کا دروازہ تو بند ہے۔ جو اپنا سکہ جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکن رسول اللہ
و خاتم النبیین اور حدیث میں ہے لانی بعدی اور لیکن باہتمہ حضرت مسیح کی وفات خصوصاً قطعہ سے ثابت ہو چکی ہے
لہذا دنیا میں ان کے دوبارہ آنے کی طمع خام اور اگر کوئی اور نبی آیا یا پورا آنا اوسے۔ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہ
خاتم الانبیاء ہیں۔ ہاں وحی ولایت اور کمالات الہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اسوا اس کے حدیث مسیح سے ثابت
ہے۔ کہ محدث بھی عمیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسوں میں داخل ہے۔ بخاری میں دما ادسلنا من رسول ولا نبی
ولا محمد مثا کی تواتر سے پڑھو۔ دوسری حدیث میں ہے۔ علماء امتی کا نبیا و نبی اسرائیل۔

یہ بھی یاد رہے۔ کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آتا ہے۔ یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے اس
وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے حق میں ہیں۔ دیکھو ص ۴۸۸ ہوالفی ازل
رسولہ بالہدی اس جگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے۔ اور پھر دیکھو ص ۵۰ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے۔ جوی اللہ
فی حلال الانبیاء جس کا ترجمہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں۔ اس الہام میں یہ نام رسول بھی رکھا گیا۔
اور نبی بھی جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں۔ اس کو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوقی ہے۔ ص ۵۰ تا ۵۱
اور ایام الصلح ص ۱۶ میں یہ لکھا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ کی موت کو ہی چاہتا ہے کیونکہ اگر آپ
کے بعد کوئی دوسرا نبی آجائے، تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے۔ اور نہ وہی نبوت کا سلسلہ منقطع منظور ہو سکتا ہے
اور نہ چرانے نبی کی تفریق کرنا یہ شہادت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں تفریق موجود ہے۔ اور حدیث لانی بعدی
میں بھی نفی عام ہے۔

اب یہ عبادت صاف بتلا رہی ہیں۔ کہ آنحضرت صلم کے بعد آپ جس قسم کے نبی کی آمد کو وہ پرانا ہو یا نیا بند
تجویر فرماتے ہیں۔ وہ مستقل نبی ہے جس نے براہ راست نبوت کو پایا ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ کی مثال سے ظاہر
ہے۔ ورنہ آپ ساتھ ہی صاف طور پر یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ میرا نام خدا نے رسول اور نبی رکھا ہے۔
اور ازالہ ادہام ص ۲۳۸ میں لکھا ہے۔

” نیز خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے ہاں ایسا نبی جو شکوہ نبوت
محمدی سے نور حاصل کرتا ہے۔ اور نبوت نامہ نہیں رکھتا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔

وہ اس تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بیاہٹ اتباع اور فنا فی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے۔ جیسے جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس پر جبرئیل کا نازل ہونا بھی ایک لازمی امر کا سمجھا گیا ہے۔ کسی طرح امتی نہیں ہی سکتا۔

پھر ص ۲۴۲ میں لکھا ہے۔

محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں، بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پایا ہے۔“

غرضیکہ جس میں جگہ آپ نے خاتم النبیین اور لانی بعدی سے یہ مراد لیا ہے، کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبیا یا پرانا نہیں آسکتا۔ تو اس سے مراد وہی نبوت ہے جو مستقل نبوت ہے جیسے حضرت عیسیٰ کی تھی۔ نہ کہ دوسری نبوت جو آنحضرت صلعم کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کثرت مکالمات و مخاطبات اور امور نیبہ پر کثرت سے اطلاع پانے کا نام ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور قاعدہ کلیہ کے فرماتے ہیں۔

جس میں جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سواب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۱)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ قول فیصلہ کن ہے۔ کہ آپ نے جہاں کہیں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا یا یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بالکل سدو ہے اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ آنحضرت کے بعد کوئی ایسا نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ یا آپ کے واسطے کے بغیر نبوت حاصل کرے لیکن اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ اپنے لیے باوجودیکہ آپ کو الہامات میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا گیا تھا۔ لیکن آپ اپنے متعلق محدث کا لفظ استعمال فرماتے رہے۔ ان معنی سے کہ آپ نے یہ مقام آنحضرت صلعم کی اتباع سے حاصل کیا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ ابداء آپ نبی کی یہ تعریف خیال فرماتے تھے۔ کہ نبی وہ ہے جو شریعت لائے یا شریعت سابقہ کے بعض احکام منسوخ کرے۔ یا بلا واسطہ نبی ہو۔

چنانچہ حقیقۃ النبوة ص ۱۲۵ میں بحوالہ الحکم جلد ۲ ص ۲۹۹۔ لکھا ہے

مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسولوں کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ وہ کامل شریعت لائے ہیں۔ یا بعض

احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سالیق کی امت نہیں کہلاتے۔ اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہر شریعت پر ہونا چاہیے۔ کہ اس جگہ بھی یہی معنی مدعہ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کے نہیں ہے۔ اور ہمارا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے بانی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔

لیکن چونکہ لغت میں جو شرائط نبوت پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنے اندر موجود پاتے تھے۔ یعنی (۱) کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ (۲) انذار و تبشیر سے اور غیب پر اظہار (۳) خدا تعالیٰ کا نبی نام رکھنا اس لیے آپ اپنے آپ کو نبوی نبی کہتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کی مذکورہ بالا تعریف کے خلاف سمجھ کر (کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا ہی عقیدہ تھا اور انہیں لو انکشاف نام تک عام عقیدہ پر قائم رہتے ہیں) آپ باوجود سب شرائط نبوت کے پائے جانے کا اقرار کرنے کے لیے نبی کی بجائے محدث کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ لیکن بار بار کے الہامات نے آخر آپ کی توجہ کو نبی کے حقیقی مفہوم کی طرف پھیرا اور آپ کے دل پر پورے طور پر امر واقعہ کا انکشاف ہوا۔ اور قرآن کریم بھی آپ نے عام لوگوں کے عقیدہ کے خلاف پایا۔ تو آپ نے اس پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت وہ تحریرات ہیں۔ جو آپ نے نبی کی تعریف میں ۱۹۰۵ء کے بعد لکھی ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

(۱) خدا کی یہ اصطلاح ہے۔ جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اس لئے نبوت لکھا ہے۔ یعنی ایسے

مکالمات جن میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہیں ۵ (چشمہ معرفت ص ۲۵، ۱۹۰۸ء)

(۲) جب کہ وہ مکالمہ و مخاطبہ اپنی کیفیت و کیفیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی

کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور۔ کھلے طور پر امور غیب پر مشتمل ہو۔ تو وہی دوسرے نظموں میں نبوت کے نام

سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر عام نبیوں کا اتفاق ہے۔ (الوصیت صفحہ ۱۴، ۱۹۰۵ء)

(۳) ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بنی نوع انسان

کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں نبی اور رسول اور محدث

کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے

ہیں۔ اور اکثر دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔ (لیکچر سیکولٹ ص ۱۵-۱۸، ۱۹۰۴ء طبع دوم)

(۴) جس کے ہاتھ پر اخبار غیبہ منجانب اللہ ظاہر ہوں گے۔ بالضرورة اس پر مطابق آیت فلا یظہر علی غیبہ

کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا ۶ (رایک غلطی کا ازالہ ص ۱۹۰۱ء)

(۵) عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں۔ کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت

کے یہ معنی متعقبات نہیں ہو سکتے ۷ (مکتوب مندرجہ اخبار عام ص ۱۹۰۸ء)

پس پہلی تعریف کے مطابق تو آپ اپنے نبی ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یا پرانا انکار کرتے رہے اور دوسری تعریف کے ماتحت اپنے آپ کو نبی کہتے رہے۔ اور اس مفہوم نبوت کا اپنے میں متحقق ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور اس قسم کی نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ میں فنا ہو کر حاصل ہو۔ کبھی ختم نبوت اور لائچی بعدی کے مخالفت نہیں قرار دیا۔ چنانچہ اب میں آپ کی دوسری تحریریں پیش کرتا ہوں جس سے خاتم النبیین اور لائچی بعدی کے معنی آپ تے کئے ہیں۔

(۱) ایک طرف تو آپ حسب آیت ما کان محمد با احد من رجا کم اولاد فی زینہ سے جو ایک جماعتی یادگار تھی محروم رہے۔ اور دوسری طرف روحانی اولاد بھی آپ کو نصیب نہ ہوئی۔ جو آپ کے روحانی کمالات کی وارث ہوتی ہے اور خدا تبارک و تعالیٰ کا یہ قول وکن رسول اللہ و خاتم النبیین بے معنی الیٰ ذلک ظاہر ہے۔ کہ زبان عرب میں لکن کا لفظ استدرک کے لیے آتا ہے۔ یعنی جو اس حاصل نہیں ہو سکا اس کے حصول کی دوسرے ہیرا میں خبر دیتا ہے۔ جس کی رو سے اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرت کی جماعتی نمینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ مگر روحانی طور پر آپ کی اولاد بہت ہوگی اور آپ نبیوں کے لیے ہر مہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی اتباع کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ غرض اس آیت کے یہ معنی تھے۔ جن کو الٹا کر نبوت کے آئندہ فیض سے انکار کر دیا گیا۔ حالانکہ اس انکار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سراسر مذمت اور منقصت ہے۔ کیونکہ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو ظل طور پر نبوت کے کمالات سے متفق کر دے اور روحانی امور میں اس کی پوری پرورش کر دکھلا دے۔

(چشمہ مبہمی ص ۴۵-۴۶)

(۲) پھر فرماتے ہیں و تقی بختم النبوة ختم کما لانہا علی تبییننا الذی ہو افضل مرسل اللہ و انبیاء و نعتقد بانہ لا نبی بعدہ الا الذی ہو من امتہ و من اکمل اتباعہ الذی وجد الفیض کلہ و من روحانیتہ و اخصاً بضمیاء ہذاک لا غیر و لا مقام الغیرۃ و لیست نبوة اخری و لا محل للغیرۃ

(مواہب الرحمن ص ۶۷)

" اور ختم نبوت سے ہماری مراد یہ ہے۔ کہ تمام کمالات نبوت ہمارے نبی پر جو خدا کے انبیاء اور تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ ختم ہو گئے ہیں۔ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر وہ جو آپ کی امت سے ہو اور آپ کے کامل متبعین سے ہو۔ اور تمام فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہو۔ اور آپ کے نور سے منور ہوا ہو۔ پس وہاں غیرت نہیں ہے۔ اور نہ ہی جائے غیرت۔ اور کوئی دوسری نبوت نہیں ہے۔ اس لیے اسی نبوت محل حیرانگی نہیں۔

۱۲) پھر فرماتے ہیں :-

وانی علی مقام الختم من الولايت كما كان سيدى المصطفى على مقام الختم من النبوة ولا خاتم الانبياء ولا خاتم الاولياء لاجل بعدى الا الذى هو منى دعلى عهدى -
(خطبہ الہامیہ ص ۳۵)

کہ جیسے میرے سردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت کے مقام پر تھے۔ میں ختم ولایت کے مقام پر ہوں آپ خاتم الانبیاء تھے۔ اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ ان معنوں میں کہ میرے بعد کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو مجھ سے ہو۔ اور میرے طریقہ پر ہو۔ اس لحاظ سے خاتم النبیین کے یہ معنی ہوتے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر جو آپ میں سے ہو اور آپ کی شریعت کا متبع ہو۔

(۴) عقیدہ کی رد سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جس پر ہر ذی طور سے محبت کی چادر بہنا لگنی کیونکہ خادم اپنے محذوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر محذوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے۔ وہ ختم نبوت کا خلیل انداز نہیں۔
(کشتی نوح ص ۱۵)

(۵) پھر فرما مدعی نے کہا ہے۔ کہ اپنے آپ کو خاتم الاولاد لکھا ہے۔ باوجودیکہ یہ اردو زبان میں استعمال کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ آیا یہ خاتم بقیع نام ہے یا بکسر تا ہے تاہم اس کی تشریح بیان گواہ مدعی علیہ میں کی جا چکی ہے۔ آپ نے اپنے لیے خاتم المصلحین بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔
(اربعین ص ۱۶۰ ایڈیشن دوم)

غرض آنے والے مصلح کے لیے جو خاتم المصلحین ہے۔ وہ مہر عطا کے گئے ہیں۔ اب اس سے آپ کا یہ قطعاً منشا نہیں ہے کہ آپ کے بعد کوئی مصلح تمہیں آئے گا۔ بلکہ آپ نے آئندہ مصلح موعود کے آنے کی پیشگوئی کی ہوتی ہے۔

پھر اس طرح آپ فرماتے ہیں :-

” اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام خاتم المخلوقات میں ہے۔“
(تحفہ گوڑویہ ص ۱۶۰ ایڈیشن دوم)

کیا آدم علیہ السلام کے خاتم المخلوقات ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی مخلوق نہیں اور سلسلہ خلق بند ہو گیا ہے۔ مگر نہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ آدم علیہ السلام اکمل اور اشرف المخلوقات

امکالات نبوة برذات سردار نبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ختم گشت است بیچ اسرائیل نبی دریں امت نخواهد رسید آنکہ مبعوث شدنی بود مبعوث گردند۔

(تذکرہ اشہاد میں فارسی حاشیہ ص ۱۹۳ جولائی ۱۹۳۳ء)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خاتم النبیین اور لابی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلم کے بعد کوئی نبی مستقل یا صاحب نضریت جدیدہ پرانا ہو یا نیا اس امت میں نہیں آسکتا۔ ہاں ایسا نبی خوفناک الرسول ہو کر نبوت کے تقاضا کو حاصل کرے تو ایسی نبوت ختم نبوت اور حدیث لابی بعدی کے مخالف نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کو اپنی تائید میں پیش کرنا بے سوہنے آگاس بارہ میں زیادہ تحقیق و کار ہو تو ملاحظہ ہو۔

(تحقیق النبوة ص ۸۲ تا ۱۲۴)

(۱۰)

انقطاع نبوة پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب

دوسری آیت جو گواہان مدعیہ نے اپنے زعم میں انقطاع نبوت پر پیش کی ہے۔ وہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم وانتم علیکم نعمتی کر جب دین کامل ہو چکا۔ اور نعمت پوری ہو چکی۔ تو اب کسی نبی کی کیا ضرورت جواب۔

اس آیت میں انقطاع نبوت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اکمال دین اور اتمام نعمت کا ذکر ہے۔

(۱) اکمال دین اور انقطاع نبوت آپس میں لازم نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کے لیے نیا دین لانا ضروری نہیں ہے بلکہ

پہلے دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے بھی نبی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آیت ان انزلنا التوراة فیہا ہدیٰ و نور یحکم بہا الذین عدنا لکم سے ظاہر ہے۔

(۲) پس اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو صرف اتنا کہ ایسا نبی کوئی نہیں آسکتا جو شریعت جدیدہ لائے یا شریعت اسلامیہ کے احکام میں تغیر و تبدل کرے۔

(۳) گواہان اور مختار مدعیہ خود حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کی حیثیت میں نزول کے قائل ہیں۔ تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں کوئی نقص ہے۔ پس جس فرض کے لیے وہ حضرت عیسیٰ کا انتظار کر رہے ہیں اسی فرض کے لیے ہم حضرت مسیح موعود کی آمد کو مانتے ہیں۔

(۴) اگر دین کامل ہونا کسی نبی کے وجود کا مانع ہے۔ تو پھر یہی دین اپنی ترویج اشاعت کے لیے کیوں ایک اسرائیلی نبی کا محتاج ہے۔

(۶) اصل بات یہ ہے کہ اکمال دین اور تمام نعمت ہی اس امر کی تقاضی ہے کہ اسی دین کی پیروی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات روحانیہ کو حاصل کرے۔ اور روحانیت کا اعلیٰ درجہ کا ارتقائی مقام جو نبوت کے کام سے موسوم ہے۔ وہ اس مقام پر اس کل دین کی متابعت اور کامل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے فائز ہو۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ علیٰ

پہنچانچہ سید عبدالکریم بن ابراہیم جبلی اپنی کتاب الانسان الکامل جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الله تعز اليوم اكملت لكم دينكم واتممت تفضلي الي فانقطع نبوة التشريع بعد ذلك وكان محمد صلي الله عليه وسلم خاتم النبيين لانه حيا بالكمال ولم يبعث بعد بذلك اس عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکمال دین کی وجہ سے خاتم النبیین ہوئے ہیں۔ اور اگر یہی آیت اليوم اكملت لكم دينكم کسی اور نبی پر نازل ہوتی۔ تو وہی خاتم النبیین ہوتا۔

(۲) لیکن یہ آیت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ تو آپ خاتم النبیین ہوئے کیونکہ آپ نے کوئی حکمت اور کوئی ہدایت اور کوئی علم اور کوئی سراپا نہیں چھوڑا جس کی ضرورت ہو۔ اور آپ نے وہ نہ بتایا ہو۔

(۳) آئندہ جو کالمیں آئیں گے وہ آپ ہی کا اتباع کریں گے۔ اور شریعت کو وہ کامل ہی پائیں گے۔

(۴) چونکہ دین کا آپ پر کامل ہونا آپ کے خاتم النبیین ہونے کو مستلزم ہے۔ اس لیے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ختم نبوت کا تعلق دین اور شریعت سے ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی

(۵) آخر میں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ آنحضرت مسلم نے سب اموں تک دین میں احتیاج ضروری تھی۔ بیان کر دی ہے۔ اس لیے آپ کے بعد تشریحی نبوت کا حکم منقطع ہو گیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کامل دین لے کر گئے اور کوئی نہیں لایا۔

پس اس آیت سے بھی آئندہ باب نبوت کا مسدود ہونا ثابت نہیں ہونا۔ بلکہ دین کا کامل ہونا چاہتا ہے۔ کہ اب مقام نبوت جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس سے اس دین کے متبعین محروم نہ ہوں۔ بلکہ عند الضرورت اللہ تعالیٰ انہیں اس نعمت سے متمتع فرمادے۔

بقیہ آیات ۱۔

اسی طرح آیت وما ارسلناك الا كاتم للناس اور آیت قل يا ايها الناس اني رسول الله ابيكم جميعا اور یکی قدم ہا پیش کر کے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ چونکہ آپ کی رسالت و بعثت تمام لوگوں کے لیے ہے اس لیے آپ

کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

سوال کا جواب یہ ہے :-

(۱) ان آیات میں آئندہ نبی آنے یا نہ آنے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھے دوسرے انبیاء پر ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ وہ ایک قوم کے لیے آئے تھے اور میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پس اس میں دعوت کی عمومیت کا ذکر ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔ لیکن آپ کے دین کی ترویج کے لیے ان کے بعد بہت سے نبی آئے۔ اور وہ حضرت موسیٰ کے دین پر لگن کو عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے اس طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی جو آپ کا تبع اور آپ کی شریعت کو فروغ دینے کے لیے آئے تو اس میں آپ کی دعوت کی عمومیت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اور چونکہ وہ آپ کا شاگرد ہوگا۔ اور اس نے تمام فیوض آپ کی متابعت کی برکت سے پائے ہوں گے اس لیے اس سے بھی آپ کی دیگر انبیاء پر فضیلت ثابت ہوگی اور آیت

انا ارسلنا الیکھ رسولاً شہدا علیکھ کما ارسلنا الی فرعون رسولاً۔

کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مثیل موسیٰ ہوئے۔ تو ضروری ہوا کہ جیسے سلسلہ موسیٰ میں شریعت موسیٰ کی ترویج و اشاعت کے لیے نبی آئے یہاں بھی کم از کم مشابہت کو پورا کرنے کے لیے ایک نبی آئے۔ لیکن چونکہ آپ تمام انبیاء میں

ہیں۔ اس لیے وہ نبی آپ کی کمال متابعت کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم بھی ظاہر ہو کہ آپ حضرت موسیٰ سے بہت

بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور آپ کی شاگردی اور اتباع سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ

مدارج و مشابہت کو حاصل کر سکتا ہے۔

اور گواہ مدعیہ مدائف نے جو آیت سر اجامیز پیش کی ہے۔ کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس سے روشنی حاصل

کے کوئی روشنی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قائم النبیین کے یہ معنی نہیں کہ آپ کے فیض سے بھی کوئی نبوت کو نہیں پاسکتا اور

اس وجہ سے آپ کو صرف سورج ہی نہیں۔ بلکہ غیر سورج قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دوسروں کو بھی وہ روشنی کرنے والا ہے

پس جیسے چاند سورج سے روشنی حاصل کر کے معور ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو نور پونچاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی شخص منور اور دوسروں کو روشن کر سکتا ہے۔ جس کا نور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد ہو۔

اس طرح گواہ مدعیہ مدائف نے جو آیت قل تلقین اجتماع الانفس والجن اور آیت وباللحق انزلناہ

اور آیت اطیعوا اللہ والرسول وغیرہ کسی آیت سے بھی ایسی نبوت کا جس کے ہم قائل ہیں۔

انقطاع ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں نزوت کے بقا و بقاء انقطاع کا ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔

اور آیت میناق النبیین سے تو نبوت کا بقا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے دیگر انبیاء سے میناق لیا گیا ویسے

ہی آنحضرت صلعم سے بھی لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ حجر کی آیت سے ظاہر ہے۔ اور آیت انا نحن نزلنا الذکوہ انا الحافظون سے بھی ہی نکاتا ہے۔ کہ ایسے وقت میں جب کہ علم قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا تو اس کی حفاظت معنوی کے لیے ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلعم کی اولاد رومانی سے ہو۔ اور قرآن مجید کی پیروی کی برکت سے اس نے مقام نبوت حاصل کیا ہو۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے جب کہ آنے والا نبی کوئی نیا حکم نہیں لائے گا تو اس کا آنا سوائے تخریب امت ہونے کے اور کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ جواب ہے کہ نبوت فی نفسہ کوئی عذاب نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ پس ایسا نبی جو آنحضرت صلعم کا پیروا اور آپ کی شریعت کی ترویج و اشاعت کے لیے آئے اس کا آنا یقیناً باعث تخریب امت نہیں۔ بلکہ اصلاح امت ہوگا۔

اور مختار ان اور گواہان مدعیہ کا اپنا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علیؑ جو اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہیں وہ آئیں گے۔ اور آنحضرت صلعم کے دین کی اشاعت کریں گے۔ پس اگر ایک مستقل نبی کے آنے سے آنحضرت صلعم کی رسالت اور دعوت کے عام اور تمام لوگوں کے لیے ہونے میں کوئی رخصہ واقع نہیں ہوتا۔ تو آنحضرت صلعم کی اولاد روحانی میں سے ایک فرد کو حضور کی پیروی کی برکت سے اگر مقام نبوت حاصل ہو جائے۔ تو اس میں کون سا گناہ لازم آجاتا ہے۔ بہر حال گواہان مدعیہ نے جو آیات اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کی تھیں۔ ان سے قطعاً ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

(۱۱)

پیش کردہ امارت کا صحیح مطلب

فخار مدعیہ اور گواہان نے جو امارت القطار نبوت کے ثبوت میں پیش کی تھیں۔ ان کے جو جواہرات گواہان مدعیہ نے دیئے تھے۔ مختار ان مدعیہ نے اپنے سکوت سے ان کو صحیح تسلیم کر لیا۔ اور ان کے رویوں کوئی بات پیش نہیں کی اس لیے میں مختراً ان جواہرات کو ہر ادنیٰ ہوں۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعیہ نے دوسرا امارت پیش نہیں کی۔ میں سے سترہ حدیثیں صحیح پیش کی گئیں مضامین متعلقہ ہے۔ کسی کے فضول دعویٰ سے کہ اتنی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا۔ اور جو حدیثیں انہوں نے پیش کی تھیں۔ وہ ان کے مفید مطلب نہیں ہیں۔ اور قطعاً ان سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اور کل حدیثیں انہوں سے تیرہ اپیش کی ہیں۔ اور یہی ان کے نزدیک سب سے قوی تھیں۔ لیکن ان سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اور پھر ان تیرہ میں سے بھی بعض امارت بالکل ضعیف ہیں۔

پہلی حدیث :-

کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

”الا ترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي“
 کہ اے علی کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہوتا کہ تو مجھے ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ کو ہارون تھے۔ مگر ہاں میرے
 بعد کوئی نبی نہیں۔

اب اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت صلیم کی وفات کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ سیاق حدیث کے بالکل خلاف
 ہے۔ یہاں اصل میں وجہ شہ حضرت علی اور حضرت ہارونؑ میں وہ عداوت کا تصور اسازمانہ ہے۔ جو دو لوگوں میں آیا۔ حضرت
 موسیٰ علیہ السلام اور پرتشریف لے گئے۔ تو ہارون کو یقینہ بنا گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 وقال موسى لا خبيد يا هارون اخلفني قومي (اعراف)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے کہا کہ اے ہارون میری قوم میں تو میرا جانشین رہ۔ اسی طرح پرآنحضرت
 صلیم نے حضرت علی کو غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا لیکن جب حضرت علی کو حضرت ہارون
 سے تشبیہ دی گئی۔ تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا۔ کہ حضرت ہارونؑ تو نبی تھے۔ غلام یہ بھی نبی ہوں۔ تو آپ نے
 اس کا ازالہ کر دیا۔ کہ میرے بعد نبی نہیں۔ چنانچہ بحار الانوار کی ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ

انت منى بمنزلة هارون من موسى الا النبوة - (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۵۲)

کہ تو مجھے ہارون کی طرح ہے۔ موسیٰؑ کے مقابلہ میں مگر نبوت میں نہیں۔ یعنی تو نبی نہیں ہے۔ اور صفحہ ۲ میں الا انه
 ليس معي نبى کے الفاظ ہیں۔ کہ میرے ساتھ کوئی نبی نہیں ہے اور ایک حدیث میں تو صاف لکھا ہے۔

اما ترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسى الا انك ليس بنبي انه لا ينبغي
 لي ان اذهب الا وانت خليفتي - (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲)

کہ تو مجھے ہارون کے بمنزلہ پر ہے۔ مگر یہ کہ تو نبی نہیں ہے۔ اور میرے لیے مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور
 آپ کو اپنا جانشین مقرر کر کے نہ جاؤں۔

اور بعد کے معنی غیر حاضری کے کثرت قرآن و حدیث میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) فاننا قد فتننا قومك من بعدك يا موسى (طہ) اے موسیٰ ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد یعنی
 تیری غیر حاضری میں فتنے میں ڈال دیا ہے۔

(۲) ولما رجع موسى الى قومه غضبان اسفا قال بلئما خلفتموني من بعدى - (اعراف ۱۰)
 جب حضرت موسیٰؑ ناراضگی سے افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئے۔ تو فرمایا۔ تم نے میری غیر موجودگی
 میں میری جانشینی کی ہے۔

(۳) اذ واعدنا موسى اربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعدى - (بقرہ ۷)

تو یہاں بھی بعدہ کے معنی بعد ذہا بہ الی السوس ہیں۔ یعنی طور پر جانے کے بعد یعنی ان کی غیر
ماضی میں تم نے بھڑے کو مسبو د بنا یا۔

پس بعد کے معنی غیر ماضی کے کثرت سے زبان عرب میں پائے جاتے ہیں۔ باقی اس لہر کی تاہد میں و الہات اور
مطلب کے لیے ملاحظہ ہوں۔ بیان (مطبوعہ ص) گواہ مدعا علیہ

او المراد انہ لم یبعث بعد عیسیٰ نبی بلا شریعة مستقلة و اعلم مستقلة فان یبعث بعدہ من
بعث بتقریر شریعة عیسیٰ رفعہ خالد بن سنان اخرجہا المحاکم من المستدرک من
حدیث ابن عباس و لہا طرق - (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۵۶)

(۱۴)

علماء نے لاجبی بعدی کے کیا معنی کئے

نواب صدیق حسن خاں صاحب اقترب الساعة مطبوعہ آگرہ ص ۱۶۲ میں لکھتے ہیں
ما حدیث لادی بعد موتی بے اصل ہے۔ ہاں لاجبی بعدی آیا ہے۔ مگر اس کے معنی بھی نزدیک ال علم کے یہ ہیں کہ میرے
بعد کوئی نئی شریعت ناسخ نہیں لائے گا۔
(۲) اسی طرح ملا علی قاری بھی فرماتے ہیں۔

اما حدیث لادھی بعدی باطل لا اصل له نعم ورد لاجبی بعدی ومعنا ہ
عند العلماء انہ لا یحدث بعدہ نئی بشریۃ منسوخ شرعہ (کتاب الاشارة لاشتراط الساعة السید
شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ص ۲۱۶)
اس کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر ملے میں دکھ ہے۔ کہ حدیث "میری نبوت کے بعد وہی نہیں باطل ہے اور بے اصل
مقص ہے۔ ہاں لاجبی بعدی آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا
جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔ یقینہ ملاحظہ ہوں بیان گواہ مدعا علیہ
دوسری حدیث :-

جو کہ ان مدعو نے پیش کی تھی۔ دکانت بنو اسرائیل تسوسہم الا نبیاء کی ہے۔ سوال کا جواب
ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ مدعا علیہ اور میزان حدیث میں یہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ نبی اسرائیل میں دو قسم کے نبی ہوئے
تھے۔ ایک وہ جو سیاسی تھے جیسے بوش۔ سلیمان۔ داؤد علیہم السلام وغیرہ اور دوسرے غیر سیاسی یعنی جنہوں نے زہد
اور تصوف میں اپنی زندگی گزار دی۔ وہ بادشاہ نہ تھے۔ جیسے حضرت زکریا۔ یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ

اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے جس سیاست کو شروع کیا تھا۔ اسے ناقص چھوڑ کر ذہانت پاگئے۔ اور اپنے اتباع کے لیے سیاسی تزئینات کے دروازے کھول گئے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد سیاست کے لیے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خلفاء ہوں گے جو اس کام کو سر انجام دیں گے۔ اور وہ ایک دو تین بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ تو اس حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی قوم کا نبی ہامت محمدیہ کے لیے جب کہ وہ حسب پیشگوئی آنحضرت صلعم یہود کے قدم بقدم چلیں۔ کوئی مسیحی نفس امتی نہیں آئے گا۔

تیسری حدیث :-

نختم نبی النبوة پیش کی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پر بھی اگر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ یہاں آنحضرت صلعم نے اپنا مقابلہ پہلے انبیاء سے کیا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی روایتوں میں لفظ من قبلی سے ظاہر ہے۔ کہ ان انبیاء کو جو مجھ سے پہلے تھے۔ چھ باتوں پر فضیلت دے گئی۔ جن میں ایک یہ ہے۔ کہ میں خاتم النبیین ہوں۔

نختم نبی النبیین میں اگر نختم کے معنے بھی لیے جائیں۔ تو النبیین میں الف لام تخصیص یا عہد کے لیے ہوگا۔ یعنی وہ نبی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جو بالاستقلال نبی تھے۔ پھر بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوگا۔ کہ آپ کے بعد حضور کے فیضان اور حضور کی پیروی کی برکت اور قوت قدسیہ اور افاضت روحانیہ کے طفیل آپ کی شریعت کی اشاعت کے لیے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے معنے تفہیمات الہیہ میں ہی کئے ہیں۔

کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسا کوئی نبی نہ ہوگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شاعر بنائے۔

چوتھی حدیث :- العاقب و العاقب الذی لیس بعدہ بنی۔

العاقب کی تفسیر سے مختار مدعی نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس کا مفصل جواب دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ مختار مدعی نے جو حوالہ حاشیہ بخاری سے پیش کیا ہے۔ کہ فتح الباری میں یہ لکھا ہے۔ کہ ترمذی میں بعد نبی کے الفاظ آئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اسی عبارت میں یہ لکھا ہے۔ فظاہر الا دراج کہ یہ لفظ بعد کے داخل شدہ ہیں۔

پس شارح لیس بعدہ نبی کے الفاظ کو دیگر بزرگوں کی طرح کسی کی طرف سے داخل شدہ قرار دیتا ہے۔ اور العاقب کے معنے بخاری جلد ۲ طبع مہدی ص ۳۳ حاشیہ ۱۷ میں یہ لکھا ہے الذی یخلف فی الخیر من کان قبلہ کہ جو نبی میں اپنے سے پہلے کا جانشین ہو۔

پانچویں حدیث :-

لہ یبق من النبوة الا المبشرات سے مختار مدعی نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت منقطع ہے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

پس مبشرات بھی نبوت کی ایک قسم ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نبوت میں سے صرف مبشرات کی نوع باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ حکیم محمد حسین صاحب رئیس امر وہہ اپنی کتاب "کوکب درّیہ میں لکھتے ہیں۔

"نبوت لغت میں بمعنی خبر دینے کے ہے۔ امور آئندہ اور اس کے اقسام میں سے مخصوصیت الہیہ جس میں کسب کو دخل نہ ہو۔ اور جو مخصوصیت الہیہ ہے۔ اس کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ایک خواب میں روح رب اعظم خود ارشاد کرے۔ دوسری مشاہدہ میں روح اعظم کے ارشاد ہے۔ تیسرے ملک خواب میں کہے جو مشاہدہ میں آجاؤ یا نچو بی کوئی نبی خواب میں فرادے۔ چٹھے کوئی نبی مشاہدہ میں فرادے۔ ساتویں۔ صلصلة الجرس خواب میں دریافت ہو۔ اٹھویں مشاہدہ میں بطور سلسلۃ الجرس دریافت ہو۔ یہ سخت ترین اقسام وحی سے ہے۔ اور اس میں سے کبھی شیطان بھی چرا لیتا ہے۔ نویں۔ روح القدس یعنی اسم رحمان ہے۔ کہ مقام فنا یا بقا میں دریافت ہو۔ الغرض اصطلاح میں نبوت مخصوصیت الہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریحی جو ختم ہوگی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن ہے۔ اس کو مبشرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں سے روایا بھی ہے۔ ۱۲۸-۱۲۹ (کوکب درّیہ)

پس اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے مبشرات کی جو ادنیٰ قسم تھی وہ بیان کی ہے۔ ورنہ ان تمام بزرگان دین اور ائمہ اسلام کو جنہوں نے روایا کے اوپر کثوت اور وحی الہی اور مکالمہ مدخا بلہ الہیہ کے دروازہ کھولا آنحضرت صلعم کے بعد مفتوح ۲۱ ہے۔ جھوٹا مانا پڑے گا۔

چشمی حدیث ۱۔

انا آخذ الانبیا و انتم آخذ الامم اور ان مسجدی آخولما جلسے متار مدعبہ اور گواہان نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا یہ حدیث ابن ماجہ سے روایت کی ہے۔ اور اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے۔ جن کے متعلق میزان الاعتدال جلد ۹ ص ۹۰ میں لکھا ہے۔ ضعف احمد دیبی و جماعة وقال الدارقطنی وغیرہ متروک الحدیث وقال ابن عدی احادیثہ کلھا مما فیہ نظر

کہ امام احمد اور امام بخاری (ابن عیین) اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہے اور امام دارقطنی اور دوسرے ائمہ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے۔ کہ اس کی تمام احادیث کو قبول کرنے میں توقف ہے صرف امام بخاری نے اسے مفارب الحدیث یعنی درمیان قرار دیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس کی حدیث لے لی جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن باقی ائمہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور اسے متروک الحدیث مانتے ہیں۔

اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمان بن محمد عمادی کے متعلق میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۸۱ میں لکھا ہے۔

قال ابن معین یروی المتکر عن الجمهورین۔ قال ابو حاتم صدوق یروی عن الجمهورین۔ احادیث منکرہ
فیفسد حدیثہ بذلک وقال ابن معین ایضاً ثقہ وقال دکیع ما کان احفظ۔ للطوال وقال عبد اللہ بن
احمد بن۔ حنبل عن ابیہ ان المہاری کان یرلس ولا تعلمہ سمع من معمر۔

ابن معین نے کہا ہے۔ کہ وہ منکر حدیثیں غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا۔ سچا تو ہے
لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے۔ جس سے اس کی تمام حدیث خراب ہو جاتی ہے۔ اور دکیع نے کہا ہے۔
کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا۔ اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے۔ کہ وہ مدلس ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ اس نے عمر
سے سنا ہو۔

باوجودیکہ اس کے راوی اتنے ثقہ نہیں کہ اس کی حدیث کو یقینی طور پر صحیح مان لیا جائے۔ مگر تاہم اس حدیث
کے معنی بالکل واضح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوا کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اسلام کی تخریب میں مساعی
ہوگا۔ اس کے بالمقابل آپ نے اپنی نسبت آخر الانبیاء فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی آخر الامم ذکر فرما کر واضح کر دیا۔ کہ آپ ایسے
آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی مستقل امت ناسنے والا نبی نہیں آسکتا۔

اور گواہ مدعیہ نے جو حدیث اول النبیین فی الخلق کنز العمال سے پیش کی ہے۔ تو وہ بھی ابان بلال سے مروی ہے
جو کہ مسلم کتب صحاح میں سے نہیں ہے۔ دوسرے اس میں النبیین سے مراد بھی آپ سے پہلے کے انبیاء ہیں۔ اور آپ
ان کی نسبت سے یقینی آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد ویسا کوئی نہیں آسکتا۔

اور گواہ مدعیہ علیہ الف نے دو حدیثیں کنز العمال سے ایسی پیش کی ہیں۔ جن میں حرف آپ کا خاتم النبیین ہونا
مذکور ہے۔ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ اور ہم بعد فقہ دل یقین رکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ یاد رہے۔ کہ گواہ نے کے عنوان کے ماتحت چار حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔
ساتویں حدیث :-

مثلی ومثل الانبیاء من قبلی۔

اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو صرف دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) جس قسم کے پہلے نبی آیا کرتے تھے۔ صاحب شریعت یا مستقل یعنی براہ راست نبوت حاصل کرنے والے اس قسم کا
اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور درحقیقت یہاں پہلے نبیوں کی نسبت سے جو آپ نے تشبیہ دی ہے۔ تو وہ شریعت
کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ حافظ بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

فکانہ شبہ الانبیاء وما بعثوبہ من ارشاد الناس ببیتہ است تو اعدہ و دفع بنیانہ

وبقی منہ موضعہ یم اصلاح ذلک البیت۔۔۔ فان شریعتہ کل نبی بالنسبۃ الیہ کاملۃ بہ
فالمراد هنا النظر الی الاكمل بالنسبۃ الی شریعتہ الملحد یتہ مع ما مضی من الشرائع الکاملۃ۔

(فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۷)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے۔ کہ اس حدیث سے جو تشبیہ بیان ہوئی ہے۔ تو وہ شریعت محمدیہ کے بہ نسبت پہلی شرح کاملہ کے اکل ہونے کے اظہار کے لیے ہے۔

(۲) دو ہزار اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پہلے نبیوں میں سے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔
آٹھویں حدیث :-

لو کان بعدی نبی لکان عمر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بند ہونے پر استدلال کیا ہے۔ تو اس سے مراد ہی نبوت ہے۔ جو مستقل اور براہ راست اور بغیر انبیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہو۔ باقی اس حدیث پر معنی اور تفصیل ملاحظہ ہو۔
بیان گواہ مدعا علیہ (۱)
نویں حدیث :-

سیکون فی امتی ثلاثون کذابون -

کہ میری امت میں تیس دجال ہوں گے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ (۱) ص ۲۵۹ تا ۲۶۰
اس میں ایک بات اور قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیس کا عدد معین فرمانا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کوئی سچا بھی آئے گا۔ اور تیس میں مدعیان نبوت کا ذبح تو مدت ہو گئی پہلے ہو چکے۔ جیسا کہ اکمال کے حوالہ سے ثابت ہے۔

ہاں ایک حدیث کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ جو طبری نے تہذیب الکامل میں ذکر کی ہے۔ اور وہ یہ ہے
سیکون بعد ثلاثون کلھم یدعی انہ نبی دلائمی بعد الامن شاء اللہ (اکمال الامال جلد ۱ ص ۳۶)
کہ میرے بعد تیس دجال ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر جسے خدا ناملے نبی بنا نا چاہے گا وہ نبی ہو گا۔ پس اس روایت میں یہ استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا نبی بھی آنا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں :-

بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس دجال آئیں گے اسے بڑھت قوم کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر ایک طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس طرح ایک کھیتی کودت کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہو گئی اور بیرونی حصے بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو جھوٹا یا کرتے تھے۔ وہ بات شاید نفوذ، بالذات خدا کو بھول گئی۔ کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال آیا۔ تم خاک میں مل گئے۔ مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی تم بدعات میں ڈوب گئے

مگر خدائے تمہاری دستگیری نہ کی، تم میں سے روحانیت جاتی رہی۔ صدق و صفا کی بونہ رہی۔ سچ کہو اب تم میں روحانیت کہاں ہے۔ خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے۔ صرف زبان کی چالاکی اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے خدا کی طرف سے ایک اشارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا۔ اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا۔ اس لیے خدائے تمہیں تاریکی میں ہی پھوڑ دیا۔ اب اس صورت میں تم اور غیر قوموں میں کیا فرق ہے۔ کیا ایک اندھا اندھوں میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ تمہاری حالت سے میری حالت بہتر ہے۔ ہائے۔ انسوؤں ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہیں کیا۔ رہے کسی تیرہ دن تک، آنکھیں نہیں جو سچائی کے لازمہ کو دیکھ نہ سکیں۔ میں ان کو نظر نہیں آسکتا کیونکہ تعصب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ ہے۔ اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو گند سے پاک کر دیں۔ دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو اٹھ کر نماز میں دعائیں کریں۔ اور رومیوں اور نعرے ماریں تو امید ہے۔ خدائے کریم ان پر ظاہر کر دے کہ میں کون ہوں۔ چاہئے کہ خدا کے استغناء ذاتی سے ڈھن

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۳۶-۱۳۷)

(۱۳)

اجماع کی بحث

فخار مدعیہ دگواہان نے اس امر پر زور دیا ہے کہ خانم النبیین کے معنوں پر کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ شرعی نہ غیر شرعی۔ تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ گزشتہ بحث سے بالکل واضح ہے کہ ان معنوں پر نہ صحابہ کا اجماع ہوا۔ نہ ان کے بعد کسی اور عصر میں اجماع ثابت ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ہم نے ائمہ اور علماء کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ خانم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ باقی ایسے مسائل جو اجتہاد یا ہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ کسی چیز پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور اگر تسلیم ہی کیا جائے تو صحابہ کے اجماع کے ایک قسم کے سوا باقی اجماعوں کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ چنانچہ ارشاد العنوں ص ۷ مطبوعہ مصری میں لکھا ہے :-

اجماع صحابہ کا بلا خلاف حجت ہے اور قاضی عبدالوہاب سے منقول ہے کہ بعض مبتدع لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ اور صرف صحابہ کے اجماع کے حجت ہونے کی خصوصیت کی طرف داؤد ظاہری گئے ہیں۔ ان حبان کی کلام سے بھی جو انہوں نے اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ یہی ظاہر ہے اور یہی بات ہے۔ امام احمد بن حنبل سے مشہور ہے کیونکہ ابوداؤد نے جو ان سے روایت کی ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ اجماع

یہ ہے کہ جو آنحضرت یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے۔ اس کی اتباع کی جائے۔ اور وہ تابعین سے جو ثابت ہو گا اس کے پاسے میں خیر میں چاہئے قبول کرے۔ یا نہ۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے۔ کہ جب صحابہ کسی بات پر اجماع کریں تو ہم اسے تسلیم کریں گے۔ اور اگر تابعین اجماع کریں۔ تو ہم ان کی مزاحمت کریں گے۔

اور ابن دہب نے کہا ہے۔ داؤد وادراں کے اصحاب کا مذہب یہی ہے کہ اجماع صرف صحابہ کا ہی اجماع ہے اور اس قول کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ وہ اجماع دو درجہ سے جائز نہیں ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آنحضرت نے خبر دی ہے۔ کہ ایک گروہ میری امت سے ایسا ہوگا۔ جو حق پر رہے گا۔ اور دوسری یہ کہ ملکوں کی وسعت اور کثرت امت کی وجہ سے ان کے تمام اقوال کا ضبط کرنا ناممکن ہے۔ اور جو شخص اس اجماع کا دعویٰ کرے ایسے شخص کا کذب ظاہر ہے۔

پس جب کہ صحابہ کے بعد اجماع کا وجود ہی ناممکن ہو۔ تو یہ کہنا کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے بالکل کذب اور بہتان ہے۔ اور باقی رہا صحابہ کا اجماع تو اس کے متعلق ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کبھی اور کسی وقت خاتم النبیین کے معنی پر نہیں ہوا۔ باقی ملاحظہ ہو۔

(بیان مطبوعہ ص ۶۰ تا ۶۲)

اور بعض اقوال جن میں یہ لکھا ہے۔ لایختلف فیہ اثنان۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس میں دو شخص بھی اختلاف نہیں کرتے تو صرف کسی عالم کے ہی یہ کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ جیسے کہ ارشاد العزول کے حوالے سے ظاہر ہے ثابت ہے۔ جس میں امام مالک نے ایک مسئلہ کے متعلق کہا۔ کہ اس میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف موجود تھا۔ اس طرح امام شافعی نے کہا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ حالانکہ اس میں خلاف مشہور ہے۔ پس کسی کے ایسا کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔

گو امام مدعا علیہ نے جو حوالہ اجماع کے متعلق اپنی تائید میں نور الانوار سے پیش کیا تھا۔ اس کے متعلق مخزن مدعیہ نے اکتوبر کی بحث میں یہ لکھا ہے کہ اجماع الصحابة نصاباً جو مفہوم لیا گیا ہے۔ کہ ہر ایک تفریح کرے یہ صحیح نہیں بلکہ یہ اجماع سکوتی ہی کے مقابل میں ہے۔ مخزن مدعیہ کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ نہ تو اس نے نور الانوار کی عبارت کو غور سے دیکھا۔ اور نہ اس کے سمجھنے کی کوشش کی نور الانوار کی عبارت یہ ہے۔

”فلا قوی اجماع الصحابة نصاباً مثل ان يقولوا جميعاً اجمنا۔ علی کذا فانہ مثل الایة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحداً ومنه الاجماع علی خلافة ابی بکر ثم الذی نص البعض وسکت الباقون من الصحابة وهو المسمی بالاجماع السکوتی ولا یکفر جاحداً“

(نور الانوار ص ۱۸۹)

کہ سب سے قوی اجماع صحابہ کا ہے۔ جو نصاباً ہو۔ یعنی سب کے سب بالاتفاق یہ کہیں کہ ہم نے اس پر اجماع

کیا ہے۔ تو وہ آیت اور خبر منوات کی طرح ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہوگا۔ اور حضرت ابو بکر کی خلافت پر جو اجماع بڑا وہ اس قسم کا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اجماع ہے۔ کہ جس میں بعض صحابہ نے نواظہار سے کیا۔ اور باقی صحابہ خاموش رہے۔ اور ان کی مخالفت نہ کی۔ تو یہ اجماع سکوتی کہلاتی ہے۔ اور اس کا منکر کافر نہیں ہو سکتا۔

اس بات سے عساف ظاہر ہے کہ نساء سے مراد وہی ہے جو گو اہان مدعیہ کی ہے۔ کہ وہ اپنی زبان سے کہیں نہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اجماع سے مراد امت کا اجماع ہے۔ یہ شرط نہیں کہ صحابہ اہلبیت کا اجماع ہو۔ سو اس کے متعلق ادھر کان ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ کہہ دینا نامناسب نہیں ہے۔ کہ یہاں ماہ النزاع وہ اجماع ہے۔ جس کے انکار سے کفر لازم آوے۔ اور وہ جیسا کہ نورا الانوار کی عبارت سے ظاہر ہے وہی اجماع ہے جو صحابہ کا اجماع ہے جو صحابہ کا اجماع نساء ہو یعنی سب کہیں کہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ اور اگر ان سے سکوتی اجماع ثابت ہو۔ تو اس کا منکر بھی کافر نہیں ہوگا۔ چہ جائیکہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے منکر کو کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ نے بھی ۲۸ اگست کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ اجماع صحابہ کا قطعی ہے۔ اور منکر اس کا کافر ہے۔ اور مابعد کے اجماع کا منکر مبتدع اور فاسق ہے۔

لیکن نہ گو اہان مدعیہ اور نہ مختار مدعیہ اس امر کا ثبوت دے سکے ہیں۔ کہ خانم البینین کے ان معنوں پر جو گو اہان مدعیہ نے پیش کیے ہیں۔ صحابہ نے نساء اجماع کیا تھا۔ پس جب صحابہ کا ان معنی پر ایسا اجماع ثابت نہیں۔ تو اس کے سوا دوسرے معنی کرنے والے کو کافر قرار دینا مذہب حنفیہ کی رو سے بھی جائز نہیں ہے۔ مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا کہ گو اہان مدعیہ نے اپنی تائید میں اجمعت الامت کے الفاظ دکھائے ہیں۔ کہ ان کے پیش کردہ معنی پر امت نے اجماع کیا ہے اگرچہ اس کا جواب بھی ادھر گنڈر چکا ہے۔ مگر پھر بھی میں یہاں ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ کسی شخص کا اجمعت الامت کہہ دینا بھی ثابت نہیں کرتا کہ واقعی طور پر امت کا اس پر اجماع بھی ہو۔ چنانچہ کتاب الامانہ میں لکھا ہے۔

اجمعت الامت علی ان اللہ عزوجل رفع علی علی الی السماء۔

(کتاب الامانہ مطبوعہ حیدرآباد ص ۴۶)

کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے علی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا۔ حالانکہ امام مالک نے ان کی وفات کے متعلق تصریح کی ہے۔ اور ۹ اگست کو بوقت جرح عدالت کے رد پر جب ان کے قول کو پیش کیا گیا تو گواہ مدعیہ ۳ اس کے خلاف ان کا کوئی قول نہ پیش کر سکا اور اس طرح ادھر بھی اکابر نے مسیح کی وفات کو تسلیم کیا ہے۔ پس کسی شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ خصوصاً جب کہ اس کے خلاف المر کے اقوال بھی موجود ہوں۔ اگر خور سے دیکھا جائے تو تمام امت کا اگر اجماع قرار دیا جاسکتا ہے۔ تو صرف ایسا ہی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نئی شریعت لانے والا نبی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور گو اہان مدعیہ نے مسلم الثبوت

جلد ۲ ص ۱۶۱ سے امام رازی کا یہ مذہب پیش کیا تھا۔ کہ وہ تو از معنوی کے حجت ہونے کو مستبعد خیال کرتے ہیں۔
 مختار مدعیہ یہ کہتا ہے۔ کہ اس کے نیچے فواج الرحموت میں اس کی نزدیک موعود ہے۔ حالانکہ جس کتاب سے گواہان
 مدعیہ نے حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کے ماثبہ میں رازی کی تائید کی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شہادت القرآن
 میں تو از معنوی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے۔ کہ مسیح موعود کے آنے کے تعلق اس قدر روایات آئی ہیں کہ جن سے
 قدر شکر کو کہ مسیح آئے گا متواتر مانا پڑتا ہے۔ تو از معنوی تو اس کا یہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ حضرت عیسیٰ ہی آئیں گے اس
 کو آپ نے رد فرمایا ہے۔ اس لیے کہ پیشگوئی کی کیفیت و قوت کے سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ اور اس طرح مجتہد
 بھی سمجھنے میں خطا کر سکتا ہے۔

(۱۴)

مسیلمہ کذاب وغیرہ سے قتال کی وجہ

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱

(۱۵)

اسلامی بادشاہوں کے فیصلے

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱

(۱۶)

مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا!

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱

اور گواہ مدعیہ ص ۲ نے ۲۶ اگست کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے بعد مسیلمہ نے احکام میں تینوں تبدل
 کیا اور حج کراقرم میں جو واقعات مذکور ہیں وہ صحیح ہیں۔

(۱۷)

علمائے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے خاتم النبیین کے معنی آخری نبی جس کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ثبات کرنے کے لیے مفسرین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے جو میں ان کے اقوال کا صحیح مفہوم بیان کر دوں اصول طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ مفسرین نے جو کسی آیت سے کچھ سمجھا ہو۔ وہ دوسرے پر حجت ملزوم نہیں ہو سکتی مفسرین تو کجا رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم بھی حجت قطعیہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان سے بھی سمجھنے میں غلطیاں ہوتی رہی ہیں، جیسا کہ میں پہلے مثالوں سے واضح کر چکا ہوں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجیدی احکام الاجتہاد والتقلید مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۲۹ تا ۴۱ میں لکھتے ہیں۔

پس ابن عزم کا قول یہ ہے۔ جو کتاب ہے کہ تقلید حرام ہے۔ اور کسی کو حلال نہیں کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے قول کو بلا دلیل اخذ کرے۔ بدلیل اس آیت کے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم۔ کہ تم اسی کے پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اور اس کے سوا اور رفیقوں یا اولیاء کی پیروی مت کرو۔ اور بدلیل آیت و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ... الخ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم پیروی کرو اس کی جو خدا نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو پیروی کریں گے اسی چیز کے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح میں فرمایا ہے جو تقلید نہ کرے۔ فبشر عباد الذین یستمعون القول کہ تو بشارت دے میرے ان بندوں کو کہ جو بات کو تو جسے سنتے ہیں۔ اور پھر اسی میں سے اس بات کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ اور درہی عقل والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان تناذعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والمرسول پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت عاوتے کا لوٹانا بجز قرآن کریم اور حدیث کے کسی طرف مباح نہیں کیا۔ اور اس سے تنازع کے وقت کسی تافک کے قول کی طرف نہ کرنا حرام ہو گیا کیونکہ وہ قرآن اور سنت کے سوا ہے۔ اور تمام صحابہ کا اجماع اول سے آخر تک اور تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اور تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اس تقلید سے باز رہتے اور منع کرنے پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے کسی انسان کے قول کی طرف یا اپنے سے پہلے کے قول کی طرف تفضیل کرے۔ پھر وہ تمام اقوال کو اخذ کر لے پس جس شخص نے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال یا امام شافعی کے تمام اقوال یا امام احمد کے تمام اقوال اخذ کئے۔ اور ان میں سے یا ان کے علاوہ اپنے متبوع کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیا۔ اور جو قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اس پر اعتماد نہیں کرنا جب تک کہ اس کو کسی انسان معین کے قول سے مطابقت کر لے۔ تو وہ خوب سمجھ لے کہ اس نے تمام امت اول سے آخر تک کے یقیناً اختلاف کیا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے واسطے سارے تینوں تمبر یقین کے ہوئے زمانوں میں ترسلف پاتا ہے۔ اور نہ امام۔ تو اس نے بے شک مومنین سے الگ راہ اختیار کی اس وجہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں ۵

اور اسی طرز امر اربعہ کے اقوال جس میں انہوں نے اس بات کی تفسیر کی ہے کہ ہماری کوئی انہی تقلید نہ کرے۔ بلکہ اگر کوئی قول ہمارے اقوال سے اچھا دیکھے تو اس کو اختیار کرے۔

(دیکھو بیان گواہ مدنا علیہ ما)

اور اگر مفسرین کی تفسیروں کا نمونہ دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو بیان گواہ مدنا علیہ ما۔ باوجودیکہ مفسرین کے اقوال کسی پر حجت نہیں ہیں نہ انہم مختار مدعیہ کے پیش کردہ ذوالجانبہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ان سے بھی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی جس نبوت کو بند قرار دیا ہے۔ وہ ایسی نبوت ہے۔ کہ جس سے شریعت اسلامیہ کو منسوخ ماننا پڑے۔ جیسا کہ ان کی مثالوں سے واضح ہے۔

چنانچہ پہلا حوالہ جو زیادہ تر گواہوں نے پیش کیا ہے۔ وہ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۲، ۹۱ کا ہے جو فہم رحمت

اللہ تعالیٰ سے شروع ہوتا ہے۔ اور انفالہم تک ختم ہوتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ایک رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ پھر آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین کے لقب

اور دین حلیف کے کامل کر دینے سے شرف فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم نے سنت متواترہ میں اس بات کی خبر دی ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور اگر اللہ کے بندے کہ ہر

وہ شخص کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس مقام کا دعویٰ کرے تو وہ کذاب۔ افک۔ دجال گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوگا۔

خواہ وہ کتنے ہی شعبہ یا زری جادوگری کے اقسام اور طلسمات اور نیلگیاں دکھاوے۔ کیونکہ نبی صادق سے

یہ سب باتیں عقلمندوں کے نزدیک محال ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اسود عسلی سے یمن میں اور مسیہ کذاب سے

یمامہ میں جیسے حالات اور بے ہودہ باتوں سے ظاہر کیا۔ جن سے ہر ذی عقل و فہم جان گیا کہ یہ دونوں کاذب ہیں۔

گمراہ ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک اس مقام کا مدعی قیامت کے روز تک ہوگا۔ ان تک کہ وہ مسیح دجال پر ختم ہو جائیں گے

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے امور کو پیدا کرے گا کہ ان کے کرنے والے کے جھوٹ پر عیاء اور مومنین گواہی

دیں گے۔ اور یہ خداوند تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر بہت بڑی مہربانی ہے۔ کہ وہ فی الواقعہ کسی نیکی کا حکم کرتے ہیں۔

اور نہ بڑائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اتفاقی طور پر یا جس میں اللہ کا کوئی خاص مقصد ہو اور وہ اپنے اقوال و افعال میں نہایت

درجہ کے جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھل اُنْبِئْکُمْ عَلٰی مَنْ تَنْزَلَ الشَّيْطٰنُ

تَنْزَلَ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَشِیْمٌ

اس حوالہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ایسے انبیاء کی آمد متعین ہے جو مسیہ

کذاب اور اسود عسلی کی طرح ہوں۔ اور جو نہ امر بالمعروف اور نہ نہی عن المنکر کریں بلکہ اول درجہ کے فاسق اور فاجر اور

لوگوں کو فسق و فجور کی طرف بلانے والے ہوں۔ جیسا کہ مسیہ کذاب اور اسود عسلی کے حالات زندگی کے مطالعہ سے

ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایسے نبی کا آنا جو منبع شریعت محمدیہ ہو۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو اس کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت مسیح کا تو یہ چیلنج ہے۔

کہ تم کوئی عیب، افتراء یا جھوٹا بیاد قاعا کا الزام میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تاہم یہ خیال کر دو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے نلفظی پر قائم رکھا۔ اور سچے والوں کے لیے یہ ایک دلیل ہے۔ (تذکرۃ المشاہدین ص ۶۲)

اور مولوی محمد حسین ثالوی نے براہین احمدیہ پر ریویو لکرنے ہوئے اشاعت السنۃ جلد ۵ - نمبر ۹ - ص ۲۸۱ میں آیت: **هَلْ اَنْبِئَكُمْ عَلٰیٰ مَنْ تَنْزَلُ السَّنٰطِیْنِ** جسے حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے پیش کر کے حضرت مرزا صاحب کے مخالفین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

موقف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (واللہ حسبہ) شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔

اور یہ مولوی محمد حسین ثالوی وہی ہیں جن کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے سبیل الرشاد میں رئیس قوم غیر مفیدین لکھا ہے۔ اور ان کے قول کو بطور حجت کے پیش کیا ہے۔ (سبیل الرشاد ص ۱۶)

دوسرا حوالہ :-

روح النامی جلد ۷ ص ۱۱۱ کا پیش کیا ہے۔

” وكونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين صانطقت به الكتاب وصداقت به السننه واجمعت عليه الامه فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان يقصر“

یعنی حضور کا خاتم النبیین ہونا ان باتوں میں سے ہے جن کو قرآن پاک نے بیان کیا۔ اور سنت نے اسے کھول دیا۔ اور امت نے اس پر اجماع کیا۔ پس وہ شخص کافر ہوگا جو اس کے خلاف دعویٰ کرے اور قتل کیا جائے گا۔ وہ جس نے اصرار کیا۔ جو شخص اس کے برخلاف کرے اس میں ضمیر کامر ج یا تو خاتم النبیین ہو سکتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص ایسی نبوت کا دعویٰ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دعویٰ نبوت کرے تو وہ کافر ہوگا۔ پس اس حوالہ سے بھی اس نبوت کا امتناع ثابت نہیں ہو سکتا جس کے ہم اور دیگر علماء و اولیاء اور مجددین امت فائل ہیں۔

تیسرا حوالہ

شفا قاضی مجاہد کی شرح مولفہ ملا علی قاری جلد ۲ ص ۵۱۸ و ص ۵۱۹ کا ہے۔

و کذا الذ من ادعی النبوة احد مع نبینا علیہ الصلوٰۃ و السلام

کاصحاب مہلبۃ و اسود العنسی (و بعدہ) کالعیسویۃ من الیہود القائلین بتخصیص رسالتہ

الی العرب خاصۃ و کالکرامیہ لانہم ابا حوا محرمات القائلین بتواتر الرسل

و کاکثر الرفضۃ القائلین بمشارکۃ علی مع الرسالۃ النبی صلی اللہ

علیہ وسلم ای حال وجودہ و بعدہ و کذا الذ کل امام عند ہولاء یقوم مقامہ فی النبوتۃ و الحجۃ

یعنی ان ارادوا بہا الحقیقۃ - والا فی المنزلۃ المجازی لا توجب الکفر و البدعۃ “

یعنی کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت کے ساتھ کسی کو نبی قرار دے۔ جیسے اسود عنسی اور میسر کلاب کے پیرو یا آپ کے بعدیہود کا علیہ

فرقہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت کی رسالت صرف عرب کے لیے مخصوص ہے۔ اور کرامیہ کی طرح جو تواتر رسل کے قائل ہیں۔

جنہوں نے محرمات کو بھی جائز قرار دے دیا تھا۔ اور اکثر افضیوں کی طرح جو حضرت علی کے رسالت رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں مشارکت کے متفقہ ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی اور اسی طرح ان کے

نزدیک ان کا ہر امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے نبوت اور حجت مہر نے میں۔ یعنی اگر وہ اس

سے حقیقی نبوت ملو لیں ورنہ مجازی نبوت کفر اور بدعت کا موجب نہیں ہے “

اس میں بھی اسود عنسی۔ میسر کلاب اور یہود کے قبائل کی مثال دیکر جن کے متعلق یہ ثابت شدہ امر ہے کہ

انہوں نے اسلامی شریعت کے احکام کو منسوخ کیا۔ اور اسلامی محرمات کو ملال قرار دیا۔ یہ بتاتا ہے کہ جو نبوت آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہے۔ وہ وہی مستقل اور حقیقی نبوت ہے جس میں اسلامی شریعت کو منسوخ ماننا پڑے

چنانچہ اخیر میں بھی اس کو کھول دیا گیا ہے۔ کہ مجازی نبوت کفر کو واجب نہیں کرتی۔

اس عبارت سے ثابت ہے کہ اگر علی و جبر المجاز کسی کو نبی مانیں تو اس سے کفر لازم نہیں آتا چنانچہ حضرت مسیح

موجود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں۔

”سمیت نبیاً من اللہ تعالیٰ علی طریق المجاز لا علی وجہ الحقیقۃ “

(تمتہ تحقیقۃ الوحی ص ۶۵)

اسی طرح انجام آٹھ ماہیہ ص ۲۶-۲۸ میں فرماتے ہیں

”ومن قال بعد رسولنا و سیدنا انی نبی و رسول علی وجہ الحقیقۃ “

والافتراء وترك القرآن واحكام الشريعة الفراء فهو كافر كذاب۔

ترجمہ اس اور جو شخص ہمارے رسول اور سردار کے بعد یہ کہے کہ میں علی وجہ الحقیقہ نبی اور رسول ہوں۔ اور افتراء کے طور پر کہے اور قرآن مجید اور شریعتِ عزرا کے احکام کو چھوڑے تو کافر اور کذاب ہے۔ اور سراجِ منیر ص ۲۲ میں فرماتے ہیں۔

مگر یاد رکھو کہ خدا کے کلام میں اس جگہ حقیقی معنی مراد ہیں۔ جو صاحبِ شریعت سے تعلق رکھنے میں۔
بقیہ حوالوں کا جواب دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱

(۱۸)

علماء کے نزدیک رسول اور نبی کی تعریف

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱ اصل بات یہ ہے کہ پہلے علماء نے جو نبوت کا انکار کیا ہے۔ یہ تو اس تعریف کے مطابق کیا ہے۔ جو ان کے نزدیک تھی کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحبِ کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ اور نبی کے لیے بھی پہلے رسول کی اتباع لازم نہ تھی۔ بلکہ روح الامین خود ان کے پاس شریعت وغیرہ لانا تھا۔ جس کے مطابق وہ عبادت وغیرہ کرتے تھے جیسا کہ البیواقیت والحوار جلد ۲ ص ۲ سے ظاہر ہے۔ اور اسی تعریف کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اُسے کہتے ہیں۔ جس نے عقائد اور احکام دین بذریعہ جبرئیل موصول کئے ہوں۔ اور قرآن مجید کی آیت "انا ادحینا الیک کما ادحینا الی نوح و الیقینین سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم دینیہ بذریعہ جبرئیل سیکھے۔ تو لازماً ماننا پڑا کہ پہلوں کو بھی اس طرح علوم دینیہ حاصل ہونے تھے۔ چنانچہ ایک عالم کا قول مراد ہے ہمارے اس دعویٰ کے تاہد کتاب ہے اور وہ امام ملاحی قاری ہیں۔ کیونکہ وہ شرح فقہ اکبر میں یہ لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلعم کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ بالاجمل کافر ہے۔ اور موضوعات کبیر میں وہ حاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔ اور اسی طرح اشعار الاشراف السائیں ان کا یہ قول درج ہے کہ "لابی بعدی" کے معنی "لابی منیع شرع" کے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ پس ان دونوں قولوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں علماء سابقین نے آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے وہ وہی نبوت ہے جو نبی شریعت والہ ہو اور اسلامی احکام کو منسوخ فرار دے۔ لیکن ایسی نبوت جس کے ہم مدعی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

میں بطور انعام کے ملتی ہے اور کوئی نئی شریعت اس کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اس کا حامل قرآن پاک کا پیر و اور سنت رسول کا خادم ہوتا ہے تو ایسی نبوت کو یا تو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ یا ایسی نبوت کے منقحی انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ گواہان اور مختار مدعیہ کا علماء سابقین کے انوال کو ہمارے علاوہ پیش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے جو نبی اور رسول کی تعریف کی ہے۔ اس کی رو سے ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

(۱۹)

نظریہ ————— بروزی

نظری اور بروزی کے لیے ملاحظہ ہو بیان مطلوبہ گواہ مدعا علیہ عا۔ نیز بروز کا ذکر خواجہ غلام فرید صاحب نے اشارات فریدی میں بھی لکھا ہے۔

”والبوزان یفیض روح من ارجح اکمل علی کامل کما فیض علیہ التعلیات وھو یدیر مظهرہ و یقول انا ھو“
پھر فرماتے ہیں:-

”کہ حضرت آدم صلی اللہ تا خانم الولاہیت امام مہدی حضور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارزاند پس اول بار آدم علیہ السلام بروز کردہ اند۔ اول قطب حضرت آدم علیہ السلام شدہ است۔ الحان قال تا آنکہ ایام مہدی علیہ السلام بروز خواہند فرمود۔ پس حضرت آدم تا مہدی ہمہ انبیاء و کل اولیاء کہ قطب مدار شدہ اند۔ ہم مظاہر روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہستند و روح مراد شان بروز و ظہور فرمودہ است۔“

(ا اشارات فریدی حصہ دوم ص ۱۱۱-۱۱۲)

(۲۰)

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تناسخ کے قائل تھے؟

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ عا۔ چونکہ مختار مدعیہ نے بحث میں یہ کہا ہے کہ گواہان مدعیہ میں سے کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تناسخ کا الزام نہیں لگایا۔ اس لیے جب وہ گواہ عا کے قول کو جو انہوں نے تریاق القلوب کے

حوالہ کے بارہ میں کہا تھا۔ رد کرتے ہیں تو پھر مجھے بھی اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۲۱)

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب شریعت ہو گا دعویٰ کیا ہے

گو ایمان و مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ الزام قائم کیا ہے کہ آپ نے صاحب شریعت جدیدہ نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جو باتفاق فریقین کفر ہے۔ سوال حوالوں کے جوابات لکھنے سے پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عبارات پیش کرتا ہوں۔ جن سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آپ قرآن شریف کے بعد کسی اور شریعت کا نزول جائز قرار نہیں دیتے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:—

(۱) ”بل الحدیث یدل علی النبوة التامة الحامدة لوجہ شریعتہ قد انقطعت“
بلکہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبوت تامہ جو وحی شریعت کی حامل ہو وہ منقطع ہو چکی ہے۔

(توضیح مرام ص ۱۹)

(۲) اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع یا حدود اور احکام اور ادھر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کے ترمیم یا ترمیم یا نسخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت کونین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

(ازالہ ادہام ص ۵۸، ۵۹)

(۳) قرآن مجید کا ایک شوشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہو گا:—

(نشان آسمانی ص ۳ طبع دوم)

(۴) جو شخص قرآن مجید اور شریعت غرا کے احکام کو ترک کر کے نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کافر اور کذاب ہے۔

(انجام آتھم ماشیہ ص ۲۷)

(۵) قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی۔ مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔

(دکشتی نوح حاشیہ ص ۲۷)

(۶) یاد رہے کہ عارایہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے۔ اور بعد اس کے قیامت

تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے جو صاحب شریعت ہو یا بلا واسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 دی پاسکتا ہو بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔

(ریویو پر مباحثہ پیکر الوی و جالوی ص ۶)

(۷) یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریحی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور
 قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھادے۔ یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے۔ یا اس کی

پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔ (الوصیت ص ۱۲ حاشیہ)

(۸) خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے خلاف
 چلتا ہے۔ اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔

(چشم معرفت ص ۳۲۵ ر ۳۲۵)

(۹) اور کسی کو مجال نہیں کہ وہ ایک لفظ یا ایک شوشہ قرآن کریم کا منسوخ کر سکے۔

(اخبار عام ۶ مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ تحقیقات النبوة ص ۲۷)

(۱۰) نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لیے صرف خدا تعالیٰ کی مراد ہے کوئی شخص
 کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ الہیہ حاصل کرے۔ اور تجدید دین کے لیے مامور ہو یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری
 شریعت لاوے۔ کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔

(تجلیات الہیہ ص ۹ حاشیہ)

(۱۱) میری مراد نبی سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ
 کرتا ہوں۔ یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ و مخاطبہ الہیہ ہے۔ جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوی ص ۶۸)

(۱۲) ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریحی نہیں۔ جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے۔ اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو

نہم کفر سمجھتے ہیں۔ (بدر ۵- مارچ ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقۃ النبوة ص ۲۷)

(۱۳) یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ

تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے نفس ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی

پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قیلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ

کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر ہوں۔ یہ الزام

صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ

میں لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔

{ اس حوالہ میں ہر ایک کتاب کا لفظ قابل غور ہے۔ }
(اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقۃ النبوت ص ۲۵)

(۱۴) میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں ہوں اور نہ ہی میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول و مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کئے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔

(ایک غلطی کا ازالہ بحوالہ حقیقۃ النبوت ص ۲۶)

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا اقوال سے جو اتحاد دعویٰ سے آئینک کے ہیں چنانچہ اخبار عام کا حوالہ تو آپ کی وفات سے تین دن پہلے کا ہے۔ ان سب سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ آپ صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو غیر شرعی نبی تحریر فرماتے رہے ہیں۔ اب جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان توضیحات کے بعد آپ کی کسی عبارت سے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ آپ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ تو وہ غلطی ہے۔ اور مولف کے خود انہی توضیحات کے مخالف مفہوم نکالنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اور گواہ مدعیہ جرح کے جواب میں اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کسی خاص کتاب کو شریعت قرار نہیں دیا ہے۔

اور نہ ہی مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ کہا ہے کہ میری وحی وحی شریعت ہے لیکن اربعین کی عبارت سے

ایسا ثابت ہوتا ہے ۵

لیکن مذکورہ بالا تمام تصریحات ایسی ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اربعین یا آپ کی کسی عبارت سے ان عبارتوں کے خلاف مفہوم لینا عقل و انصاف کے خلاف نہیں بلکہ خود مدعیہ کے گواہان کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نے ۲۱ اگست کو مکرر بیان میں کہا ہے کہ ”اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکور ہوں اور ان میں ایک قول مبہم ہے۔ تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اور ۳۱ اگست کو گواہ نے جو جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرع کلام پر حمل کیا جائے گا۔“

پس گواہوں کے اقرار کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جن اقوال سے گواہوں نے آپ کے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان اقوال کی وہ تشریح کی جانی چاہیے جو حضرت مسیح موعود کے مفصل اور واضح اقوال کے مطابق ہے اور وہ اقوال کہ جن میں سے کہ چند اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔ اس امر کو باصراحت ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو صاحب شریعت جدیدہ اور مستقل نبی ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔

جن انزال سے گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ صاحب شریعت ہونے کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان (مطبوعہ ۱۹۰۷ء) گواہ مدعا علیہ۔

اور چوتھے عالم کے جواب میں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام وقت کی اطاعت اور اس کی تعلیم پر چنانچہ اس وقت کے لوگوں کے لیے نجات کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید جنہیں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بیچ الکلام ص ۱۴۷ میں مجتہد صدی سیزدہم قرار دیا ہے۔ اور گواہان کے نزدیک بھی وہ ایک بہت بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب منصب امامت میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ امام وقت کی اطاعت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حدیث ۱۔ ”من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة الجاہلیۃ“ پیش کی ہے۔ یعنی جس نے اپنے زمانہ کے امام کی شناخت نہیں کیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”ازاں جلد توقف نجات آخرت و طاعت او یعنی چنانکہ اگر کسی باہر اور جہد و معرفت البیہ و تہذیب نفس جہدہ تمام وسیع مالا کلام بجا آورد۔ اما وقتیکہ ایمان بالاسل نذر دہرگز آخرت بدست نخواہد آورد و خلاص از غضب جبار و درگاہ نادرخواہد یافت ہم چنین ہر چند عبادات شریعیہ و طاعت دینیہ بجا آورد و جہد و جہد تمام در امتثال احکام اسلام بر مے کار آورد۔ اما تا وقتیکہ در اطاعت امام وقت گردن او نتمدد و اقرار با امامت او نکنند ہرگز عبادات مذکورہ در آخرت کار آمدن نیست و از دار و گیریت قدیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانہ نقدات میتة جاہلیۃ“ و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات و لیس فی عنقہ بیعة مات میتة جاہلیۃ“

(منصب امامت ص ۶۲)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان کہ میری اطاعت اور میری تعلیم کو ماننا جو عین قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ اور اس کو مدار نجات قرار دینا آپ کو صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں بناتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

اور لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۵)

اور از آلہ او ہام جلد ۲ ص ۲۲۲ پر فرماتے ہیں :-

”ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہر پر ایہ الہام و کشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اور ان کے توسط سے ہے۔“

پس اس قسم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ قرآن مجید سکھایا ہے اور آپ کی وحی قرآن مجید کے موافق و مطابق اور شریعت اسلامیہ کی خاتم ہے۔ پس آپ کا آپ کی وحی اور تعلیم اور بیعت کو مدلل نجات خزاں دینا اس لیے نہیں ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت لائے ہیں۔ بلکہ قرآن شریف کی صحیح تعلیم کو پیش کر کے منوانا مراد ہے۔
آٹھواں حوالہ :-

بہم ان فتووں کو بھی مدنظر رکھا جانا چاہیے جو خود فرقہ مختلفہ کے علماء نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینے کے لیے دیئے ہیں۔

چنانچہ دیوبندیوں کے واجب التعظیم بزرگ مولوی رشید احمد صاحب گلگاہی نے اس سوال پر کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں باوجودیکہ امام بد عقیدہ ہو پڑھے یا دوسری جگہ پڑھے یہ جواب دیا۔ ”کہ جس کے عقیدہ صحیحہ درست ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے“ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵۷)

اور اسی طرح الفتح المبین میں مولوی نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تمام منتقدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے ”کہ مذہب غیر مقلدین اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں تو اہل سنت کے نماز لازمہ ہوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور بالکل غیر جائز اور نادرست ہے یہ ص ۲۵۷

اور لکھا ہے ”اس فرقہ لامذہب کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھنا اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور سبب فتنہ و فساد کے ان کو مساجد میں آنے نہ دینا، بجا اور درست ہے۔ ص ۲۵۹

اس فتویٰ پر دو سو علماء کے دستخط اور تہریں ثبت ہیں۔ جن میں مولوی رشید احمد گلگاہی بھی شامل ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۸ پر ہے ”کہ جب کہ شافعی المذہب متعصب کے پیچھے اقتداء جائز نہ ہوئی جیسا کہ فتویٰ عالمگیری و جامع الرموز میں مرقوم ہے۔“ ”اما لاقتداء بشافعی فلا بأس به اذا لم يتعصب لم يبغض للعنفی“
”پس ان غیر مقلدین لامذہب کے پیچھے بطریق اولیٰ جائز نہ ہوئی“

پس اگر ان لوگوں کے فتویٰ سے کہ خلاف فرقہ کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی حرام ہے۔ اور ان کی امامت میں اقتداء کرنا جائز نہیں، اس سے وہ صاحب شریعت نبی نہیں ہو جاتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غیر محدود کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر حکم دینے پر آپ کا مدعی نبوت تشریحی کا نتیجہ نکالنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ بیانوں کے علاوہ مختار مدعیہ نے جرح میں آپ کو مدعی نبوت تشریحی ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود کی کتب سے چند حوالے پیش کئے ہیں :-

پہلا حوالہ :-

”گورنمنٹ انگریزی اور جہاد کا پیش کیا ہے۔ جو یہ ہے ”دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا

ہوں وہ یہ ہے کہ آپ سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔ اتنی عبارت مختار مدعیہ نے کوٹ کی ہے۔ جس سے ثبات کرنا چاہا ہے کہ آپ نے شریعت اسلامیہ کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ حالانکہ اگر مختار مدعیہ اس کے ساتھ کی عبارت جو ان الفاظ کے آگے تھی مطالعہ کرنا تو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ کہ یہ حکم آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق میں یہ فرمایا تھا۔ کہ مسیح جب آئے گا تو وہ دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا بھی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ لیضع الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ نیز اس کتاب میں آپ نے اسلامی جہاد کی حقیقت بیان کی ہے۔ کہ اسلام میں جہاد یعنی تلوار سے دین کی حمایت کے لیے لڑنا اسلام میں کن حالات میں جائز قرار دیا گیا تھا۔ پھر لکھا ہے۔ اس لیے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدانالے کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے۔ اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر لوگ وحشی کار بند ہو رہے ہیں یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ نفس امارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں۔ ص ۵۷

پس ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت مذہب کے لیے تلوار نہ اٹھانے کا حکم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیچگونی کی تھی کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہوگا۔ کہ اس وقت شریعت اسلامیہ کی رو سے دین کے لیے تلوار سے جہاد کرنا ناجائز ہوگا۔

۳۔ مولویوں کا بخاری کی حدیث کے مطابق عقیدہ ہے کہ جب مسیح آئے گا تو وہ قرآن مجید کے صریح حکم ”حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاعدون“ کہ اہل کتاب دیگرہ سے جزیہ کو لے کر ان سے جنگ کو ترک کیا جائے۔ کے خلاف جزیہ نہیں قبول کرے گا۔ اور جو مسلمان نہیں ہوگا۔ اس کو تلوار کے گھارے اتارے گا۔

اور اربعین ۲۷ صفحہ ۱۳ کے حاشیہ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہوگا کہ اس وقت موجبات جہاد مفقود ہوں گے۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

اور اعجاز احمدی ص ۲۲ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اور مولوی محمد حسین جلاوی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیالوں کو دلوں سے مٹایا جائے اور ایسے خوریز مہدی اور خوریز مسیح سے انکار کیا جائے۔“

یہ اس لیے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ پبلیک میموریل کے ذریعہ بیظاہر کہا یا ہا کہ مسلمان ایسے مہدی اور ایسے عیسیٰ کے منتظر نہیں ہیں جو عیسائیوں کے ساتھ لڑے گا اور یہ یقین دلانا چاہا کہ میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ کوئی ایسا مہدی نہیں آئے گا۔ جو خون ریزی سے قیامت برپا کر دے گا۔ اور نہ کوئی ایسا مسیح آئے گا جو آسمان سے اتر کر اس کا ہاتھ جلائے گا۔ اور اس قسم کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔

پس چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ کے وقت جہاد کے متعلق وہی عقیدہ ظاہر کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ کہ اس لیے آپ نے اسے مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ اگر واقعی تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ تم نے میموریل کے ذریعہ ظاہر کیا ہے تو ان لوگوں کے دلوں سے جہاد کے مسئلہ کے خیال کو دور کیا جائے۔ اور اس طرح سے مولوی محمد حسین بٹالوی کا لوگوں پر اتفاق ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ لوگوں سے وہ یہ کہتا تھا کہ ایسے مہدی سے انکار کرنا کفر ہے۔ اور گورنمنٹ کو لکھا کہ ایسا کوئی مہدی نہیں آئے گا۔

اور اسی طرح حقیقتہً المہدی ص ۲۷ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ جہاد سیفی کا وقت گذر چکا ہے۔ اور اس وقت قلمی اور روحانی جہاد کی ضرورت ہے۔ اور اس طرح تحفہ گولڈ میڈل ص ۷۹ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے۔

”کہ اسی وقت تک جہاد تھا کہ جب اسلام پر مذہب کے لیے تلوار اٹھانی جاتی ہے۔ اب خود بخود ایسی ہوا چلی ہے جو ہر ایک فریق اس کا روانہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جو مذہب کے لیے خون کیا جائے و
اب جب کہ دیگر مذاہب کی طرف سے اسلام پر مذہب کے لیے تلوار نہیں اٹھانی جاتی۔ اس لیے شریعت اسلامیہ کی دوسرے جانے نہیں ہے کہ دیگر مذاہب پر تلوار اٹھانی جائے اس لیے جہاد سیفی کا وقت نہیں ہے۔ چنانچہ لب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعة مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۷ میں فرماتے ہیں۔

جو لوگ اس علم سے ناواقف ہیں وہی فتادی جہاد کا حق میں ہر قسم کے دیتے ہیں۔ ورنہ دنیا میں مدت سے صورت جہاد کی پائی نہیں جاتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں نہیں ہے۔ یا تھا مگر اب منسوخ ہو گیا ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی لڑائی بھڑائی خواہ مسلمان و کافر میں ہو یا باہم مسلمانوں کے مشکل ہے کہ جہاد شرعی ٹھہرے۔ خلق کا یہ حال ہے۔ کہ جو لوگ اچھے کام رات دن کرتے ہیں جیسے نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ یا جو مال اپنے اوپر یا اپنے گھر پر صرف کر کے اٹھاتے ہیں۔ اس میں بھی تو ان کی نیت مطابق شرع کے نہیں ہوتی ہے۔ یا تو دکھانا۔ سنانا ناموری حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یا اسراف و تبذیر میں گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر بھلا خدا کی راہ میں جان دینے کو بے مطلب دنیا کے آج کل کون نکل سکتا ہے۔ وہ دن گئے کہ لوگ دین کچھ پیچھے دنیا پر لات مارتے تھے۔ اب تو جو کام دین کے پردہ میں بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی غالباً دنیا طلبی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ پھر اس جہاد و قتال کو کس طرح جہاد دین سمجھا جائے۔

اس کے بعد یہ بتاتے کے لیے کہ شریعت اسلامیہ میں جہاد سیفی کب واجب ہوتا ہے۔ اور اس کی غرض کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث اور اولیاءِ امت کے اقوال سے ثابت کرنا ہوں۔ قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاد تین اقسام پر مشتمل ہے۔ جہاد اکبر۔ جہاد کبیر۔ جہاد اصغر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلمۃ حق عند سلطان جائزاً الجہاد الاکبر (مشکوٰۃ) کہ ظالم اور جاہل حاکم کے سامنے سچی بات کہنا جہاد اکبر ہے اور تفسیر روح البیان جلد ۱۹ میں لکھا ہے۔ ”قال علیہ السلام ان افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائزاً وائتاکانت افضل لان الجہاد بالحجة والبرهان جہاد اکبر بخلاف الجہاد بالسيف والسنان فان جہاد اصغر“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد میں سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہنا ہے اور یہ اس لیے افضل ہے کہ حجت اور برہان کا جہاد جہاد اکبر ہے۔ اور سیف و سنان کا جہاد جہاد اصغر ہے۔

اور جب حضور غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا ”رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر“ کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس آئے اسی طرح ایک مرتبہ حضور کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں فرمایا کیا تیرے والدین ہیں۔ اس نے کہا، ہاں، قال فیہما فجاہد۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ ان کے معاملہ میں جہاد کرو آپ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد قرار دیا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و لو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیراً ”فلا تطع الکافرین و جاہدہم بہ جہاد اکبر“ اسی آیت میں جو مکی ہے۔ کاذبوں سے قرآن مجید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس جہاد سے مراد عنط و نصیحت ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے تفسیر کی ہے۔

پس قرآن مجید و احادیث رسول کریم نے لسانی، مالی جہاد اور اہوا و نفسانینہ کی امتات۔ اور اپنی تمام حرکات و سکنات کو شریعت کے مطابق کرنے کو جہاد کبیر اور جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ اور جہاد بالسيف کو جہاد اصغر کہا ہے جہاد کبیر اور جہاد اکبر ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہیں۔ لیکن جہاد اصغر کے لیے چند شرائط ہیں۔ جب وہ پائے جائیں۔ تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

جہاد بالسيف کب واجب ہوتا ہے!

جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت ہمد پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور نے اور حضور کے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت تک تو اسے نہیں اٹھائی۔ جب تک کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو اور

آپ کے جانناڑ صحابہ کو انواع واقسام کی ایذا میں پہنچا کر جنگ کے لیے مجبور نہ کروا دیا اور جب جنگ آمد جنگ آمد والی حالت پیدا ہو گئی تو آپ نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔ کیونکہ دشمن بھی صحابہ کو گرم پتھروں پر لٹانے اور وہ سخت گرمی کی حالت میں شدت پیاس سے باہر نیا نکالتے اور نہایت عجز اور آہ و زاری سے پانی طلب کرتے مگر انہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا اور بعض کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی۔ مسلمانوں کا باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ اور زمین ان پر جنگ کر دی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی یہ ہے "ان الله يداخ عن الذين آمنوا ان الله لا يحب كل خوان كفور۔ اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا سبنا الله" (المحج)

اس آیت کریمہ سے اذن قتال کی مندرجہ ذیل وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) جس جنگ کی صحابہ کو اجازت دی گئی تھی وہ دفاعی تھی۔

(۲) جن کو اجازت دی گئی وہ مظلوم تھے۔

(۳) انہیں مظلومی کی حالت میں ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔

اور ان پر یہ ظلم و ستم صرف اس کہنے کی وجہ سے روا رکھا گیا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی محض اختلاف عقائد اور

دین کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا اور گھروں سے نکالا گیا ایک دوسری آیت دقتا توہم حتی لا تكون فتنۃ میں قتال کی غرض بیان کی گئی ہے جو بخندی میں مذکور ہے کہ ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ ایک سال توبہ کرنے میں۔ اور دوسرے سال عمرو۔ اور جہاد فی سبیل اللہ تو آپ ترک کر کے بیٹھے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لیے بار بار ترغیب دی ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اسے میرے بھائی کے بیٹے اسلام کی بناو پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اول اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ دوسرے پانچ نمازیں پڑھنا۔ تیسرے روزے رمضان فریضہ کے رکھنے۔ چوتھے زکوٰۃ دینا اور پانچویں بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا (یعنی اس میں جہاد کا ذکر نہیں) تو اس شخص نے کہا کیا آپ آیت دان طائفان من المؤمنین اقتتلوا۔ اور آیت

دقتا توہم حتی لا تكون فتنۃ الخ نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہم اس غرض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پورا رکچکے ہیں۔ وکان الاسلام قلیلا فكان الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوا واما یعدون حتی کثر الاسلام فلم تکن فتنۃ (بخاری) یعنی اس وقت مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور کفار۔ اسلام قبول کرنے والے ہر شخص کو فتنہ و فساد اور مصائب میں مبتلا کرتے تھے۔ یا تو اسے قتل کر دیتے۔ یا ہمیشہ تکلیف میں رکھتے یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنہ باقی نہ رہا۔

پس آیت اور حضرت ابن عمرؓ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف اس وقت واجب ہوتا ہے جب دین

کے معاملہ میں جبر و اکراہ سے کام لیا جائے۔ اور جب کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے تلوار کے زور سے روکیں۔ اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اسے ہمیشہ عذاب اور تکلیف دینے رہیں۔ اور ایک مفقدا تاہی حضرت عطاء ابن ابی رباح کا جو اپنے زمانہ میں مکہ شریف کے مفتی تھے۔ یہی فتویٰ ہے۔ یہ علم حدیث اور فقہ میں جابر بن عبد اللہ انصاری اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن زبیر جیسے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے شاگرد رشید تھے۔

(۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہب جہاد بالسیف کے بارہ میں

جہاد بالسیف کے فرض و واجب ہونے میں جو مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا تھا۔ وہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے چنانچہ آپ ایک پادری کے جواب میں فرماتے ہیں :-
اور اس نکتہ چینی نے جو جہاد اسلام کا ذکر کیا ہے۔ اور گمان کرتا ہے۔ کہ قرآن بغیر لحاظ کسی شرط کے جہاد پر برا بیگنہ کرتا ہے۔ سو اس سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹ اور افتراء نہیں۔ اگر کوئی سوچنے والا ہے۔ جانتا چاہیے کہ قرآن شریف یوں ہی لڑائی کے لیے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اور اس بات سے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کار بند ہوں۔ اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں سے لڑنے کیلئے حکم فرماتا ہے۔ جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں سے اور وطنوں سے نکالتے ہیں۔ اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ اولئک الذین غضب اللہ علیہم ووجب علی المؤمنین ان یجادیہم ان لم ینتہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں (نور الحق حصہ اول ص ۷۵)

موجودہ حالات میں واقعات بالا اور شرائط مذکورہ جہاد بالسیف کی نہیں پائی جاتیں لہذا حضرت مسیح موعود نے قرآن مجید کے عین منشا کے مطابق یہ فتویٰ دیا کہ اب دینی جنگ حرام ہے۔ آپ نے یہ فتویٰ حکم جہاد کی تسخیر کے لیے نہیں دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ افتراء کیا جاتا ہے چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔

بعض نادان بچھرا اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لیے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے۔ کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں ہکتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سرسنگھ کشمیر مر گیا۔ اور نہ وہ خدا نخواستہ خدا کا بیٹا کیا انگریز مذہبی جو شخص والے میر سے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔ پس نادانوں! میں اس گورنمنٹ کی

کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لیے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔
(کشتی نوح ص ۶۸)

انبیاء اقدسین کا طرز عمل

صحابہ رضی اللہ عنہم جب کفار مکہ سے بے پناہ شدائد سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت بادشاہ حبشہ کے ملک میں پلے گئے تو ایک عیسائی بادشاہ تھا تو ہمارے صحابہ اس حکومت اور بادشاہ کے قوانین کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے۔ کبھی مکرشی اور رسول نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ ان صحابہ کے قائد حضرت جعفر بن ابیطالب نے برسوں بار بادشاہ کی تعریف کی کہ۔ ان قومنا بغوا علینا دارا وافتتننا عن وینتا فخر جنا الی دیارک واخترناک علی من سواک ورجونا فی جوارک ولا نظلم عندک ایھا الملک۔

(تاریخ الامم الاسلامیہ للبخاری ص ۱۰۸)

کہ ہم پر ہماری قوم نے پڑھائی کی اور میں ہمارے دین سے پھسلا کرتے ہیں ڈالنا چاہتا تو ہم تیرے ملک میں پلے آئے۔ اور ہم نے دوسروں پر تجھے ترجیح دی اور تیرے قرب کو ہم نے پسند کیا اور اے بادشاہ ہمیں امید ہے کہ تیرے ہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا، نیز یہ کہ ہمارے مخالف صحابہ کے طرز عمل سے یہ ثابت نہیں کر گئے کہ انہوں نے کسی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے جنگ کی ہے۔

حضرت سیدنا محمد صاحب بریلوی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کا مذہب

تیرھویں صدی کے مجدد سید احمد بریلوی اور ان کے جان باز دو جاں نثار حواری مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید جنہوں نے اپنے زمانہ کے ظالم سکوں سے مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ دینے پر جہاد کیا۔ اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ان کا مذہب یہی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہستیاں ہندوستان پنجاب میں نہایت عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ سید اسماعیل شہید کو اخبار البحر بیروت میں خاتم المشہد لکھا ہے۔ (الہدیت ۱۵ مئی ۱۹۰۵ء) اور سید صاحب بریلوی کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے حج الکرامہ میں محمود بن میں شمار کیا ہے۔ مولوی محمد جعفر صاحب نغانیسری مولف سوانح احمدی ص ۵۵ میں لکھتے ہیں۔

(۱) یہ سب صحیح روایت ہے کہ آثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید و مظفر اپنے نئے۔ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا۔ کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے دریاغ اور بیخبر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت

پنجاب کے سکھوں کا نظم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔

(۲) ”صاحب مخزن لکھتا ہے کہ (سید صاحب) ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی کو کافر تھی۔ مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے تدبیاری اور بوجہ موجودگی ان حالات کے ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی کے جہاد کرنے کو مانع نہیں اس واسطے آپ کو منظور ہوا کہ ان تمام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور حکامات شریعت کی مارج اور مانع تھے۔ جہاد کیا جائے۔

(سوانح احمدی ص ۵۵)

(۳) یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو نثرین لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا۔ کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جاوے گا کیونکہ سیکڑوں کو سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا یہ ایک ایسا امر محال ہے۔ جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں سے بالکل جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برابر ان اسلام پر عمل کرنے میں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یہاں ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات متوجیب جہاد سے باز آجائیں گے۔ تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور سرکار انگریزوں کو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت اسلامی سے روکتی ہے۔ نہ ہم ان کے ملک میں علانیہ و عظیم کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الہی اور ایمان سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور غلامت اصول مذہب۔ طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں یہ جواب باصواب سرکار انگریزی کا نمونہ ہو گیا۔ اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی ۵

(۴) اسی کتاب سوانح احمدی کے ص ۱۱۵ پر سید صاحب کا ایک خط درج کیا ہے جس میں مذکور ہے نہ باکے ازماعہ مسلمین متاعنت داریم نہ کے از رد ساعہ مومنین مخالفت باکفار شام مقابلہ داریم نہ باعدیان اسلام۔ صرف باورازہ مویاں (پچھے بال والے یعنی سکھ) بویان مقابلہ ایم۔ نہ باکلمہ گویان مدونہ اسلام جو بیان دنہ باسرکار انگریزی کو مسلمان رعایا سے خود برابر سے ادائے فرائض مذہبی شان آزادی بخشیدہ است ۵

(۵) اسی کتاب کے ص ۱۲۹ پر لکھا ہے۔

اس سوانح اور نیز مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد علمداری کو اپنی ہی علمداری سمجھتے تھے۔

اب ایک طرف قرآن مجید و حدیث اور صلوات امت اور محمد وین ملت میں جو حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی مسئلہ جہاد میں تائید کرتے ہیں اور دوسری طرف گواہان اور مختاران مدعیہ ہیں جو علوم شرعیہ سے محض ناواقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر تشیع جہاد کا الزام لگاتے ہیں۔ اس سے عدالت بخوبی معلوم کر سکتی ہے کہ کون سا فریق حق پر ہے۔

قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل :-

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ مذکورہ دلائل میں سے دلیل اول کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ آیت "یا بنی آدم امانا یا تسمینکم دسل" میں خطاب ان بنی آدم سے ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں تھے اور اس کے لیے انہوں نے ابن جریر کے ایک روایت پیش کی ہے۔ اور ابن جریر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود لکھا ہے کہ وہ رئیس المفسرین ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت کا مفہوم اس کے سیاق و سباق سے خود بخود واضح ہو تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روایت کے پیچھے پڑیں۔ اور اگر کوئی روایت اس طرح مفہوم کے جو کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ مخالف مفہوم بیان کرتی ہو تو وہ روایت۔ بلاوجہ قرآن مجید کے مریخ مفہوم کے مخالف ہونے کے ساقط عن الاعتبار ہوگی۔

چنانچہ آیت متنازعہ فیہ کے سیاق و سباق سے وہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کیونکہ اسی آیت سے پہلے بھی بنی آدم کے ساتھ خطاب موجود ہے۔ جو یہ ہے۔ "یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلووا وشرابوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین اس آیت میں یا بنی آدم کے ساتھ جو خطاب کیا گیا ہے تو وہ انہیں لوگوں کے لیے ہے۔ جو نزول قرآن مجید کے وقت موجود تھے۔ یا بعد میں آئیں گے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں صحیح مسلم میں بھی آیا ہے کہ مشرک مرد اور عورتیں بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ اور اسے موجب ثواب سمجھتے تھے۔ نو اللہ تمالے نے بیابرت اناردی۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد..... الخ یعنی ننگے طواف نہیں کرنا چاہیے اور اس آیت کے شان نزول میں جو بھی روایات آئی ہیں۔ انہیں معنوں کی موید ہیں۔ اور اس سے بھی پہلی آیت یا بنی آدم لا یفتنکم الشیطان کما اخرج ابو یوسف عن الحسن بن علی بن ابی حمزہ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے اور سورت کا ابتلا و بھی انہیں معنوں کی تائید کرتا ہے۔ اور حضرت آدم کا واقعہ بھی ضمنی طور پر درمیان میں آیا ہے۔ اور آیت متنازعہ فیہا کے بعد جو آیات ہیں۔ وہ بھی ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں کیونکہ اس ضمن میں اللہ تمالے نے رسولوں کے منکرین

مکذبین کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ قال ادخلوا فی امیم۔ قد اخلت من قبلکم من الجن والانس فی الناس۔
کہ مکذبین کو ان کی دنات کے بعد کہا جائے گا۔ کہ تم بھی آگ میں ان اتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ جو تم میں سے قبل جن اور انس
- سے گزر چکی ہیں۔

پس یہ آیت بھی بنا رہی ہے کہ آیت متنازعہ فیہا میں انہیں لوگوں سے خطاب ہے۔ جن سے پہلے بہت سی آیتیں
گزر چکی ہیں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں۔ جو قرآن کریم کے نزول کے وقت موجود تھے یا ان کے بعد آنے والے تھے۔ اور یہی
بات گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بحوالہ اتفاق امام جلال الدین سیوطی کی کتاب سے نقل کی تھی۔ جس کے
ہونے ہوئے متنازعہ مدعیہ نے صریح غلط بیانی کی کہ گواہان مدعا علیہ نے اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی اور جو روایت مختار
مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ کوئی سرفروغ منقول نہیں ہے اور اس کا نفع مسنون اس کے منصف پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ
اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی ذریت کو اپنی ہتھیلی میں رکھا اور پھر ان کو اسے نبی آدم سے
خطاب کیا۔ اول تو اس میں آدم اور اس کی اولاد کا ہتھیلی میں رکھنے کا ذکر ہے۔ اور خطاب میں آدم کا کوئی ذکر ہی نہیں
ہے۔ دوسرے قرآن مجید میں مطلقاً اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ کہ یہ قول جس کا حکایتاً من العاصی ہے۔ تا لثا اس
روایت کے راوی بھی زیادہ ثقہ نہیں۔

چنانچہ عبد الرحمن بن زیاد کے متعلق ابن تظان نے کہا ہے۔ کہ بعض اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ ولکن الحق فیدانہ ضعیف
یعنی اس کے متعلق سچی بات یہی ہے۔ کہ وہ ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال)

اور ایک راوی ہیا ج ہے۔ جس کے متعلق کبھی بن معین نے کہا ہے۔ کہ وہ ضعیف ہے۔ اور مرہ نے کہا ہے
کہ وہ کچھ چیز نہیں۔ اور پھر یہ روایت بھی صحابی سے نہیں بلکہ تابعی سے ہے۔ اور تابعین کے متعلق لکھا ہے۔

قال شعبۃ بن الحجاج وغیرہ اتوال التابعین فی الفردوس لیست حجة فکیف تکنون حجة فی التفسیر؟
کہ شعبہ وغیرہ نے کہا ہے کہ تابعین کے اقوال تو ضروریات دین میں بھی حجت نہیں تو وہ تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں۔
(ابن کثیر پر حاشیہ نفع البیان جلد اول)

اور علاوہ انہیں تفسیروں میں جو روایات آئی ہیں ان کے متعلق بزرگان سلف نے کوئی اچھی رائے ظاہر نہیں
کی چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

هذا التفسیر المتی اسند وھا الی ابن عباس غیر مرضیة۔ ورواھا مجاہیل۔

(انفاق جلد ۲ ص ۲۲۵ مصری)

یعنی یہ ایسی لمبی تفسیریں جن کو ابن عباس کی طوت منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ سب ناپسندیدہ ہیں۔ اور ان کے راوی
مجهول ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن عدرون کہتے ہیں وقد جمع المتقدمون فی ذلک وادعوا الا ان کتبھم

ومنقولہم لا تشمل علی الغث والسمین المقبول والمر دود۔ (مقدمہ ابن عدرون ص ۲۶ مصری)

یعنی تقدیر نے تفسیری باتیں جمع کی ہیں۔ اور ایک حد تک خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور ان کی درج شدہ باتوں میں اعلیٰ اور ناقص مقبول و مردود سب قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر ص ۲۱۱ میں لکھا ہے۔ فان قلت التفسیر من المنقولات عند ہم الی مثل ذالک یعنی تقدیر کی تفاسیر محض منقول باتوں سے بھر گئیں جو ان تک یہودیوں اور عیسائیوں سے پہنچی ہیں۔ اور وہ سب ایسی ہی خبریں ہیں۔ جو یہود و نصاریٰ کی روایات پر مشتمل ہیں اور وہ تفاسیر ایسی نہیں ہیں جو احکام سے متعلق ہوں کہ ان اقوال کی محنت کی جائے تا ان پر عمل واجب ہو اور ایسی محنت تلاش کرنے کے بارہ میں مفسرین نے بہت تاہل استفال کیا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابن جریر کو رئیس المفسرین لکھنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ بلکہ آپ نے اسے رئیس المفسرین علماء متقدمین کے قول کے مطابق لکھا ہے۔ چنانچہ فتح البیان جلد اول ص ۱۱۱ میں بحوالہ اتقان مصنفہ امام جلال الدین سیوطی لکھا ہے کتابہ اجل التفسیر واعظمها يتعرض لتوجيه الاقوال وترجيح بعضها على بعض والاعراب والاستنباط فهو يفوق هذا على تفاسیر المتقدمین۔

(فتح البیان جلد اول ص ۱۱۱)

کہ ابن جریر کی کتاب تفسیر باقی تفسیروں کی نسبت جلیل اور عظیم الشان ہے کیونکہ وہ اقوال کی توجیہ کرتا۔ اور بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتا ہے۔ اور خود استنباط کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تفسیر متقدمین کی تفسیروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابن جریر کی جو روایات آئینہ کمالات اسلام میں لکھی ہیں وہ بطور استدلال نہیں لکھیں بلکہ پہلے قرآن مجید کی آیت سے ایک مضمون بیان کیا ہے اور تاہمدی طور پر ان روایات کو فرتی مخالف پر اپنا مدعا منوانے کے لیے ذکر کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں جو روایات درج کی ہوں ان کو صحیح تسلیم کیا جائے مختار مدعیہ نے اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ انھیں

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو یا بنی آدم کی بجائے یا تھا الناس سے قرآن مجید میں خطاب کیا جاتا تھا اور یا بنی آدم سے جو یہاں خطاب کیا گیا ہے تو اس کا امت محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ آدم سے لے کر بعد کے تمام لوگوں کو خطاب ہے۔ اور اس آیت میں ذات آدم کو جو خطاب تھا اس کا حکم خاتم النبیین سے ختم ہو چکا تھا۔

سو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ اور اتقان میں بھی امام جلال الدین سیوطی نے یہی لکھا ہے لیکن مختار مدعیہ پر اس کو واضح کرنے کے لیے نامناسب نہ ہوگا کہ اس کے مسلم مقتدا و بانٹھی مدرسہ دیوبند کا قول بھی ذکر کر دیا جاوے کہ یا بنی آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

علی ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے آدمیوں کو خداوند کریم اس آیت میں یا بنی آدم لا یفتنکم الشیطان اور نیز اور آیت میں بنی آدم فرماتا ہے۔ حالانکہ حضرت کان میں سے کوئی بھی بیٹا نہ تھا

اگر تھے بھی تو کہیں اسٹیک کے پڑسنگ جا کر اولاد کی اولاد ہوتی ہے۔

(مدینۃ النبیہ ص ۲۹۰)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ آیت کے مالمحق و مالمسوق کی مد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ تو مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس کا حکم آیت خاتم النبیین سے ختم ہو چکا غلط ہو گیا۔ کیونکہ اگر آنحضرت معلم کے بعد کسی قسم کے رسول کا آنا متنع اور محال تھا تو اس آیت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ اور یہ بات کہ آئمہ رسول آئیں گے از قبیل اخبار ہے۔ نہ از قبیل احکام۔

اور اما یا یتینکم میں فرضی صورت دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بلکہ امر واقع کا بیان ہے۔ ورنہ منکر بن نبوت جمع انبیاء نو یہ بھی کہیں گے کہ اما یا یتینکم من حدی بھی فرضی صورت پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ اس سے یہ نہیں نکلتا۔ کہ واقع میں بھی آئیں گے۔ جب خدا تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کر کے ایک خبر دیتا ہے۔ تو اس سے مراد فرضی صورت نہیں ہو کرتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ کو یہ دم صرف اتنا سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ عربی زبان میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مضارع موکد بنون تاکید پر لام کی بجائے انا بھی آجاتا ہے۔ اور وہ فرض کے لیے نہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مریم کو فرمایا۔ *دآما ترین من البشر احداً فوقی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم* استیاب ظاہر ہے کہ حضرت مریم سے خدا تعالیٰ نے آما ترین کلام کی تھی تو اس کی مراد یہی تھی کہ تو انسان کو دیکھے تو ان سے کلام نہ کرنا۔ چنانچہ انہوں نے مقدمہ پلا نہیں جواب دینے کی بجائے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو اس نے ان سے کلام کی پس اسی طرح اس آیت میں بھی ذمہ صورت میں کلام نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت :- *قال انی جا علك للناس اما ما قال دمن ذریعتی قال لا ینال عهدی الظالمین*۔

اس آیت سے گواہ مدعا علیہ نے یہ استدلال کیا تھا کہ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے نبی بنانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ اور امتناع نبوت کی وجہ ان کا ظالم ہونا بتائی ہے۔ کہ یہ وعدہ اس وقت تک پورا ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ ظالم نہ ہوں۔

پس دوسری صورتیں ہیں۔ یا تو یہ تسلیم کیا جاوے کہ تمام آل ابراہیمؑ ظالم ہو گئے ہیں۔ اور یہاں پر یہ بتا جائے کہ ان میں نبوت کا پایا جانا ممکن ہے۔

اس پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اول ذریت کا لفظ جنمائی نسل پر لولا جاتا ہے۔ روحانی پر نہیں دوم جسمانی طور پر مرزا صاحب ذریت ابراہیم سے نہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذریت کا لفظ عربی زبان میں روحانی نسل پر لولا جاتا ہے۔ مختار مدعیہ پر حجت قائم

کرنے کے لیے میں یہاں پر لغت عرب کے حوالے چھوڑنا ہوا صرف اس کے مقتدا و مسلمہ عالم بانٹی مدرسہ دیوبند کے ذوال پیش کو دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

ہو سکے ہے کہ ذریت سے مراد مدید اور متبع ہی مراد ہو چنانچہ عربیت کے محاورات میں اپنے زمرہ کے لوگوں کو آل اور ذریت کہہ دیا کرتے ہیں۔ (مدیۃ الشیعہ ص ۳۰۰)

اس سے اعتراض کی پہلی خبر حیس میں مختار مدعیہ کی نخدی پائی جاتی تھی کہ ذریت کا لفظ صرف جسمانی اولاد پر بولا جاتا ہے۔ غلط ثابت ہوئی۔ اور دوسری خبر تو بدیسی طور پر باطل ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی اولاد سے ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: «والله جمع فیہم نسل اسمحاق واسماعیل من کمال الحکمة والمصلیة» استفاء ص ۳۰۰ کیرمے باپ وادوں میں کمال حکمت اور مصلحت کی بنا پر اسمحاق اور اسماعیل کی نسل جمع ہو گئی۔ پس آپ بلا یب ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کو نبی فارس مانا جائے تو بھی آپ حضرت اسمحاق کی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اگر نسل یعنی نذکی شراد سمجھا جائے تو بھی۔ کیونکہ ترک ابراہیم کی لونڈی (دیوی) قطورہ کی اولاد سے ہیں جیسے عرب حضرت ہاجرہ کی اولاد سے اور نزکوں کا قطورہ کی اولاد سے ہونے کا ذکر ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (الاشاعت فی اشراف الساعۃ ص ۵۶)

تیسری آیت: «الله یصطفیٰ من الملائکۃ رسلا ومن الناس»

کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل کے لیے یکساں طور پر استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ تصدیقی طور پر دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔ تو وہ لفظ مشترک ہوا۔ مگر مشترک میں دونوں معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مضارع کا حال اور استقبال دونوں کے لیے یکساں طور پر ہوتا ہے جب تک کہ کوئی قرینہ کسی ایک میں سے اس کو مختص کرے۔ ہر ایک شخص جو عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے جانتا ہے۔

چنانچہ منجہ میں لکھا ہے۔ المضارع صیغۃ الفعل التي تدل علی الحال او الاستقبال۔ کہ مضارع فعل کا ایک صیغہ ہے۔ جو حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے۔ اور خود گواہان مدعیہ میں سے گواہ مانے جرح کے جواب میں تسلیم کیا ہے۔

مضارع کا صیغہ حال اور استقبال دونوں کے لیے آتا ہے؛

اور کسی لفظ کا دونوں معنوں میں مشترک ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے۔ کہ اگر کسی جگہ اس کے دونوں معنی لگ کتے ہوں۔ تو صرف اشتراک کی وجہ سے نہ لے جائیں۔ مثلاً جب یہ کہا جائے، کہ رائت عینہ اور اس سے مراد آنکھ اور چشمہ دونوں کہتے ہوں تو دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں جب تک کہ اسے کوئی خاص قرینہ ایک معنی میں عینہ نہ کر دے اور آیت میں یہ صیغہ خدا کے لیے استعمال ہوا۔ اس لیے بیان استمرار کے معنی ہی موزوں ہو سکتے ہیں۔

چونھی آیت :-

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔

کے متعلق مختار مدعیہ نے جرح میں ایام الصلح ۶۳ کا حوالہ دیا تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اس آیت کے وہ معنی نہیں کئے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں۔ ایام الصلح میں آپ آیت لکھ کر فرماتے ہیں۔

” اس جگہ مفسر قائل ہیں کہ صراط الذین انعمت علیہم کی ہدایت سے غرض تشبیہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت

کا اتباع ہے۔“

اس عبارت سے آپ نے ان لوگوں کو جواب دے دیا ہے۔ جو ایک مستقل نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے قائل تھے۔ اور مخالفین کے اس قول کا کہ پیش نبی نبی ہوتا ہے جواب دیا ہے۔ اور مضرین کے قول سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی کو نبیوں کے ساتھ تشبیہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہے۔ اور یہ معنی ان معانی سے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں بمتضاد نہیں ہیں۔ کیونکہ ایام الصلح میں جن قسم کی نبوت کا انکار کیا گیا ہے۔ اس قسم کی نبوت گواہان مدعا علیہ اس آیت سے ثابت نہیں کرتے اور اس قسم کی نبوت اس آیت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ثابت کی ہے۔ جیسا کہ کشتی نوح صحت میں فرماتے ہیں: کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آئے۔ جو ہی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ لاکھ رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت میں اس زمانہ میں ہزار ہا یہودی صفت لوگ پیدا کرے اور ہزار ہا عیسائی مذہب میں داخل کرے گا ایک شخص بھی ایسا نہ ظاہر کرے کہ جو انبیاء و کذابتہ کا وارث اور ان کی نعمت پانے والا ہوتا۔ چنگوٹی جو آیت اهدنا الصراط المستقیم سے منتزاع ہوتی ہے۔ وہ ایسی ہی پوری ہو جائے جیسا کہ یہودی اور عیسائی ہو جانے کی چنگوٹی پوری ہو گئی۔“

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیرا انعام ہوا یہ غلط ہے۔ حالانکہ اس پر آیت میں جو دعائے اس کا یہی مفہوم ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ایک مومن یہ دعائیں کرتا کہ وہ انکار سنتہ ہی دیکھے پر خوش ہو جائے اور اسے منعم علیہ گروہ میں داخل نہ کیا جائے۔ اگر وہ منعم علیہ گروہ میں داخل نہیں ہوگا تو قیناً مفضوب علیہم ایضاً لہیں میں سے ہوگا اور آیت من یطعم اللہ والرسول فاد لثک مع الذین انعم اللہ علیہم من اللہین۔

پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ اس آیت میں معیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نبی ہو جائیں گے بلکہ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے اور اپنی تائید میں ایک تو بخاری سے حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ آیت مع الذین انعم اللہ علیہم پڑھی اور دوسری حدیث التاجر الصدوق کا میں مع اللہین ناہر صدوق میں نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ان دونوں روایتوں سے تمنتار مدعیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس آیت سے جو مفہوم گواہان مدعا علیہ نے نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں روایتیں اس مفہوم کے مخالف نہیں ہیں جو گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وفات کے وقت پڑھی تو اس پڑھنے سے کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ کی مراد اس آیت سے یہ ہے کہ آپ نبیوں اور صدیقیوں کے ساتھ ہوں۔ اور نبیوں میں شامل نہ ہوں۔ حالانکہ آنحضرت تو نبی ہی نہیں بلکہ قائم النبیین تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بے شک نبیوں ہی کے زنیہ میں ہوں گے کیونکہ آپ نبی تھے اور تا بر صدوق بھی ضرور انہیں لوگوں میں سے ہوگا۔ جن پر خدا کا انعام ہوا۔ تو وہ بھی اپنے مقام کے لحاظ سے ضرور ان چاروں گروہوں میں شامل ہوگا۔

اس کے قطعاً یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر وہ نبی نہیں تو نبیوں کے ساتھ ہوگا۔ اور اگر صدیقی نہیں تو صدیقیوں کے ساتھ ہوگا اور اگر یہ مراتب آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر بھی کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ چاروں گروہ جنت میں ایک ہی مقام پر ہوں گے بلکہ ان کے تعامات اور مراتب کا مختلف ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ پس تا بر صدوق ان چاروں مراتب میں سے جن مرتبہ میں ہوگا وہ اس مرتبہ والوں میں شامل ہوگا۔ اور اگر مع الذین انعم اللہ علیہم کے معنی بقول تمنتار مدعیہ یہ لئے جائیں کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے نہ یہ کہ ان میں سے ہوں گے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو خدا اور رسولوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام کیا لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے۔ جن پر خدا کا انعام ہوا یعنی امت محمدیہ منعم علیہ گروہ کے ساتھ تو ہوگی لیکن متم علیہ نہیں ہوگی۔ نبیوں کے ساتھ ہوں گے لیکن نبی نہیں ہوں گے۔ شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے لیکن شہید اور صالح نہ ہوں گے۔

اور اس مفہوم کو کوئی عقلمند انسان ماننے کے لیے تیار نہیں رہی یہ بات کہ صرف مع کے معنی ایسی معیت کے ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ کسی کو معیت حاصل ہے۔ ویسا ہی ہو جائے اور اس کا بھی وہی مقام ہو جو دوسرے کا مقام ہے تو یہی قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ المؤمنوں کو دعا کھاتا ہے۔ جس میں تو نفا مع الا برار کے الفاظ موجود ہیں کہ اسے خدا تو ہمیں تیکوں کے ساتھ وفات دے یہاں پر مع سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ جس دن نیک مرے اس دن ہمیں بھی مار ڈال بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ایسی حالت میں وفات دے کہ ہم نیک ہوں۔

اسی طرح ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلبیس کے تعلق فرمایا ہے ابی ان یكون مع الساجدین (الحج) اور دوسری آیت میں فرمایا اللہ یکن من الساجدین (عرف) تو ایک آیت میں مع استعمال کیا اور دوسری میں من استعمال کیا جن سے ثابت ہو کہ مع بمعنی من بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی آیت فالتقنا مع المشاہدین کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ”عن ابن عباس کتبنا مع الشاہدین ای کتبنا فی ذمۃ الانبیاء لان کل نبی شاہد لقوله قال اللہ تعالیٰ فلنسلن الذین ارسل الیہم و نستلن المرسلین وقد استاب

اللہ تعالیٰ دعاء ہمہ وجعلہم انبیاء ورسلاً فاصحاب الموتی وصنعوا کل ما صنع عیسیٰ علیہ السلام“
 (۲) ”انہ تعالیٰ قال شہد اللہ انہ لآالہ الا هو والملائکت۔ واولو العلم فجعل اولوا العلم من
 الشاہدین وقرن ذکرہم بذکر نفسہ وذاک درجتہ عظیمہ ومرتبۃ عالیہ فقا لوالہ
 فاکتبنا مع الشاہدین ای اجعلنا من تلک المقرقۃ الذین قرنت ذکرہم بذکرک“
 (۳) فاکتبنا مع الشاہدین ای اجعلنا ممن یكون فی شہود جلالک حتی نصیر مستحقین لکل
 ما یصل الینا من المشاق والمتاعب محییۃ ینسہل علینا الوفاء بما التزمناہ من نصرة
 رسولک ونبیک“ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۸۔

ان مذکورہ بالا تینوں عبارتوں کا بالترتیب زمرہ حسب ذیل ہے۔

(۱) ابن عباس نے اکتبنا مع الشاہدین کا جو ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں انبیاء کے زمرہ میں لکھ لے کیونکہ ہر ایک نبی
 اپنی قوم پر شاہد ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم رسولوں سے بھی دریافت کریں گے اور ان سے بھی
 جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول کیا اور انہیں انبیاء اور رسل بنایا
 پھر انہوں نے مردے زندہ کئے اور انہوں نے وہ تمام باتیں کر دکھائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیں تھیں۔
 (۲) اللہ تعالیٰ نے اور اس کے ہرشتوں اور اہل علم نے اس بات کی گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں
 پس اہل علم کو بھی خدا نے گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے۔ اور یہ ایک بڑا درجہ
 اور اعلیٰ شان کا مرتبہ ہے۔ تو انہوں نے یہ دعا کی کہ ہمیں شاہدوں کے ساتھ لکھ لے یعنی ہمیں اس فرقہ میں سے
 کر دے جس کا ذکر تو نے اپنا ذکر کے ساتھ ملا کر کیا ہے۔

(۳) فاکتبنا مع الشاہدین یعنی ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے جلال کا شاہدہ کرتے ہیں تاکہ ہم تمام مشقوتوں
 اور تکلیفوں کو جو ہمیں پہنچیں حقیر جائیں اور جو ہم تیرے رسول اور تیرے نبی کی نصرت کا عہد اپنے اوپر لیا ہے
 اسے سہولت کے ساتھ بجا لاسکیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ ان صفات کا جن کا ایک مومن میں پایا جانا ضروری ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے
 فلو لک مع المؤمنین یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے تو اس آیت میں مع المؤمنین کے معنی یہی ہیں کہ وہ مومن ہوں گے۔
 اور اسی طرح لسان العرب میں کو نوا مع الصادقین کے معنی کو نوا صادقین لکھے ہیں کہ تم صادق بنو۔

فخار مدعی نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑا اعتراض کیا ہے کہ اس طرح تو وہو معکم سے کبھی بندہ بھی خدا ہو
 جلے گا کیا فخر مدعی خدا کی بندے سے معیت اور ایک انسان سے انسان کی معیت کو ایک ہی قسم کی جانتا ہے۔
 خدا کی معیت تو انسان کی معیت سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس سے اسے انسانوں کی انسانوں سے معیت پر قیاس
 کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پس آیت متنازعہ میں کہا کہ یہ معنی ہوئے کہ خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کرنے والے بھی ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ خیر خدا تعالیٰ کا انہم ہوا یعنی نبی۔ صدیق اور صالحین میں سے۔ یعنی جو جس مرتبہ کے لائق ہو گا اسے خدا تعالیٰ اداہ مرتبہ عطا کرے گا۔ اور آیت و اذاخذنا منہن ما یشاقق النبیین ومنک ومن نوح اور اسی طرح دما کان اللہ لیذرا المؤمنین علی ما انتم علیہ اور ذالذع ھدی اللہ یمھدی بہ من یشاء سے گواہ مدعا علیہ نے بقاء نبوت پر جو استدلال کیا ہے وہ اس کے بیان میں تفصیل سے

مذکور ہے۔ اور مختار مدعیہ نے اس پر جو سوالات کئے ان کا جواب بھی اس میں موجود ہے۔ البتہ آیت لیستختلفتھم فی الارض کما استختلف الذین من قبلھم کے متعلق جو بحث مختار مدعیہ نے کی ہے۔ وہ قابل التفات ہے۔ گواہ مدعا علیہ نے یہ آیت خلافت جہانی اور خلافت روحانی دونوں پر چسپاں کی ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم سے مراد صرف صحابہ ہیں خلافت فی الارض کے معنی نبی بنانے کے نہیں جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ ان کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ اس سے سرزمین بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے نبوت وغیرہ نہیں لہذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہے۔ جو صحابہ کو امام کی حکمرانی سے پوری ہو چکی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وعد اللہ الذین امنوا انکم سے مراد صحابہ کو مراد سمجھنا۔ الفاظ قرآن کریم کی عمومیت کا بلا دلیل باطل کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو خطابات مومنوں سے کئے گئے ہیں ان سے مراد صحابہ ہی مقصود نہیں بلکہ انہی لوگ بھی مراد ہیں چنانچہ یومئذ یومئذ اللہ فی اولادکم میں بھی یومئذ اور اولادکم میں وہی خطاب موجود ہے اب اگر اسی خطاب کے مخاطب صرف صحابہ ہی لئے جائیں تو چھ دوسرے امتی ای حکم سے آزاد ہو جائیں گے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب اس آیت کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ متکلم اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مخاطب امتی ہدیتہ الشیعہ ۲۵۵

پس آیت مذکورہ بالا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے امتی مراد ہیں۔ اور یہ کہنا کہ یہ آیت صرف خلافت جہانی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ خلافت روحانی ہے نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ خلافت جہانی یعنی بادشاہت تو ایسے لوگوں کو بھی مل جاتی ہے جو بیک اور مومن نہیں ہوتے پس مفسر خلافت جہانی کو ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقید کرنا واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے۔

نیز اس کا جو نتیجہ دین کا مضبوط ہو جانا نکالا گیا ہے۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں صرف خلافت جہانی مراد نہیں ہے بلکہ خلافت روحانی بھی۔ اور دین کو مستحکم کرنے والی درحقیقت خلافت روحانی ہوتی ہے نہ کہ خلافت جہانی اگر مختار مدعیہ اس امر کی دلیل پہلے مفسرین سے چاہے تو تفسیر کبیر موجود ہے امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

” ان الاستخلاف بالمعنی الذی ذکرتموہ حاصل بجمیع الخلق فالمد کو رھہنا فی معرض

البشائر لا بد وان يكون مغاير له واما قوله تعالى كما استخلف الذين من قبلهم فالا الذين كانوا قبلهم فدلنا على خلفاء تارة بسبب النبوة وتارة بسبب الامامة والخلافة حاصله في الصورتين“
تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۲۸ و ۲۲۹ یعنی جن مسؤوں میں اختلاف کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اور خلافت جسمانی مراد لی ہے تو یہ خلافت تو تمام مخلوقات کو حاصل ہے۔ پس جس خلافت کا یہاں بطور بشارت کے ذکر کیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اس کے مغایر ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول میں جو پہلوں کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو جو لوگ مسلمانوں سے پہلے تھے ان میں خلفاء کبھی نبوت کی وجہ سے اور کبھی امامت کی وجہ سے ہوئے تھے اور خلافت ان دونوں صورتوں میں حاصل ہوتی ہے۔ اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جیسے پہلے خلافت روحانی و جسمانی تھی ویسے ہی اس امت میں بھی ہوگی پھر اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

” و اما قوله كما استخلف الذين من قبلهم يعني كما استخلف هارون ويوشع وادود سليمان وتقدير النظم يستخلفونهم كما استخلف الذين من قبلهم من هو ادعوا الانبياء عليهم السلام“
یعنی خدا تعالیٰ کے قول کہ جیسے ان سے پہلے خلیفے بنانے سے مراد ہارون اور یوشع اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خلیفے ہیں اور اس آیت کے معنی ہے کہ خدا ان کو ان پہلے نبیوں کے خلیفے بنانے کی طرح خلیفے بنائے گا۔ اور کہتے ہیں
” و اما قوله تعالى وليمكن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وهو الاسلام۔

(تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۲۸، ۲۲۹) کرویکمن

لم کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ یعنی اسلام کو ثابت اور مضبوط کرے گا اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ جو استدل اس آیت سے گواہ مدعا علیہ نے خلافت روحانی اور جسمانی پر کیا ہے وہی صحیح ہے۔“

احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت!

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

مختار مدعی نے تو اس ہی سماع کی حدیث پر جس میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے لقب سے پکارا ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انزال اہام ص ۲۳ میں لکھا ہے کہ اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ لکھا ہے۔

جواب:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس قول سے قطعاً یہ منشا نہیں ہے کہ تو اس کی روایت موضوع ہے اور اس میں جو لفظ نبی اللہ کا وارد ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہاں کے متعلق جو بعض باتیں جو سناری اور مسلم کی متفق علیہ

حدیثوں سے اختلاف رکھتی ہیں صرف ان کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ تو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشق حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے۔ اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ تو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے۔ مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث قطعی اور یقینی سمجھتے تھے اور تو اس بن سمان کی حدیث کو از قبیل استغلات و کنایات خیال کرتے تھے اور اس کی حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔“

(ازالہ اوہام بار پنجم ص ۱۱)

اور اس امر کا ذکر کرنے والے مسیح کو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی متعدد کتب میں کیا ہے۔ اور مختار مدعیہ نے سراج منیر ص ۱ سے جو حوالہ پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے جو نبی کا لفظ آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

وہ اس لحاظ سے ہے کہ حقیقی نبی سے آپ صاحب شریعت اور مستقل نبی مراد لیتے ہیں۔ اللہ اس کے مقابل میں آپ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کو جو حدیثوں میں نبی کہا گیا ہے تو اس سے مراد حقیقی نبی نہیں ہے اور دوسری حدیث کہ ابو بکر میری امت میں سب سے افضل ہیں مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یہ اتنی واضح حدیث تھی کہ اس پر مختار مدعیہ کو چاہیے تھا کہ وہ خاموش رہتا مگر اس پر بھی اس نے کہہ دیا کہ اس جگہ الا ان کیوں نبی سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔ جو حقیقی طور پر نبی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ایک تو نبی کا لفظ نکرہ واقع ہوا ہے۔ جس کو کسی خاص فرد کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں دوسرے اس حدیث کے الفاظ میں یہ امر صاف مذکور تھا کہ ابو بکر اس امت میں سب سے افضل ہے۔ مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یعنی اگر امت میں سے کوئی نبی ہو تو وہ افضل ہوگا۔ کیونکہ اس میں حضرت ابو بکر کا مقابلہ پہلے انبیاء سے نہیں تھا۔ بلکہ اس سے ہے جو کہ اس امت میں سے آئے۔

پس اس حدیث سے ایک تو نبی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ امتی ہوگا جس نے تمام کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجے میں حاصل کئے ہوں گے۔

تیسری وجہ تکفیر کا رد

گو اہان مدعبیہ نے تیسری وجہ تکفیر یہ بیان کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیامت اور نفعی صور وغیرہ اور قیامت کے دن مردوں کے قبروں سے جی اٹھنے وغیرہ سے انکار کیا ہے۔
اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱۔

نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل حوالہ بات جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر بیعت بعد الموت اور روز قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کا صریح طور پر اقرار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
” خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔“

”آمنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و البعث بعد الموت و اشہد ان لا الہ الا اللہ و احد ک لا شریک لہ و اشہد ان محمداً عبداً و رسولہ فاتقوا اللہ و لاتقولوا لست مسلماً و اتقوا الملک الذی الیہ ترجعون“ (ازالہ اوہام مائیل بیچ ص ۱۔)

(۲) و نعتقد ان الجنة حق و النار حق و حشر الاجساد حق یعنی ہمارا اعتقاد ہے کہ جنت برحق ہے اور جہنم بھی برحق ہے حشر اجساد بھی برحق ہے۔ لآ الہ الا اللہ محمد رسول اللہ امننا باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و الجنة و النار و البعث بعد الموت یعنی ہم ایمان لاتے ہیں خدا تعالیٰ پر فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور جنت پر اور جہنم پر اور بیعت بعد الموت پر (الوزار الاسلام ص ۳۱۔)

(۴) ”و نؤمن بالملائکة و یوم البعث و الجنة و النار“ اور ہم فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (نور الحق حصہ اول ص ۵۷۔)

(۵) یہ بات نہایت بدیہی اور عند العقل مسلم اور قرین قیاس ہے۔ کہ جیسا کہ انسان دنیا میں از نکاب جرائم یا کسب خیرات اور اعمال صالحہ کے وقت صرف روح سے ہی کوئی کام نہیں کرتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے ایسا ہی جزا و سزا کا اثر بھی دونوں پر ہی ہونا چاہیے یعنی جان اور جسم دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش انفرادی سے حصہ لانا چاہیے۔ (نور القرآن حصہ دوم ص ۲۳۔)

(۶) پس ہم مسلمان لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ بہشت جو جسم و روح کے لیے دارالجزاؤ ہے۔ وہ ایک اومور اور نائف دارالجزاؤ نہیں۔ بلکہ اس میں جسم اور جان دونوں کو اپنی اپنی حالت کے موافق جزاؤ ملے گی جیسا کہ جہنم میں اپنی حالت کے موافق دونوں کو سزا دی جائے گی۔ (نور القرآن حصہ دوم ص ۳۱)

(۷) قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھینگے وہ کہیں گے و ما لنا لانی رجالا لکننا تعدہم من الاشرار ۲۳ یعنی ہمیں کیا ہو گیا کہ دوزخ میں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے۔ (لکچر سبیا لکھوٹ ص ۲)

(۸) اور یوم آخر قرآن شریف کی رو سے یہ ہے جس میں مردے بھی اٹھیں گے اور پھر ایک فریق بہشت میں داخل کیا جائے گا جو جمانی اور روحانی نعمت کی جگہ ہے۔ اور ایک فریق دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ جو روحانی اور جسمانی عذاب کی جگہ ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴)

(۹) ایسا عقیدہ جو مومنین مطہرین بلا توفیق بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں یہ میری طرف سے نہیں بلکہ میری عقیدہ ہے۔ جس کی قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ اور دوسری تعلیم جو قرآن شریف میں ہے جو حشر اجداد ہوگا۔ اور مردے زندہ ہوں گے وہ بھی سچ ہے۔ اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ بہشت میں داخل ہونا یعنی فوت ہوتے ہی داخل ہونا) صرف اجمالی رنگ میں ہے۔ اور اس صورت میں جو مومنوں کو مرنے کے بعد بلا توفیق اجسام دیتے جاتے ہیں وہ اجسام ابھی ناقص ہیں مگر حشر اجداد کا دن بھلی اعظم کا دن ہے اس دن کامل اجسام ملیں گے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۶ حاشیہ)

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ نے جو بحث کی ہے۔ وہ قطعاً قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد جگہ اپنی کتب میں ان سب عقائد کا بیان فرمایا ہے۔ اور جو آیات اور احادیث ان مسائل کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لمحدین کے اعتراضات کو ملحوظ رکھ کر ان سب میں تطبیق فرمائی ہے۔ تو یہ تقریر کو جو ازالہ اوہام میں بیان ہوئی ہے۔ تو وہ ان مختلف حدیثوں اور آیات کی تطبیق میں ہے۔ مختار مدعیہ نے بارہ ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کچھ آیات سنائی تھیں جن سے بزعم خود اس سے بیثبات کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور نفعی صور ہوگا۔ مگر مرزا صاحب کے نزدیک جب جنتی جنت میں رہیں گے۔ اور دوزخی دوزخ میں تو قبروں میں کون ہے جو نکلے گا۔ اور نفعی صور اس کو جمع کسے گا۔ سو اس سوال کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے ادا ہو گا۔ میں مختار مدعیہ سے اگر وہ بھی ظاہری قبور مراد کہتا ہے۔ تو وہ قومیں جو مردوں کو جلاتی ہیں۔ یا جو سمندوں میں ڈوب کر مرتے ہیں۔ یا جنہیں درندے کھا جاتے ہیں۔ وہ کن قبروں سے اٹھیں گے

اگر تمام لوگ قیامت کے روز تک اپنی قبروں میں ٹھہرے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا۔ تو ان آیات کا کیا مطلب ہے۔ اعر قوا فادخلوا نارا (نوح) کہ نوح کے مخالف غرق کئے گئے۔ پھر انہیں آگ میں داخل کر دیا اور اسی طرح فرماتا ہے۔ القادیر ضون علیہا غدا دعشتیا و یوم تقم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعون صبح و تمام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہو اس دن ہم حکم کریں گے کہ فرعون کو اشد العذاب میں ڈالو اور آیت ^{حقیقی} یأیتہا انفسر المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی داخلی اسی آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو نفس خدا کی طرف سے تسلی پا گیا ہو اسے دیگر بندگان الہی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور اسی طرح ایک مومن کو بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قیل ادخل الجنة قال یا لیت قومی یعلمون اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اور اس کے علاوہ بھی جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں اور جنت کو دیکھا تو اس میں اکثر ضغفاء تھے اور شہداء کے متعلق تو قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہیں مردے مت کہوں اجیاء عند ربهم یرزقون بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور وہ رزق پاتے ہیں۔

اور امام ابن حزم فرماتے ہیں۔ هكذا نص رسول الله صلى الله عليه وسلم على ان ارواح الشهداء في الجنة كذلك الانبياء بلا شك۔

(کتاب الفصل جلد ۳ ص ۱۳)

یعنی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کے طور پر بیان کیا ہے۔ کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہیں اور اسی طرح انبیاء کی ارواح بھی بلا شک جنت میں ہیں پس اگر کوئی شخص مرنے کے بعد جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا۔ تو فخر مرعبہ ان آیات اور اپنے اس عقیدہ میں کہ مردے قبروں سے اٹھیں گے تطبیق کر کے دکھائے اور یہ بھی یاد رہے کہ جن قبور کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ وہ یہ قبریں نہیں ہیں بلکہ ان سے برزخی قبریں مراد ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم اماتہ فاقبرہ یعنی پھر خدا تعالیٰ انسان کو مارتا ہے۔ اور پھر اس کے لیے قبر بنا تا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں القبر دو ضمة من ریاض الجنة او حفرة من حفرة النیر ان کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

پس منتظر مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب محض الفاظ ملتے ہیں۔ معنی کچھ نہیں۔ درحقیقت اس کے اپنے اوپر صادق آنا ہے۔ کیونکہ وہ ان آیات کے معنی پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ بغیر کسی غور اور فکر کے مومنوں کی شان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہم حشر اجساد اور بعثت من فی القبور اور دیگر تمام امور اخروی پر ایمان لائے ہیں اور نفع صور کو بھی مانتے ہیں۔ فتنار مدعیہ نے شہادۃ القرآن اور چشمہ معرفت کے چند حوالے پیش کر کے کہا ہے کہ حضرت یسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نفع صور کے منکر ہیں۔ حالانکہ شہادۃ القرآن میں ہی آپ نے آیت و نفعم فی الصور فصعق من فی السموات کے تحت میں لکھا ہے: **بیر آتیں، ذوالوجہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی شہادۃ القرآن ص ۲۵**

اسی طرح ص ۶۴ پر بھی فرماتے ہیں کہ نفع صور صرف جسمانی اجزاء اور امانت تک محدود نہیں بلکہ روحانی اجزاء اور امانت بھی ہمیشہ نفع صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔

دیکھو ان دونوں جواہروں میں جو شہادۃ القرآن میں ہی موجود ہیں کیا نفع صور کا اقرار موجود نہیں ہے پھر یہ کہنا کس قدر خلاف واقعہ ہے کہ آپ نے نفع صور سے انکار کیا ہے آپ نے آیت و نفعم فی الصور فجمعناہم جمعاً کی آیت میں نفع صور سے مراد یسح موعود ہی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے سابق و سیاق سے ظاہر ہے۔ کہ یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ فاذا جاع وعد ربی جعلہ دکا وکان وعد ربی حقاً۔ و ترکنا بعضہم یومئذ یسح فی بعض۔ و نفعم فی الصور فجمعناہم جمعاً۔ (الجزء ۱۶)

یعنی جب وعدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آجائے گا تو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کرے گا جو: یا جوع و ما جوع کی روک ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ اور ہم اس دن یعنی یا جوع و ما جوع کی سلطنت کے زمانے میں متفرق فرقوں کو مہلت دیں گے کہ تا ایک دوسرے میں موجزن کریں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنے مذہب و دین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دبا نا چاہتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے اس طرح افواہ موج کی مانند بعض بعض پر پڑیں گی تا ان کو دبا لیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی۔ ہر ایک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لیے کوشش کرے گا۔ اور وہ اپنی لاپرواہیوں میں ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صور چھوٹکا جائے گا۔ تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے۔ صور چھوٹنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے۔ کہ اس وقت عباد اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہو گا اور اس کے دل میں زندگی کی روح چھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سراپت کرے گی۔ شہادۃ القرآن ص ۶۶ قرآن مجید کے (۹) مقامات پر نفع صور کا ذکر آیا ہے۔

پس اگر ان میں سے کسی ایک مقام کی نسبت آپ یہ سمجھتے ہوں۔ کہ اس کے سیاق کے لحاظ سے وہ اس زمانہ کے لیے بطور پیش گوئی کے ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ آپ ملغماً نفع صور کا انکار کرتے ہیں چنانچہ دوسری آیت کے ماتحت جیسے کہ شہادۃ القرآن ص ۲۵ کے حوالہ سے ذکر ہو چکا ہے۔ آپ قیامت کے وقت جو نفع صور ہو گا اسے تسلیم کرتے ہیں۔ پھر فتنار مدعیہ نے فرض کر کے حضرت یسح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قیامت کا ہی انکار کر دیا تو قبل نراط

دیگرہ کا بھی انکار کر دیا

حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت ہر ایک اس چیز کو مانتی ہے جو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہے چنانچہ آپ ہل مراط کے متعلق بھی فرماتے ہیں۔

.. یہی صورت جمانی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آجائے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ درحقیقت ایک مراط ہے۔ جو ہل کی شکل پر دوزخ کے اوپر بچھا یا گیا ہے۔ جس کے دائیں بائیں دوزخ ہے تب ہم مامور کئے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں مراط مستقیم پر چلتے رہے ہیں اور دائیں بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس مراط سے بھی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ جہنم کی جاپ ہم تک پہنچے گی اور نہ کوئی نزع اور خوف ہمارے دل پر طاری ہوگا بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گزر جائیں گے۔ لیکن جو شخص دنیا میں مراط مستقیم پر نہیں چل سکا وہ اس وقت بھی چل نہیں سکے گا۔ اور دوزخ میں گرسے گا اور جہنم کی آگ کا جہنم بن جائے گا۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۱۴۷-۱۴۸)

فخار مدعیہ نے جس رنگ سے تلیف کی اس کو دیکھ کر بے اختیار حضرت مسیح کا مقولہ یاد آتا ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آ جاتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہیرہ نظر نہیں آتا یہی فخار مدعیہ ہے جس نے مولوی احمد رضا خان کے فتاویٰ تلیف کردہ میں کتابیں لکھی ہیں مولوی اسماعیل صاحب شہید کے متعلق مولوی احمد رضا خان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ”جوشہید مظلوم خاں صاحب کے نزدیک وہ بانی نہیں بلکہ ان کے باپ ہیں اور مقتدا و پیشوا اور ان سے خاں صاحب کے نزدیک ایک نہیں بلکہ متعدد کیا ہے شمار کفر سرد ہوئے ہیں۔ جن کی بنا پر ان پر جزاً قطعاً یقیناً اجماعاً موجودہ کثیرہ کفر لازم“

(الکواکب الیمانی علی اولاد الزوان ص ۱۰)

لیکن اگر فخار مدعیہ اپنی عبارتوں کو بالمقابل رکھ کر اس عبارت کو پڑھتا تو اس کو معمولی سمجھ کر ذکر بھی نہ کرتا۔ مولوی احمد رضا خان کی مذکورہ بالا تخریر فخار مدعیہ کی تخریر کے مقابل میں کچھ چیز نہیں۔

چنانچہ فخار مدعیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے۔

حشر اجماد تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے اور ایک آیت کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہذا کم از کم سو دہ کفر و ارتداد امرضا صاحب کی ہوتی اور چونکہ بحث من فی القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کرداروں کی اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک شخص کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہذا بے شمار وجوہوں سے کافر و مرتد ہوئے۔

اب بناؤ فخار مدعیہ کی تخریر مولوی احمد رضا خان کی تخریر سے کچھ میں بڑھی ہوئی ہے یا نہیں لیکن باوجود اس کے

وہ اسے قابل اعتراض سمجھتا ہے ۴

توہینِ انبیاء علیہم السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی نبی کی توہین نہیں کی

گوہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انبیاء کی توہین کی ہے اور جو انبیاء کی توہین کرے وہ کافر اور مرتد ہے اس کے جواب کے لیے ملاحظہ ہو بیان گوہ مدعا علیہ۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے اس اعتراض کا تو جواب دیتے ہیں :
”اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبی کی توہین کی ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ لعنة الله على الكاذبين اور ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور تعظیم سے دیکھتے ہیں“ (انوار الاسلام ص ۱۲۱)

(۱)

مختاران مدعیہ نے انبیاء کی توہین ثابت کرنے کے لیے پہلا حوالہ یہ پیش کیا ہے اور یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعر ہے۔

آنچہ دادا دست ہر نبی را جام
داداں جام را مرا بتمام

سو اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گوہ مدعا علیہ۔

اور مختار مدعیہ نے اس سے جو استدلال کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفان کا جو جام اور انبیاء علیہم السلام کو پلا یا ہے میرے سید و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے وہی جام مجھے بھی پلا یا ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت اقدس کو تمام انبیاء کے عرفان سے معہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفان کے زیادہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مختار مدعیہ کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اس قول سے کہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اپنے واحد ماننے کی جو توفیق عطا فرمائی ہے وہی توفیق مجھے بھی عطا فرمائی ہے یہ مطلب نکالے کہ اس قائل نے اپنی توفیق کو تمام انبیاء کی توفیق کی برابر بنا کر تمام انبیاء پر اپنی فوقیت جتائی ہے حالانکہ یہ مطلب لینا بالکل باطل ہوگا صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر نبی خدا تعالیٰ کو واحد ماننا تھا اسی طرح میں بھی واحد ماننا ہوں نہ یہ کہ ان سب کا مجموعی طور پر واحد ماننا میرے واحد ماننے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا

علی ہذا نقیاس حضرت اقدس کے شعر کا بھی یہی مطلب ہے کہ مہربانی کو جو جام عرفان دیا گیا ہے وہی جام لبالب مجھے بھی دیا گیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل اپنا جام عرفان پلانے میں کسی سے کم نہیں رکھا بلکہ جو جام ان کو پلایا وہی مجھے بھی پلایا۔ جیسا کہ اسی نظم میں آپ فرماتے ہیں کہ

انبیاء اگرچہ بودہ اند بے من
بعرفاں نہ مکرتم ز کسے

اگر آپ کا مقصود وہ ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے تو آپ یہ کیوں فرماتے کہ میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ اس صورت میں تو آپ یہ فرماتے کہ میں ان سے بہت بڑھا ہوا ہوں اور پھر یہ کیوں فرماتے کہ

وارث مصطفیٰ شد م یقین
شدہ رنگیں برنگ یار حسین

یعنی مجھے جو جام عرفان الہی پلایا گیا ہے اور جس میں مجھے کسی سے کم نہیں رکھا گیا ہے وہ اس لیے ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث اور حضور کے رنگ سے رنگیں کیا گیا ہوں اور اسی نظم میں یہ کیوں فرماتے کہ

بیک آئینہ ام زرب غنی
اندہی صورت مہر مدنی

یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کے لیے بطور آئینہ ہوں اور جس طرح آئینہ جس چیز کے سامنے ہو اس کی صورت اپنے اندر لے لیتا اور دوسروں پر ظاہر کرتا ہے اسی طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک اپنے اندر لے لی ہے اور میں حضور ہی کی شکل مبارک دوسروں کو دکھانے والا ہوں اگر شعر مذکور کا وہ مطلب ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے تو اس شعر کے آگے ہی یہ شعر کبھی نہ لکھے جاتے۔ اس مضمون کو جو جا مجھے پلایا گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل پلایا گیا ہے حضرت اقدس نے جا بجا تحریر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

”اور وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں اور خدا کے رسول مقبول پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں بہتر اور پاک تر اور کامل تر اور افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں وہ بھی اب تک ان نعمتوں سے حصہ پاتے ہیں اور جو شہرت موسیٰ اور مریم علیہما السلام کو پلایا گیا وہی شہرت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی لے رہے ہیں اسراہیلی نور ان میں روشن ہے نبی یعقوب کے پیغمبروں کی ان سے برکتیں ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناپیز خدام جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ امت جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں اللہ صلی علی نبیک وحبیبک سید الانبیاء و افضل المرسلین و خیر المرسلین و خاتم النبیین محمد و آلہ و اصحابہ

و باریک و سلم“ (برابین احمدیہ حصہ چہام حاشیہ ص ۲۳۵ تا ۲۳۷)

(۲)

دوسرا حوالہ توہین انبیاء کے متعلق یہ پیش کیا گیا ہے

انبیاء گرچہ بودہ اند بے
من بعرفاں نہ کمتر از کسے

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ

اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ قول موجب توہین انبیاء ہو سکتا ہے تو شارح فصوص الحکم حضرت شیخ عبدالرزاق تاشانی جو مہدی موعود کو عرفان الہی کا مخضر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق ظاہر کرتے ہیں بہت بڑے توہین انبیاء کرنے والے ٹھہریں گے کیونکہ وہ شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ میں لکھتے ہیں:

”المہدی الذی یجئ فی آخر الزمان فانہ فی الاحکام الشرعیہ تابعاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم و فی المعارف و العلوم و الحقیقہ تکون جمیع الانبیاء و الاولیاء تابعین و لا یناقض ما ذکرنا لان باطنہ باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم“

یعنی وہ امام مہدی جو آخری زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی تابع ہوں لیکن معارف علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء ان کے تابع ہوں گے اور یہ بات ہمارے مذکورہ قول کے منافی نہیں کیونکہ ان باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی باطن ہوگا۔

(۳)

تیسرا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے

زندہ شد ہر نبی باعدنم
ہر رسولے نہال بپیرانم

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

اور اس مضمون کا ایک شعر دیوبندیوں کے مسلمہ بزرگ شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے

فقط ایک آپ کے دم سے نظر آتے تھے سب زندہ
بخاری و غزالی بصری و شبلی و شیبانی

(۴)

چوتھا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے

نگدر ماء السابقین و عیننا
الی آخر الایام لا تنکدر (اعجاز احمدی)

اور اس کا یہ ترجمہ کر کے کہ نبیوں کے پانی خشک ہو گئے لیکن ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہوگا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آپ نے تمام انبیاء حتیٰ کہ سید الانبیاء آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چشمہ کے بھی خشک ہو جانے اور صرف اپنے چشمے کے ہمیشہ جاری رہنے کا دعویٰ کر کے تمام انبیاء حتیٰ کہ حضور سید المرسلین پر بھی اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس نے خود اس شعر کا جو ترجمہ فرمایا ہے وہ یہ ہے ”کہ دوسروں کے پانی تو امت میں سے تھے خشک ہو گئے مگر ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہو گا“ اس ترجمے سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے سابقین کے لفظ سے اس امت کے لوگ مراد لیے ہیں نہ کہ تمام انبیاء اور قرآن مجید کے منعلق تو اسی کتاب اعجاز احمدی کے صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں۔

واللہ فی القدران کل حقیقہ
وآیات مقطوعۃ لا تغیر
معین معین الخلد نور معیناً
ہذا غیر السماء لا یتکدر

اور بجز قرآن شریف میں ہر ایک حقیقت سے اور اس کی آیتیں قطعی ہیں جو بدلتی نہیں۔ وہ صاف پانی ہے بہشت کا پانی ہمارے خلا کا نور ہدایت اس کی صاف زلال ہے مگر نہیں ہے۔

پس شعر اول کے ترجمہ کی موجودگی میں جو حضرت اقدس نے خود کیا ہے اور پھر ان دونوں شعروں اور ان کے ترجموں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ نتیجہ نکالنا کہ شعر اول میں سابقین سے تمام انبیاء علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں

افلت شمس اولیٰ وشمسنا
ابد العلیٰ افق السماء لا تحرب
(مقامات امام ربانی ص ۱۸)

اس شعر میں اولیٰ کے سورج غروب ہو جانے اور اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے اور کبھی غروب نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تو کیا اس شعر کے لفظ اولیٰ سے مختار مدعیہ تمام نبیوں کو معہ سیدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراد لے کر یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے تمام نبیوں حتیٰ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج کا بھی غروب ہو جانا ظاہر کر کے اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس طرح آئیناب نے تمام انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ بلکہ اس شعر کا مطلب وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات جلد ۳، ص ۲۵۲ مکتوب ۱۳۳ میں فرمایا ہے۔

مراد از شمس آفتاب فیضان وارشادات وازافول آن عدم فیضان مذکورہ وچوں بوجہ وجود حضرت شیخ معاملہ کہ بادلین متعلق داشت باو قرار گرفت وادواسطہ وصول رشتہ و ہدایت گردید چنانچہ پیش از وی اولیٰ بودہ اند و نیز تا معاملہ توسط فیضان برپا است بتوسل اوست ناچار راست آمد کہ افلت شمس اولیٰ الخ یعنی شمس سے مراد آفتاب فیضان وارشادات ہے اور اس کے غروب ہونے سے فیضان وارشادات مذکورہ کا مفقود ہونا اور جب اس معاملہ نے جو اولیٰ سے

تعلق رکھتا تھا سیدی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے وجود پر قرار پکا اور آپ رشد و ہدایت کے رسول کا واسطہ ذریعہ ٹھہرنے جیسا کہ آپ سے بیشتر ادرین ہوئے ہیں۔ اور اب جب تک بھی کہ فیضان کے توسط کا معاملہ برپا ہے آپ ہی کے توسل سے ہی ناچار آپ کا اذیت شمس الاولین الخ فرمانا راست آیا یعنی آپ سے پہلے اولیائے امت کے جو فیضان اپنے اپنے زمانوں میں جاری تھے وہ بند ہو گئے اور چشمہ فیضان حضرت شیخ بنا دیئے گئے۔ جو مطلب حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ کے شعر کا حضرت ربانی مجد العناتانی نے بیان فرمایا ہے وہی مطلب حضرت اقدس کے شعر کا ہے۔ جو معنی حضرت شیخ کے شعر میں لفظ اولین کے ہیں وہی معنی حضرت اقدس کے شعر میں سابقین کے مختار مدعیہ کو اختیار ہے جو چاہے وہ مطلب لے لے۔ مگر دونوں شعر کا مطلب ایک ہی نہیں ہوگا۔ جو مراد ایک شعر میں لفظ اولین کی ہے وہی دوسرے شعر میں لفظ سابقین کی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ تو تمام انبیاء مع حضور سید الانبیاء کے مراد لیے جائیں اور دوسری جگہ صرف اولیائے امت اور مختار مدعی نے شعر سے اولیاء امت کی جو توہین نکالی ہے اس کا جواب بذیل عنوان اولیاء امت آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۵)

پانچواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے۔

مقام اومبین ازراہ تحقیر بدور انش رسولان نازکردند

اور کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ زمانہ بدترین زمانہ ہے اور خود گواہان مدعا علیہ نے بھی اسے بدترین زمانہ ہی کہا ہے جواب۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے مولویوں کے

متعلق پشیموری ہے کہ وہ بدترین فرقوں ہوں گے اور ضلالت اور کفر کی کل اور دورہ ہو گا لیکن ساتھ ہی آپ نے مسیح کو خود کے کئی کئی بشارت دی ہے اور اس کی جماعت کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور شاعت ہوگی اس نغمی کا اظہار فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ باوجود یہ کہ مولوی اور دوسرے مخالفین اسلام اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں گے اور تمام منصوبے اس کی ہلاکت کے کریں گے اور اس کی جماعت کا استحصال کرنے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے مگر خدا تعالیٰ کی نصرت اس کے اور اس کی جماعت کی مثال حال ہوگی۔ اور وہ روز افزوں ترقی کرتی جائیں گی یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے گا کہ تمام دنیا میں اسلام کا سورج چمکے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث انش سے زمین معمور ہو جائے گی جیسا کہ منصب امامت کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

”أني لا رجوان طال بي عمران القى عيسى بن مريم فان عجل بي موت فمن لقيها

منكم فليقره من السلام من اخرجها مسلم واحمد باسنادين جاكهما اجل الصحيحين (صحیح الکرمی ص ۴۷۸)

یعنی میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ اگر میری عمر لمبی ہو جائے تو میں عیسیٰ ابن مریم سے طوں پس اگر میں پہلے وفات پا گیا تو جو تم میں سے اسے لے لو اسے میری طرف سے سلام کہے۔ اور اس جگہ عیسیٰ ابن مریم سے حضرت عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی مراد نہیں بلکہ محمدی عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی

سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں مل چکے تھے پھر آپ فریقین کو کہا کہ فتنہ سے تمام انبیاء اپنی قوموں کو ڈراتے آئے ہیں اور اس کے فتنہ سے بڑھ کر کبھی فتنہ ہوا اور نہ ہوگا (مشکوٰۃ)

پس جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء نے دجال کے فتنہ ہانکے سے ڈرایا ویسا ہی انہیں اس شخص کا بھی علم دیا گیا ہوگا جو اس کے فتنہ کو دور کرے گا اور وہ فریقین کے نزدیک مسیح موعود ہے جو ہمارے نزدیک حضرت مرزا صاحب کے آنے سے پورا ہو چکا۔ چنانچہ دلائل النبوة جلد ۱۱ میں ابو ہریرہ سے ایک روایت آئی ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے میرے رب میں الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جن کو علم اول دعلم آخر دیا جائے گا اور وہ قرون ضلالت مسیح دجال سے مقابلہ کریں گے پس تو اس کو میری امت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ احمد کی امت ہے نیز ما حفظہ جو حج المکرمہ ص ۱۳ اور مولانا عبدالرحمن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ”شیخ ابوالحسن شاذلی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کہ قطب زمان خود بڑا از واقعہ کہ وید جنین خبر دادہ است کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مفاخرت و مباحث کردہ است بغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ“ (نفحات الانس مع سلسلۃ الذہب مطبوعہ نوکلشور ص ۳۶۹)

پس جب امام صاحب غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے وجود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاخرت اور مباحث کا اظہار کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی اپنے لائق بیٹے کے اچھے کاموں پر ناز کرے پس جیسے کہ ایک باپ کا اپنے بیٹے کے کاموں پر ناز کرنا بیٹے کی عزت افزائی کا موجب ہے نہ کہ باپ کی ہتک کا ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روحانی بیٹے مسیح موعود کے خدمات اور کاموں کے حال معلوم کر کے اس کے وقت پر ناز کرنا اس کو عزت بخشتا ہے نہ کہ نعوذ باللہ حضور کی ہتک اور دوسرے انبیاء اس زمانہ کے مولیوں کی طرح حاسد نہیں ہیں کہ وہ کسی کے کمال کو دیکھ نہ سکیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کامل فرزند روحانی پر ناز کرنے کو دیکھ کر اور انبیاء کا بھی ناز کرنا ایک لازمی امر تھا اور ناز کرنا موجب تو نہیں ہوتا ایک بیٹا اپنے باپ اور باپ اپنے بیٹے پر اور بڑا بھائی چھوٹے بھائی پر بھی ناز کر سکتا ہے اور ناز کرنے کو موجب تو نہیں قرار دینا درست نہیں ہے

(۶)

چھٹا سوال یہ پیش کیا گیا ہے کہ

روضہ آدم کہ تھا جو نامکمل اب تک

میرے آنے سے ہوا کامل بجلہ برگ و بار

اس شعر سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے اور اپنی طرف وہ بات منسوب کی ہے جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی حالانکہ اس شعر سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مقصد نہیں کہ اپنی فضیلت تمام انبیاء پر ظاہر کریں بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ شخص جس کا آخر زمانہ میں آنا مقدر تھا اور جس کی آمد پر تکمیل اشاعت موقوف تھی وہ میں ہوں اور میرے آنے سے وہ بات پوری ہوئی کہ روضہ آدم جس سے مراد نسل انسانی ہے کی ہدایت کے لیے

جو آخری ہدایت اور آخری شریعت نازل ہوئی تھی اس سے فیض باب ہونے کا وقت اب آ گیا ہے اور اب آپ اور آپ کی جماعت کے ذریعہ دنیا کی تمام اقوام کو وہ ہدایت پہنچی ہے اور نہینتی رہے گی یہاں تک کہ تمام دنیا کی قومیں دین اسلام کو قبول کر لیں اور جیسا کہ انسان حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ایک قوم تھے اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ایک قوم کی صورت میں ہو جائیں چنانچہ اسی نظم میں جس کے شعر کے مطلب پر یہ کلام ہو رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے

ملت احمد کے مالک نے جو ڈالی تھی بسنا آج پوری ہو رہی ہے لے عزیزان دیار
گلشن احمد بنا ہے مسکن باوصبا جس کی تحریکوں سے سننا ہے بستر گفتار یار

اور اس مضمون کو آپ نے چشمہ معرفت ص ۸۲ میں یوں فرمایا ہے

”اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک متدہ ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس خدائے نہ چاہا کہ وحدۃ اقوامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی یعنی شبہ گذرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانے میں انجام کو پہنچ گیا۔ اس لیے خدائے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لیے اس امت میں سے ایک نائب مقرر کیا۔ جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اس کا نام خاتم الخلفاء ہے پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر پر مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا ہوئے کیونکہ وحدۃ اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اس کی طرف یہ ایک اشارہ کرتی ہے ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ص ۸۲ و ۸۳“

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہوئی لیکن تکمیل اشاعت کا زمانہ وہ نہیں تھا کیونکہ اشاعت کے اسباب اس وقت پیدا نہیں کئے گئے تھے اور تکمیل اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مقررہ تھا کہ وہ مسیح موعود اور ہمدی کے ذریعہ سے ہو۔ علماء و متقدمین اس امر کے قائل ہیں چنانچہ مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب منصب امامت ص ۱۷ میں لکھتے ہیں :

”قال اللہ تعالیٰ ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

و ظاہر است کہ ابتداء زہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوقوع آمدہ و اتمام آن از دست حضرت

ہمدی واقع خواهد گردید“

پھر فرماتے ہیں :

”قال الله تعالى قل يا ايها الناس انى رسول الله ايكم جميعا۔ و ظاہر است کہ تبلیغ رسالت
بنسبت جميع ناس ازال جناب متحقق نگشتہ بلکہ امر دعوت از آن جناب شروع گردیدہ یو ما فیو ما بواسطہ خلفاء
راشدین و ائمہ ہدیہ میں اود بتدریج کشید تا زینکہ بواسطہ امام محمد علیؑ خواہر رسید“ ص ۵۹ منصب الامت۔
اور اسی مضمون کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شعر مذکورہ بالا میں اشارہ فرمایا ہے

(۷)

ساتواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد
حالانکہ اس شعر کا کسی نبی کی توہین سے کچھ بھی تعلق نہیں اس میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے

کہ میں مسیح بھی ہوں اور کلیم خدا بھی کہ خدا تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے اور بروزی طور پر محمد و احمد بھی ہوں اور جیسا کہ اپنے دوسرے
مقامات پر تشریح فرمائی کہ محمد و احمد کا نام بروزی طور پر مجھے عطا کیا گیا ہے اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم اور
آپ کا قائم مقام ہوں چنانچہ اس نصیدہ میں آپ فرماتے ہیں

بروے یار کہ ہرگز نہ تربیتے خواہم
پناہ بیضہ اسلام آن جوان مردیت
مگر اعانت اسلام دعا باشد
کہ خون بدل ز پیے دین مصطفیٰ باشد

(ترباق القلوب ص ۳۵)

اور اس کی تائید ترباق القلوب کے ص ۷ کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے

”اے تمام۔ وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور تمام وہ انسانی رُو جو مشرق و مغرب میں آباد ہو میں پوسے
زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں۔ کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا
خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال و تقدس کے
تحت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ
ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے
انعام پاتے ہیں۔“

(۸)

آٹھواں حوالہ یہ پیش کیا ہے

آدم نیز احمد مختار
در برم جامہ ہمہ ابرار

اور اس پر بھی وہی اعتراض کیا ہے جو اس سے پہلے شعر پر کیا تھا سوا اس کا جواب بھی بالکل وہی ہے جو حوالہ

میں گذر چکا ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور مجھ پر ان تمام ابرار کا جامہ ہے جو آدم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے۔ اس لحاظ سے میں آدم بھی ہوں اور موسیٰ بھی ہوں اور عیسیٰ بھی ہوں اور احمد مختار بھی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں۔ کیونکہ جو جامہ علم و معرفت کا ان پر خدایک طرف سے پہنایا گیا تھا۔ وہی خدا تعالیٰ نے مجھے بھی اپنے فضل سے باتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنایا ہے۔

(۹)

نواں سوال یہ پیش کیا ہے

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار اور اسی طرح انہوں نے حقیقتہ الوحی میں سے ص ۹۷ کا حاشیہ بھی جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں آدم ہوں شہادت ہوں یعنی انبیاء کے نام مجھے دیئے گئے ہیں پیش کیا ہے کچھ میں نہیں آتا کہ اگر کسی نبی کو بہت سے نام دے جائیں تو اس سے دوسرے انبیاء کی توہین کیسے لازم آتی ہے اس میں تو انبیاء کی عزت کا اظہار ہے کیونکہ مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دیا جائے تو بالعموم مشبہ بہ میں وجہ مشبہ اقویٰ طور پر پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں مختلف ناموں کے دیئے جانے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں :

”خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد و محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں۔ ویسا ہی عاجز خاتم ولایت ہے اور بعد کے اس کے براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرے متعلق یہ بھی فرمایا ”جسی اللہ فی حلالہ الانبیاء“ یعنی رسول خدا تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پیرا بہ ہیں اس وحی الہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جن قدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں خواہ اسرائیل ہوں یا غیر اسرائیلی ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور اس میں سے یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی ان سے مشابہ ہیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں۔۔۔۔۔ اور جیسا کہ پہلی امتوں میں کوئی قوم طاعون سے مرئی اور کوئی قوم پانی کے طوفان سے اور کوئی آندھی کے طوفان سے اور کوئی قوم خسف سے اسی طرح اس زمانہ کے لوگوں کو عذابوں سے ڈرنا چاہیے اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ تمام مواد موجود ہیں محض حکم الہی نے ہدایت دے رکھی ہے اور یہ فقرہ کہ جسی اللہ فی حلالہ الانبیاء بہت تفصیل کے لائق ہے۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۹)

اسی طرح آپ نے ص ۸۵، ص ۸۹، ص ۹۰ پر ان اسماء کی وجہیں تحریر کی ہیں اور تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۴ میں یہ لکھ کر کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کے نام سے مجھے خطاب فرمایا ہے لکھا ہے :

”دوسو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو“
 یازید بطحامی کے متعلق تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے ”کہ ایک نے آپ سے کہا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور محمدؐ خدا کے بزرگ و بلند بندے ہیں اس کے جواب میں فرمایا ”وہ سب میں ہی ہوں“ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴۹)

چنانچہ اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب اپنی کتاب فوائد فریدہ کے ص ۳۴ میں حضرت فضیل ابن عیاض کا قول نقل فرماتے ہیں۔ ”فرمودہ است انا العرش والكرسى واللوح والقلم وانا الحجر السيل والميكائيل والعزرائيل والاسرافيل وانا موسیٰ و عیسیٰ و محمد۔“

اور ص ۳۴ میں نقل فرماتے ہیں ”حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرمودہ است کہ من حجتم بر ملائکہ وگو سفند من حجت است بر علماء و فقہاء“

اور اسی صفحہ پر نقل فرماتے ہیں حضرت ابوالحسن نوروی فرمودہ است نظرت بو مالئ النور فلم ازل انظر الیہ حتی عمرت ذالک النور“

اور جی بہت سے بزرگوں کے خواجہ صاحب نے اقوال نقل کیے ہیں کیا مختار مدعیہ ان سب کو کافر و مزید قرار دے گا۔ پس اگر کسی مشابہت کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کو مختلف انبیاء کے نام دیئے گئے تو اس سے نہ تو کسی نبی کی توہین لازم آتی ہے اور نہ اس سے دوسرے انبیاء پر آپ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود

گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ الزام بھی لگایا ہے کہ آپ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اور اپنے کو ان پر فضیلت دئی ہے۔ ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱

۱) پہلی وجہ توہین گواہان مدعیہ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ آیات قرآنیہ جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مراتب اور مقامات علویہ سے مشرف فرمایا تھا۔ انہیں اپنے اوپر چسپاں کر لیا۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے الہاموں کے متعلق اپنی کتاب براہین احمدیہ میں جس میں کہ یہ سب الہامات درج ہیں تحریر فرمایا ہے :

”اس جگہ یہ دوسو سئل میں نہیں لانا چاہیے کہ کیونکر ایک اد نے امتی آں رسول مقبول کے اسماریا

صفات یا اعمال میں شریک ہو سکے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالات قدسیہ سے شریک و مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں ہے چنانچہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق۔ ارشاد اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تاہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تاہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملازم و لاجواب کرتی رہیں اسی طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پرکھ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گذرے ہونے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشے کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ من جانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تمام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۲، ۲۴۳)۔

پھر فرماتے ہیں :

”اور ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب طفیل ہیں اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے اہام میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لینے اور وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے لطف و احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت و خوبی سے“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ ص ۲۸۹-۲۸۷)۔

پھر آپ کا ایک اہام ہے کل بركة من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم وتعلم یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ اہام و کشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے (ازالہ اوہام ص ۲۴۲) اور فرماتے ہیں :

تھے روح ایک حقیقی تو یہ عین تناسخ ہے جو سب کے نزدیک باطل اور اگر مرزا صاحب میں دور دو جس تھیں تو نبی کی کوئی روح تھی اگر مرزا صاحب کی روح حقیقی تو پھر وہی نبیانی لازم آئی یعنی ختم نبوتہ کا انکار اور اگر آنحضرت کی روح تو پھر مرزا صاحب نبی نہ ہوئے (دیکھو بحث ۱۲ اکتوبر)۔

چونکہ گواہان مدعا علیہ کا جواب بالکل واضح ہے اور اس جواب پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اس لیے میں یہاں پر گواہان مدعا علیہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیتے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ملے اور اس جواب میں جو الہ مشنوی دفتر چہارم ص ۱۵۱ یہ حوالہ بھی پیش کیا گیا تھا کہ ”بایزید چوں قطب وقت بود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود چرا کہ قطب نے باشند مگر بر قطب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہر کہ بر قطب کسے بود عین آکس اسرت“ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا اور اس پر اعتراض کر دیا کہ بایزید سبطی کیسے رسول اللہ صلعم کے عین ہو گئے تھے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے ہمیں بھی اپنے لئے عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں فرمائے۔ بلکہ آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ مجھے بروز می طور پر محمد و احمد کا نام دیا گیا ہے اور میرے اور ان کے درمیان شناگرد استاد کی نسبت ہے اور ظل و اصل کی ہے۔ آنحضرت صلعم استاد ہیں اور اصل ہیں اور حضرت مسیح موعود آپ کے شناگرد اور ظل ہیں اور امام ربانی بھی مکتوبات جلد ۱ ص ۲۶۶ مکتوب ۴۸ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے حامل تبع بہ سبب کمال متابعت انہی میں جذب ہو جاتے ہیں اور ان کے رنگ میں ایسے رنگیں ہوتے ہیں کہ تابع دنیوی یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اول اور آخر ہونے کے اور اصل اور ظل کے اور حضرت مسیح موعود نے صاف فرما دیا ہے :

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لیے منتخب کیا جو خلق اور بہمت

اور ہمد می خلقت میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد و محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا

جائے کہ گویا اس کا ظہور عینہ آنحضرت کا ظہور تھا (تخصیر گولڈ ویہ ص ۱۱۱)

پس حضرت مسیح موعود نے حقیقی طور پر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا جو آج سے چودہ سو برس قبل تشریف

لائے تھے ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔

(۳)

حقیقی خاتم

مختار مدعیہ نے ۱۹ اکتوبر کی بحث میں جو الہ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ۱۱۱ ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ مرزا صاحب

نے اپنے متعلق کہا ہے کہ میں حقیقی خاتم ہوں اور رسول مقبول کو بھی قرآن مجید میں خاتم النبیین کہا گیا ہے حقیقت کے

مقابل میں مجاہد ہونا ہے تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجازی خاتم النبیین ٹھہرے یہ صریح کفر اور توہین ہے۔
جواب: مختار مدعیہ کا یہ ایک صریح مخالفہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں بھی اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین نہیں کہا اور نہ آنحضرت کو مجاری خاتم النبیین کہا ہے جس عبارت پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے اس میں اس کی تردید موجود ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ختمت النبوة علی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فلا نبی بعدہ الا الذی لور بنورہ
 وجعل وارثہ من حضرت الکبریاء و علموا ان الختمیۃ اعطیت من الازل لحمد
 صلی اللہ علیہ وسلم ثم اعطیت لمن علمہ روحہ وجعلہ ظلہ فتبارک من
 علمہ وتعلم فان الختمیۃ الحقیقیۃ كانت مقدرۃ فی الالف السادس الذی
 ہو یوم سادس من ایام الرمان یشابہ ابا البشر من کان هو خاتم نوع الانسان
 یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا مگر وہی جو آپ کے نور
 سے منور کیا جائے۔ اور جناب الہی سے آپ کا وارث بنایا جائے یا در کھو کہ ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کو ختمیت عطا کی گئی پھر اس شخص کو عطا کی گئی جس کو اس کی روح نے سکھایا اور اسے اپنا نسل بنایا
 پس بابرکت ہے وہ جس نے سکھایا اور جس نے سکھا پس حقیقی ختمیت چھٹے ہزار میں مقدر تھی جو خدا
 کے دنوں سے چھٹا دن ہے تا اس سے حضرت ابوالبشر آدم کی بھی اس شخص کی مشابہت پائی جائے جو
 نوع انسان کا خاتم ہے“

یہ عبارت خود بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی
 نہیں ہو سکتا مگر وہی جو آپ کے نور سے منور ہو پس جو شخص نبوت کا مقام آنحضرت کی اتباع کی برکت سے پائے گا
 تو وہ حقیقی خاتم النبیین کیسے ہو سکتا ہے دوسرے حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو آنحضرت صلعم کا شاگرد اور
 وارث بتایا ہے۔ پس آپ کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ بطور وارثت کے ہے اور نیز آپ نے اپنی بعثت کو بروزی
 طور پر آنحضرت صلعم کی بعثت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اقتباس الانوار ص ۵۲ میں بھی لکھا ہے ”محمد بود کہ بصورت آدم
 در مبدء ظهور نمود یعنی بطور بروز در ابتدا عالم روحانیت محمد مصطفیٰ اور آدم تجلی شد و ہم اد باشد کہ در آخر
 بصورت خاتم ظاہر گرد یعنی در خاتم الولاہیت کہ جہدی است نیز روحانیت محمد مصطفیٰ بروز و ظهور خواهد کرد و ظہر فیا
 خواهد نمود (ایام الصلح ص ۱۵۱)

اور جو ختمیت آپ کو عطا کی گئی ہے وہ بلحاظ دلاہیت کے ہے اور آنحضرت کو ختمیت بلحاظ نبوت کے ہے چنانچہ شرح
 محی الدین العربی فرماتے ہیں۔

”فكل نبى من لان الامالى الاخرى ما منهم احدياخذ الامن مشكاة خاتم النبیین وان تاخر وجود طينته فانه بحقيقته موجود وهو قوله كنت نبياً واد مرتب الماء والطين وغيره من الانبياء ما كان نبياً الا حين بعث وكذا لك خاتم الاولياء كان وليا واد مرتب الماء والطين وغيره من الاولياء ما كان وليا الا بعد تحصيله شرائط الولاية من الاخلاق الالهية في الاتصاف بها من كون الله لیسى بالولى حميد فانه الولی الرسول النبى وخاتم الاولياء الولی الوارث الاخذ عن الاصل المشاهد للمراتب وهو حسنة من حسنات خاتم الرسل محمد صلى الله عليه وسلم (فصوص الحكم ص ۳)

یعنی آدم سے لے کر آخری نبی تک انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو خاتم الانبیاء کے طاقدان سے نور زلیلا ہو اگرچہ آنحضرت کا وجود عنصری متاخر ہو لیکن وہ اپنی حقیقت کے ساتھ موجود تھے اور یہ امر خاتم الانبیاء کے اس قول سے ثابت ہے کہ میں اس وقت ہی تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے اور آنحضرت کے سوا دوسرے انبیاء میں سے کوئی نبی نہیں تھا مگر جس وقت کہ وہ مبعوث ہوئے اور اسی طرح خاتم الاولیاء اس وقت دلی تھے جبکہ آدم پانی اور کچھڑ کے درمیان تھے اور اس کے سوا اولیاء میں دلی نہیں ہوا مگر جس وقت کہ اس نے ولایت کی شرائط اخلاق الہی کو ولایت سے متصف ہو کر حاصل کر لیا اور یہ شرائط ولایت کی بہ سبب اللہ تعالیٰ کا نام دلی حمید ہونے کے ہے پس خاتم الرسل کی نسبت باعتبار ان کی ولایت کے خاتم الاولیاء کی طرف ایسی ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کی نسبت اس کی طرف پس تحقیق وہ ولی اور رسول اور نبی تھے۔ اور خاتم الاولیاء ولی اور وارث اور یحییٰ والا اصل مہون سے اور مشاہدہ کرنے والا مراتب کا ہے اور وہ خاتم الاولیاء خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات حنات میں سے ایک درجہ حسنہ کا منظر ہے۔

پس باوجودیکہ ختمیت حقیقہ حضرت مسیح موعود کے لیے خاتم ولایت ہونے کے لحاظ سے لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ختم نبوت کے لحاظ سے حقیقی ختمیت آنحضرت صلعم کو بالاستقلال حاصل ہے اور حضرت مسیح موعود کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ آنحضرت کی اتباع میں ہوئی ہے اور بطور وراثت کے چنانچہ ختمیت کے لحاظ سے آپ کا دعویٰ خاتم الاولیاء ہونے کا ہے چنانچہ آپ خطبہ الہامیہ میں بھی جس کا مختار مدعیہ نے قوالہ دیا ہے فرماتے ہیں :

”میں ولایت کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں جیسا کہ ہمارے سید آنحضرت صلعم نبوت کے سلسلہ کو ختم

کرنے والے تھے اور وہ خاتم الانبیاء ہیں اور میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہو گا اور میرے ہمدرد ہو گا“ (خطبہ الہامیہ ص ۳)
اور فرماتے ہیں :

”براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوتہ ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۹)

پس مختار مدعیہ کا یہ قول کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین اور آنحضرتؐ کو مجازی قرار دیا ہے محض بہتان ہے۔

(۱۲) معجزات کی تعداد

مختار مدعیہ نے تحفہ گوڑیہ کے حوالے کی بنا پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے معجزات تین لاکھ بیان کئے ہیں اور آنحضرتؐ کے تین ہزار اس کا مضمحل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دے دیا ہے اس لیے اب اس کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱

اصل بات یہ ہے کہ مختار مدعیہ کو اس امر سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے کلام سے کہ نشان بھی خرق عادت ہے اور معجزہ بھی خرق عادت ہے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ نے جہاں نشان کو خرق عادت قرار دیا ہے وہیں نشان کی تقسیم بھی بیان کی ہے۔ جس سے بین طور پر معجزہ اور نشان میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر معجزہ نشان ہوتا ہے لیکن ہر نشان کو کسی کا معجزہ نہیں قرار دیا جاسکتا مثلاً حضرت مسیح موعودؑ نے بعض لوگوں کو آپ کی صداقت کے متعلق خوابیں آنا یا آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کا اس زمانہ کے متعلق ظاہر ہونا اپنے نشانات میں سے شمار کیا ہے لیکن ان کے متعلق یہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آپ کے معجزات ہیں۔

پس جہاں نشانات کا ذکر کیا ہے۔ وہاں آنحضرتؐ کے نشانات یا معجزات کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ ورنہ آنحضرتؐ کے ویسے نشانات کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ اور تحفہ گوڑیہ میں جہاں مقابلہ میں آنحضرتؐ کے معجزات کا ذکر کیا ہے وہاں ایسی پیشگوئیاں سنو کے قریب بتائی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزات اور یہ بھی فریق مخالف کے مسلمان کی بنا پر کہلے۔ ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب یہی ہے کہ آپ کے معجزات قیامت تک ظہور میں آتے رہیں گے۔ اور گواہان مدعا علیہ حضرت مسیح موعودؑ کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کی تائید میں جو ظاہر ہوتا ہے وہ بھی آنحضرتؐ

کے معجزات ہیں اور آپ کو مکالمہ و مخاطبہ کا شرف بھی آنحضرت صلعم کے فیض سے ملا ہے۔

(۱۵)

حضرت مسیح موعود کا نبی ہونا

مختار مدعیہ نے واکٹوری کی بحث میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ بہت سی عبارات میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ عیسیٰ کا تشریف لانا آنحضرتؑ کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی ہے لہذا لادہام ص ۲۲۵ اور اپنے آپ کو ان سے بڑا قرار دے کر نبی مانا ہے اور یہ صریح تو ہیں آنحضرتؑ کی ہوتی کیونکہ جب مسیح جیسے گھٹیل کم درجہ نبی کا آنا اسلام کی بربادی اور آنحضرتؑ کی ہتک ہے تو بہت بڑے نبی کے آنے کی وجہ سے تو اسلام کی بربادی اور آنحضرتؑ کی توہین زیادہ ہوئی ہے

جواب: مختار مدعیہ کا یہ ایک مخالف ہے یا حضرت مسیح موعودؑ کی تمنا پر سے نادانیت کا ثبوت ہے کیونکہ اپنے مسیحؑ کے آنے کو جو فساد عظیم قرار دیا ہے تو اس کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ آئیں تو یا وحی نبوت یعنی نبوة مستقلہ کا دواؤں جو بلا واسطہ اتباع آنحضرت صلعم ہے کھلا ماننا پڑے گا یا ان کا مسلوب النبوة ہو کر آنا تسلیم کرنا پڑے گا چنانچہ انزالہ ادہام ص ۲۲۵ کی عبارت جس کا مختار مدعیہ نے حوالہ دیا ہے یہ ہے:

”اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لازم نبوة سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔“

اور ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں:

”صاحب نبوت نامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بھی ممتنع ہے۔“

پس حضرت عیسیٰ امتی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ امتی کا مفہوم یہ ہے کہ جو بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر اتباع قرآن شریف محض ناقص اور مگرہ بیدین ہو پھر آنحضرتؑ کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اس کو ایمان پور کمال نصیب ہو اور یہ خیال حضرت عیسیٰ کی نسبت کرنا کفر ہے کیونکہ وہ ایک مستقل نبی تھے اور خدا تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی تھی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرتؑ کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے لیکن ایک امتی کا آنحضرتؑ کی اتباع اور آپ میں فنا ہو کر نبوت کے مرتبہ کا حاصل کرنا نہ قرآن مجید کے مخالفت

ہے اور نہ احادیث کے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”سو اگر یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح

آسکتا ہے اس کا جو اب یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی بنی نیا ہو یا پرانا، بنی نہیں آسکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ کو آخری زمانہ میں آمارتے ہیں اور پھر اس حالت میں ان کو بنی مانتے ہیں بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوتہ کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ معصیت ہے اور آیت و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی میں اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادہ ہے لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے۔ اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندیا یا عیسیٰ یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر کے نبوتہ کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر عملی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لیے اس کا نبی ہوا حیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔“ (ایک غلطی کا ازالہ حقیقتہ النبوتہ ص ۲۶۲)

پس مستقل نبی کے آلے سے جس کی نبوتہ آنحضرت کی اتباع کا نتیجہ نہیں ہے اس سے فساد عظیم لازم آتا ہے نہ کہ جس قسم کی نبوتہ کا حضرت مسیح موعود نے دعویٰ کیا ہے۔

اور جو حوالہ مختار مدعیہ نے اخبار الحکم کا پیش کیا ہے کہ پہلے انبیاء تو آنحضرت کے خاص خاص صفات میں نکل نکلے اور اب تمام صفات میں نبی کریم کے نکلے ہیں یہ ڈائری ہے۔ اول تو ضروری نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے من و عن الفاظ ڈائری نویس نے نقل کئے ہوں۔ لیکن بصورت تسلیم اس میں بھی آنحضرت کی کوئی توہین نہیں اور نہ دوسرے نبیوں کی توہین ہے کیونکہ ان کی نبوت بالاصالہ اور بالاستقلال تھی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے

”پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر وہ ان نہایتیوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم کی پیروی اور آنحضرت کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے“ (براہین احمدیہ جلد ۵ ص ۱۹۲)

پس پہلے انبیاء کا آنحضرت صلعم کے خاص خاص صفات میں نکل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں جو صفتیں بالاستقلال وبالعلمہ پائی گئی تھیں۔ وہ تمام کی تمام آنحضرت صلعم میں اکمل طور پر پائی گئیں۔ پس اس کمال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم اس صفت میں جس سے پہلے نبی منصف ہوئے حاصل تھا۔ ان کے لیے ظل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ گویا اصل میں ان تمام صفات کے مستحق تو آنحضرت صلعم ہی ہیں۔ لیکن آپ کو جو صفات حاصل ہوئیں وہ بالواسطہ نہ تھیں بلکہ مستقل اور بلا واسطہ تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ بالواسطہ تھا۔ نہ بالاستقلال اور اس لیے یہاں نفاصل کا سوال پیدا نہیں ہونا۔ چنانچہ آپ اسی عبارت میں فرماتے ہیں :

”کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ اور پھر مولانا روم کا یہ شعر پیش کیا ہے :

نام احمد نام جملہ انبیاء است چون بیاد صدود ہم پیش است
اور ظلی طور پر جو کمالات امت محمدیہ کو حاصل ہوئے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ محی الدین ابن عربی۔ سید عبد القادر جیلانی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں

یا محشر! انبیاء اذ یتیم القلوب و اذ یتیم امارتوا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۱)
یعنی انہوں نے فرمایا کہ اے انبیاء! کہے گروہ تمہیں تو نبوت کا لقب دیا گیا اور ہمیں وہ کچھ دیا گیا جو تمہیں نہیں دیا گیا۔“

اسی طرح سید محمد بن نعیم الدین جعفری الملکی الحسینی حلیفہ حضرت پیرا رخ دہلوی بحر المعانی ص ۱۶ میں فرماتے ہیں :
”اے محبوب اگر موسیٰ علیہ السلام کہ منظر ذات اوست در آئینہ محمدی صلعم رب الرنی مگر خبر بہ سن ترانی نخوردے۔ اما چون برون آئینہ او خواست لامحالہ خبر بہ سن ترانی خود و آنکہ اے محبوب موسیٰ علیہ السلام اگر در عہد حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ بودے چون محال ابدیدے۔ گویا کہ جمال حضرت جل و علا دیدنے و تسکین یافتے کہ سن رانی فقد رانی ربی نہ ہے بیچارگی کہ در ذات موسیٰ شد بعد از خبر بہ سن ترانی در آئینہ محمدی صلعم از حضرت احدی جل جلالہ روشن کرد بعدہ تمنا برد و گفت کہ اللهم اجعلنی من امانتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قائمہ و اصحابہ و اصحابہ وسلم۔“

پس آنحضرت صلعم کی اتباع سے وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو پہلوں کو حاصل نہ ہوئے تھے۔
اسی طرح ص ۳۳ میں لکھا ہے ”امام مجاہد میگوید کہ بالائے عرش ہفتاد حجاب از نور و ظلمت است چون موسیٰ ازین خبر یافت سلوک آغاز میکردند۔ جسے شنید کہ یا موسیٰ یہ نہایت مقام و منزل مخصوص محمد علیہ السلام و امتہ“
پس جو چیز کہ موسیٰ جیسے عظیم الشان نبی کو حاصل نہ ہوئی وہ آنحضرت صلعم کے اقیبوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دی گئی۔

حیات مسیح

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر یہ بھی لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلعم کو شرک کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ آپ نے استغناء ۲۹ میں حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک قرار دیا اور آنحضرت صلعم کا عقیدہ حیات مسیح کا حدیث ان عیسیٰ سلم یحیت وانہ راجع الیکم (ابن کثیر) سے ثابت ہے لہذا مزامنا صاحب نے آنحضرت صلعم کو شرک قرار دے کر آپ کی توہین کی۔

جواب: آنحضرت صلعم نے کبھی عقیدہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ بحمدہ العنصری زندہ موجود ہیں۔ بلکہ آپ کے اقوال سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ وفات مسیح کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ایرہا الناس بلغنی انکم قحاً فون من موت نبیکم هل خلدہ نبی قبلی فیمن بعث تاخلد
 فیکم (باب النبیاری فی سیرۃ المختار ص ۹۲) اے لوگو مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی زندہ باقی رہا ہے جو میں تم میں رہوں گا۔

اسی طرح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حشر کے دن جب میرے بعض صحابہ پکڑ کر لے جائے جائیں گے اور میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب سے تو ان سے علیحدہ ہوا اس وقت سے یہ مرد ہو گئے تھے۔ اس پر آپ فرماتے ہیں۔ فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (کتاب التفسیر بخاری جلد ۳ ص ۵۸)

کہ میں بھی وہ ہی بات کہوں گا جو حضرت عیسیٰ نے کہی کہ میں بھی اپنی قوم کا نگران اور محافظ تھا جب تک کہ میں ان میں تھا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا رقیب اور نگران تھا۔ پس اس حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ میں ارتداد واقع ہوا ویسے ہی حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد عیسائیوں نے مسیح کو خدا بنایا اسی طرح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے آنے والے مسیح کو گندم گوں رنگ اور سیدھے بالوں والا بیان فرمایا ہے اور مسیح اسرائیلی کا حلیہ گھنگھر والے بال اور سرخ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اور یہ دونوں علیے بتا رہے ہیں کہ پہلا مسیح جس کو آنحضرت صلعم نے معراج کی رات عیسیٰ کے ساتھ یعنی وفات یافتہ انبیا میں دیکھا وہ اور ہے اور وہ وفات پا کر وفات یافتہ انبیا میں شامل ہو گیا ہے اور جو آنے والا ہے وہ اور ہے۔ اور پھر فرمادے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی وفات پر جب حضرت ابو بکرؓ نے آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افا ان مات اذ قتل انقلبتم علی اعقابکم پڑھی تو سب نے اس دلیل کی بنا پر کہ تمام انبیاء وفات پا چکے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی وفات کو تسلیم کر لیا۔ پس مختار مدعیہ کا ان احادیث کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلعم حیات مسیح کا عقیدہ رکھتے تھے بالکل غلط ہے اور جو روایت تفسیر ابن کثیر سے مختار مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ بوجہ ضعیف اور مجروح ہونے کے مذکورہ بالا مرفوع متصل

احادیث کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے مروی ہے۔ بلکہ تابعی کی روایت ہے اور ظاہر ہے کہ تابعی تو اسے کہتے ہیں جو آنحضرت صلعم سے نہ ملا ہو۔ اس لیے یہ حدیث مرسل ہوگئی۔ اور جب اس کے راویوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی نہایت درجہ کے ضعیف راوی ہیں۔ چنانچہ اس کا ایک راوی احمد بن عبدالرحمن بن وہب ابو عبد اللہ المصری ہے اور اس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے۔

رايت تشيوخ مصر ومجمعين على ضعفه والغير اولاً يكتفون عن الاخذ منه ابو ذرعة
والبو حاتم من دونهما (میزان الاعتدال) یعنی میں نے مصر کے تمام مشائخ یعنی علما کو متفق پایا کہ وہ ضعیف
راوی ہے اور اجنبی لوگ جس سے ابو ذرعة اور ابو حاتم اس سے روایات لینے سے رکھتے نہیں اور ظاہر ہے کہ وہ مصری ہے
اور مصر کے علما کی رائے اس کے حق میں صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مصر سے باہر کے رہنے والوں کو اس کے حالات کا حقیقی علم
نہیں ہو سکتا۔

دوسرا راوی عبد اللہ بن ابی جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق محمد بن حماد الرازی نے کہا ہے

”سمعت منه عشرة الاف حديثاً فرميت بها كان فاسقاً (میزان الاعتدال)

یعنی میں نے اس سے دس ہزار حدیث سنی اور سب کو میں نے پھینک دیا۔ اور وہ فاسق تھا۔ اور ابو ذرعة اور ابو حاتم
نے اسے سچا کہا ہے۔ لیکن اس کے حق میں بھی محمد بن الرازی کی شہادت قابل قبول ہے کیونکہ وہ اس کا ہم وطن ہے اور
اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔

تیسرا راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ بامان ابو جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے
لیکن احمد اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ وذل الفلاس، نسى الحفظ۔ یعنی فلاں نے کہا ہے کہ اس کا حافظہ اچھا
نہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مشہور لوگوں سے سن کر حدیثیں بیان کرنے میں منفر د ہے اور ابو ذرعة نے کہا ہے کہ وہ
کثیر الوہم ہے اور جاننا چاہیے کہ عمر بن علی الفلاس یحییٰ بن سعید قطان کا شاگرد ہے جیسا کہ ابن معین بھی انہی کا
شاگرد ہے۔

اور چوتھا راوی ربیع بن انس ہے۔ اس کے متعلق ابن معین نے کہا ہے:

”كان يثبث في شرطه فيه وذكراه ابن حبان في الثقات وقال الناس ينتقون من حديثه

كان من رواية أبي جعفر عنه لان في احاديثه عنه اضطراباً كثيراً“

(تہذیب التہذیب)

یعنی وہ تثبث میں افراط کا پہلا اختیار کرتا تھا۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ لوگ اس کی
اس حدیث کے لینے سے پرہیز کرتے ہیں جو ابو جعفر نے اس سے روایت کی ہے۔ کیونکہ اس کی ان احادیث میں جو اس نے بیح

سے روایت کی ہے۔ بہت اضطراب ہے۔

اور آخری راوی حسن بصری ہے اس کے متعلق اکمال فی اسماء الرجال میں صاحب مشکوٰۃ نے بھی لکھا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دو سال میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ پس انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تک نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ بات یہود سے کہی کہ عیسیٰ مرے نہیں۔ پس لازماً یہ حدیث مرسل ہوئی۔ اور ایسی حدیث کا حکم بھی اپنے پاس نہیں بلکہ دیوبندیوں کے مقتدا اور پیشوا کی کتاب ہدایتہ الشیعہ سے پیش کرنا ہوں۔ آپ فرمانے ہیں:

”اور سنیوں کے نزدیک گو حضرت زید کا برا ویسا رہیں سے ہوں۔ لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک مستند نہ ہو۔ کیونکہ معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات لی ہے وہ مغربے کے نہیں۔ صحابہ کی ملاقات میں نواختال ہے۔ باقی ہے تابعین سوان میں جھوٹے سچے نیک و بد۔ سب طرح کے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی معمر صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو تو بھی کیا لازم ہے کہ وہ صحابی اس وقت حاضر ہی تھے۔ یا ان کو کسی دوسرے صحابی سے یہ بات پوچھی تھی اور پھر حضرت زید نے بھی انہیں سے سنا ہو۔ احتمال ہے کہ جس صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو ان کو یہ بات معلوم نہ ہو اور اگر معلوم بھی ہو تو انہوں نے ان سے نہ سنا ہو بلکہ کسی تابعی سے سنا ہو۔ بلکہ زبان زو عوام ایک بات دیکھ کر اس کے موافق نقل کر دیا ہو۔ یا بطور تسلیم قول معترض یہ بات فرمائی ہو۔ بہر حال احتمالات چند در چند قراح اعتبار روایت موجود ہیں پھر بایں ہمہ احتمالات کوئی کیونکر اس روایت کو دربارہ دعویٰ ہمہ فدک قبول کرے خصوصاً در صورتیکہ آیت اور روایت صحیحہ متصل بلکہ مرفوع یعنی روایت مشکوٰۃ اس کے مخالف موجود ہو۔“

ہدیتہ الشیعہ ص ۲۳۱ میں وضاحت کے لیے یہ عبارت بہ تبدیلی الفاظ یوں لکھے دیتا ہوں کہ پھر بایں ہمہ احتمالات مذکورہ کوئی کیوں کہ مختار مدعیہ کی اس روایت کو دربارہ عقیدہ حیات مسیح قبول کرے۔ خصوصاً در صورتیکہ آیت فلما توفیتنی کنت انت رقیب علیہم اور آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اور روایت صحیحہ متصل بلکہ مرفوع یعنی روایت بخاری اس کے مخالف موجود ہے اور نیز البراہین الفاطمہ ص ۸۲ میں مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں۔

”اب اس حدیث شیغین کے مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابل احتجاج ہی ہرگز نہیں کس طرح درست ہوگی“ اور مختار مدعیہ کا یہ اعتراض اس وقت درست ہو سکتا تھا اگر آپ کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آنحضرتؐ صلعم بھی مسیح علیہ السلام کو آسمان پر جسبہ العنصری زندہ مانتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی تمام کتابیں اس بات سے ملو ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کو ذات یافتہ سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے (انجماز احمدی ص ۶)۔

رہی یہ بات کہ حضرت مسیح موعود نے جیات مسیح کے عقیدہ کو شرک عظیم قرار دیا ہے تو اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بالتفصیل دے دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کو اس کی مستقبل کی حالت کو مدنظر رکھ کر جو نتیجہ اس سے پیدا ہوتی ہے نام دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

تسمیۃ باسم ما یؤول الیہ نحو انی ارا فی اعصر خمر اى عنبا کؤول الی الخمریۃ
دلائلہ والا فاجد کفرا اى ما کرا الی الکفر والفجور (التقان جلد ۲ ص ۴۵)

کہ کسی چیز کو وہ نام دے دیتا جو اس کا آئندہ ایک نئی حالت کے ماتحت نام ہوتا تھا جیسے قرآن مجید میں آنا ہے کہ قیدی نے دیکھا کہ میں شراب کو چوڑتا ہوں تو مراد شراب سے انگور ہیں جن سے شراب بنتی ہے۔ اور اسی طرح قوم نوح کے منقلب فرمایا کہ وہ نہیں جنس گے مگر ناکر اور کافر لوگ یعنی وہ بچے جو کافر اور فاجر ہوں گے۔ پس چونکہ جیات مسیح کا عقیدہ منجالی الشکر تھا۔ اور لاکھوں مسلمان اس عقیدہ کی وجہ سے عیسائی ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ نے اس حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو شرک عظیم قرار دے دیا۔ اور اردو کی تصانیف میں اس امر کی تصریح کر دی کہ یہ عقیدہ منجالی الشکر ہے یا یہ عقیدہ شرک کا حامی ہے۔

اور گواہان مدعا علیہ نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ بعض وقت عربی زبان میں کسی فعل کے لیے شرک یا کفر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے مرتکب کو کافر اور مشرک نہیں کہا جاتا لیکن مخالف مدعیہ نے ان احادیث کو بالکل نظر انداز کر کے وہی اعتراض دوبارہ کر دیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو منوانے کے لیے اس کے مقتداؤں کے اذالہ پیش کئے جاویں۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں :

”جواب مولانا محمد اسماعیل صاحب نہایت صحیح ہے کہ افعال شرکیہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ شرک محض ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ لوگ ان کو کرتے ہیں اور تاویل ہو سکتی ہے۔ پس پہلی قسم سجدہ بت کو کرنا۔ زنا و ڈالنا ان امور سے مشرک ہو جاتا ہے اور دوسری قسم میں افعال سے کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ خود جوعن الاسلام نہیں ہونا۔ کیونکہ بعض شرک اصل شرک ہے اور بعض کم۔ کہ شرک دون شرک کہتے ہیں۔ تو دوسرے درجہ کے شرک حقیقتاً شرک نہیں ہیں بلکہ قسم بغیر اللہ کو شرک فرمایا۔ اور یا کو شرک فرمایا اور تسمیہ بغیر اللہ کو شرک فرمایا۔ پر ان کے کرنے سے مشرک حقیقی نہیں ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم وعلماہم اتم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۵)

اور یہی جواب گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح و دبا تھا جس کو مخالف مدعیہ نے صحیح تسلیم نہ کرتے ہوئے پھر وہی قراض کر دیا۔

اور میں اس جواب کو اور واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال حدیث سے پیش کر دیتا ہوں۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں :

”بین الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة“ صحیح مسلم بر حاشیہ اكمال
 اكمال المعلم جلد ۱ ص ۱۸۸۔

یعنی آدمی کے درمیان اور شرک اور کفر کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔
 یعنی اگر نماز چھوڑے تو وہ کفر اور شرک میں داخل ہوگا۔ لیکن تارک نماز کو گواہان مدعیہ کا فر اور مشرک نہیں کہتے
 جیسا کہ گواہ مدعیہ نے دستانے بجا جواب جو کہ یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو کا فر اور مشرک نہیں کہا جاوے گا۔ پس جیسے ترک
 نماز کو اس حدیث میں شرک اور کفر تو کہا گیا ہے لیکن اس کے تارک پر گواہان مدعیہ کا فر اور شرک کے احکام نافذ نہیں
 کرتے اور نہ اسے کا فر اور مشرک سمجھتے ہیں۔ اور شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ نماز چھوڑنے کا نتیجہ
 یہ ہوتا ہے کہ آخر کار انسان حقیقتہً ”کافر بن جاتا ہے۔ اس لیے ترک نماز کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ پس مدعیہ اسی طرح حیات
 مسیح کا عقیدہ چونکہ منجرا لى الشرک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہزاروں مسلمانوں کے عیسائی ہونے سے ظاہر ہے اس لیے اسے
 شرک کا نام دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود نے ان پہلے لوگوں کو جنہوں نے اجتہادى غلطی کی بنا پر یہ عقیدہ رکھا۔
 خدا تعالیٰ کے نزدیک معذور قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”مجھ سے پہلے جو جو علماء اپنی اجتہادى غلطی سے ایسا خیال کرتے رہے کہ ابن مریم آسمان سے آئے گا۔ وہ
 خدا کے نزدیک معذور ہیں ان کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ ان کی نیتوں میں فساد نہیں تھا۔ بوجہ بشریت بھول
 گئے۔ خدا ان کو معاف کرے۔ کیونکہ ان کو علم نہیں دیا گیا تھا اور ان کی اجتہادى غلطی ایسی تھی۔ جیسے
 داؤد علیہ السلام نے غم القوم کے مسئلہ میں اجتہادى غلطی کی تھی۔ مگر اس کے بیٹے سلیمان کو خدا نے
 فہم عطا کر دیا تھا۔“ (دافع البلاء ص ۱۶)

اور حضرت مسیح موعود نے بوجہات مسیح کا عقیدہ رکھا تو وہ رسمی عقیدہ تھا۔ جو مسلمانوں میں چلا آتا تھا۔
 لیکن جب خدا تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر کر دیا کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے ہیں تو آپ نے لوگوں میں ان کی وفات کا اعلان
 کر دیا اور قرآن اور حدیث کی رو سے ان کی وفات کے مسئلہ کو اتم شرح کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

گواہ مدعیہ الف نے تمہ حقیقۃ الوحى ص ۱۷ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ موسیٰ کی دودھ
 اور شہد کی ہنروں کے ملنے کی پیشگوئی پوری نہ ہوئی لہذا مرزا صاحب حضرت موسیٰ کی توہین کے بھی مرتکب ہوئے۔
 جواب :- حضرت مسیح موعود نے تمہ حقیقۃ الوحى میں نہیں بلکہ حقیقۃ الوحى کے ص ۱۷ میں یہ لکھا ہے کہ :
 ”حضرت موسیٰ کی نوریت میں یہ پیش گوئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی ہنریں بہتی تھیں

لے جائینگے۔ مگر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ بھی راہ میں فوت ہوئے اور بنی اسرائیل بھی راہ میں ہی مر گئے۔ صرف اولاد ان کی وہاں گئی۔

حضرت مسیح موعود نے جن امر کا انہار اس عبارت میں کیا تھا وہ ایک امر واقع ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن حضرت مسیح موعود کا یہ نطقاً منشا نہیں کہ وہ وعدہ کبھی بھی پورا نہیں ہوا۔ بلکہ اپنے اسی عبارت میں بھی واضح کر دیا کہ ان کی اولاد وہاں داخل ہوئی۔ یعنی وہ وعدہ جو بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔ وہ ان کی اولاد کے ذریعہ پورا ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک اور مقام پر اس امر کو وضاحت سے لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

”یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے تو اس کے سولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں۔ کبھی تو بلا واسطہ پورے ہوتے ہیں۔ اور کبھی بلا واسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کو بھی جو نصرت اور فتح کے وعدہ دیئے گئے تھے وہ ان کی زندگی میں پورے نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک دوسرے نبی کے ذریعہ سے جو تمام نبیوں کا سرور ہے یعنی سیدنا و امامنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الرسل کے ظہور سے پورے ہوئے اور اسی طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو جو کنعان کی فتح کی بشارتیں دی گئی تھیں۔ بلکہ صاف صاف حضرت موصیٰ کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ تو اپنی قوم کو کنعان میں پونچا دے گا اور کنعان کی سر زمین کا تو انہیں مالک کر دے گا یہ وعدہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا۔ اور وہ راہ میں فوت ہو گئے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی۔ جواب تک تو رات میں موجود ہے۔ کیونکہ موسیٰ کی وفات کے بعد موسیٰ فوت اور موسیٰ روح اس کے شاگرد یوشع کو عطا ہوئی اور وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے نفع روح سے موسیٰ میں ہو کر اور موسیٰ صورت پکڑ کر وہ کام بجالایا جو موسیٰ کا کام تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ موسیٰ ہی تھا“ (ازالہ اوہام بارنجم ص ۱۶۲)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نفس پیشگوئی کے پورے ہونے کو مانتے ہیں لیکن موسیٰ کی بجائے آپ کے خلیفہ یوشع نبی کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ کسریٰ وقیصر کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ مگر وہ آپ کے ہاتھ کی بجائے حضرت عمر کے ہاتھ میں آئیں۔ اور وہ خزانوں کی کنجیوں والی پیش گوئی آنحضرت کے خلفاء کے ذریعہ ظہور میں آئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

گواہان مدعیہ نے جو الزامات حضرت مسیح موعود پر حضرت عیسیٰ کی توہین ثابت کرنے کے لیے لگائے تھے۔ ان کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں دے دیا ہے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱۱ لیکن اب میں ان نئی باتوں

کاجواب دیتا ہوں جو مختار مدعیہ نے بحث میں پیش کی ہیں

(۱) مسیح کی پیش گوئیاں

۱۲ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے حضرت عیسیٰ کی توہین ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعودؑ پر یہ الزام لگایا ہے کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں جس قدر جھوٹی نکلیں اس قدر سچی نہیں نکلیں۔ اور کشتی نوح ص ۳۷ میں لکھا ہے کہ قرآن شریف بلکہ تورات کے بعض صحیفوں میں بھی یہ موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ حضرت مسیح نے بھی انجیل میں بتا دیا ہے اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں مثل جادوین لہذا معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک حضرت عیسیٰ نبی نہیں اور یہ صریح ثابت ہے

جواب: مختار مدعیہ کا ازالہ کی عبارت میں سے ایک فقرہ لے کر اعتراض کر دینا اس کے لیے یہ قطعاً مناسب نہ تھا کہ وہ ایک فقرہ کو لے کر اعتراض کرے۔ اور اس کے ساتھ کی عبارت کو جس سے یہ اعتراض بالکل باطل ہو جائے ترک کر دے چنانچہ اب میں اس کے بعد کی عبارت لکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

”مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں کیونکہ احمد اخبار لکھنؤ میں اجتہادی غلطی انبیاء سے ہو جاتی ہے حضرت موسیٰ کی بعض پیش گوئیاں ہی اسی صورت پر ظہور پزیر ہوئیں جو حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں امید بانڈھ لی تھی غایت مافی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اور مسیح زیادہ غلط نکلیں۔ مگر یہ غلطی نفس الہام میں نہیں۔ بلکہ سمجھ اور اجتہاد کی غلطی ہے۔ چونکہ انسان حقے اور انسان کی رائے خطا اور صواب دونوں کی طرف جاسکتی ہے۔ اس لیے اجتہادی طور پر یہ اعتراض پیش آگئیں“ (ازالہ اوہام ص ۷)

اور اجتہادی غلطی کا انبیاء سے ہونا تمام علمائے امت کو مسلم ہے۔ چنانچہ انبیاء کو اجتہادی غلطی لگ جانے کے متعلق

یہ حوالے پیش کئے جا چکے ہیں

دوم: مختار مدعیہ نے علاوہ حوالہ مذکورہ کے ایک حوالہ اعجاز احمدی کا بھی پیش کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ حالانکہ یہ بھی مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے کیونکہ اعجاز احمدی ص ۱ پر حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔

”حال میں ایک یہودی کی تالیف شائع ہوئی ہے۔ جو میرے پاس اس وقت موجود ہے گویا وہ محمد بن سناؤ اللہ کی تالیف ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اس شخص یعنی عیسیٰ سے ایک معجزہ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ اور نہ کوئی پیش گوئی اس کی سچی نکلی۔ وہ کہتا تھا کہ داؤد کا تخت مجھے ملے گا۔ کہاں ملا۔

(اس کے آگے بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں)

ہاں حضرت مسیح موعودؑ نے ان کو بھی اجتہادی غلطی ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو ان اٹھ جانا ہے اور شک پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نبی یا رسول یا محدث نے اپنے دعویٰ میں دھوکا کھایا ہے۔ یہ خیال سراسر مغالطہ ہے اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کیا کرنے ہیں اور اگر ان کا یہی اعتقاد ہے تو تمام نبیوں کی نبوت سے ان کو ہتاف دھو بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی نبی نہیں جس نے کبھی نہ کبھی اپنے اجتہاد میں غلطی نہ کھائی ہو۔ مثلاً حضرت مسیح جو خدا بنائے گئے ان کی اکثر پیش گوئیاں غلطی سے پڑیں (اعجاز احمدی ص ۲۵) اور ص ۲۵ پر فرماتے ہیں:

”ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیگانہ عورت پر آپ عاشق ہو گئے تھے۔ لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے غیبت میں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمتیں لگاتے ہیں۔ ہاں آپ نے اجتہاد میں غلطی سے داد دے کر تخت کی تمنا کی تھی۔ مگر وہ تمنا پوری نہ ہوئی اور مطابق مثل مشہور کہ بن مانگے موتی ملیں۔ مانگے ملے نہ بھیک۔ آپ نو داد دے کر تخت سے محروم رہے۔ مگر وہ برگزیدہ خدا اسید الرسل جس نے دنیا کی بادشاہت سے منہ پھیر کر کہا تھا۔ الفخر فخری یعنی فخریہ میرا فخر ہے۔ اس کو خدا نے بادشاہت دے دی۔ اور اسی صفحہ پر فرماتے ہیں۔“

”دعویٰ حضرت مسیح کا اجتہاد غلط نکلا۔ اصل دعویٰ صحیح ہوگی مگر سمجھنے میں غلطی کھائی۔ افسوس ہے کہ جس قدر حضرت عیسیٰ کے اجتہادات میں غلطیاں ہیں اس کی نظیر کسی نبی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ شاید خدائی کے لیے یہ بھی ایک شرط ہوگی مگر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان غلط اجتہادوں اور ان غلط پیش گوئیوں کی وجہ سے ان کی پیغمبری مستتبہ ہو گئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ آفتاب کی طرح چمک اٹھتے ہیں اور اس قدر نواز سے جمیع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ہوتی (اعجاز احمدی ص ۲۶)

پس اعجاز احمدی میں جو کلام مسیح کی پیش گوئیوں کے متعلق کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو اسی جگہ ایک تو ان لوگوں کو جواب دینا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء اجتہاد میں غلطی نہیں کھاتے۔ دوسرے عیسائی جو ان کو خدا بناتے ہیں۔ ان کی بھی تردید کئے جاتے ہیں مختار مدعیہ تو اعجاز احمدی کی عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ کی نبوت کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود ان کی نبوت ثابت کرنے میں۔ اور فرماتے ہیں کہ ان سے جو اجتہاد میں غلطیاں صادر ہوئیں۔ اس وجہ سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہو سکتی اور

اعجاز احمدی ص ۱۷ میں اصولی طور پر فرماتے ہیں

”انبیاء اور ملہمیں صرف وحی کی سچائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے کذب اور خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی رائے ہے نہ خدا کا کلام“
پس حضرت مسیح کی جو پیش گوئیاں غلط نکلیں وہ درحقیقت ان کے اجتہادات تھے اس لیے ان کے پورا نہ ہونے سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہوتی۔ اور نہ مختار مدعیہ کا اعتراض درست ہو سکتا ہے

(۲) صداقت حضرت عیسیٰ

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ بھی الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ کی اس وجہ سے بھی توہین کی آپ نے اپنی کتاب اعجاز احمدی ص ۱۳ پر لکھا کہ ہم نے انہیں قرآن مجید کے سہارے مان لیا ہے۔ اگر ایک شخص حضرت مسیح یا دیگر انبیاء کو قرآن مجید کے اقوال کی بنا پر صادق تسلیم کرتا ہے تو نہ معلوم اس میں ان انبیاء کی توہین کیسے لازم آ سکتی ہے۔ یہ مختار مدعیہ کا انوکھی طرز کا استدلال ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ یہود کے ان اعتراض کو مد نظر رکھ کر جو انجیل کی بنا پر انہوں نے کہے ہیں فرماتے ہیں:

”اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیوں کے بارہ میں ایسی قوی اعتراض رکھتے

ہیں۔ کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہیں۔ کیونکہ

قرآن نے ان کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر بھی

دلائل نام ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔ اسی وجہ سے ہم

ان پر ایمان لائے۔ کہ وہ سچے نبی ہیں اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے محصوم ہیں جو ان پر اور اس

کی ماں پر لگائی گئی ہیں“ (اعجاز احمدی ص ۱۵)

مختار مدعیہ کو یہ نہایت گراں گزرا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے یہ قرآن کا احسان مسیح پر کیوں بتایا۔ حالانکہ حقیقت یہی تھی کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت حضرت عیسیٰ سے تعلق رکھنے والی دو قومیں تھیں ایک یہود اور دوسرے نصاریٰ۔ یہود تو نعوذ باللہ انہیں ملعون اور شیطان وغیرہ القاب سے یاد کرتے تھے۔ اور دوسرے عیسائی ان کے ماننے والے۔ وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ پس اگر ان کی نبوت کسی چیز نے منوائی تو وہ قرآن مجید ہی تھا اور کوئی چیز نہ تھی اور یہی حقیقت ہے جس کو ہر عاقل و فرزانہ تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مولوی آل حسن صاحب جن کو گواہ مدعیہ ص ۲۱ اگست کو مسلمان تسلیم کر چکا ہے۔ اور گواہ مدعیہ ص ۲۹ اگست کو ان کی کتاب استغناء کی تصدیق کر چکا ہے۔ لکھتے ہیں:

”از انجملہ اکلے سب انبیاء نے نبی اسرائیل پر ایمان لانے کی سبب فقدانِ اسناد اور ثبوتِ تحریر کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ بجز تصدیقِ حضرت خاتم النبیین کے“ (استفتاء بر حاشیہ از الہ اوہام ص ۳۶۹)

مولوی آل حسن نے تو صرف حضرت عیسیٰ کی نبوت میں نہیں بلکہ تمام انبیائے نبی اسرائیل کی نبوت کی ثبوت کا دارو مدار حضرت کی تصدیق کو قرار دیا۔ پس کیا مختار مدعیان کے متعلق بھی یہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے تمام انبیائے نبی اسرائیل کی توہین کی ہے۔ اس لیے وہ کافر و مرتد ہیں۔

(۳) - حضرت مسیح علیہ السلام اور شراب کا استعمال

گوہان مدعیہ نے کشتی نوح حاشیہ ص ۶۵ کی عبارت سے یہ استدلال کیا تھا کہ مرزا صاحب نے اس میں یہ اقرار کیا ہے کہ مسیح شراب پیا کرتے تھے۔ اور اس سے صریح نو میں حضرت عیسیٰ کی لازم آتی ہے۔ گوہان مدعا علیہ نے جو اس کا تفصیلی جواب دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اس کی طرف توجہ کے بغیر پھر وہی اعتراض کر دیا ہے۔ بات بالکل صاف تھی کشتی نوح ص ۱۶ میں آپ نے صریح طور پر لکھا ہے کہ ”میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں وہانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لیے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موجود تھا اور محمدی سلسلہ میں ہیں مسیح موجود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ جس کا ہم نام ہوں اور مردود اور مغتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔“ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں یہ عبارت موجود ہے اس میں کوئی بات ان کی ہنک اور توہین کی نہیں ہو سکتی اور جس عبارت پر اعتراض ہے وہ انجیل اور نثرانی تعلیم کا مقابلہ کرنے ہوئے لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ انجیل کے پروردگاری لوگ ہیں نہ کہ مسلمان پس فی الحقیقت یہ کلام عیسائی مسلمان پر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ چشمہ معرفت کی عبارت ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

”کیا قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ شراب پی لیا کرو۔ یا یہ حکم ہے کہ بجز اپنی قوم کے دوسروں سے سو دلے لیا کرو اور کیا عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح قرآن شریف بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتا ہے یا شراب پینے کا فتویٰ دیتا ہے یا یہ تعلیم دیتا ہے کہ بہر حال بدی کا مقابلہ نہ کرو۔“ (چشمہ معرفت ص ۲۵۶)

اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح کا شراب پینا بالکل ثابت ہے۔ چنانچہ دیوبندیوں کے مسلم مقتدا مولوی رحمت اللہ صاحب ہاجر کی بھی فرماتے ہیں۔

”جناب مسیح اقرار سے فرماید کہ مجی علیہ السلام نہ ان سے خورد و نہ شراب نے آشنا میدند و انجیل

شراب ہم سے نوشیدن“ (ازالہ الامہام ص ۳۷)

پس یہ کلام جو کہ عیسائیوں کے مسلمات پر ہے۔ اس لیے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پر نو گواہان و مختاران مدعیہ کے مسلمات کی بنا پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ شرح فقہ اکبر علامہ طاعلی قاری کے صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے۔ کہ پہلے انبیاء کی شریعتوں میں شراب حرام نہیں تھی صرف امت محمدیہ کے لیے حرام کی گئی ہے اور صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۷ میں لکھا ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر به

(بخاری جلد ۲ ص ۲۱۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن امر کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں ہے۔ کہ تحریم خمر سے پہلے صحابہ شراب پیا کرتے تھے اور چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے

”قال كنت استقي ابا عبيدة و ابا طلحة و ابي بن كعب من فضيخ رهو و تمر ف جاء هم آيت فقال ان الضمر قد حرمت فقال ابو طلحة قم يا انس فاهرقتمها

(بخاری جلد ۲ ص ۲۱۷)

یعنی انسؓ نے کہا کہ میں ابو عبیدہ اور ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی ہے تو ابو طلحہ نے کہا کہ اے انس اٹھو اور اس کو زمین پر ڈھلکا دو تو میں نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ پس جبکہ گواہان مدعیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس وقت شراب حرام ہی نہیں کی گئی تھی تو پھر حضرت مسیح موعود کے قول پر اعتراض کیسا اور اس سے توہین مسیح علیہ السلام کا الزام دینا کیسا۔ مختاران مدعیہ کو چاہیے تھا کہ پہلے وہ گواہان مدعا علیہ کے جواب کو توڑتے اور پھر نئے اعتراض کرتے۔ مگر ان کے اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے گواہان مدعا علیہ کے جوابات کو سمجھا ہی نہیں ہے اور بانی جواب ملاحظہ ہو میان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱۷۔

(۴)۔ دافع البلاء کا حوالہ

دافع البلاء کے حوالہ کا جو مدلل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانیوں میں دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اُسے بالکل نظر انداز کرتے ہوئے پھر وہی اعتراض کر دیا ہے جو کہ گواہان مدعیہ نے کیا تھا اور ضمنی طور پر ایک دوسرے اعتراض بھی کئے ہیں اس لیے پہلے میں نے اعتراضوں کا جواب دیتا ہوں۔

پہلا اعتراض :

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں گویا کہ وہ آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں۔ صرف راستباز ہیں۔ اور راستباز تو کافر دین میں بھی پائے جاتے ہیں۔

جواب :

یہ مختار مدعیہ کی خوش فہمی ہے کہ وہ راستباز کے لفظ سے یہ شبہ نکالیں کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں ہیں۔ لیکن کوئی عقلمند شخص اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالے گا۔ جبکہ اس عبارت پر جو حاشیہ لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ صاف طور پر لکھا ہے ”ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض ایسا جو لوہو نقصان میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے“

حضرت اقدس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انبیاء کے ساتھ مقابلہ کر کے بتا دیا کہ وہ بھی نبی تھے۔ ورنہ نبی تو غیر نبی سے بہر صورت افضل ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری تحریرات میں کثرت سے حضرت مسیح کو نبی اور رسول کہا گیا ہے۔ پس کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض دیانت و امانت اور راستگوئی پر مبنی ہے۔ استغفر اللہ۔ اور اگر راستباز کہنے سے نبوت کی نفی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان کے حق میں جو ایک جگہ وجیہ ما فی الدنیا والآخرۃ و من المقدمین بیان فرمایا ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے ایک مقرب ہیں تو اس سے مختار مدعیہ کے طرز پر لازم آئے گا کہ حضرت مسیح صرف خدا کے مقرب تھے نہ کہ نبی بھی اور اس آیت میں ان کو نبی نہیں بلکہ مقرب کہا ہے اور ہر مقرب کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں۔ خدا کے ایسے بے شمار بندے ہوتے ہیں۔ جو مقرب الہی تو سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن نبی نہیں سمجھے جاتے۔ غرض مختار مدعیہ کے استدلال کی بنا پر تو یہ آیت پڑھ کر بھی کوئی کہہ نہ سکے گا۔ کہ دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی عدم نبوت کا اثبات کیا ہے اور پھر دوسری آیت میں کہا:

تکلم الناس فی المہد وکملا و من الصالحین۔ یعنی وہ منجملہ دیگر صالحوں کے ایک صالح تھے۔

تو کیا مختار مدعیہ پر تسلیم کرے گا کہ چونکہ اس آیت میں صرف صالح کہا گیا ہے۔ اس لیے خلد نے حضرت مسیح کے نبی ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ اور کیا مختار مدعیہ اس موقع پر بھی یہی کہے گا کہ صالح تو کفار میں سے بھی ہوتے ہیں پس اس آیت میں حضرت مسیح کی نبوت در رسالت کا انکار کیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ "واللہ اعلم" اور "واللہ اعلم" کہنے کے یہ معنی ہیں کہ بیشک کالفظ بھی جھوٹ کہا۔ اور "اچھا تھا" بھی جھوٹ۔

جواب

ان شاء اللہ کہنے کی طرح مختار مدعیہ نے اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود کی کلام میں "واللہ اعلم" کہنے سے یہ مراد لی ہے کہ جو کلام پہلے کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ حالانکہ واللہ اعلم کے قول سے پہلے کلام کو جھوٹا قرار دینا برگز مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے پہلے کلام کے متعلق یہ خیالنا مقصود ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو ہم سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے آگے اس سے زیادہ کوئی اور بات ہو یا اس کے خلاف ہو تو وہ خلا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جانتے والا ہے۔ اس بیان سے ابھی طرح ظاہر ہے اور ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم کہنے کا یہی وہ مطلب نہیں جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے بلکہ واللہ اعلم کہنے کا وہ مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کو مطمئن کر دینے کی نیت سے اتنا اور کہہ دینا بھی بے محل نہ ہو گا کہ اگر مختار مدعیہ کا مسلک درست ہے۔ پھر نماز وہ فتوے جن کے آخر میں واللہ اعلم لکھا ہوتا ہے۔ جھوٹے قرار پائیں گے۔ اور مانا پڑے گا کہ ان مغنیوں نے جنہوں نے اپنے فتوے کے آخر میں واللہ اعلم یا بصواب لکھا ہے۔ اور یہ علی العموم لکھا جاتا ہے۔ دیدہ و دانستہ جھوٹا فتویٰ دیا ہے اور اس لحاظ سے تو گویا واللہ اعلم یا بصواب کا جملہ جھوٹے فتوؤں کی شناخت کا ایک آلہ بن جائے گا یہ اور بات ہے کہ اس طرح نہ تو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا کوئی فتویٰ درست رہے گا۔ اور نہ مولوی غلیل احمد صاحب کا

نہ مفتی عزیز الرحمن صاحب کا اور نہ مفتی حبیب الرحمن صاحب کا۔ اور نہ ہی ان سب کے پیروں میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ کیونکہ کسی فتوے کے آخر میں لکھا ہے واللہ اعلم و علمہ اتم۔ اور کسی کے آخر میں واللہ اعلم یا بصواب واللہ مرجع المساب

تیسرا اعتراض

مرزا صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یاد رہے کہ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے یہ ہمارا بیان محض نیک غنی کے طور پر ہے۔ ورنہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں فقط ”ورنہ“ پہلے کلام کے خلاف آتا ہے۔ ماقبل اور مابعد دونوں نفیض ہونے چاہئیں یہاں عجاری کلام ہے۔ چاہیے تھا کہ اس میں پہلے کی تردید ہوتی۔ لیکن یہاں بات ایک ہی ہے۔ کیونکہ پہلی عبارت میں زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھا کیا۔ اور ”ورنہ“ کے بعد بھی بعض کی راستبازی کو زیادہ ثابت کیا ہے اس لیے دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں پس ادبی لحاظ سے یہاں ”ورنہ“ کا استعمال بالکل غلط ہے۔

جواب: مختار مدعیہ نے یہ اعتراض ایسے طور پر کیا کہ گویا یہ بھی آجناب کے نزدیک مسیح موعودؑ کے کفر کی ایک بہت بڑی وجہ ہے کہ انہوں نے ”ورنہ“ کا غلط استعمال کیا۔ جس سے اردو زبان کی توہین ہوگئی اور اردو زبان چونکہ علمائے دیوبند کی زبان ہے لہذا ان کی توہین ہوئی اور علماء کی توہین سے چونکہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوئی۔ لہذا مرزا صاحب کا کفر ثابت اور مرزا صاحب کا فر۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھوں پر تعصب کی جینک لگا کر کسی کے کلام کو پڑھے تو اس کو حقیقت نظر نہیں آتا بلکہ وہ ایک سچی اور واقعی بات کو بھی قابل اعتراض سمجھا کرتا ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے حال سے ظاہر ہوا۔ ورنہ لفظ ”ورنہ“ جو حضرت مسیح موعودؑ کے کلام میں استعمال ہوا ہے بجائے خود بالکل درست استعمال ہوا ہے اور اس کو بے محل بتانا بے علم کا نشان ہے کیونکہ ”ورنہ“ کا ماسبق اور مانحنی مفہوم کے لحاظ سے ایک نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ماسبق سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے۔ تو باقی بعض سے درجہ میں برابر ہوں گے اور وہ باقی بعض حضرت مسیح سے افضل نہ ہوں گے۔ اور چونکہ ظاہر یہ کہ ناخفا کہ بعض کا ان سے بہتر ہونا بھی ممکن ہے اور یہ مفہوم پہلے مفہوم کے خلاف تھا۔ اس لیے لفظ ”ورنہ“ لاکر عبارت مانحنی میں یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لیے لکھا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں۔

مختار مدعیہ سے تو توقع نہیں۔ لیکن ہر غیر منصف اور فہیم انسان دیکھ سکتا ہے کہ ”ورنہ“ کے ماسبق اور مانحنی کا مفہوم ایک ہی ہے یاد دونوں کے مفہوم میں عظیم الشان فرق موجود ہے اور اس امر کا ثبوت کہ حضرت عیسیٰ

کے وقت میں بعض راستبازوں کا تعلق بائبل میں افضل ہونا ممکن ہے حضرت اقدس نے اسی موقع پر پیش کر دیا اور وہ یہ ہے :

”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وحیہا فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین جس کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ کے مفلوروں میں سے یہ بھی ایک تھے۔ اس سے بیجا ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب سے بڑھ کر تھے بلکہ اسباب کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیسوں کے لیے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب نیاں ہیں کہ بعض انبیاء جو لے لے نفضص میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے“

چوتھا اعتراض : مختار مدعیہ نے چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعیہ کے اعتراض کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یحییٰ کی فضیلت پر ”حصور“ سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے ”کیونکہ ایسے قصے اس نام کے لکھنے سے مانع تھے“ یہ عیسائیوں کو جواب دیا ہے یا ان مسلمانوں کو جو مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ نہ تو مسلمان حضرت مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں اور نہ عیسائی قرآن مجید کو صحیح مانتے ہیں جو ان پر قرآن مجید سے استدلال کرنا درست ہو اس لیے یہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق ہے اور وہ ان قصوں کو جو مسیح کی طرف منسوب کئے گئے صحیح خیال کرتے ہیں اور یہ صریح حضرت عیسیٰ کی توہین ہے

جواب : کتاب دافع البلاء جس سے یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں جا بجا عیسائیوں کو خطاب کیا گیا ہے چنانچہ صلا پر لکھا ہے ”اور بالآخر یاد رہے کہ اگر تمام لوگ جن میں مسلمانوں کے ملہم اور آریوں کے پنڈت اور عیسائیوں کے پادری داخل ہیں چپ رہے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں“ اور صلا پر لکھتے ہیں :

”اور عیسائیوں کے خیالات کے اظہار کے لیے ابھی ایک پادری دائٹ برجٹ صاحب اور ان کی انجمن کی طرف سے ہتھیار نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دودھ کرنے کے لیے اور کوئی تدبیر کافی نہیں۔ بجز اس کے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور ان کے کفارہ پر ایمان لے آئیں“

اور جن آخری دو ادراک میں سے اعتراض پیش کیا گیا ہے اس کے شروع میں لکھا ہے :

”سر دست ہماری ہمدردی کا قدر یہی ہو گا۔ کہ چہرہ دوبارہ اسلام کے مولیوں اور عیسائی مذہب کے پادریوں اور ہندو مذہب کے پنڈتوں سے گایاں سنیں“

اس سے بھی ظاہر ہے کہ عیسائیوں کو اس میں خطاب کیا گیا ہے پھر جس حاشیہ کی عبارت بطور اعتراض پیش کی گئی ہے وہ جس عبارت کی توضیح کے لیے لکھا گیا ہے وہ یہ ہے ”بہر حال اس مقابلہ کے وقت معلوم ہو گا کہ ان تمام

مذہب میں کون سا ایسا مذہب ہے جس کا شفاعت کرنا اور منجی کے بزرگ لفظ کا مصداق ہونا ثابت ہو سکتا ہے سچے منجی کو مر ایک چاہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس بلاشبہ اب دن آگئے ہیں کہ ثابت ہو کہ سچا منجی کون ہے ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راست باز آدمی جانتے ہیں اور اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ ابھٹا۔ واللہ اعلم۔ مگر وہ حقیقی منجی نہیں تھا۔ یہ اس پر تہمت ہے کہ وہ حقیقی منجی تھا۔ حقیقی منجی ہمیشہ سے اور فیما تک نجات کا پھل کھلا۔ نہ والا وہ ہے جو زمین حجاز میں پیدا ہوا تھا اور تمام دنیا اور تمام زمانوں کی نجات کے لیے آیا تھا اب بتاؤ کہ کیا اس عبارت سے ظاہر نہیں کہ آخری کلام کے مخاطب عیسائی لوگ ہیں۔ اور ان کے اس عقیدہ کی کہ حقیقی منجی مسیح ہے۔ تردید کی جا رہی ہے اور لفظ ”اکثر“ پر اس حاشیہ کی نشانی ہے جس کی عبارت پر مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا ہے پھر ہمیں تک قصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس عبارت کے ملحق ہیں بھی عیسائیوں کا ذکر ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

”جن لوگوں نے اس کو خدا بنا لیا ہے جیسے عیسائی یا وہ جنہوں نے خواہ مخواہ خدائی صفات اس کو دی ہیں جیسا کہ ہمارے مخالف اور خدا کے مخالف نام کے مسلمان وہ اگر ان کو ادا پراٹھاتے اٹھاتے آسمان پر چڑھائیں یا عرش پر بٹھادیں یا خدا کی طرح پرندوں کا پیدا کرنے والا قرار دیں ان کو اختیار ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت عیسائیوں سے متعلق ہے۔ جو مسیح کو خدا مانتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔ اور ان کو خدا کی صفات دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے انہیں بغیر اکل و شرب زندہ آسمان پر ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید سے استدلال کیا ہے اور عیسائی مسلمانوں پر رجحان قائم کرنے اور مسیح کی خدائی اور اس کی فضیلت و برتری اور اس کا شفیق ہونا ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لیے مسیح مؤؤد نے ان کے اس عقیدہ کو کہ مسیح حقیقی منجی ہے اور وہی سب راستبازوں کا سردار ہے بلکہ خدا ہے غلط ثابت کرنے کے لیے ان کی مسلمہ باتوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے :

”انسان جب جیا اور اوصاف کو چھوڑ دے تو جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے لیکن مسیح کی استبداد اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے اگر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا ہو یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن میں یحییٰ کا نام ”صورت“

رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کو رکھنے سے مانع تھے۔ اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ نے بچپن کے ہاتھ پر جس کو عیسائی پوچھا کہتے ہیں۔ جو بچھے ایلینا بنایا گیا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں داخل ہوئے تھے اور یہ بات حضرت یحییٰ کی فضیلت کو باہدہ است ثابت کرتی ہے کیونکہ بالمقابل اس کے یہ ذات نہیں کیا گیا کہ بچپن نے بھی کسی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی پس اس کا معصوم ہونا بدیہی امر ہے۔

یعنی حقیقت تو یہی ہے کہ مسیح علیہ السلام کی راستبازی ان کے زمانہ کے دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے اگر تم اسے خدا بنا لے ہو بلکہ اسے خدائی صفات دیتے ہو تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے اور تمہارے مسلمہ امور کے بھی مخالفت ہے۔

”بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے اگر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا الیٰ آحدہ“

سو چونکہ حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ ”نہیں سنا گیا“ جس کا مفہوم پہلی عبارت کے ساتھ یہ ہے کہ مسیح کے متعلق تو یہ بات سنی گئی اور ”یحییٰ کے متعلق نہیں سنا گیا“ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیم میں ان امور کا نشانہ نہیں پایا جاتا کیونکہ اگر اسلامی تعلیم میں یہ باتیں ہوتیں تو ان کے لیے ”سنا گیا“ اور ”بد میں بنایا گیا“ کے الفاظ ہی استعمال میں نہ آتے۔ کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں مذہبی ہوتیں اور تاریخ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ امر یہود اور نصاریٰ دونوں سے سنا گیا۔ اگرچہ دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا۔ عیسائیوں نے تو ان امور کو موجب نہ جان کر نقل کیا۔ لیکن یہود نے ان کو بطور اعتراض کے نقل کیا اور شراب پینے کا ذکر اور یحییٰ کے ہاتھ پر مسیح کے توبہ کرنے کا ذکر انجیل میں پایا جاتا ہے پس عیسائیوں پر حجت تمام کرنے کے لیے اور یہ بنانے کے لیے کہ جس کو تم خدا بنا رہے ہو اس کے متعلق یہ امور تمہاری انجیلوں میں پائے جاتے ہیں پھر وہ دنیا کے تمام راستبازوں سے بڑھ کر اور خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ اور چونکہ فاحشہ عورت کے عطر ملنے اور دیگر وافعات کو یہود نے بطور اعتراض پیش کیا تھا اور قسم قسم کے الزامات مسیح اور ان کی والدہ پر لگائے تھے اس لیے آنحضرت نے ایک حدیث میں ان کے الزامات سے تطہیر فرمائی لیکن بعض مسلمانوں نے اس سے یہ سمجھا کہ مس شیطان سے محفوظ ہونا صرف حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کی خصوصیت ہے اس لیے پھر عیسائیوں نے جیسے ان کے دوسرے عقائد کو مسیح کی الوہیت کی دلیل اور تمام انبیاء پر فضیلت کا سبب مانا تھا۔ اس حدیث کو بھی مسیح کی فضیلت کا موجب گردانا۔ سو عیسائیوں کی اس دلیل کو کہ حدیث سے مسیح کی فضیلت دوسرے راستبازوں پر ثابت ہوتی ہے رد کرنے کے لیے حضور نے آخر میں فرمایا کہ ”مسلمانوں میں یہ جو شہوہ ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں

جب یہ معلوم ہو گیا کہ واقعہ البلاغ کی عبارت میں جن قصوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ عیسائیوں کے مسلمات میں سے ہیں تو لازماً ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہاں عیسائیوں کو ان کے مسلمات کی بنا پر جواب دیا جا رہا ہے کہ مسیح خدا تو کجا اپنے زمانہ کے اور راستبازوں سے بھی راستبازی میں بڑھ کر ثابت نہیں ہوئے۔ اور اگر کہو کہ قرآن مجید کی رو سے ان کی تمام راستبازوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جس طریق پر تم فضیلت ثابت کرتے ہو اس طریق پر کبھی کی مسیح پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہاں لفظ ”حضور“ کو خصوصیت سے اس لیے پیش کیا۔ کیوں کہ عیسائیوں نے اس لفظ سے یہ استدلال کیا تھا کہ حضرت یحییٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی رو سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک پادری نے اپنے ایک رسالہ موسومہ ”دلائل اثبات رسالت عیسیٰ مسیح“ (دیکھئے ازالہ الادام) میں یہ لکھا ہے کہ ”اگر محمد کی طرح کوئی شخص اس زمانہ میں ہوتا تو کوئی اس کو اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا۔ آیا وہ نہیں سمجھتا تھا۔ کہ تجھ کو اچھا کام ہے حالانکہ کبھی کی صفت میں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وہ سردار تھا اور عورت کے پاس نہیں جاتا تھا اور بنی تھانیکو کاروں میں سے۔ پس محمد کو اقرار تھا اس امر کا کہ یحییٰ اس سے پاک اور بزرگ تھا اور درحقیقت محمد کو یحییٰ سے کیا نسبت تھی“

حضرت یحییٰ کی جو تعریف اس عبارت میں کی گئی ہے وہ آبیہ شریفہ سیداً و حضوراً و نبیاً من الصالحین کا ترجمہ ہے اب مختار ان مدعیہ سوچیں کہ عیسائی تو قرآن کو نہیں مانتا لیکن ان کو قرآن مجید میں سے حضرت یحییٰ کے تعلق جو لفظ حضور آیا تھا۔ اس کو لے کر کبھی آنحضرت پر سخت توہین آمیز طعن کی ہے۔ اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپ کی طرح ہوتا تو اس کو کوئی اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا اور حضرت یحییٰ ان سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ عورتوں سے بالکل ہی دور رہتے تھے اور آنحضرت عورتوں کے معاملہ میں اس کے بالکل ہی خلاف تھے اسی وجہ سے یحییٰ علیہ السلام کا نام تو قرآن مجید میں حضور رکھا گیا۔ اور آنحضرت کو یہ نام نہ دیا گیا۔ پس اس طعن کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں پر لوٹا دیا ہے کہ لے عیسائیو اگر تمہارا یہ اعتراض درست ہے۔ کہ آنحضرت کا نام حضور نہ رکھا جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے تعلق رکھتے تھے اور یحییٰ کا نام حضور اس لیے رکھا گیا کہ وہ عورتوں سے دور رہتے تھے اور اس سے ان کی آنحضرت پر افضلیت ثابت ہوتی ہے تو تمہیں یہ امر تسلیم کرنا چاہیے کہ حضرت یحییٰ حضرت مسیح سے بدرجہا افضل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت جن عورتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو ان کی عقیقہ اور صالحہ بیویاں تھیں لیکن جن عورتوں کا حضرت مسیح کے ساتھ رہنا اور خلاطہ کرنا نامانتے ہو وہ ان کی بیویاں نہ تھیں بلکہ بعض ان میں سے بدچلن اور بدکار عورتیں تھیں اور تم جانتے ہو کہ حضرت یحییٰ آبادی سے دربیابان میں رہتے تھے جہاں عورتوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح آبادی میں رہتے تھے اور عورتیں ان کے پاس آتی جاتی تھیں۔ پس تم کو ماننا چاہیے کہ اس وجہ سے خدا نے قرآن شریف میں یحییٰ کا نام حضور رکھا۔

مگر مسیح کا یہ نام نہیں رکھا۔ کہ اس قسم کے قصبے جن سے تم کو بھی انکار نہیں ہے۔ اس نام کے رکھے جانے سے مانع تھے پس حضرت مسیح موعودؑ نے اس جگہ عیسائیوں کے طرزِ استدلال کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر حجت قائم کی ہے۔ اور انہوں نے جو اعتراض آنحضرت پر کیا تھا وہی ان پر لوٹا دیا ہے۔

اور ایسا ہی گواہانِ مدعیہ اور مخارِ مدعیہ کے مسلمہ مقتدا اور شیخ الہند مولانا رحمت اللہ صاحب ہماجریت اللہ مرحوم نے اپنی کتاب ازالۃ الادہام میں کیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا طعن کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے اور پھر بالکل اسی طرح عیسائیوں کی طعن ان پر لوٹائی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دافع البلاء میں چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب ازالۃ الادہام کے صفحہ ۳۶ میں پہلے پادریوں کے طعن ددم ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں :

طعن ددم بنوت را پاکیزگی لازم است محمد پابند شہوات نفسانیہ بود کہ نہ زوجہ نمود اس کے بعد اس طعن کا جواب دیتے ہوئے صفحہ ۳۶ میں فرماتے ہیں :

”دریں طعن علمائے اس فرقه مسیحیہ چہ زباں دراز یہاں است کہ بہ نسبت خیر البشیر نکرده اند اگر چہ دل سے سوز دے خواہد کہ آل ہمہ را نقل کردہ الزام معلوس سازم مگر خوف طوالت مانع ازیں بہت ہمہ را گذاشتہ فقط قول صاحب دلائل اثبات رسالت مسیح را کہ او موافق زعم خود تمسک بایں قرینہ نمودہ طعن سے منابہ۔ اکتفا سے کنیم“

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دل تو یہ چاہتا ہے۔ کہ علماء مسیحیہ کی ان زبان درازوں کو جو اس طعن میں انہوں نے کی ہے۔ نقل کر کے الزام ان پر لوٹ دوں مگر خوف طوالت مانع ہے۔ اس لیے مصنف دلائل اثبات رسالت مسیح کے ایک طعن پر جو اس نے اپنے زعم میں آیت قرآنی سے تمسک کیا ہے۔ اکتفا کرتا ہوں۔ پھر آپ مولف مذکور کے متعلق لکھتے ہیں :

”در آخر رسالہ خود بزبان اردو دے نگارو۔ ترجمہ او میں کہ اگر شخصے مثل محمد دریں زماں سے بود کسے نزد خود اجازت نشستن اور انداد سے دایا اونے فہمہ۔ کہ تجرد کار نیک است و عالمانہ در صفت یحییٰ در قرآن سے نویسد۔ کہ او سر در خواند بود و نزد زن نخواستہ رفت و نبی خواہد بود و از تین کاں بس خود اقرار دارد۔ برس کہ یحییٰ از و پاک بود بزرگ محمد را با یحییٰ چہ مناسبت است“

اس عبارت کا اردو ترجمہ یعنی دلائل اثبات رسالت مسیح سے اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد مولوی رحمت اللہ

صاحب ان کے اس طعن کو ان پر اس طرح لوٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

”و آیا مسیح و حواریاں از توریہ و کتاب القضاة واقف نبودند۔ کہ دالتند سے۔ کہ شراب آل قدر نجس و بدست۔ آیا مسیح و حواریاں نے دالتند کہ ریاضت در روزہ محمودہ است چنانچہ یحییٰ و

شاکر دان اولیٰ سے آرزو۔ پس چرا دوام ایام خود را بے ریاضتی بسر سے بردند و دائم حریص اکل و شرب شراب بودند۔ آیا مسیح ابن قدر خیال نئے کر دند۔ کہ اجتناب از زناں اجنبیہ خصوصاً فاحشہ ضرورست و محبت داشتن با زناں نامحرم نباید۔ پس باقر مسیح فضیلت یحییٰ بر در فضیلت شاکر دان یحییٰ بر شاکر دان اوثانیت شد۔ و فی الحقیقت مسیح و شاکر دان اور با یحییٰ و شاکر دان او چہ مناسبت“ (صلۃ ازالۃ الاوبام)۔

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ آیا مسیح اور حواری شراب کا نجس دید اور عبادت روزے کا اچھا ہونا نہیں جانتے تھے یحییٰ اور اس کے شاکر ذوروزہ رکھتے اور عبادت کرتے تھے۔ لیکن مسیح اور اس کے حواری کس طرح بغیر عبادت کے نمبر کرتے تھے اور نشہ کھانے اور شراب پینے کے حریص رہتے تھے۔ آیا مسیح اس قدر خیال نہیں کرتے تھے کہ اجنبی عورتوں خصوصاً حرام کاروں سے پرہیز ضروری ہے اور نامحرم عورتوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ پس باقر مسیح اور ان کے شاکر دوں کو یحییٰ اور ان کے شاکر دوں سے کیا مناسبت۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کیا یہ عبارت دافع البلاء کی عبارت کی طرح نہیں ہے اور کیا اس میں وہی طریق اختیار نہیں کیا گیا جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں عبارتیں ایک ہی ایک رنگ کی ہیں اور ایک ہی آیت کے متعلق ہیں اور جس طرح حضرت اقدس کی عبارت یہی ”وجہ“ کے الفاظ ہیں اسی طرح مولانا رحمت اللہ جہا رحمت اللہ کی عبارت میں فی الحقیقت کے الفاظ ہیں اور جس طرح مولانا کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا کہ اسی طرح حضرت اقدس کی عبارت میں یہی وجہ کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آپ نے عیسائیوں کے معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا ہے۔

ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ

مختر مدعی نے ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب اور مولوی آل حسن صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور ان سے تو بہن لازم نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے تو لکھ دیا ہے کہ یہ بطور الزام کے ہم لکھ رہے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے تو یہ کہا ہے۔ کہ میں یسوع کے متعلق یہ باقیں کہتا ہوں۔ اور گواہان مدعی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یسوع اور عیسیٰ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کی عبارتوں سے مسیح کی تو بہن لازم آتی ہے۔ اس کا جواب اگرچہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں میں تفصیل سے آچکا ہے۔ لیکن یہاں بھی اختصار سے ایک دو باتیں کہہ دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

اگر مولوی رحمت اللہ ہاجر ملی اور مولوی آل حسن صاحب اور دیگر اشخاص کے خاص حضرت عیسیٰ کا نام لیتے اور عیسائیت دغیر ان کے معجزات تو قرآن مجید سے ثابت ہے انہیں جہان متی کا نمائشا کرنے والوں کے ہتھکنڈوں سے تشبیہ دینے میں حضرت مسیح کی اس وجہ سے توہین لازم نہیں آتی کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ ہم الٰہی طور پر یہ جواب دے رہے ہیں تو حضرت مسیح پر ہوتے یسوع کا نام لے کر جو لکھا اور یہ تصریح کر دی کہ یہاں حضرت عیسیٰ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ باعث توہین ہو سکتی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کی توہین کیونکر لازم آئے گی ضمیمہ انجام آتھم سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل عبارتیں قابل غور ہیں :

- ۱- ایک مردہ پر سمت فتح مسیح نام نے فتح گر ٹھہر تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور سے اپنی پہلی بے جہانی گود دکھا کر ایک گندہ اور بد زبانی سے بھلا ہوا خط لکھا ہے (ضمیمہ انجام آتھم ص ۳)
- ۲- یسوع کی تمام پیشگوئیوں میں سے جو عیسائیوں کا مردہ خدا ہے (حاشیہ ص ۷)
- ۳- ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیشگوئیاں اس کی خدائی پر دلیل ٹھیرائیں۔ اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا (حاشیہ ص ۷)
- ۴- متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے (حاشیہ ص ۵)
- ۵- ایک فاضل پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنی تمام زندگی میں تین مرتبہ شیطانی الہام بھی ہوا تھا (حاشیہ ص ۷)
- ۶- عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں (حاشیہ ص ۷)
- ۷- آپ کا یہ کہنا کہ میرے پیرو زہر کھائیں گے اور ان کو کچھ اثر نہیں ہوگا (حاشیہ ص ۷)
- ۸- افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں (حاشیہ ص ۷)
- ۹- آپ دہی حضرت ہیں جنہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ ابھی تمام لوگ زندہ ہوں گے کہ میں پھر واپس آ جاؤں گا (حاشیہ ص ۷)

ان تمام عبارات سے ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب عیسائی ہیں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو گندہ دہانی کی ہے تو الزاماً ان کے رسول یسوع کے متعلق جسے وہ خدا بنا رہے ہیں یہ جوابان دینے گئے ہیں اور حضرت مسیح موعود کا ایک جگہ ”مگر حق بات یہ ہے“ کہنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے مولوی رحمت اللہ صاحب نے اس حوالہ میں جو اوپر لکھا ہے فی الحقیقت کہا ہے اور گواہان مدعیہ نے باوجود اچھی طرح یہ جاننے کے کہ ان کے اکابر نے عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر اس قدر سخت کلمات استعمال کیے ہیں جن کے مقابلہ میں حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام ان الفاظ کی سختی تو آپ نے پادریوں کے فرضی یسوع کے متعلق لکھے ہیں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی اور باوجود اچھی طرح سے سمجھنے کے کہ جس طرح ان کے

اکا برنے الزامی طور پر سخت الفاظ لکھے ہیں۔ اس طرح حضرت اقدس نے بھی الزامی طور پر لکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تو یہی حضرت بیسی علیہ السلام کا الزام لگا دیا۔ چنانچہ اس میں سے چند کلمات کا ذکر انہوں نے اپنے بیانوں میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱۔

اور حضرت مسیح موعود نے اسی حاشیہ ضمیمہ انجام آتم کے آخر میں جس کے کلمات پر گواہان مدعی نے اعتراض کیا ہے یہ تحریر فرمایا ہے

”بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں یادیوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی انہوں نے ناحق ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گایاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ ٹھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اس پلید۔ نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زانی لکھا ہے اس کے علاوہ اور بہت گایاں دی ہیں پس اس طرح اس مردود اور خبیث فرقہ نے جو مردہ پرست ہے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔ کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور رب مار لکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے“ (حاشیہ ضمیمہ

انجام آتم ص ۶۹، ۸۰)

اور انجام آتم کے ص ۱۳ پر بھی فرمادیا ہے :

”اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں“

پس آپ نے تصریح فرمادی کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے مسیح کے لیے نہیں جو خدا تعالیٰ کے ایک راستباز بندہ اور نبی تھا۔ بلکہ عیسائیوں کے اس فرضی اور موموم یسوع کی نسبت ہے جس کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا تھا۔ اور خدائی صفات اپنے اندر رکھتا تھا اور یہ بھی فرض محال کے طور پر ہے ورنہ ایسے یسوع کا بھی کوئی وجود نہیں ہے جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں :

”مفروضی المحبت اس کا محب نہیں جس کی محبت کا مدعی ہونا ہے بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محب

ہوتا ہے۔ ہدایتہ الشیعہ ص ۲۴۵۔

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں :

”نصارحی جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دارو مدار ان کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ سو وہ اپنی تصویر خیالی کو پوجتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے (مہینہ الشیعہ ص ۲۴۵)

کیا مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت محولہ بالا سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود نے حاشیہ ضمیمہ انجام آٹھم یا کسی اور کتاب میں جو کچھ عیسائیوں کے مفروضہ خدا کے متعلق لکھا ہے وہ ان کی ایک خیالی تصویر کے متعلق ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق۔ جو خدا تعالیٰ کے ایک بنی تھے پس یہاں یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ مسیح کا نام تو یسوع بھی تھا ہو کر سے لیکن آپ نے دو یسوع کی صفات بیان کر کے تھخیص کر دی ہے کہ وہ یسوع مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہے جو خدا ہونے کا مدعی تھا اور ایسے فرضی طور پر کلام کرنے کا ثبوت گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں مثالوں کے ساتھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲

پس جس طریق پر حضرت مسیح موعود نے یسوع کے متعلق کلام کیا ہے ایسے کلام کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کا ذکر فرماتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا أَلَمْ نَجْزِ الْمَظْلَمِينَ (سورة انبیاء)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کر کے جنہوں نے خدا کے لیے ولد بنایا ہے فرمایا کہ خدا تو اتنا ذوالد سے پاک ہے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو خدا کا بیٹا بنایا ہے وہ خدا کے معزز اور مقرب بندے تھے۔ اور پھر آخیں فرمایا ہے کہ جو ان میں سے یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو اس کے اس بدلے میں جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح یہ سزا دیا کرتے ہیں۔

اب آخری کلام کہ جو شخص یہ کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں ان لوگوں کے اعتقاد کی بنا پر کی گئی ہے کہ جنہوں نے خدا کے لیے ولد تجویز کیا تھا۔ ورنہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے لیے کوئی ولد نہیں اور نہ کسی نبی نے یہ کہا۔ کہ میں خدا کا حقیقی ولد ہوں اور نہ ہی کسی نبی سے یہ ممکن ہے کہ وہ کہے میں خدا کے سوا معبود ہوں جیسا کہ آیت دَمًا كَانَ بَشَرًا اِنْ يُّوتِيهِ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ (ال عمران) سے ظاہر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کتاب حکم اور نبوت دیتا ہے اس سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ نبی بھی ہو۔ اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ اور تم میرے بندے بنو۔ پس جیسا کسی نبی سے یہ متصور نہیں تھا کہ وہ لوگوں سے کہے کہ مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ تو پھر خدا تعالیٰ کا یہ

فرمانا کہ جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو ہم بھم کی سزا دیں گے۔ یہ صرف فرضی طور پر ہے اور مردہ ان لوگوں کے عقیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ہے جنہوں نے بعض ایسا رکھنے کے سوا معبود مانا تھا اور اگر جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے اس آیت میں ملائکہ بھی مراد لئے جائیں تو پھر بھی یہ کلام فرضی طور پر ہی ماننا پڑے گا۔ اور یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ جنہوں نے ملائکہ کو خدا کے سوا معبود بنایا ہے ان کے عقیدہ کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے ورنہ ملائکہ کی توبہ صفت ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی کام کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کہ مسیح خدا ہے ذکر کر کے فرماتا ہے۔ قل فمن يملك من الله شيئاً..... جیسا کہ مائدہ رکوع ۱۷۱ کہہ تو اس لوگوں کو جنہوں نے مسیح کو خدا بنا یا ہے کہدے کہ کون روک سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے ذریعہ سے اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہے کہ مسیح اور اس کی والدہ اور تمام ان لوگوں کا جو زمین پر ہیں عذاب سے کراستیصال کر دے تو یہاں بھی مسیح کے حق میں جو کلام کیا گیا ہے وہ بھی عیسائیوں کے عقیدہ کو مد نظر رکھ کر کہا گیا ہے ورنہ ایک خدا کا بنی خدا کے عذاب میں کس طرح گرفتار ہو سکتا ہے اور کیونکر خدا تعالیٰ اس کا استیصال کرے گا۔ پس حضرت مسیح موعود نے جہاں یسوع یا مسیح کے متعلق کلام کیا ہے تو وہ اسی فرضی یسوع اور مسیح کے متعلق ہے جس کو عیسائیوں نے خدا کے سوا معبود بنایا۔

حضرت مسیح موعود کے بعض حوالہ جات کہ فرضی یسوع مراد ہے حضرت عیسیٰ نہیں

۱۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :

”ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح پر نہایت نیک عقیدہ ہے ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے سچے نبی اور اس کے پیارے بچے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے۔ اپنی نجات کے لیے ہمارے سینہ و مولا محمد مصطفیٰ پر دل و جان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے صداہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاروں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ اور ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بد زبان یسوع کی خبر دی ہے۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنے کا جواز رکھا اور

آپ خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ایسے پاکوں کو جو ہزار ہا درجہ اس سے بہتر تھے۔ گایاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے۔ اور خدا کا عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیوں کو سن کر اختیار کیا ہے (تبلیغ رسالت جلد چہارم ص ۶۶۶)۔

۲۔ ”ہمیں حضرت مسیح کی شان مقدس کا بہر حال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گایاں آنحضرت کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے“ (نور القرآن مطبوعہ ص ۱۸۹۵)۔

۳۔ اس رسالہ کے ص ۱۳ پر پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”یقیناً جو کچھ تم مقدس نبوی کی نسبت بڑا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا چلے گا اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔“

۴۔ اور فرماتے ہیں :

”پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰ کو نہ سمجھ لیں بلکہ وہ ہمارے کلمات اس سیوع کی نسبت لکھے گئے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں نام و نشان نہیں“ (تبلیغ رسالت جلد پنجم ص ۵)۔

۵۔ اور فرماتے ہیں :

”ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور استباز مانتے ہیں تو یہ کیونکر ہماری فلم سے ان کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں“ (کتاب البریہ ص ۹۳ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)۔

۶۔ اور فرماتے ہیں :

”ہم اس بات کے لیے بھی خدا تعالیٰ کلمہ عرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور استباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہمارے کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا ہے اور جو ٹاپے (ایام الصلح ٹاپیل پیج ص ۱۸۹۹)۔

۷۔ اور فرماتے ہیں :

”حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ مرے منہ سے نہیں نکلتا یہ سب مخالفوں کا افترا ہے

ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گزرا۔ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔ اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جو ثابتاً قرار دیا اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو۔ اس لیے میں نے فرض محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں۔ راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ (ترقیاتی القلوب حاشیہ ص ۳۷)۔

۸۔ اور فرماتے ہیں :

”میں (سبح ابن مریم کی) عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مقدر اور مقرر ہی ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا (لکنتی نوح ص ۱۶)۔“

۹۔ اور فرماتے ہیں :

”اور یاد رہے کہ ہم عیسیٰ کی عزت کرنے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آج کل شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ دکھانا منظور ہے کہ جس طرح یہود شخص تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پر حملے کرتے تھے۔ اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن اور آنحضرت پر کرنے ہیں عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق میں یہودیوں کی پیروی کرتے (چشمہ مسیح مفہوم ص ۱)۔“

۱۰۔ اور فرماتے ہیں :

”ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس پر گزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی میں معدوم لوازم کے کیا ہے (تبلیغ رسالت جلد ششم ص ۳۲ اشہار ۲۸ فروری ۱۹۷۷ء)۔“

۱۱۔ اور فرماتے ہیں :

”هَذَا مَا كَتَبْنَا مِنَ الْأَنْجِيلِ عَلَى سَبِيلِ الْإِثْمَانِ... كَوَاهِرُ الْبِلَادِ حَاشِيَةً ص ۷“
(ترجمہ) یعنی جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اناجیل سے بطور الزامی جواب کے لکھا ہے ورنہ ہم خود حضرت مسیح کی عزت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ آپ متقی اور معزز انبیاء میں سے تھے۔

حضرت مسیح نبی اللہ میں

۱۔ اس بات میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح سچے نبی ہیں (اربعین ص ۲۵)۔

۲۔ اور فرماتے ہیں :

”اس لیے ظاہر پرستی کی شہادت سے یہودیوں کو روپیچے نبیوں کی نبوت سے منکر رہنا پڑا یعنی مسیح اور

بیچنی سے "ازالہ اور اہام ص ۱۱۲)

۳- اور فرماتے ہیں :

اور اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ مجھے صاف طور پر اللہ جل شانہ نے فرما دیا ہے کہ حضرت مسیح بلا نقادوں ایسا ہی انسان تھا جیسا کہ اور انسان۔ مگر خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور اس کام سہل اور برگزیدہ ہے۔"

حجت الاسلام ص ۹)

۴- اور فرماتے ہیں :

"اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ (یعنی مسیح) سچے نبی ضرور تھے۔ رسول تھے۔ خدا تعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے (حجت الاسلام ص ۱۲)

۵- اور فرماتے ہیں :

"اس وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی تھے اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے پاک ہیں جو ان پر اور ان کی ماں پر لگائی گئیں (اعجاز احمدی ص ۱۳)

۶- اور فرماتے ہیں :

حضرت عیسیٰ بے شک خدا کا پیارا نبی تھا نہایت اعلیٰ درجہ کے اوصاف اپنے اندر رکھتا تھا (مجموعہ اشتہارات مرتبہ مفتی محمد صادق ص ۱۵۳)

۷- اور فرماتے ہیں :

"حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں خدا کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں ہاں نبی اللہ بے شک ہیں خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں" (جنگ مقدس ص ۱۵)

۸- اور فرماتے ہیں :

"ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بے گناہ عورت پر آپ عاشق ہوئے تھے لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے رسول اور پیارے تھے خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمت لگاتے ہیں۔ (اعجاز احمدی ص ۲۵)

۹- اور فرماتے ہیں :

حضرت عیسیٰ خدا نہیں وہ صرف ایک نبی ہے۔ ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں۔ اور بخدا میں سچی محبت اس سے رکھتا ہوں۔ جو نہیں مرگے نہیں اور جس فرد کے ساتھ میں اسے شناخت کرتا ہوں۔ تم ہرگز

اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایک خدا کا پیارا اور برگزیدہ نبی تھا اور ان میں سے تھا۔ جن پر خدا کا ایک خاص فضل ہونا ہے اور جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے جاتے ہیں،
(رد عویٰ حق ص ۵ مشمولہ حقیقۃ الوحی)

۱۰۔ اور فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو اچکل شائع ہوتے ہیں (حیثمہ مسیحی ص ۱)

ان تمام حوالہ جات سے بھراحت و وضاحت ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا نبی اور راستباز اور مقربان بارگاہ الہی سے سمجھتے تھے اور ان کی نبوت بر ایمان لاتے تھے اور ان کے متعلق آپ نے کسی قسم کا توہین آمیز لفظ استعمال نہیں۔

ان تصریحات کے ہونے ہونے کسی شخص کا حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو توہین حضرت عیسیٰ کا مرتکب قرار دے لے اور مختار مدعیہ کا باوجود مذکورہ بالا واضح عبارتوں کے یہ اعتراض کرنا کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے نہ صرف دیانت ادا انت ہی کے خلاف ہے۔ بلکہ گواہ مدعیہ ملے کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس نے ہراگست کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ اس کی دیگر تصانیف کو دیکھ کر اس کا صحیح عقیدہ معلوم کیا جائے۔

پس اسی اصل کی رو سے بھی دیکھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے بالکل لغو اور باطل ہے اور جو اعتراض مختار مدعیہ نے مہجرات مسیح کے متعلق کیا ہے اس کا مفصل جواب گواہان مدعیہ کے بیان میں موجود ہے۔

لازم مذہب۔ مذہب نہیں ہوتا

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بہت سے الزامات آپ کی عبارتوں سے غلط استنباط کر کے لگائے ہیں چنانچہ ہر اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔

۱۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ابن مریم نہیں آسکتے۔ کیونکہ وہ نبی ہیں اور اگر نازل ہوں تو وہ امتی ہوں گے اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ رحمانی دین کے لیے ضروری ہے کہ اس میں امتی نبی آئیں اور نبی امتی بن نہیں سکتا۔ لازم آیا کہ اسلام اور باقی سب ادیان شیطان اور لعنتی ہوں۔ جب مرزا صاحب کے اقرار سے اسلام لعنتی دین ہوا۔ تو اپنے اقرار سے آپ کافر ہوئے۔ لہذا نکاح فسخ ہوا۔ حالانکہ مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کی عبارت

سے جو نتیجہ نکالا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ کی تحریرات کا یہ نشانہ ہے کہ اگر ایک مستقل نبی کا دوبارہ آنا مانا جائے تو یہ ماننا اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کہ اس کے امتی نبی ہونے کا یقین کیا جائے اور اس کا امتی نبی ہونا محال ہے۔ کیونکہ امتی کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اس نے تمام کمالات و مراتب دوسرے کے اتباع سے حاصل کیے ہوں۔ لیکن حضرت عیسیٰ پر یہ تعریف صادق نہیں آسکتی۔ البتہ ایک امتی شخص نبی ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی برکت سے اس مقام پر پہنچ جائے کہ خدا تعالیٰ اسے عندالفرود نبوت کے مقام پر سرفراز فرمائے۔ اور دین کی اصلی غرض خدا تعالیٰ سے ملانا اور اس کے قرب کی راہیں بتا کر منزل مقصود تک پونچانا ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس دین کی متابعت سے انسان اپنے محبوب ازلی سے ہم کلام نہیں ہو سکتا وہ دین دین ہی نہیں ہے اور نیز آپ نے اپنی تمام کتب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ حقیقی طور پر جس کی پیروی کرنے والا انسان اپنے خدا سے ہکلائی کا شرف حاصل کر سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”آپ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں اور دوسرے ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الہیہ ملتا ہے وہ انہی کے فیض اور انہی کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی“ (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۹)

اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے، ’’برزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا شریعت لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی تو ان سے زیادہ درجہ رکھنے والے کا آنا قبول اسلام کی بربادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ جیسے گھٹیل نبی کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اسلام کی بربادی ہو جاتی ہے تو ان سے افضل نبی کے آنے سے تو بہت زیادہ ہتک اور بہت زیادہ بربادی ہوتی چاہیے۔‘‘

۲۔ مختار مدعیہ کا یہ استنباط بھی صریح طور پر غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مستقل نبی ہیں ان کے آنے سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ٹوٹی ہے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ردعانی اتنی ناقص ہے کہ اس میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو امت محمدیہ کی اصلاح کر سکے بلکہ اس امت کو دینی اصلاح کے لیے ایک ایسے نبی کا محتاج ماننا پڑتا ہے جو مستقل نبی ہے اور اس کو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں بطور انجام نہیں ملے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کو ماننے سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ لیکن حضرت مسیح

موجود جس نبوت کو اپنے لیے ثابت کرنے میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فیضان کا نتیجہ ہے اور آپ حضور کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور آپ کو جو کمالات حاصل ہوئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ظلی طور پر حاصل ہوئے ہیں۔

۳۔ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام ص ۱۲۳ کا حوالہ پیش کر کے کہا ہے کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی روح تین دفعہ جوش مارے گی۔ اس عبارت میں مرزا صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور رسول مقبول آپ کے ظل ہیں۔ اور نیز لازم آیا کہ جیسے علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہوئے اور حضرت مسیح کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں اس سے مرستان میں بڑھ کر ہوں تو مرزا صاحب رسول مقبول سے مرستان میں بڑھ کر اور افضل ہوئے اور میری کفر ہے مختار مدعیہ نے جو نتائج مذکورہ بالا عبارت سے نکالے ہیں۔ وہ بالکل غلط اور باطل ہیں اور حضرت مسیح موجود علیہ السلام کے وہ عقائد نہیں ہیں آئینہ کمالات اسلام میں نہ ایک جگہ بلکہ متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار انبیاء اور افضل الانبیاء ہونے کا ذکر موجود ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کا اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پس کسی کی قوم کا گمراہ ہونا اور اس کے لیے اس کی روح کا جوش مارنا تا کوئی اس کی قوم کی اصلاح کرے۔ اس کی فضیلت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

۴۔ اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام ص ۱۲۳ پر لکھا ہے۔۔

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بہت دفعہ امت محمدیہ میں ظاہر ہوئی اور اس نے حلول کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہزاروں نبی ہوئے اور مرزا صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اس امت میں میں ہی نبی قرار دیا گیا ہوں۔ کوئی نبی بھی نہ ہوا۔ یہ بھی جھوٹ ہے تو یہ صریح کفر اور ارتداد ہے اس لیے نکاح فسخ ہوا“

آئینہ کمالات اسلام کی مذکورہ بالا عبارت میں نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے اپنے پاس سے اس عبارت کا ایک مفہوم وضع کر کے کفر و ارتداد کا فتویٰ ہی دیا ہے۔

(۵) مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں دافع البلاء کا حوالہ پیش کر کے مندرجہ ذیل نتائج نکالے ہیں۔

۱۱) خدا خدائی کے قابل نہیں (۱۲) عیسیٰ نبوت کے قابل نہیں (۱۳) نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ بدعا اور رندی بازوں کو بھی مل جاتا ہے اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتبہ نبوت کی کھلی توہین ہے اس سے مرزا صاحب کا فرمودہ ہونے اور اسی طرح کیا ہے۔ اور چونکہ بعثت من القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کو درد کیا ابروں میں اور مرزا صاحب نے ہر ایک کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہذا بے شمار وجہوں سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت کا ہی انکار ہے تو حوض کوثر بنا

انا اعطيناك الكوثر كما بھی انکار ہوا اور وہ بھی کفر ہے۔ جب یثا ہی نہیں تو شفاعت کبریٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے وہ بھی گئی جب جنتی جنت میں ہوں گے اور دروزخی دوزخ میں تو پہل صراط بھی ندارد ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو مختار مدعیہ نے ازراہ افتراء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی ہیں اور ایسی باتیں جو کسی شخص کے کلام سے اس کی منشا اور تصریحات کے خلاف نکالی جائیں لازم مذہب کہتے ہیں اور اس طرح لازم مذہب پر تکفیر کرنے والوں کے متعلق ائمہ سلف صالحین نے تحریر فرمایا ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہو کرتا۔ چنانچہ البیواقیۃ والجوہر جلد ۲ ص ۱۲۸ میں ہے۔

والصحيح ان لازم المذهب ليس بمذهب وان لا كفر بجمد الزوم۔ کہ صحیح بات یہ ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا اور مجر د زوم سے کفر لازم نہیں آتا۔

اور اسی طرح امام ابن حزم لکھتے ہیں :

واما من كفر الناس بما تؤول اليه اقواله فخطا ولا نه كذب على الخصم وتقويل له ما لا

يقول بهن الكفر (كتاب الفصل في الملل والنحل جلد ۳ ص ۲۵)۔

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے لوگوں کی ان کے اقوال سے نتائج اور لوازم نکال کر تکفیر کی ہے۔ اس نے بڑی غلطی کی کیونکہ وہ تمد مقابل پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور اس کی صرف ایسی بات منسوب کرتا ہے۔ جو اس نے نہیں کی۔ اور اگر اس سے وہ بات لازم بھی آئے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تناقض ثابت ہوگا اور تناقض کفر نہیں ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ کفر سے دور بھاگ گیا۔

اور خود مختار مدعیہ نے بھی اپنے مکفرین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

”تکفیر مراحمت کی بنا پر ہے۔ لزوم میں تکفیر خانی صاحب (بریلوی) کے نزدیک بھی نہیں ہو سکتی۔“

رالطین اللآزب ص ۳ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ ص ۲)

اور اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے اور بعض محال مان بھی لیں کہ وہ کفریات بطریق کنایہ یا لزوم ان عبارات سے ثابت بھی ہوتے ہیں تو گفتگو اس میں ہے کہ خلاف صاحب لزوم اور کنایہ پر بھی کفر کا فتویٰ ہوتا ہے۔

اور لکھتے ہیں :

اور اگر وہ عبارات جن کی مراحمت کا دعویٰ کیا ہے نہ دکھا سکیں تو اس مضمون ہی کو دوسری عبارت سمجھ میں دکھا دیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ان مضامین کو بطریق لزوم ہی ثابت کر دیں گے لزوم مثبت تکفیر نہیں (تذکیرہ انخواطر ص ۱۱ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ ص ۲)۔

اور ص ۱۵ پر لکھتے ہیں۔

تکفیر تو ان امور کی تصریح اور صراحت پر موقوف ہے اور صراحت بھی کسی جس میں جانب مخالفت ضعیف کا احتمال بھی نہ ہو۔ حالانکہ جن عبارات کو کتب مذکورہ سے خان صاحب نے نقل فرمایا ہے ان عبارات میں ان معانی کا ضعیف سے ضعیف بھی احتمال نہیں۔ اور اگر مصنفین کے حالات اور سیاق و سباق کلام کے مقدم و مؤخر کو دیکھا جائے۔ تو ان معانی کفریہ کی تو بھی نہیں بلکہ خلاف کی تصریح۔ پھر یہ تکفیر بے جا درگناہ کبیرہ اور جہل و نادانیت ہوائے نفس۔ حُت جہاہ۔ عداوت اسلام وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ص ۱۵ پر لکھتے ہیں :

”اگر مضامین کفریہ صراحتاً تو نہ ہوں۔ مگر احتمال اور لزوم کے طور پر ہوں تب ایسی صورت میں قاضی مفتی کو تکفیر حرام دانا جائز ہے۔ جب تک کہ قائل کی مراد معلوم نہ ہو جائے۔ کہ اس نے معنی کفریہ ہی مراد لیے ہیں۔“

پس مختار مدعیہ کا یہ کہہ کر کہ انہ اذوال سے یہ امور لازم آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر ناجب کہ ان اقوال میں معانی کفریہ کی تو بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ مصنف کے حالات اور ان کتب کے مطالعہ اور ان عبارات کے سیاق اور سباق سے اس کے خلاف صراحت سے ثابت ہوتا ہے۔ تکفیر بے جا۔ اور گناہ کبیرہ اور جہل و نادانیت۔ ہوائے نفس۔ حُت جہاہ۔ عداوت اسلام۔ وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہیں۔ مختار مدعیہ حضور مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب سے قیامت تک یہ نہیں دکھا سکتے کہ آپ نے قیامت سے انکار کیا ہے یا پل صراط یا بعث بعد الموت یا دیگر امور آخرت سے انکار کیا ہے۔ یا اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی ہو یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کیا ہو۔ پس قائل کی منشاء کے خلاف اس کے قول کا مفہوم لے کر تکفیر کرنا سوائے ان لوگوں کے جو تکفیر کے عادی ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں کسی ایماندار شخص کا کام نہیں۔

توہین صحابہ کا الزام اور اس کا جواب

مختار مدعیہ نے صحابہ کے توہین کی ایک وجہ یہ بھی فرار دی ہے۔ کہ آپ نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا ہے کہ جو شخص میری جماعت میں داخل ہوا۔ وہ درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا یعنی غیر صحابہ کو صحابہ کے ساتھ شریک کر دینا یہ صحابہ کی سخت توہین ہے لیکن اکابر بزرگان اسلام نے امام ہمدی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز مانا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روحانیت تھی جو آدم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روحانیت بصورت حضرت ہمدی ظاہر ہوگی پس اسی روحانیت اور بروزیت کے لحاظ سے ہمدی کے اصحاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں داخل ہونے والا کہنا صحابہ کی توہین کا موجب کیوں ہونے لگا صحابہ میں داخل ہونے کا تو یہی مطلب ہے کہ انہیں بعض امور میں صحابہ سے شائبہ حاصل ہو گئی تھی اس سے

توہین کا کیا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء امتی کا بنیارس بنی اسرائیل فرما کر علماء امت کو انبیائے بنی اسرائیل کا شبیہ و شبیل قرار دیا ہے کیا اس سے انبیاء بنی اسرائیل کی کوئی توہین ہوگی۔ اگر نہیں تو کسی کے شبیل و شبیہ صحابہ ہونے سے صحابہ کی توہین کیا معنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت کے دگر وہوں کے لیے کہ ایک ان میں وہ ہے جس میں خود حضور نبض نفیس تشریف فرما تھے۔ اور ایک وہ جو آخری زمانہ میں ہونے والا تھا۔ یہ فرمایا ہے کہ میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ لایدری اولہ خیراً اخرہ، مشکوٰۃ ص ۵۸۳ جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری تو کیا مختار مدعیہ یہ فتویٰ نکلے گا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے آخری گروہ کو صحابہ کے ساتھ اتنا ہرنگ قرار دے کر کہ گویا ایک ہی پٹھر اگر یہاں تک فرمادیا کہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون بہتر ہے اور کون نہیں ہے یعنی دونوں ہی بہتر ہیں۔ اپنے اصحاب کی توہین کی ہے اور غیر صحابہ کو صحابہ سے ملا دیا ہے جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفر و ارتداد ہے استغفر اللہ و لاحول و لا قوۃ الا باللہ امد ہے کہ اب مختار مدعیہ نے جس امر پر اعتراض کیا ہے وہ صحابہ کی توہین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہو تو پھر اس کو دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب غلیفہ مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ کا یہ شعر دیکھ لینا چاہیے جو انہوں نے اپنے پیرو مرشد مولوی رشید احمد صاحب کی وفات پر لکھا ہے

زبان پر اہل اہموں کی ہے کیوں اعلیٰ جہل شاید
اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

پس جب مولوی رشید احمد کو سید الاولین و الاخرین افضل المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہنے سے مختار مدعیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں ہوتی۔ تو امت محمدیہ میں سے کسی کے شبیل صحابہ ہونے سے ہتک کے کیا معنی۔

اہل بیت کی توہین

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر توہین اہل بیت کا لگایا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ میرے اہل بیت کی کشتی نوح کی مثال ہے لیکن چونکہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیم کو کشتی نوح قرار دیا ہے۔ لہذا اہل بیت کی توہین ہو گئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم جس کو آپ نے کشتی نوح قرار دیا ہے وہ یہی تعلیم ہے کہ ”نوح انسان کے لیے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے کوئی رسول اور شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ تم سچی محنت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کشتی نوح کی برائی مت

دو۔ تا تم آسمان پر بجات یافتہ لکھے جاؤ (کشتی نوح ص ۳)

اگر اس تعلیم کو حکم خداوندی کشتی نوح قرار دینے سے اہل بیت کی توہین لازم آتی ہے تو اہل بیت کو کشتی نوح قرار دینے سے اصل کشتی نوح کی ضرورت توہین لازم آئے گی پس مختار مدعیہ کے طرنا استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ فتویٰ کہاں جا کر لگتا ہے۔

امام حسین کی توہین

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں امام حسین کی توہین کی ہے اور ان پر اپنے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ امر امام حسین کی توہین کا موجب ہے یاد رہے کہ اعجاز احمدی میں ان غالی شیعوں سے خطاب ہے۔ جو مشرکوں کی طرح امام حسین سے مرادیں مانگتے اور ان کو تمام مخلوق کا سردار تمام انبیاء سے افضل اور سب کا شفیع اور منجی ٹھہراتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی شفاعت کا محتاج بتاتے ہیں اور شیعوں کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہو اس کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں کیوں کہ ایسے موقعوں پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ بغرض توہین نہیں ہوتا۔ بلکہ بغرض اصلاح عقائد مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۃ العلوم دیوبند مدینۃ المشیعہ ص ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ”اہل ہند جو تمام دلاستوں کے لوگوں کے نامزدہ بن میں امام ہیں۔ ان میں کوئی بھنگی اور چمار بھی اس سہولت سے بیٹی نہیں دیتا۔ جیسا کہ حضرت امیر (حضرت علی) نے اپنی بیٹی کو حضرت عمر کے حوالے کر دیا آپ بھی دیکھتے رہے اور صاحبزادے بھی۔ پھر صاحبزادوں میں بھی ایک وہ تھے جنہوں نے تیس ہزار فوج جرّار کا مقابلہ کیا۔ پس اگر حضرت اقدس کا غالی شیعوں کے مقابلہ میں کچھ لکھنا حضرت امام حسین کی توہین کا موجب ہے تو محمد قاسم بانی مدرسۃ العلوم دیوبند کا وہ لکھنا جو ابھی نقل کیا گیا ہے نہ صرف حضرت امام حسین علیہ السلام بلکہ ان کی ہمیشہ رضی اللہ عنہا اور بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام پھر والد ماجد امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی ہتک اور توہین کا موجب ہو گا۔ اور یہ توہین اس توہین سے جس پر فتاویٰ مدعیہ معترض ہے بچ گونہ زیادہ ہوگی۔ اور اگر مولانا محمد قاسم کا لکھنا موجب توہین نہیں ہے تو حضرت اقدس کا لکھنا موجب توہین کیوں رہا فضیلت کا اعتراض تو ایک کی فضیلت سے دوسرے کی توہین کا نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں۔ بعض انبیاء کی بعض دوسرے انبیاء پر فضیلت مسلمہ فریقین ہے لیکن ان دوسرے انبیاء کی اس سے کوئی توہین اور ہتک نہیں ہونی چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء سے عموماً اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے خصوصاً افضل ہونا مسلم ہے لیکن کیا اس سے تمام انبیاء اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی ہتک ہو جاتی ہے۔ امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے تو کیا اس سے تمام امتوں کی توہین ہو گئی ہرگز نہیں اور امام ہمدانی کے متعلق تو تمام اکابر۔

علماءِ صلحاء و اولیائے امت نے تسلیم کیا ہے کہ وہ صحابہ بلکہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہے جیسا کہ نواب صدیق حسن خان نے صحیح الکرامہ ص ۳۸۶ میں امام محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے اور شرح قصوص الحکم میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہمدی جو آخر زمانہ میں آئیں گے وہ احکامِ شریعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور معارف اور علوم اور حقیقت کے علم میں تمام انبیاء و اولیاء اس کے تابع ہیں۔ کیونکہ اس کا باطن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن بزرگ و تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔ پس اگر کلام ہو سکتا ہے تو اس امر میں شک کہ وہ ہمدی کون ہے نہ اس میں کہ اس کا امت محمدیہ کے بزرگوں میں دوسروں سے افضل ہونا۔ ان دوسروں کی ہتک کا موجب ہے کیونکہ اُس کے افضل ہونے کو نوا کا بر صلحاء و اولیائے امت نے تسلیم کیا ہے اور اس کے دوسروں سے افضل ہونے سے دوسروں کی ہتک کا خیال باطل ہے خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس نے اعجاز احمدی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بغرض تو بین ہرگز نہیں۔ بلکہ بلحاظ حمایتِ حق اور تائیدِ توحید ہے اسی وجہ سے حضور نے اعجاز احمدی ص ۳۸ میں فرمایا ہے جس کو مختار مدعیہ نے پیش کیا ہے ”کہ میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین کے متعلق لکھا ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے یہ انسانی کارروائی نہیں خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاموں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؑ جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعد من عاد و لیلیٰ دست بدست اس کو کپڑ لیتا ہے۔ پس مبارک وہ جو آسمان کے مصالح کو سمجھتا ہے اور خدائی حکمت عملیوں پر غور کرتا ہے“

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کلام تو بتائید توحید اور بتائید امر حق لکھا گیا ہے۔ قابل اعتراض نہیں ہے جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب ہدایت الشیعہ ص ۳۴۶ میں لکھتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا پچھڑے کے پوجنے کے مقصد سے بے تصور ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اور پھر بایں ہمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان پر غصے ہونا یہاں تک حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال گھیننے تک نوبت آئی تو خود کلام اللہ میں ہی موجود ہے سو جب حضرت ہارون تو ہوں بے تصور کہ وہ بے تصور تھے ہی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ اپنے عندیہ میں بے جا غصے نہیں ہوئے تھے بلکہ بایں نظر کہ ان کے بڑے بھائی پر غصے ہونے کا کوئی منصب نہیں تھا۔ مگر خدا واسطہ کی بات نہ ہوتی تو حضرت ہارون ان کا خون بھی کر دیتے تو دم نہ مارتے ہدایت الشیعہ ص ۳۴۶۔

پس اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقصود ان لوگوں کے مقابلہ میں جو حضرت امام حسین کو منجی اور شفیع قرار دیتے ہیں کہ شرک تک نوبت پونچاتے ہیں اور انہیں تمام انبیاء سے افضل ٹھہراتے ہیں بتائید توحید اور بتائید حق ہے نہ بغرض تو بین ورنہ حضرت اقدس حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ۵

جان و دلم فدائے جمال محمد است خاکم نثار کو چہ آل محمد است

اور اسی طرح اعجاز احمدی میں ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے آپ نے حضرت امام حسین کے متعلق راستباز اور رضی اللہ عنہ کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اسی طرح ائینہ کمالات اسلام ص ۳۱ پر آپ فرماتے ہیں۔

”اور اسی طرح علما کی عادت رہی اور ایسے سعیدان میں سے بہت ہی کم نکلے جنہوں نے مقبولان با نگاہ الہی کو دقت پر قبول کر لیا۔ امام کا مل حسین رضی اللہ عنہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک ہی سیرت اور خصلت ان ظاہر پرست مدعیان علم کی جلی آئی کہ انہوں نے دقت پر کسی سرد خدا کو قبول نہیں کیا۔“

پس اعجاز احمدی میں حضرت اقدس نے جو کلام کیا ہے وہ ان شیعوں کے مقابلہ میں ہے جو امام حسین کو انبیاء سے بڑھ کر اور تمام مخلوقات سے افضل بتاتے ہیں اور ایسے رنگ میں ہے جس رنگ میں کہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیگر علمائے بھی ان کے متعلق کلام کی ہے۔ اسی طرح ”صدحین است در گریبانم“ سے امام حسین کی کوئی تو بہن لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس میں دشمنوں کی ایذا رسانی کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح کہ بلا میں یزید کے شکر دوں نے حضرت امام حسین پر ظلم کیا تھا اور سخت ایذا پہنچائی تھی اسی طرح آج میں اپنے آپ کو ہر آن کر بلا میں پاتا ہوں یعنی میرے دشمن میرے لیے مصائب کا نیا شاخسانہ کھڑا کرتے رہتے ہیں۔ پس ان دشمنوں کی ہر روز نئی ایذا رسالہ تادیبوں کے مقابلہ میں گویا میں ان کے لیے ہر روز ایک نیا حسین ہوتا ہوں اور اس شعر کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ میری جماعت کے بہت سے افراد مصائب و آلام کا نشانہ بنائے جائیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح مظلومانہ حالت میں قتل کئے جائیں گے۔ پس اس شعر میں تو بہن کیسی۔ اس میں تو امام حسین کی عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اگر حضرت اقدس کی نظر میں حضرت امام حسین اور آپ کے واقعہ شہادت کی عظمت نہ ہوتی تو آپ اپنی اس مصیبت اور شدت کے ظاہر فرمانے کے لیے جو قوم کی طرف سے آپ کو پہنچی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مثال کیوں دیتے۔ صدحین است در گریبانم کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ قوم کی مخالفت اور یورش نے ایسی شدت اختیار کر لی ہے کہ میں صدحین است در گریبانم کا مصداق ہو رہا ہوں اور یزیدی الطبع مخلوق نے مجھ پر اس طرح حملہ کیا ہے کہ جس طرح میرے گریبان میں سو حسین ہیں۔ جن کے ایذا دینے اور قتل کرنے کے لیے وہ آمادہ ہیں۔ اور واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ازالہ اوہام حاشیہ ص ۶۱ و ص ۶۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا مظلومانہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور فرماتے ہیں حضور امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا درد ناک واقعہ شہادت جس کی دشتی کے لفظ میں بطور پیشگوئی اشارہ کی طرز میں حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے اس کی عظمت و وقعت دلوں میں بیٹھ جائے۔ ازالہ اوہام حاشیہ ص ۶ اور پھر آپ امام موصوف کے لیے فرماتے ہیں۔

در بلا شبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ گیمہ رکھتا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کے تقویٰ اور محبت الہی اور صبر و استقامت اور زہد و عبادت ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے میں جو اس کو ملی تھی، (البتیح ص: ۳۰۲) کیا جس کی تحقیر و تذلیل و ہتک و توہین منظور ہو اس کے متعلق یہ کہا جا

ہو سکتا ہے کہ اس کے حالات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدار کریموارے ہیں

اولیاء کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل شعر

شکور ماہ السابقین وعیننا

إلی آخر الایام لا تنکتس

سے تمام ادویار کے متعلق کہا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر وغیرہ کے چشمے خشک ہو گئے اور اس میں اجمالی طور سے تمام ادویا کی توہین کی ہے۔

اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مختار مدعیہ کے نزدیک پہلے ادیان جیسے دین موسوی اور دین ابراہیمی وغیرہ دین اسلامی سے منسوب ہو گئے تو گویا دین اسلام نے ان سب کی توہین کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام رسولوں سے افضل ہیں اس لیے گویا آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے۔ اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال اختیار کی جائے تو دنیا کا نہ کوئی ولی ایسا ہو سکتا ہے نہ نبی اور رسول۔ جسے دوسروں کی توہین کا مرتکب نہ ماننا پڑے۔ کیونکہ اگر حضرت اقدس کے مندرجہ بالا شعر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور دوسرے ادویار کی توہین لازم آتی ہے تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شعر

افدت شמוש الاولین وشمسنا
ابداعلی افاق العلی لا تخرب

سے ادویار سابق کی توہین لازم آئے گی کیونکہ اس شعر کے معنی یہ ہیں۔

کہ پہلوں کے تو سورج غروب ہو گئے۔ لیکن ہمارا سورج بندھی کے افق پر چمکتا ہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔ اب اس شعر میں اولین کا لفظ ہے جو ان تمام لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں جن میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دوسرے ادویار بلکہ پہلے انبیاء بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کیا مختار مدعیہ اس شعر کی عمومیت کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر ادویار کی توہین کا مرتکب ان کے کافر و مرتد قرار دے گا۔ اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ

قدمی هذا علی رقبۃ کل ولی
(مقامات امام ربانی)

کہ میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے۔ لفظ کل میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر تمام ادویار شامل ہیں۔ کیا مختار مدعیہ یہاں بھی عمومیت کو لے کر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو کافر و مرتد قرار دے گا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کافر و مرتد قرار نہیں دے گا۔ تو کیا وہ جہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو انہیں موجب توہین گردان کر کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا جاتا ہے حضرت مسیح موعود کے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ

پہلے اولیاء و غیرہ نے جو طرق نکالے تھے وہ سب طرق اب بند کئے گئے ہیں اب کوئی شخص ان طرق کے ذریعہ سے خداتعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ میرا طریق اختیار نہ کرے جو طریقہ مرے سید و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کے اس قول پر بھی اعتراض کیا ہے کہ غرض اس حصہ کثیر وحی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا، حقیقتاً لوحی صلاۃ اور اس قول کو بھی موجب توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ دنیا کا کوئی صحیح الدماغ اور صحیح العقل انسان اس کو موجب توہین نہیں کہہ سکتا۔ اس عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں پایا جاتا جس سے پہلے ابدال۔ اقطاب اور اولیاء کی توہین ہوتی ہو۔ اس قسم کے بے سرو پا اعتراضوں سے یہ ظاہر ہونے کے سوا کہ مقرر صاحب اعتراض کر دینا جانتے ہیں اور ان کو اعتراض کرنے کا بہت شوق ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بہت بڑا نقصان ہے کیونکہ مختار مدعیہ کے اس مسلک کو غلطی سے کوئی درست سمجھ لے تو پھر بڑی مشکل پیش آئے گی اور بڑوں بڑوں تک نوبت پہنچے گی اور ان کو مقدسین سابقین کا اہانت کرنے والا ماننا پڑے گا مثلاً امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی جو تمام دیوبندی علماء کے مسلمہ مقتدا و پیشوا ہیں اور جن کے سامنے حضرات دیوبند کو دم مارنے کی بھی جرات نہیں ہو سکتی فرماتے ہیں:

گم ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا رہا۔ لیکن اس صدی کا مجدد اور ہے اور ایک ہزار کا مجدد اور ہے جیسے ایک سو اور ہزار میں فرق ہے۔ ایسے ہی پہلی صدی کے مجدد ہیں اور ایک ہزار کے مجدد ہیں۔ بلکہ اس بھی زیادہ (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۱۲)

اب جو مختار مدعیہ کے مسلک کو صحیح سمجھ لیں انہیں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے سے پہلے تمام مجددین کی ہتک کرنے والا ماننا پڑے گا۔ سبحان اللہ یہ خوب مسلک ہے جس کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگ دار بھی توہین بزرگاں کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔

اے بد ذات فرقہ مولویاں

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فقرہ کو کہ اے بد ذات فرقہ مولویاں تمام اولیاء کی توہین کا موجب قرار دیا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی شریف علماء کو جو دشنام دہی اور سب و شتم وغیرہ یہود یا نہ خصلتوں کے ظاہر کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کبھی ایسے الفاظ کا مصداق نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ آپ نے اپنی متعدد کتب میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کے مصداق محض دہی مولوی ہیں جنہوں نے شرارت اور خیانت کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور وہ دہی مولوی ہیں جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن شریف ان میں صرف رسمی طور پر ہوگا مسجدیں تو بہت بڑی بڑی

ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان نام کے مسلمانوں کے جو مولوی ہوں گے وہ بدتریں مخلوقات ہوں گے اور وہی تمام فتنوں کی جڑ ہوں گے انہیں میں سے فتنہ نکلے گا۔ اور اس کا نقصان انہیں پر لوٹے گا اور یہ وہی علماء ہیں جن کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب بھی فرما چکے ہیں۔ کہ اگر تو یہود کا نمونہ دیکھنا چاہئے تو اس زمانہ کے مولویوں کو دیکھ (الغور الکبیر ص ۱۱۱)

پس ایسے یہودی سیرت مولوی جنہوں نے حضرت یحییٰ موعود علیہ السلام کی سخت مخالفت کی اور آپ کے حق میں زبان درازی انتہا تک پہنچا دی۔ اور محض مضمون کے اشتہارات نکالے جو کسی شریف انسان کی زبان اور قلم سے صادر نہیں ہو سکتے تھے اور یہ مولوی لوگ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مصداق ہو گئے تھے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ یہود کے قدم بقدم چلیں گے۔ پس جس طرح مسیح موسوی علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مولویوں اور فقیہوں کے دل آزار رویہ کو دیکھ کر انہیں سانپ بلکہ سانپوں کے بچے اور منافق اور ریاکار اور حرام کار اور شریر اور بدکار وغیرہ القاب سے ملقب کیا۔ اور ان پر لعنتیں بھیجیں۔ جس کا ذکر قرآن شریف ان الفاظ میں فرماتا ہے (رَعْنُ الدِّينِ كَعَنْدِ اٰمِيْنِ بَنِي اِسْرٰٓءِيْلَ عَلٰى لَيْسٰنِ دَاوُدَ وَعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ) اسی طرح حضرت مسیح محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی قسم کے خبیث فطرت۔ مسجوح القلب اور سیاہ باطن مولویوں کے حق میں نہ کہ شریف الطبع مولویوں کے حق میں یہ الفاظ استعمال فرمائے :

”اے بد ذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم بہڑیا نہ خصلت کو چھوڑ دو گے اے ظالم مولویو تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیلا پیا وہی عوام کا لانعام کو بھی پلایا (انجام آتھم حاشیہ ص ۱۱۱)

اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہاں خطاب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے ہم مشرب مولویوں کو ہے جنہوں نے اس جیسی خصلتوں کا اظہار کیا۔ نہ کہ ان لوگوں سے جنہوں نے مذکورہ لوگوں کی حرکات سے کوئی حصہ نہیں لیا۔ پس اعتراض کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ الفاظ انہیں مذکورۃ الصدرا صاحب سے مخصوص ہیں۔ سب کے لیے نہیں۔ اگر کوئی ان حرکات شنیطنیہ کا مرتکب نہیں۔ تو اس کو ان الفاظ کا مخاطب سمجھنا یا قرار دینا غلط ہے۔ اور اگر کوئی اس کا مرتکب ہے تو جو کچھ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ اس کا مستحق ہے۔ پس اعتراض فضول ہے اور اگر مولویوں کی بدزبانی کا نمونہ دیکھنا ہو تو میں عدالت کے سامنے کشف الغطاء ص ۱۹ دکھاتا ہوں اور نیز کتاب البریہ میں ان کی بدزبانیوں کا کچھ نمونہ دیا گیا ہے۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس علیہ السلام کے کفر و تداویٰ کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی ہے کہ آپ نے امت کو گایا دی ہے۔ اور اس اپنے اس زعم باطل کو ثابت کرنے کے لیے نغم الہدیٰ کا ایک شعر پیش کیا ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں سے ذریعۃ البغایا کے الفاظ نقل کیے ہیں شعر کے الفاظ یہ ہیں۔

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل ایسا ہی دیکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

رأيت في المنام كان في حجر عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها وأنا ارضع ثديها الايمن
ثم اخرجت ثديها الايسر فوضعتها فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا عائشة
هذا دللنا نحنأ (قلائد الجواهر في مناقب شيخ عبد القادر ص ۱۷)

یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہ ام المومنین کی گود میں ہوں اور میں ان کی دائیں پستان چوس رہا ہوں پھر انہوں نے اپنی بائیں پستان نکالی۔ تو میں نے وہ بھی چوسی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے تو فرمایا کہ اے عائشہ یہ ہمارا ہی بچہ ہے۔

پس کیا مختار مدعیہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی پر بھی یہ الزام لگا کر کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کی ہے کفر و ارتداد کا فتویٰ دے گا۔ شاید مختار مدعیہ کہے کہ یہ واقعہ تو حضرت عائشہ کے متعلق ہے اور ہم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو اگرچہ یہ کہنا قابل التفات سمجھے جانے کے لائق نہ ہوگا۔ تاہم اسی طبیعت کی رعایت سے ہم ایک مثال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی پیش کیے دیتے ہیں اور وہ مثال بھی مولوی محمد علی کابڑی کے پیر و مرشد کے کشف کی ہے جن کا نام نامی مولوی محمد علی صاحب نے جو دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و رہنما ہیں اپنی کتاب ارشاد رحمانی و فضل رحمانی میں اس طرح لکھا ہے۔

”حضرت فدة الكملار واسوة الفضلار ہادی مراحل شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و

معرفت مبطل رجال کرام و مرجع خواص و عوام و قطب دوران و غوث زمان مرشدنا و مولانا افضل

الرحمن صاحب دامت برکاتہم و ظلّت فیوضاتہ“

اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے گئے۔

”کہ ہمارے گھر میں مجھے جاتے ہوئے شرم آئی اس لیے تامل کیا حضرت نے مکرر فرمایا جاؤ ہم کہتے

ہیں۔ میں گیا اور حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف رکھتی تھیں۔ آپ نے سینہ مبارک بالکل کھول کر

مجھے سینہ سے لگا لیا“ (ارشاد رحمانی ص ۵۷)

مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس کو بزرگان اسلام کے حالات سے قطعاً ناواقفی اور تعلیم اسلام سے بالکل بے گانگی ہے اور اس کا جو کچھ کہنا ہے وہ اسی ناواقفی کی وجہ سے ہے۔ اور یا وہ بزرگان اسلام سے بھی صاف نہیں ہے۔ جو حالت حضرت اقدس نے بیان کی ہے۔ وہ حالت کشف کی ہے۔ اور کشف کی حالت سے کسی کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ پھر حضرت مسیح موعود نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مادر مہربان کی طرح میرا سراپے زانو پر رکھ لیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ میں بجائے ان کے فرزند کے ہوں۔ اور مجھے مناسبت ہے حضرت حسین

ان العدا صاروا لخنزیر الفلا ولساء هم من دونہما الا کلب

یعنی دشمن ہمارے بیا بانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی خورتیں کتوں سے بڑھ گئی ہیں

نخار مدعی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام امت کے لوگوں کو جھکی خنزیر کہا ہے لیکن یہ نخار مدعی کا ایک مغالطہ ہے جس کا پہلے بھی کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریریں صرف اپنی لوگوں کے حق میں ہیں جنہوں نے ازراہ منہارت آپ کے حق میں طعن و تشنیع اور دشنام دہی کی ہے اور کتوں اور خنزیروں کی صفات دکھائی ہیں۔ نہ کہ ہر ایک شریف اور قوم کے خواص لوگوں کے لیے۔ چنانچہ اس شعر میں لفظ خدا خود بتلاتا ہے کہ مراد آپ کے وہ دشمن لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے حق میں بدزبانی کی اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے مختلف بلا دیں آپ کے سپا پے کئے۔ اور رقم قسم کی گالیاں دیں۔ اگر نخار مدعیہ کا مقصد عدالت کو مغالطہ دینا نہیں یا لفظ خدا سے وہ اس مفہوم کو سمجھ نہیں سکتا تھا تو اس کے بعد کا شعر اس مفہوم کی بالکل وضاحت کر رہا تھا اور وہ یہ ہے

سبوا دما ادری لای جریمۃ سبوا النعمی الحب اونتجتب (ص)

یعنی انہوں نے گالیاں دیں اور میں نہیں جانتا کہ کیوں دیں کیا ہم اس درست کی مخالفت کریں۔ یا کنار کریں۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہاں پر دشمنوں سے مراد بھی وہ دشمن تھے جنہوں نے ناحق آپ کو گالیاں دیں اور آپ کے حق میں سخت نازیبا الفاظ استعمال کئے اور وہ وہی لوگ ہیں جو مولوی کہلانے والے ہیں جنہوں نے آپ کے حق میں اور آپ کے مخالفت نہایت گندے اور مکروہ الفاظ استعمال کیے تھے اور اپنی لوگوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشکونی موجود تھی جس میں آپ نے فرمایا :

تكون في امتي فرقة فيصير الناس الى ملاءهم فاذ اهدم قردة وخنزير

کنز العمال جلد ۱ ص ۱۹

یعنی میری امت میں ایک ایسا حادثہ ہوگا جس سے امت میں گھبراہٹ پیدا ہوگی تو لوگ اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے مولویوں کے پاس جانے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حادثہ ایسا ہوگا جو دین سے تعلق رکھتا ہے یعنی اسلام پر قسم قسم کے اعتراض پیدا ہوں گے۔ لوگ ان اعتراضوں کا جواب معلوم کرنے کے لیے اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے تو جب مولویوں کے پاس جائیں گے تو انہیں بند راور سوراہیں گے۔ بند راور اس لیے کہ وہ دوسروں کی نقل کا عادی ہوتا ہے اسی طرح اس وقت کے مولوی لکیر کے فقیر ہوں گے اور لکیر سوچے سمجھے پہلے نقلوں پر چلنے والے ہوں گے اور ان نقلوں پر جو اعتراض پیدا ہوں گے تو ان کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے وہی صحیح ہے ہم کچھ نہیں سنتے۔ اور ان کے پاس آنے والے لوگ کہیں گے کہ پھر آپ کی ان روایات پر جو غیر مذاہب کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے اس کا ہم کیا جواب دیں۔ تو آگے سے کافر قرار دینا اور گالیاں دینا شروع کر دیں گے یعنی خنزیر صفت

کا اظہار کریں گے۔ پس حجتی مولویوں کے متعلق اس حدیث میں بندر اور سور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اپنی کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے خنزیر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اگر اظہار حقیقت گالی ہو سکتا ہے تو ماننا پڑے گا۔ کہ قرآن کریم نے بھی سب کافروں کو گالیاں دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر کی کتے سے مثال دے کر فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ

کہ یہ مثال سب ان لوگوں کی ہے جنہوں نے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور اسی طرح یہودیوں کے مولویوں کی گدھے سے مثال دی۔ کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھا کتا میں اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ کفار کے متعلق فرمایا کہ ہم مشرک البریہ کہ وہ بدترین مخلوقات ہیں اور پھر صحر بکھوئی لکھا کہ انہیں بہرے گونگے اندھے فرمایا۔ پس جیسے یہ الفاظ اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں ویسے ہی حضرت مسیح موعود کے الفاظ انہیں مولویوں کے متعلق ہیں۔ جنہوں نے خنزیر پر سی صفت کا اظہار کیا اور ان کی انہیں عورتوں کے متعلق ہیں کہ جنہوں نے جیاد شرم کو بالائے طاق رکھ کر گالیاں دینے میں کتوں کی سی صفت کا اظہار کیا ہے

ذریۃ البغایا

ذریۃ البغایا کے متعلق گو اہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں مفصل جواب دیا تھا۔ اور لغت کی رو سے یہ ثابت کیا تھا کہ اس کے معنی ان لوگوں کے ہیں۔ جو رشتہ اور ہدایت سے محروم ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ عربی زبان میں مفسد و شریر کو باحاسدوں کی کیلنگی ظاہر کرنے کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسا کہ یابن الفاعلہ۔ زانیہ کے بیٹے یابن الفاحشہ یا دل الزنایا ابن اللقیطہ وغیرہ کہہ دیتے ہیں جس سے مراد محض ان کی بدخصلتی کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ مقبلی کا شعر ہے

اتنکر موقہم طنا سہیل طلعت بموت اولاد الزنایا

یعنی اے علی بن اسحاق آپ ان حاسدوں اور خلیفوں کی موت پر تعجب کرتے ہیں حالانکہ میں سہیل ستارہ ہوں جو ان حیوان سرشمت بد باطنوں کی موت کے لیے طلوع ہوا ہوں۔

پس مخار مدعی نے ذریۃ البغایا کے جو معنی کئے ہیں یہ معنی ضروری نہیں ہیں۔ ذریۃ کا لفظ صرف حقیقی اولاد کے معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ جو کسی قسم کا کام کرے تو اس سے پہلے جو اس قسم کا کام کرنے والے لوگ ہوں ان کی ذریۃ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے افتتخذ دنہ ذریۃہ اولیکم ددولف (کیا تم شیطان اور اس کی ذریۃ کو میرے سوا دوست پکڑتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تو ذریۃ شیطان ہے تو اس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ شیطان والے کام کرتا ہے نہ کہ شیطان کے لطف سے پیدا ہوا ہے

اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ گدھے کا بچہ ہے تو اس سے مراد اس کی بے وقوفی کا اظہار ہوتا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سوکا بچہ ہے تو مقصود اس کی بدلیوں کا اعلان ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی ذریتہ البغایا سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو بغایا والا کام کرتے ہیں جس طرح ایک بدکار عورت اپنے اصلی خاندان کو چھوڑ کر غیر کی طرف رجوع کرتی ہے اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تائید میں لکھی ہوئی کتابوں سے منہ پھیر لیتا ہے اور دشمنوں کی تائید کرتا ہے اور اس شخص کو کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دنیا پر ثابت کی اور اسلام کی ایک نمایاں خدمت انجام دی اس کو کافر اور دشمن اسلام قرار دیتا ہے اور اس کی ان کتابوں کو جن میں اسلام کی صداقت ظاہر کی گئی ہے بنظر حقارت دیکھتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں عیسائیوں کی اور دیگر دشمنان اسلام کی تائید کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کے حقیقی روحانی باپ ہیں۔ انہیں چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور پر فضیلت دیتا اور حضور کو چھوڑ کر ان کو اپنا باپ تسلیم کرتا ہے۔ تو وہ بھی اس بدکار عورت کے مشابہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کو استعانة ذریتہ البغایا قرار دیا جانا بالکل درست ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کتابیں لکھی ہیں اور جن کتابوں کا ذریتہ البغایا کے الفاظ سے پہلے ذکر ہے۔ وہ براہین احمدیہ، سرسبز چشمہ آریہ، آئینہ کمالات اسلام وغیرہ ہیں۔ جن میں قرآن مجید کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان ان کو نظر استحسان دیکھتا ہے۔ اور یاد رہے کہ ذریتہ البغایا کا استعمال تمام مولویوں کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے خاص طور پر وہی مولوی مراد ہیں جو مخالفت میں پیش از پیش ہیں۔ جنہوں نے آپ کو ہر قسم کی گالیاں دی ہیں اور جنہوں نے تمام ان غیر احمدی شریف زادیوں کو جو احمدیوں کے گھروں میں تھیں۔ زانیہ اور ان کی اولادوں کے زنا کی اولاد ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور امام ابو حنیفہ بھی فرماتے ہیں۔

من شہد علیہا بالزنا فمؤدلا الزناء (کتاب العصیہ ص ۳ مطبوعہ معین آباد)

یعنی جو حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے وہ خود اولاد الزنا سے ہے پس جب حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگانے والے کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولاد الزنا کہنا جائز ہو تو ان مولویوں کو جنہوں نے ہزار ہا پاک باز صالحہ عورتوں کو اپنے فتویٰ کی رو سے زنا کی تہمت دی۔ اور ان کے نکاحوں کو فسخ قرار دیتے ہوئے ان کی اولاد کو زنا کی اولاد قرار دیا کیوں ذریتہ البغایا نہ کہا جائے۔

پس اگر ذریتہ البغایا کے استعمال کو ان معنوں میں کیا جائے جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے لیا ہے تو اس سے مراد صرف وہ فتویٰ دینے والے مولوی ہیں جو شریف زادیوں کو زانیہ قرار دیتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ اس کے مصداق تمام لوگ نہیں ہیں یہ ہے کہ حضرت اقدس نے آئینہ کمالات اسلام ہی میں فرمایا ہے۔

”غرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصار دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدم پر چل رہے ہیں۔ مگر

ہمارا یہ قول کئی نہیں ہے۔ راستباز علما اس سے باہر ہیں صرف خاص مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے ہر ایک مسلمان کو دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں سے رہائی بخنتے کیونکہ اب اسلام پر ایک نازک وقت ہے اور یہ نادان دوست اسلام پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا چاہتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو صریح ہر ایک کے نور قلب کو خلاف صداقت نظر آتی ہیں“ (اشتبہار محققہ آئینہ کمالات اسلام ص ۱۰۰)۔

اسی طرح ابامصلح ٹائیل بیچ ص ۳۳ میں آپ فرماتے ہیں :
 ”سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے“

اور لجنۃ النور میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے :

”ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ نیک علماء کی ہتک سے اور شرف اور مذہب لوگوں پر اعتراض کرنے سے خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں یا عیسائیوں یا آریوں میں سے بلکہ ہم ان تینوں اقوام کے لیے بے وقوفوں میں سے بھی صرف ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی بدزبانی میں اور برائی کے ظاہر کرنے میں لوگوں میں مشہور ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ جو اس قسم کی برائی سے بری ہو۔ اور اپنی زبان کو دکتا ہے اسے ہم بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔ اور اس کی عزت کرتے ہیں اور بھائیوں کی طرح اس سے محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔“

اور اسی طرح الہدی ص ۶۱ میں فرماتے ہیں۔

”ولیس کلامنا هذا فی اخبار مہربان فی اشرار ہم“

یعنی ہمارا ایسا کلام نیک علماء کے حق میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف شریوں کے حق میں ہے۔ پس ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت بیچ مؤرخ علیہ السلام کی کتابوں میں اگر کوئی سخت لفظ آیا ہے۔ تو وہ مولویوں کے ایک خاص گروہ کے لیے ہے۔ اس سے عمومیت مراد صرف اس قماش کے مولویوں کا کام ہے جس کے متعلق وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں بعض آیات قرآن مجید میں بھی ایسی ہیں جن کے الفاظ اپنے اندر عمومیت رکھتے ہیں مگر مفسرین نے ان سے خاص افراد مراد لیے ہیں۔ جیسا کہ آیت ان الذین کفروا لیسوا کفرا علیہم و انذرتهم ان یرجعوا الیہم و انذرتهم ان یرجعوا الیہم و انذرتهم ان یرجعوا الیہم و انذرتهم ان یرجعوا الیہم۔

علی قلوبہم و علی سمعہم۔۔۔۔۔

جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا۔ برابر ہے ان پر کہ ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا۔ تو نے ان کو۔ ایمان نہیں لائیں گے۔ سو تفسیر جلالین ص ۱۱ میں اس سے ابو جہل اور ابو لہب اور ان کے اشرال مراد لیے گئے ہیں یعنی ابو جہل اور ابو لہب اور جو ان کی طرح ہیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

پس اسی طرح ذریعہ البغایا سے مراد وہ خاص مولوی لوگ ہیں۔ جو مخالفت میں ابو جہل اور ابو لہب کی طرح حصہ

یلتے تھے۔ ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ ذریتہ البغایا ہیں۔ اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ تمام مولویوں کے لیے جو اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھتے ہیں۔ کیننگی اور زندگی نہیں دکھاتے ہیں۔ شریف الطبع اور اپنے طور پر نیک مزاج ہیں۔ حضرت اقدس نے یہ الفاظ ہرگز نہیں لکھے۔ جیسا کہ خود آپ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ اسی طرح مسیح نامہ میں بھی انجیل میں یہودی مولویوں کے متعلق فرمایا کہ نہ اپنے باپ ابراہیم کی اولاد پر ہو۔ انہوں نے کہا کہ کیا جہاں باپ ابراہیم نہیں انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم ابراہیم کی اولاد ہوتے تو تم ابراہیم کے سے کام کرتے تمہارا باپ ابلیس ہے (یوحنا باب ۱)۔

ازواجِ مطہرات کی توہین

مختار مدعی نے ازواجِ مطہرات کی توہین کی یہ وجہ قرار دی ہے کہ احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو ام المومنین کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف آنحضرت صلعم کی بیبیاں ہی مومنوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں اور کسی نبی کی بیوی ام المومنین قرار نہیں دی گئی۔

اگر قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کی بیبیاں مومنوں کی مائیں نہیں قرار دی گئی۔ ہیں تو قرآن مجید میں دوسرے نبی مومنوں کے باپ بھی قرار نہیں دیئے گئے ہیں اور قرآن میں ایسا ذکر کہیں نہیں ہے۔ لیکن کیا اس عدم ذکر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باپ نہ تھے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ عقائد کی کتب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ وکلی۔ رسول اب لامنتہ (شرح عقائد نسفی)۔ یعنی ہر ایک رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ تو یقیناً اس رشتہ کے لحاظ سے ان کی بیبیاں مومنوں کی مائیں ہوں گی اور ان کی بیویوں کا مومنوں کی مائیں کہلانا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لیے موجب توہین نہیں ہے۔ جس طرح دوسرے نبیوں کا ابو المومنین یعنی مومنوں کا باپ کہلانا آنحضرت صلعم کے لیے موجب توہین نہیں۔ پس مختار مدعیہ کا اعتراض غلط ہے۔

حضرت فاطمہ الزہراء کی توہین

مختار مدعی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین کی ہے۔ اور توہین کی بنا یہ قرار دی ہے کہ آپ نے ایک کشف میں دیکھا کہ آپ کا سر حضرت فاطمہ کی ران پر رکھا ہوا ہے۔ مختار مدعیہ کی غرض صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جاوے جا اعتراض کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اپنی اس ہوائی کوفرا کرنے کے لیے وہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ اگر کسی کے خواب یا کشف میں ایسا دیکھنے سے دوسرے کی توہین لازم آجایا کرتی ہے تو پھر امت کے دوسرے بزرگوں کو بھی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ جہاں قطب ربانی حضرت سید جلال قادر

علیہم السلام سے۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین بتلاتا ہے۔ اگر اس کا یہ کہنا صحیح ہے تو حضرت مولانا فضل الرحمن کی بابت وہ کیلئے گا۔ کیا یہی کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے بدرجہا زیادہ توہین اور ہتک اور زندیل اور تحقیر کی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے مادہ ہر بان کی طرح جیسا کہ وہ بچوں کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ کا آپ کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لینا کھٹا ہے۔ لیکن حضرت مولانا فضل الرحمن کے کشف میں تو یہ بات نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ حضرت مولانا فضل الرحمن کو بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتک کا سب سے بڑا مرتکب قرار دے کر کہ انہوں نے اپنے سینہ کو فاطمہ کے سینہ سے ملایا۔ کافر و مرتد قرار دیا گلیہ نتیجہ ہے حق کی مخالفت کا کہ جو اعتراض حضرت اقدس مسیح موعودؑ پر کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا یا بالکل وہی اعتراض دوسرے مفقہوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔

بیت اللہ کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعرے

زمینِ قادیان اب محترم ہے
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

سے بیت اللہ کی توہین نکالی ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ اگر ہم کسی کو حرم قرار دیں گے تو یہ بیت اللہ کی توہین ہوگی اور مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ مختار مدعیہ کے دیگر مخالفوں کی طرح یہ بھی ایک مخالف ہے۔ ورنہ گواہ مدعا علیہ نے جرح کے جواب میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شعر مذکورہ حضرت اقدس کا شعر ہے۔ مختار مدعیہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کو بار بار بگاڑ کر بیان کرتا ہے حضرت اقدس نے زمین قادیان کو ہجومِ خلق کی وجہ سے ارضِ حرم کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح لوگ محض دین کی خاطر حج کے لیے ارضِ حرم پر ہجوم کرتے ہیں۔ یہاں بھی ہجوم کو نادین ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ اعلائے دین ہی ہے۔ اسلام کی تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلام کی خوبیاں اور نبی کریم کے فضائل بیان ہوتے ہیں اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے مشابہت سبکی توہین نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مشابہت سے اس کی فضیلت اور برتری ثابت ہوا کرتی ہے۔ مختار مدعیہ کو ہر بات میں توہین ہی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک امر بھی ایسا نہیں ہے جس کو اس نے موجب توہین قرار دیا ہو اور وہی یا اسی کی طرح کوئی اور امر اکابر اسلام یا اکابر دیوبند کی تحریروں میں نہ نکل آیا ہو۔ چنانچہ یہ امر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں رہا۔ مختار مدعیہ نے زمین قادیان کے ارضِ حرم سے تشبیہ دینے کو حرم کعبہ کی توہین قرار دیا ہے لیکن ایک مشہور

شعر میں بزرگان اسلام نے دل کو کعبہ بلکہ سوزِ ر کعبوں سے بھی بہتر بتایا ہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است
دل بدست آور کہ حج اکبر است

اور بعض نے فرمایا ہے کہ حقیقی بیت اللہ تو دل ہی ہے۔ چنانچہ کتاب علم الکتاب میں لکھا ہے۔ دل متصف بارگاہی
 حق بر سبیل دوام بیت اللہ دیگر است و قبلہ توجہ سالکان بلکہ بیت اللہ حقیقی ہمیں است۔ چنانچہ ابن حدیث قدسی
 مشعر ازیں است۔ لا یسعی ارض ولا سماء و لکن یسعی قلب عبدی المؤمن (علم الکتاب ص ۱۱۴)
 پس کیا مختار مدعیہ ان تمام اہل اللہ کو بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے بیت اللہ کی توہین کی ہے اور اس وجہ سے یہ کافر
 و مرتد ہے۔ اور نیز جب اس کے نزدیک قرآن مجید میں صرف بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا تھا۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے سے بھی بیت اللہ کی توہین نکالے گا اور کیا مختار مدعیہ مولوی عبدالمالک
 مشیر مال ریاست بہاولپور والد ماجد مولوی اختر علی صاحب فن غلام آبادی کو بھی کافر و مرتد قرار دے گا۔ جنہوں نے جامع مسجد
 بہاول پور کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کو مسجد اقصیٰ کی مثال اور کعبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے دو شعر جو مسجد میں کندہ
 ہیں یہ ہیں۔

ہزار شکر کہ دست تو ادھر مومن ! برائے زینت این کعبہ گوہر افتاں شد
 فرشتہ گفت بچہ را ملک سن تعمیر مثال مسجد اقصیٰ بلند ایواں شد

اور کیا مختار مدعیہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے یہ مسجد تعمیر کی اور اس کام کو پسند کیا۔ اسلام کی صف سے نکال کر
 کفار و مرتدین کی صف میں کھر کرے گا۔ یہ تو تھا حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود کا زمین قادیان کو بھوم خلق کی وجہ سے
 ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے حضرت اقدس کے قلب مبارک میں ارض حرم کی وقعت و عظمت کی حالت بخوبی ظاہر
 ہوتی ہے کیونکہ مشرک سے تشبیہ افضل و برتر ہونا مسر فو لقیں ہے حضرت اقدس کے عطا ہوا بھوم خلق زمین قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ
 دینے سے ارض حرم کی فوقیت و برتری ظاہر ہوئی۔ لیکن تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و پیشوا اور شیخ الہند مولوی محمد مہن
 صاحب نے یہی کچھ فرمایا ہے اور وہ نہ تو عموماً بیت کے ساتھ ارض حرم کے لیے فرمایا ہے اور نہ اس کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ
 دی ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ خاص بیت اللہ کے لیے فرمایا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے اور بیت اللہ کا جو درجہ قرار
 دیا ہے وہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

پھرتے تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کار ستہ
 جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

یعنی کعبہ میں فقہان عرفان کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق و شوق عرفانی رکھنے والے تھے

لا یسعی ارضی ولا سماء و لکن یسعی قلب عبدی المؤمن

ان کو گنگوہہ کا رستہ پوچھنا پڑتا تھا جو عرفان کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ وہ گنگوہہ پہنچ کر حاصل کریں۔ کیونکہ کعبہ اگر آنحضرت صلعم کا مولد ہے تو گنگوہہ مولوی رشید احمد کا مولد و مسکن، یہ ہے لفظ نظر دیوبندیوں کے شیخ الہند کا خاص بیت اللہ کے متعلق اور بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کے متعلق جو کچھ ہو گا وہ محتاج بیان نہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

اب رہی مدینہ منورہ کی حالت۔ اس کے متعلق بھی یہی شیخ الہند صاحب فرماتے ہیں سے

تمہاری تربت انور کو بھی دے کر طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار انی مر می دیکھی بھی نادانی !

یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر آپ انی کہتے ہیں اور جب قبر کو طور سے تشبیہ دے کر انی کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اللہ تعالیٰ کے دیوار کی آرزو میں کہا تھا تو تشبیہ دینے والے صاحب نے اس پیرایہ میں اپنے آپ کو کس سے تشبیہ دی اور صاحب قبر کو کس سے نہایت صفائی سے ظاہر ہے۔ کہ کسی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر انی کہنے والا اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے اور صاحب قبر کو اللہ جل شانہ سے تشبیہ دے رہا ہے اور یہ مختار مدعیہ کے نزدیک سب کچھ جائز ہے نہ اس سے طور کی توہین لازم آتی ہے۔ نہ ہی حضرت موسیٰ کی نہ کعبہ کی نہ مدینہ منورہ کی۔ نہ رسول اللہ صلعم کی اور نہ اللہ تعالیٰ عز اسمہ کی۔ لیکن حضرت اقدس نے ارض قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ دی اور اس کو عزت والی فرمادیا کیونکہ حرم عزت والی جگہ کو ہی کہتے ہیں تو اس سے بیت اللہ کی توہین لازم آگئی سبحان اللہ یہ تو ب لازم آتا ہے۔ اور حضرت اقدس کے الہام۔ من دخلہ کان آمنا سے جو مسجد مبارک قادیان کے متعلق ہے حرم بیت اللہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس کے متعلق حضرت اقدس نے صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ یعنی مسجد مبارک قادیان میں باخلاص و قصد تعبد و صحت نیت و حسن ایمان داخل ہو گا وہ سو خاتمہ سے امن میں آ جاوے گا اور یہ وہ بات ہے کہ اس سے خصوصیات بیت اللہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

کیونکہ اس کے خصوصیات اسی کے ساتھ ہیں۔ اور مسجد مبارک کے متعلق بھی یہ فضل ظلی طور پر ہے مستقل طور پر نہیں۔ یعنی جب اسی قسم کی عبادت کے قصد سے جو بیت اللہ میں ہوتی ہے کوئی شخص بشرائط مذکورہ مسجد مبارک میں داخل ہوگا تو وہ سو خاتمہ سے امن میں آ جاوے گا۔ کیا مختار مدعیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ داخل ہونے پر سو خاتمہ سے امن میں آ جانا بیت اللہ کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ مختار مدعیہ یہ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ سو خاتمہ سے امن میں آنا بیت اللہ میں داخلہ کے ساتھ ہرگز مشروط نہیں۔ کروڑ دروڑ بلکہ بے لگتی بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جن کو بیت اللہ میں داخلہ کا موقع نہ ملا ہوگا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو خاتمہ سے مامون اور محفوظ رہیں گے اور جب یہ ہے تو یہ امر بیت اللہ کے مخصوص نہ رہا بلکہ عام ہو گیا۔ اور جب عام ہو گیا۔ تو یہ اعتراض کہ جو امر بیت اللہ کے ساتھ خاص تھا۔ وہ دوسرے مقام کے لیے تسلیم کر کے اس کو بیت اللہ کی خصوصیت میں شریک کر دیا ہے خود بخود

حج کی توہین

پھر مختار مدعیہ نے ایک الزام احمدیوں پر یہ لگا دیا ہے کہ انہوں نے حج کی بھی توہین کی۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے برکاتِ خلافت میں لکھا ہے کہ ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ لہذا حج کی توہین ہوئی۔ مختار مدعیہ نے جو طرز استدلال کی ایجاد کی ہے اس کی رو سے اگر کوئی اپنے بیٹے کا نام محمد رکھ لے تو اس میں اسم محمد کی توہین لازم آجائے گی اگر کوئی کہہ دے کہ فلان شخص حضرت ابوبکر و عمر کی طرح تو اس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی توہین لازم آجائے گی۔ چنانچہ تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد صاحب بریلوی کی ہر کے متعلق لکھا ہے۔

”سید احمد صاحب کی ہر جس پر اسمہ احمد لکھا ہوا تھا“۔۔۔۔۔ ہر نامہ اور مراسلہ کے خاتمہ پر سید صاحب کی مہر ثبت ہو کرتی تھی (سوانح احمدی ص ۶۱)

۲۔ اور مولوی محمد اسمعیل صاحب کی ہر جس پر اذکرفی الکتاب اسمعیل کندہ تھا۔ (سوانح احمدی ص ۱۱۱)۔
 ۳۔ آپ کے بڑے خلیفوں میں مولوی عبدالحی اور مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید ہیں یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح ہیں آپ کے خلفائے راشدین میں سے تھے (سوانح احمدی ص ۱۴۲)
 ۴۔ سید احمد صاحب بریلوی فرماتے ہیں۔

”اور جن لوگوں نے مجھ زہر دیا وہ بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ذریعہ سے میرے جلا مجد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مجھ پر جاری کر دیا۔ (سوانح احمدی ص ۱۴۵)

اب مختار مدعیہ کے طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے مذکورہ بالا اقوال سے ماننا پڑتا ہے کہ سید احمد صاحب بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے جب کہ اپنی زہر خورانی کے واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زہر خورانی کے واقعہ سے تشبیہ دی۔ اور اپنی مہر پر اسمہ احمد کندہ کروا کر آیت اسمہ احمد کی توہین کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ اور مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید نے آیت اذکرفی الکتاب اسمعیل کی توہین کے علاوہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی توہین کی۔ اور مولوی عبدالحی اور مولوی اسمعیل صاحب شہید کو بمنزلہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر قرار دے کر حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی توہین کی اور مولوی فضل الرحمن صاحب دیوبندی نے مولوی محمد قاسم صاحب کی تاریخِ وفات یہ نکالی ہے کہ

وفات سردرِ عالم کا یہ نمونہ ہے۔ (ملاحظہ ہو حالاتِ طیب مولوی محمد قاسم صاحب مطبوعہ صادق

الانوار بہاولپور ص ۳۳)

مختار مدعیہ کے طرز استدلال پر تو اس قول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین لازم آئی۔ کیونکہ جب مولوی محمد قاسم صاحب

کی دفات سرور عالم آنحضرت صلعم کی دفات کا نمونہ قرار دی گئی تو مولوی محمد قاسم صاحب آنحضرت کا نمونہ ٹھہرے۔ پس کیا مختار مدعیہ ان مذکورہ بالا بزرگوں کو بھی کا فر اور مزد قرار دے گا۔

مقبرہ ہشتی

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک الزام یہ بھی لگا یا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلعم کے قبرستان کی بھی توہین کی۔ کیونکہ آپ نے اپنے قبرستان کے متعلق کہا کہ جو اس میں دفن کیا جائے گا وہ ہشتی ہوگا۔ لہذا آنحضرت صلعم کے قبرستان کی اس سے توہین ہوئی۔

اگر ایک قبرستان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بوجی الہی یہ فرمادیا کہ اس جگہ وہی دفن کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہشتی ہوگا تو اس سے آنحضرت صلعم کے قبرستان کی توہین نکالنا اہل عقل کی سمجھ سے بالکل بالا ہے۔ دیکھو مجدّد الف ثانی صاحب فرماتے ہیں۔

”کہ جیسے زمین روضہ منورہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم زمین جنت سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں ما بین بیت و منبئ و روضۃ من ریاض الجنۃ اس پر دال ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے بکمال فضل باعش عنایت اتباع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرے روضہ کی زمین کو بھی جنت کہا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی میری قبر سے ایک مشت خاک لے کر اپنی قبر میں ڈالے تو اس کی نجات کے واسطے امید عظیم ہے۔ فیکف من دفن فیہ مقامات امام ربانی ص ۱۸۱۔“

اور اسی طرح آپ کے متعلق لکھا ہے :

”ایک روز ایک قبرستان میں تشریف لے گئے۔ دل میں گذرا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اگر عالم کسی مقبرہ پر گذرے تو چالیس دن تک اس قبر کا عذاب موقوف ہو جاتا ہے۔ بجز اس خطرہ کے اہام ہوا کہ تیرے گذرنے کی وجہ سے ان اہل قبور کا تاقیامت عذاب موقوف کیا۔“ (مقامات امام ربانی ص ۱۸۱)

عبارت بالا میں حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی نے اپنے روضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے مانند قرار دیا ہے اور مختار مدعیہ کے لفظ نظر کے لحاظ سے یہ بہت ہی بڑی ہتک ہوئی تو کیا مختار مدعیہ امام ربانی مجدّد الف ثانی کو بھی روضہ بنی صلعم کی اہانت کا مرتکب قرار دے کہ کا فر اور مزد ٹھہرائے گا اور فتویٰ کفر لگائے گا۔

یہ تھے جو بات مختار مدعیہ کے الزامات بلکہ اتہامات توہین کے اور ان سے ظاہر ہے کہ ان کے یہ اتہامات کیسے لغو اور باطل ہیں۔

کیا تکفیر وجہ ارتداد و فسخ نکاح ہو سکتی ہے؟

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ احمدیوں کے ارتداد کی یہ قرار دی تھی کہ چونکہ احمدی غیر احمدیوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کی تکفیر کرنے کی وجہ سے خود کافر اور مرتد ہیں۔ اس لیے ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت سے درست نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اگر تکفیر وجہ ارتداد اور فسخ نکاح ہو سکتی ہے تو مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کر کے مرتد ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کے نکاح فسخ ہونے چاہئیں اور انکی اولاد کافر بنا قرار دینا چاہیے نیز منہاج السنۃ ابن تیمیہ کے حوالہ سے ثابت کیا تھا کہ خوارج حضرت علی کو بالاتفاق کافر کہتے تھے۔ مگر یہ ثابت نہیں کہ حضرت علیؑ نے ان کی تکفیر کی وجہ سے ان کو مرتد اور دین سے خارج خیال کر کے ان کے نکاح و غیرہ فسخ کئے ہوں بلکہ انہیں مسلمان قرار دیا اور مسلمانوں والے ان سے معاملات کئے۔

نیز گواہ مدعیہ نے ۱۲ راکت کو بجواب جرح یہ کہا ہے۔ جن ائمہ نے اس حدیث یعنی من تلک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ ان لوگوں کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ نیز احمد رضا خاں بریلوی جس نے دیوبندیوں پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا۔ ان کے متعلق گواہ مدعیہ نے بجواب جرح کہا ”ہم احمد رضا خاں بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خاں کو بھی ہم کافر نہیں سمجھتے“ پس اس سے ظاہر ہے کہ محض کسی کو کافر کہنا وجہ کفر اور ارتداد نہیں ہو سکتی پس اول تو یہاں یہ بحث نہیں کہ احمدی غیر احمدیوں کو کیا سمجھتے ہیں۔ بلکہ صرف بحث یہ ہے کہ احمدی مسلمان ہیں یا نہیں۔ پس اگر احمدی دیگر مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوں اور دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہوں۔ تو پھر بھی محض تکفیر ان کے کفر اور ارتداد کی وجہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کے منکر ہیں۔ مختار مدعیہ نے آئینہ صداقت ص ۳۵ کا حوالہ دیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان مسلمانوں کو بھی جنہیں دعوت نہیں پہنچی۔ خارج از دائرہ اسلام قرار دیا ہے۔ سو میں اس کتاب سے اس کی تشریح بیان کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں۔

”میرے نزدیک کفر کی یہ تعریف ہے کہ ایسے اصول میں سے کسی اصل کا نہ ماننا جن کے نہ ماننے سے نہ ماننے والا خدا تعالیٰ کا باغی قرار پادے اور جن کے نہ ماننے سے رومانیت مرجائے۔ یہ نہیں کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے عذرا و عذاب میں مبتلا کیا جاوے اور چونکہ اسلام کے احکام کی بنا ظاہر یہ ہے۔ اس لیے جو لوگ کسی نبی کو نہیں مانتے خواہ اس وجہ سے نہ ماننے ہوں کہ انہوں نے اس کا نام نہیں سنا کافر کہلائیں گے گو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ سختی عذاب نہ ہوں گے کیونکہ ان کا نہ ماننا ان کے کسی قصور کی وجہ سے نہ تھا چنانچہ سب مسلمان بالاتفاق ان لوگوں کو جو مسلم نہیں ہوئے خواہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا

ہے یا نہ سنا ہو کافر ہی کہتے چلے آئے ہیں۔ اور آج تک ایک شخص نے بھی آئیس لینڈ کے اسکیموزیا امریکہ کے ریڈ انڈینز یا افریقہ کے پانٹاس یا آسٹریلیا کے وحشیوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ اور نہ ان ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کی نسبت فتویٰ اسلام دیا ہے۔ جو پہاڑوں یا اندرون یورپ کے رہتے والے ہیں اور جنہیں رسول کریم کی تعلیم کا کوئی علم نہیں۔“

اور صفحہ ۸۵ میں آپ نے فرمایا ہے :

”بے شک ہم ان کو کافر بائبل یعنی دہریہ نہیں کہتے۔ مگر ان کے کافر بائبل ماور ہونے میں کیا شبہ ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو راستباز مانتے ہیں۔ پھر ہمیں کیوں کافر کہا جائے۔ وہ سوچیں کیا راستباز جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب راستباز تھے تو پھر ان کے دعویٰ کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ اور ہمارا یہ عقیدہ بعینہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ جو وہ مسیح موعود کی نسبت رکھتے ہیں“

چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ نے بھی جواب جرح ۳۱۱ گرت کو تسلیم کیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا مسلمان نہیں ہوگا۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ مرزا صاحب نے انجام آختم میں لکھا کہ میرا دشمن جہنی ہے۔ حالانکہ یہ امر قابل اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصب امامت میں بڑی وضاحت سے اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

”ازاں جملہ توقف بجات اُخروییت بر اطاعت اور یعنی امام وقت یعنی چونکہ اگر کسی ہزار وجہ در معرفت الہیہ دہنذیب نفس جد و جد تمام وسی مالاکلام بجا آورد اما وقتیکہ ایمان بالمرسل نذر دہرگز بجات اخروی بدست نخواہد آورد۔ و خلاص از غضب جبار و درکات نادر نخواہد یافت ہمچنین ہر چند عبادات شریعہ و طاعات دینیہ بجا آورد و جد و جد تمام در انقتال احکام اسلام بر روی کار آرد اما وقتیکہ در طاعت امام وقت گردن نہد و اقرار با امامت اونکند ہرگز عبادت مذکورہ در آخرت کار آمدنی نیست و از دار و گیر رب تدبیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانہ قدمات ہیئتہ جاہلیہ نہ منصب امامت“

۶۴۶۳۵ -

پھر گواہان مدعا علیہ نے اور اماموں کے اقوال بھی پیش کئے تھے کہ جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے وہ تمام معاملات میں ائمہ اور حکام کے نزدیک بھی مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ وہ در حقیقت کافر و مستوجب جہنم ہو۔ ان اقوال میں سے ایک قول منصب امامت مصنفہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید کا پیش کیا تھا جس کے متعلق مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں۔ اور ان کا ایمان و اسلام ظاہر ہے اور کفر چھپا ہوا ہے اور

دعویٰ کی تصدیق شعرا اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دستبردار نہیں۔

اب میں منصب امامت کی اصل عبارت پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے :

”ہر چند امثال ایں سلاطین فی الحقیقت از قبیل کفار اشرار اند و از جنس اہل نار فاما از رسکہ بزیاں خود دعویٰ اسلام میکنند پس کفر الیساں مستور است و ایمان الیساں ظاہر و شاہ تصدیق ہمیں دعویٰ ظاہری از رسوم اسلام مثل عقد نکاح و ختان و اظہار تحمل بروزیعید الفطر و الضحیٰ و تجنیز و تکفین و نماز جنازہ و دفن در مقابر مسلمین در میان خود جاری سے دازند و از شرع ربانی بالکل دست بردارنے نشوند۔۔۔۔۔“

اسلام ظاہری مقتضی ہمیں معنی امامت کہ با ایساں در احکام دنیویہ معاملہ مسلمین بعمل آزند و الیساں را ہم در باب معاملات از جنس مسلمین شمارند گو کہ در آخرت با کفار اشرار در درکات نار مخلد باشند“

(منصب امامت ص ۹۴)

پس جبکہ ایسے نام کے مسلمانوں سے جو در حقیقت کفار اشرار اور از جنس اہل نار ہیں مولانا اسماعیل شہید صاحب کانتومی یہ ہے کہ اس کے زبانی اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے معاملات نکاح و شادی وغیرہ میں مسلمانوں کا معاملہ کرنا چاہیے تو پھر ان حوالوں کے ہوتے کسی شخص کا حق نہیں کہ وہ احمدی مردوں سے جو کہ مسلمان ہونے کے مدعی اور شریعت اسلامیہ سے دست بردار نہیں اور اپنے دعویٰ کی تصدیق تمام اسلامی شعائر کو بجالانے سے کرتے ہیں۔ حکام وقت سے استدعا کرے کہ ان سے نکاح وغیرہ معاملات حرام قرار دیئے جاویں۔

کیا غیر احمدی اہل کتاب نہیں

مخار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے کہا ہے کہ مدعیہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے نکاح میں رہ سکتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں الا الذین ادتوا الکتاب من قبلکم کے الفاظ مدعیہ کا استثناء کرتے ہیں۔ یہ آیت پہلے اہل کتاب کے متعلق ہے۔ گویا کہ مخار مدعیہ کے نزدیک قرآن کتاب ہی نہیں ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ کتابی عورتوں سے نکاح کے جواز کی علت اور سبب کیا ہے وہ یہی ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب دی گئی تھی۔ یاد ہو دیکھ وہ کتابیں جو انہیں دی گئیں نہیں محرف و مبدل ہو گئیں لیکن پھر بھی ان اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز رکھا گیا تو پھر وہ لوگ کہ جن کو قرآن مجید جیسی کامل کتاب دی گئی جو تحریف و تبدیل سے محفوظ ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ بار بار کتاب کے لفظ سے پکارتا ہے۔ کیوں اہل کتاب نہ ہوں۔ اور اسی وجہ سے بعض علماء نے شیعہ کو اہل کتاب قرار دیا ہے چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب لنگوہی ایک استفتار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

”رافضی کے کفر میں اختلاف ہے۔ جو علماء کا فر کہتے ہیں بعض نے اہل کتاب کا حکم دیا ہے بعض نے مرتد کا

پس در صورت اہل کتاب ہونے کے عورت رافضیہ سے مرد سنی کا نکاح درست ہے۔ اور عکس اس کے ناجائز اور بصورت ارتداد ہر طرح ناجائز ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۷۱)

پس مسلمان بھی اہل کتاب ہیں۔ اس لئے احمدیوں کے نزدیک ایک احمدی مرد کا سنی عورت سے نکاح قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے۔ اس لیے مدعیہ کا دعویٰ خارج ہونا چاہیے۔ اور نکاح کو بحال رکھتے ہوئے فیصلہ بحق مدعا علیہ ہونا چاہیے۔

کیا مدعیہ مشترکہ ہے؟

مختار مدعیہ نے ۸ اکتوبر کی بحث میں احمدی سے سنی عورت کا نکاح جائز نہ رکھنے کی ایک وجہ اختلاف عقائد کے علاوہ یہ قرار دی ہے کہ احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اس کے بچوں کی بھی نماز جائزہ نہیں پڑھتے۔ اور نیز حضرت خلیفہ المسیح الثانی کے ایک خطبہ مندرجہ افضل ۲۵ اپریل ۱۹۳۱ء میں لکھا ہے کہ ساری دنیا ہی دشمن ہے اور آپ کی تقریر تقدیر الہی ص ۲۵ میں لکھا ہے کہ پہلے مسیح کو اس کے دشمنوں نے سولی پر چڑھایا اب یہ مسیح آیا تو دشمنوں کو سولی پر لٹکائے اس لیے ڈر ہے کہ جب وہ کسی سنی عورت سے شادی کریں تو اسے سولی پر نہ لٹکا دیں۔

مختار مدعیہ نے جس سادگی سے اس شبہ کا اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ گویا احمدیوں کے گھروں میں سویلیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ جہاں کوئی سنی عورت کسی احمدی کے گھر گئی اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکایا جس دشمنی کا حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ وہی ہے جو مولوی لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے اور احمدیوں کے خلاف افترا پر دازی سے کام لے کر عوام الناس کے خیالات کو مسموم کرتے ہیں

مختار مدعیہ کو مسلم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے برہنہ قرآن ایک یہودی عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے لیکن اس جواز کے ساتھ ہی یہود کو مومنوں کا سخت دشمن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے تعبدن اشد الناس عداوة للذین امنوا الیہود والذین اشد کوا (مانندہ ۱۱۶) کہ لمے مخاطب تو یہودیوں اور مشرکوں کو مومنوں کا برہنہت دوسرے لوگوں کے سخت دشمن پائے گا۔ پس باوجود یہود کے تلخ ترین دشمن ہونے کے مسلمانوں کے لیے ایک یہودی عورت سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ نظر برآں اگر غیر احمدی ہمارے دشمن بھی ہوں تو بھی ایک احمدی کا اپنے دشمن قوم کی عورت سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ ایک مسلمان کا اپنے سخت ترین دشمن قوم یہودی کی عورت سے نکاح جائز ہے۔

رہا غیر احمدی اہم کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا سوال تو وہ ایک عورت سے نکاح کرنے کے وقت اٹھ ہی نہیں سکتا اور اس کی جو اولاد ہوگی وہ احمدی ہوگی۔ اس لیے ان کے نماز جنازہ کا بھی سوال پیش نہیں آتا۔ اور اگر اس قسم کے امور شادی کے جواز میں مانع ہو سکتے ہیں تو مسلمانوں کی شادی یہودی یا نصرانی عورت سے بھی ناجائز ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ مسلم نہ تو اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے نہ اس کی نماز جنازہ اور نہ ان سے رشتہ نامہ وغیرہ کرنا جائز سمجھتا ہے۔

پس بیان مذکورہ سے نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہے کہ مختار مدعیہ کی بیان کردہ وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی از روئے قرآن مجید جس میں صریح طور پر یہودی اور نصرانی عورت سے شادی جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک احمدی کی فرقہائے اسلام میں سے کسی فرقہ کی عورت سے شادی کے جواز میں روک نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ مختار مدعیہ کے متعلق سولی پر لٹکا دیئے جانے کا جو خدشہ پیش کیا ہے میں اس کے متعلق کافی وجوہ تسکین پیش کر کے اطمینان دلا چکا ہوں لیکن چونکہ مختار مدعیہ سولی سے بہت ہی خائف نظر آتا ہے اس لیے میں زیادہ سے زیادہ تسکین و تسلی کی غرض سے وہ تعلیم بھی پیش کئے دیتا ہوں جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں ساتھ حسن سلوک کے متعلق دی ہے آپ فرماتے ہیں:

”جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاندان سے خیانت سے پیش آتی ہے۔ وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔“ (کشتی نوح ص ۷۱)

احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند ہیں

۱۰۔ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ کسی اہل کتاب مرد سے لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے کہا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی احمدی لڑکی غیر احمدی مرد سے نکاح کرے۔ تو وہ نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ پس شریعت اسلامیہ کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں نہیں آ سکتی لیکن شریعت احمدیہ میں ہے کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے ہاں جا سکتی ہے۔ یہ شرعی حکم ہوا جو پہلے شریعت اسلام میں موجود نہیں۔ لیکن یہ بھی منجملہ اور مغالطات کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح جائز ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے بیگم ماریج کو بموجب جرح اس امر کی تصریح کی ہے کہ احمدی اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی سے کرنا جائز نہیں سمجھتے اور پھر یہ کہا ہے کہ ”احمدی میاں بیوی سے اگر کوئی مرتد ہو جاوے یعنی غیر احمدیوں میں شامل ہو جاوے تو اس کا نکاح جیسا کہ تعامل ہے باقی رہے گا۔“

اور ۱۲ مارچ کو بحواب جرح اس کی توضیح بھی کر دی تھی۔

”اگر کوئی احمدی اس وقت غیر احمدی سے اپنی لڑکی کا نکاح کرے تو ہم اس نکاح کو باطل قرار نہیں دیتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد زنا کی اولاد سمجھی جاوے گی۔ البتہ ہمارے نزدیک نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کرے تو نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اور نکاح فسخ ہونے کی وجہ بھی بیان کر دی تھی۔“

کہ جب کوئی حکومت اسلامیہ شرعیہ قائم ہو تو اس میں چونکہ قاضی اور مفتی اور حد لگانے والے سب محکمہ موجود ہوں گے اس لیے مرتد کے فسخ نکاح کے لیے بھی قضا، قاضی کی ضرورت ہوگی اور جہاں حکومت اسلامیہ قائم نہ ہو تو جو قانون رائج ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور شریعت اس کے فیصلوں کے متعلق یہ حکم نہیں لگائے گی کہ یہ نکاح باطل ہے اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔

اور اگر کوئی اسلامی ریاست ہوگی۔ تو اس کا جو قانون رائج ہے۔ وہ جاری ہوگا یعنی اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ صاف اور واضح بیان تھا کہ جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ اس میں صاف طور سے یہ ذکر کر دیا گیا تھا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح تو جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی کرے تو وہ نکاح شریعت کے رائج اس وقت قانون کی وجہ سے فسخ اور باطل نہیں ہوگا۔ اور جو معاملات نکاح وغیرہ کے کسی قانون کے ماتحت کیے جائیں۔ انہیں شریعت باطل نہیں ٹھہرائی۔ فرض کرو ایک مسلمان مرد مرتد ہو گیا اور فقہ حنفیہ کی رو سے مرتد ہونے کی حالت میں اس کا کسی سے بھی نکاح جائز نہیں جیسا کہ ۳۰ اگست کو گواہ غیر مسلم نے کہا ہے:

”مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ حرمہ یا لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے“ اور یہی بات کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں لکھی ہے۔ لیکن موجودہ وقت میں اگر کوئی مرتد نکاح کرے جو قانوناً جائز ہے اور پھر اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کا پہلے نکاح کو باطل قرار دے کر اس کی پہلی اولاد کو اولاد حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جب کسی قانون کے ماتحت نکاح کیا جاوے تو اگرچہ وہ شریعت کی رو سے جائز نہ بھی ہو تو بھی اس کے متعلق شریعت فسخ اور باطل ہونے کا فتویٰ دے کر اس سے پیدا شدہ اولاد کو حرام کی اولاد قرار نہیں دیتی۔

اس امر میں احمدیوں سے گواہانِ عالمیہ کا ضرور اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو ان مسلمان فرقوں کے نکاح جنہیں وہ اپنے زعم میں کافر اور مرتد خیال کرتے ہیں۔ باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔ جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ نے اپنی کتاب الکوکب الیسمانی علی اولاد الزنادانی کے ٹائٹل پیج پر لکھتے ہیں۔

”مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور اس کے جملہ معتقدین مردوں عورتوں کا نکاح دنیا میں

کسی سے صحیح نہیں۔ باطل محض وزنائے صرف ہے جس کی بنا پر اولاد کا بھی حرامی اور محروم الارث ہونا لازم آتا ہے۔“

اور صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں :

”اور ان کی عورتوں مردوں کا مسلمان عورت و مرد سے نکاح جائز نہیں۔ بلکہ آپس میں بھی اگر نکاح کریں تو وہ بھی زنائے محض ہے۔“

اور مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

”کہ مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے۔۔۔۔۔ اور مرد مرتد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت و مرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھنا مگر کبرائے و باہمیہ (یعنی مولوی اسمعیل صاحب شہید وغیرہ شمس) :

اور مولوی رشید احمد صاحب لنگوہی فرماتے ہیں :

”جس کے نزدیک رافضی کافر ہے وہ فتویٰ اول ہی سے بطلان نکاح کا دیتا ہے۔ اس میں اختیار زوج کا کیا اعتبار ہے۔ پس جب چاہے علیحدہ ہو کر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ اور جو فاسق کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک یہ امر ہرگز درست نہیں کہ نکاح اول صحیح ہو چکا ہے۔ اور بندہ اول مذہب رکھتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم علیٰ ہذا رافضی اولاد سنی کو ترک سنی سے نہ ملے گا۔“ رفاذی رشیدیہ حصہ دوم ص ۳۱۔

پس گواہان مدعیہ اور اس کے ہم خیالوں کے نزدیک تو روافض اور دیوبندیوں کے نزدیک رضا خانیوں اور رضا خانیوں کے نزدیک دیوبندیوں اور اس طرح مقلدوں کے نزدیک غیر مقلدوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک مقلدوں کے نکاح باطل اور زنا محض ہیں اور آج کل مسلمان فرقوں کا گناہ ان کے نزدیک زنا پر ہی چل رہا ہے۔ اور ان کی اولادیں بھی حرام کی اولادیں ہیں کیونکہ ہر ایک فرقہ ایک دوسرے کو کافر اور مرتد قرار دے کر ان کے نکاح فسخ اور باطل قرار دے چکا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کے نکاح درست ہیں اور فسخ اور باطل نہیں۔ کہ ان کی اولادوں کو اولاد زنا قرار دینا پڑے۔ کیونکہ وہ ایک راجح الوقت شرعی قانون کے ماتحت کئے گئے ہیں اور اس قانون کی رو سے تمام مدعیان اسلام مسلمان قرار دیئے گئے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ریاست مولویوں کی اس خاص شریعت کو جس کے بعض فتاویٰ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جاری کرنا چاہتی ہے۔ تو اسے اختیار ہے۔ لیکن کسی مقدمہ پر اس قانون خاص کو جاری کرنے سے پہلے شرعاً قانوناً اور عقلاً یہ ضروری ہے کہ وہ اس قانون کو اپنی ریاست میں شائع کرے۔

مذکورہ بالا تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے بیگم اور ۲۱ مارچ کو جو بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور شریعت اسلامیہ کے قطعاً مخالف نہیں ہے اور مختار مدعیہ کا آخر بحث میں یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے تسلیم کیا ہے

کہ جب کوئی مسئلہ قرآن و حدیث میں مصرح نہ ہو تو وہاں فقہ حنفیہ پر عمل ہوگا۔ ایک مغالطہ ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ نے یکم مارچ کو جواب جرح کہ کیا آپ فقہ حنفیہ کے پابند ہیں؟ یہ کہا تھا کہ فقہ حنفیہ سے اگر یہ مراد ہو کہ جو کچھ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے ان سب باتوں کے ہم پابند ہیں تو نہیں۔ لیکن قرآن مجید اور احادیث کے بعد ان میں جو بات قرآن و حدیث کے اقرب ہو اس کو لیں گے۔

پھر مختار مدعیہ نے بیچ المصلی ص ۱۲ کی عبارت پیش کی تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فقہ حنفیہ پر عمل کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے وہ پوری عبارت نہیں لکھوائی تھی۔ بلکہ اس کے ساتھ کے فقرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ پوری عبارت یہ ہے۔

”ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث محایض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ قرآن میں اور نہ سنت میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موقوفہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خدا داد اجتہاد سے کام لیں“

اس لیے مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ کے عقیدہ کو دیکھا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ احمدی مرد غیر احمدی سنی عورت سے شرعاً نکاح کر سکتا ہے اور چونکہ رائج الوقت شرعی قانون کی رو سے غیر احمدیوں اور احمدیوں کو مسلمان تسلیم کیا گیا ہے اس لیے اگر کوئی احمدی عورت کا غیر احمدی سے یا غیر احمدی عورت کا احمدی مرد سے نکاح کر دیا۔ تاہم وہ نکاح باطل اور فسخ سمجھ کر اس کی اولاد کو زنا کی اولاد نہیں سمجھا جائے گا۔ جماعت احمدیہ کا فقہ حنفیہ سے بعض موجودہ تغیرات کی بنا پر مرند کے احکام کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔

اور جو قول فقہ حنفیہ کی کتب سے ختم نبوت کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں۔ اگر لیکن جیسا کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں وضاحت سے بتا دیا ہے۔ کہ انہوں نے ختم نبوت سے اس قسم کی نبوت کا بند ہونا مراد نہیں لیا جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود کو ہے) ان سے مراد اس قسم کی نبوت ہے جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے۔ تاہم حضرت مسیح موعود نے جہاں مذکورہ بالا تحریر جس میں فقہ حنفی پر عمل کرنے کے لیے لکھا ہے اسی جگہ ختم نبوت کے معنی بھی تحریر کر دیئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرمانے ہیں:

”ایسا ہی چاہیے کہ نہ تو ختم نبوت آنحضرت صلعم کا انکار کریں۔ اور نہ ختم نبوت کے یہ معنی سمجھ لیں کہ جس سے امت پر مکالمات اور مخاطبات الہیہ کا دروازہ بند ہو جاوے۔ اور یاد ہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے

کوئی نبی نہیں جو صاحب شریعت ہو یا بلا واسطہ مناجعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پاسکتا ہو۔ بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔ اور مناجعت نبوی سے نعمت وحی حاصل کرنے کے لیے قیامت تک دروازے کھلے ہیں۔ وہ وحی حق جو اتباع کا نتیجہ ہے۔ کبھی منقطع نہیں ہوگی مگر نبوت شریعت یا نبوت مستقلہ منقطع ہو چکی ہے۔ ولا سبیل الیہا الی یوم القیامتہ ومن قال انی لست من ائمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وادعی انہ نبی صاحب الشریعة اذ من دون الشریعة دلیس من الامة فمثله کمثل رجل عمره السیل المنهمر فالتقاء وراءه ولم یغادر حتی مات“ (نہج المصلى ص ۱۱۰ بحوالہ رپو یو بیہ مباحثہ محمد حسین بٹالوی و جگڑالوی)

اصولی اختلاف

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ مل کے جواب کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں ایک لحاظ سے فروری اور ایک لحاظ سے اصولی اختلاف ہے کے متعلق کہا ہے کہ جب گواہ کو مسلم ہے کہ فروری بھی اختلاف ہے اور اصولی بھی اس لیے نماز روزہ و صلاہت وغیرہ دونوں ایک نہیں ہو سکتے اور یہ مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ ہے کیونکہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں وضاحت کے ساتھ اپنے عقائد لکھ کر یہ بتا دیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا کوئی عقیدہ خلا اور رسول کے فرمودہ کے خلاف نہیں ہے۔

اور خلیفہ اول کا یہ فرمانا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اصولی اختلاف ہے اس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں اختلاف ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے عدالت کو دیدہ و دانستہ مغالطہ دینے کے لیے کہا ہے کیونکہ جو حوالہ خلیفہ اول کا نہج المصلى سے دیا گیا ہے اس میں یہ صاف لکھا ہے۔

”جس طرح پڑوہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ اور حج اور روزوں کے متعلق ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے“ (نہج المصلى ص ۱۱۴)

اس تصریح کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اصولی اختلاف سے مراد نماز روزہ وغیرہ میں اختلاف ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ اور اصولی فرق کی بھی حضرت خلیفہ اولؓ نے تشریح کر دی ہے۔ فرمانے ہیں : ”میرا سمجھ میں ہمارے اور ان کے درمیان اصولی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اس کے ملائکہ پر کتب سماویہ پڑا اور اس کے رسل پر خیر و شر کے اندازہ پر اور بعثت بعد الموت پر۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مخالف بھی یہی امر مانتے ہیں اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہاں سے ہی ہمارا اور ان کا اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ ایمان با رسل اگر نہ

ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور ایمان بالرسول میں کوئی تخصیص نہیں عام ہے خواہ وہ نبی پہلے آئے ہوں یا بعد میں ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ کہ یہ اختلاف فروری کیونکر ہو قرآن مجید میں تو لکھا ہے لافسوق بین احدین رسولہ۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ قرآن مجید میں خاتم النبیین فرمایا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے تو بالاتفاق کافر ہے یہ جہاں ہے کہ ہم اس کے کیا معنی کرتے ہیں اور ہمارے مخالف کیا؟“ (رہج المصلی ص ۴۷)۔

پس اصولی اختلاف مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماموریت کے لحاظ سے ہے نہ کہ نماز و روزہ وغیرہ احکام کے لحاظ سے اور گواہ مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فروری اختلاف بھی ہے اور اصولی بھی بلکہ اس نے یہ کہا تھا کہ ایک لحاظ سے فروری اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور ایک لحاظ سے اصولی اور اس کا منشا یہ تھا کہ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں اور نماز و روزہ و زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت میں کچھ اختلاف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں تو اسی لحاظ سے دوسرے معمولی اختلافات فروری کہلائیں گے۔ اور اصولی اختلاف اس لحاظ سے کہ قرآن مجید میں ایک اصل ایمان کا ایمان بالرسول ذکر کیا گیا ہے۔ مسیح موعودؑ چونکہ خدا کے مامور ہیں اور قرآن مجید و احادیث کی رو سے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس لحاظ سے اصولی فرق ہے۔ پس گواہ مدعا علیہ کا یہ قطعاً منشا نہیں تھا کہ فروری اختلاف سے مراد نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ میں اختلاف ہے۔

کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے

مختار مدعیہ نے فریقین مقدمہ کے علیحدہ علیحدہ مذہب ہونے کے ثبوت میں ۸ اکتوبر کی بحث میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ مدعیہ اپنے استدلال اور مذہب کا معیار یہ مقرر کرتی ہے کہ جو قرآن سے ثابت ہے اور جو حدیث اور ائمہ سے ثابت ہے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کر دیں وہ ہمیں مسلم ہے۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ مدعا علیہ اور اس کے گواہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو قرآن مجید و حدیث سے ثابت ہو وہ اس کو نہیں مانتے بلکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم کرتے ہیں اور اس کے بعد حدیث کو اور اس کے بعد ائمہ کے اقوال کو بشرطیکہ کوئی ان میں سے قرآن کے صریح طور پر محارض نہ ہو۔ مختار مدعیہ کا سوال گواہان مدعا علیہ سے صرف حدیث کے متعلق تھا کہ اس کا قرآن مجید کے مطابق ہونا کون ثابت کرے گا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ نے کہا کہ ہر ایک شخص جو ثابت کر دے گا کہ فلاں روایت قرآن مجید کے خلاف ہے وہ اس کے نزدیک قرآن مجید کے خلاف ہوگی اور گواہ نے کہا کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کر دیں وہ ہمیں مسلم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم سے علم میں زیادہ ہیں اور ان کا ہر فیصلہ بعد تحقیق ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا فیصلہ ہمارے لیے درست اور قابل تسلیم ہوگا۔ آخر ہر شخص جو کسی کی اقتدار کرتا ہے اور اس کو اپنا امام تسلیم کرتا ہو تو یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ اس سے علم میں زیادہ ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کے اقوال کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔

مختار مدعیہ کو شاید معلوم نہ ہو کہ علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کا احادیث کے قبول کرنے کے بارے میں یہی مذہب ہے جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”کہ اہلسنت کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اگر موافق نکلے تو ذہا ورنہ موافق مثل مشہور کالاء زبوں بریش خاوند اس کو راولوں کے سمراتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ راولوں کا قصور ہے۔ القصہ عقل و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام سمجھتے ہیں۔“ (ہدینۃ الشیعۃ ص ۱۷۸)

اب مختار مدعیہ بتائے کہ احادیث کے موافق قرآن یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا۔ آن خود ہی کرے گا جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء اس بات کی اہلیت رکھتے ہیں اس لیے وہ ان کا فیصلہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ احادیث جو قرآن کے معارض نہیں ہیں ان کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :

” ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی کوئی درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں“ (ریپورلر مباحثہ چکرالوہی)

مزنداسے کہتے ہیں جو مسلمان ہو اس کے بعد اسلام سے پھر جائے جیسا کہ مختار مدعیہ نے، اراکتور کی بحث میں کہا ہے لیکن مدعا علیہ کو اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مذہب اسلام پر قائم ہے اور اس کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرنا موجب لعنت خیال کرتا ہے اور قرآن شریف یا احادیث میں کوئی ایسی نص نہیں ہے۔ کہ ایک مدعی اسلام ہو اور وہ کہے کہ میں مذہب اسلام پر بھی قائم ہوں اور اس کے سوا میں نے کسی دین کو اختیار نہیں کیا تو وہ مرتد قرار دیا جائے۔

مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک وجہ

مختار مدعیہ نے فسخ نکاح کے متعلق ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے اور اس امر کا اس نے اپنے جواب دعویٰ میں اقرار کیا ہے اور گواہ اس نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ غیر احمدی سے احمدی اور احمدی سے غیر احمدی ہو جانے کو مذہب اختیار کرنا کہا جاسکتا ہے۔ اور مذہب بدلنا اور مذہب اختیار کرنے نزدیک، ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ اور مذہب تبدیل کیے جانے کی حالت میں نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے بھی چشمہ معرفت میں لکھا ہے پس یہ نکاح فسخ ہو جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ مختار مدعیہ کی یہ تینوں ہی باتیں غلط ہیں۔

پہلی اس لیے کہ مدعا علیہ نے ان معنوں میں ہرگز مذہب تبدیل نہیں کیا جن معنوں میں مختار مدعیہ نے عدالت کو یقین دلانا چاہا ہے۔ اس امر کے ثبوت میں اس نے جس بیان کا فقرہ مدعا علیہ کی طرف سے منسوب کیا ہے وہ مدعا علیہ کا نہیں بلکہ منصف احمد پور شرقیہ نے مدعا علیہ کے بیان سے بطور نتیجہ اخذ کر کے خود لکھا تھا اور چونکہ اس بیان سے وہ مغالطہ پیدا ہو سکتا تھا۔ جو مختار مدعیہ نے پیدا کرنا چاہا ہے۔ اس لیے مدعا علیہ نے اسی وقت درخواست دے کر ظاہر کر دیا تھا کہ جو خلاصہ میرے اعتقاد کا اخذ فرمایا گیا ہے وہ میرے اصل اعتقاد مذہبی سے مغائر ہے۔ ”میں خدا کو وحدہ لا شریک اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم

کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو اہامی کتاب ماننا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور توسط اور آپ کی شریعت مقدمہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع اور اشاعت کرنے والے تھے ان پر وحی والہام بہرکت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوتے تھے۔“

یہ ہے خلاصہ اس درخواست کا جو مدعا علیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء کو دی ہے اور مسل میں موجود ہے۔ مگر کیسی عجیب جرات ہے کہ باوجود اسی درخواست کی موجودگی کے مختار مدعیہ نے عدالت کو یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ چونکہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے سے نکاح قائم نہیں رہتا۔ لہذا عدالت کو نکاح فسخ کر دینا چاہیے حالانکہ جن معنی میں مذہب کی تبدیلی سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے وہ معنی اس موقع پر مرگز نہیں پائے جاتے مذہب کا لفظ اسلامی فرقوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ حنفی مذہب۔ شافعی مذہب۔ مالکی مذہب حنبلی مذہب اور اسی لحاظ سے ان فرقوں کے لیے مذاہب اربعہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور مذہب کا لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ دین موسوی۔ دین عیسوی۔ دین اسلام وغیرہ۔ اگر پہلے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی حنفی المذہب انسان شافعی المذہب ہو جائے یا بالعکس تو اس کو دین کی تبدیلی نہیں کہتے اور تبدیلی سے نکاح فسخ نہیں ہوتا اور اگر مذہب دوسرے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی شخص مذہب اسلام میں سے نکل کر مذہب موسوی یا عیسوی میں داخل ہو جائے تو اس کو دین کی تبدیلی کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی غیر احمدی کا احمدی ہو جانا دوسری قسم کی تبدیلی نہیں ہے جس سے نکاح کا فسخ ہو جانا لازم آوے۔

جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اس بیان سے ظاہر ہے جو اس نے درخواست مذکورہ بالا میں لکھا ہے کہ میں خدا کو وحدہ لا شریک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں اور قرآن کریم کو اہامی کتاب ماننا ہوں کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے الخ پس مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے کو اس موقع پر دین بدل لینے یعنی اسلام ترک کر دینے کے معنوں میں لینا قطعاً باطل ہے اور چونکہ مدعا علیہ لفضلہ تعالیٰ اسلام پر قائم ہے اس لیے اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہیے۔

دوسری بات مختار مدعیہ کی اس لیے غلط ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لینے کو ان معنوں میں نہیں لیا ہے جن معنوں میں مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یعنی دین اسلام کو چھوڑ دینے کے معنوں میں بلکہ فرقے کو بدل لینے کے معنی میں لیا ہے جیسا کہ گواہ مذکور کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مذہب کے معنی روشن اور طریقے کے ہیں جس پر ایک انسان چلتا ہے اس لیے غیر احمدی سے احمدی ہو جانا یا احمدی سے غیر احمدی ہو جانا مذہب اختیار کرنا کہنا

جاسکتا ہے ملاحظہ ہو جرح بر گواہ مدعا علیہ ۲۔ بتاریخ ۲۳ مارچ غرض چونکہ گواہ نے مذہب بدل لینے کو دین بدل لینے کے معنوں میں نہیں لیا جن میں کہ مختار مدعیہ لینا چاہتا ہے بلکہ طریقہ بدل لینے کے معنوں میں لیا ہے اور طریقہ بدل لینے سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اس لیے مقدمہ کا خارج کر دیا جانا ضروری ہے۔

تیسری بات مختار مدعیہ کی اس لیے غلط ہے کہ حضرت اقدس نے چشمہ معرفت میں جو لکھا ہے کہ کسی کے مذہب تبدیل کرنے کی حالت میں اس کی عورت حاکم دفت کے سامنے خلع کی درخواست کر کے اس سے عیوہ گی حاصل کر سکتی ہے تو اس موقع پر آپ کی مراد تبدیلی مذہب سے دین کی تبدیلی ہے۔ جیسے کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین یعنی دین عیسوی یا دین موسوی وغیرہ اختیار کرے۔ چنانچہ جس مضمون میں آپ نے یہ لکھا ہے وہ غیر مسلموں یعنی آریوں کے مقابلہ میں ہے جو آریہ مذہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔

غرض چونکہ چشمہ معرفت کے مضمون میں مذہب کی تبدیلی سے دین کی تبدیلی مراد ہے اور مدعا علیہ نے دین کی تبدیلی نہیں کی اس لیے چشمہ معرفت کے مضمون کی رو سے مدعا علیہ کی منکوحہ یعنی مدعیہ کو عیوہ گی کی درخواست کرنے کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا پس اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہیے۔

فسخ نکاح کی ایک اور وجہ

مختار مدعیہ نے نکاح فسخ کر دیئے جانے کی ایک وجہ کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اب تک فسخ نکاح کی راہ میں دو روکیں واقع تھیں اول یہ کہ اس معاملہ کے متعلق علماء ممالک غیر کا کوئی فتویٰ موجود نہیں تھا دوسری یہ کہ عدالت ہائے ہائی کورٹ کے فیصلہ جات موجود تھے کہ احمدی مسلمان ہیں اور اب یہ دونوں روکیں دور ہو چکی ہیں اس لیے نکاح فسخ ہو جانا چاہئے پہلی روک تو اس طرح دور ہو گئی کہ ملک شام احمدیوں کے خلاف فتویٰ آ گیا ہے اور دوسری روک دربار معلیٰ نے یہ کہہ کر دور کر دی کہ جج ماجا ہائی کورٹ مدراس نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علماء اسلام ہی اس امر کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں لیکن مختار مدعیہ کا یہ بیان بھی اس طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلا بیان کیونکہ جس چیز کا نام وہ شام کا فتویٰ رکھتا ہے وہ درحقیقت کوئی فتویٰ نہیں بلکہ میرے ٹریکٹ ”شی عن عقائد الجماعۃ الاحمدیۃ“ کے جواب میں رشید ہاشم کی ایک تحریر ہے جو علماء میں سے نہیں بلکہ ایک تاجر آدمی ہے اور اس کی قابلیت اور دماغی حالت معلوم کرنے کے لیے اس کی یہی تحریر دیکھ لینے کافی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نے میرے متعلق جو اس کی یہ عبارت دکھائی ہے وہ یہ ہے:

”جو عبارت میں نے تیرے رسالہ صفحہ دہن چار سے نقل کی ہے یہ تیرے کفر پر دلالت کرتی ہے“

اور وہ اس عبارت سے پہلے انہیں صفات کی یہی عبارت نقل کر کے اس کے متعلق یہ بھی لکھ چکا ہے کہ تیری یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ تو مسلمان ہے اور ایک ہی عبارت کے متعلق اس کی یہ دو متضاد رائیں اس کی دماغی حالت کا اچھا مظاہر ہیں اور اس کی شہرت کی یہ حالت ہے کہ جب جرج میں گواہ مدعیہ ۳۳ سے دریافت کیا گیا کہ رشید ہاشم کو جانتے ہو تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ملاحظہ ہو جواب جرج ۲۹، اگست ۳۲۔

پس چونکہ جس چیز کا نام فتویٰ رکھا جاتا ہے وہ کوئی فتویٰ نہیں بلکہ ایک شخص کی جوابی تحریر ہے اس لیے قابل التفات نہیں اور اس کے رو سے کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کسی طرح نہیں کیا جاسکتا اس لیے نکاح قائم رکھنا اور مقدمہ خارج کر دیا جانا چاہیے۔

مختار مدعیہ نے حسام المرہین کے متعلق جو علمائے دیوبند پر علماء برہمن کا فتویٰ کفر کہا ہے کہ اس کی صف اول میں مرزا غلام احمد کا نام ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کا نام صف اول میں ہو یا صف آخر میں مگر اس سے اس فتویٰ کے علماء دیوبند کے حق میں ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔ البتہ احمدیوں نے اس فتویٰ کو اپنے حق میں بھی تسلیم نہیں کیا۔

مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ یہ فتویٰ اصل میں احمدیوں پر ہے دیوبندی اس کے ضمن میں داخل کر لیے گئے ہیں بالکل غلط اور سراسر مغالطہ ہے دیوبندیوں کو احمدیوں کے ذیل میں قرار دے کر ضمنی طور پر کفر کا فتویٰ ہرگز نہیں دیا گیا بلکہ مستقل طور پر دیا گیا ہے اور ان کا ان سب فرقوں سے جن پر فتویٰ دیا گیا ہے کفر میں سخت ہونا ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ ص ۴۳ میں یہ لکھا ہے۔

”تو ان میں سے کسی کو اصل دین کا انکار کرنے پائے گا اور اس میں کوئی ختم نبوت کا منکر ہو کر نبوت کا مدعی ہے اور کوئی اپنے آپ کو عیسیٰ بناتا ہے اور کوئی مہدی اور ظاہر میں ان سب میں ہلکے اور حقیقت میں ان سب سے سخت یہ وہابیہ ہیں۔ خلا ان پر لعنت کرے اور ان کو رسوا کرے اور ان کا ٹھکانہ اور ان کا مسکن جہنم کرے بے پڑھے جابلوں کو جو چو پاؤں کی طرح ہیں دھوکے دیتے ہیں کہ وہ پیران سنت ہیں۔“

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو ان تمام فرقوں سے جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے سخت تر کافر کہا گیا ہے کیونکہ وہابیوں سے دو گروہ مراد ہیں ایک وہ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ دیوبندی خیال والوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا وہ جو مولوی نذیر حسین دہلوی سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ حسام المرہین صفحہ ۱۳ و ۱۴ پر وہابیوں کی قسمیں لکھ کر ظاہر کر دیا مثلاً وہابیہ امثالہ خوا تمیہ وہابیہ امیر یہ وہابیہ قاسمیہ، وہابیہ کذابیہ، وہابیہ شیطانہ، وہابیہ نذیریہ، اور ان کو مولوی امیر حسن و امیر احمد سہسولانی و

مولوی محمد ناسم صاحب النوزی اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مختار مدعیہ نے ان فتوؤں کی طرف سے جو علمائے اہلسنت والجماعت ہندو حرمین شریفین نے دیوبندیوں کے حق میں دیئے ہیں عدالت کی توجہ مبذول دینے کی غرض سے کہا ہے کہ یہاں دیوبندیوں کے کفر و اسلام کی کوئی بحث نہیں ہے مگر یہ کہنا بالکل غلط اور دانستہ حقیقت الامر کو پوشیدہ کرنا ہے کیا مختار مدعیہ کو اپنا وہ ٹکڑا یاد نہیں رہا جو اس نے فیصلہ دربار معلیٰ کے حوالہ سے چنا اور پیش کیا ہے کہ ”علماء اسلام ہی اس کے متعلق بہتر بن فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں اور کیا اس نے یہ امر بھی فراموش کر دیا ہے کہ دربار معلیٰ نے یہ مقدمہ شرع شریف کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے اس عدالت میں واپس کیا ہے یہ امر کسی طرح نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں کہ جو علماء اس امر کا فیصلہ کرنے والے قرار دیئے جائیں کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ کے عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں تو قبل اس کے کہ اس نہایت ہی نازک اور ہنتم بالنتان امر کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کا تقرر عمل میں آئے خود ان کے متعلق بھی یہ باور کیئے جانے کے کہ یہ دنیا کے اسلام ہیں کیا سمجھ جاتے ہیں اور ان کے عقائد بھی مطابق اسلام ہیں یا نہیں قطعی اور یقینی وجوہ موجود ہونا اشد ضروری ہے ورنہ کفر و اسلام جیسے مسئلہ میں ان کی رائے قابل توجہ تو کیا لائق التفات بھی نہیں ہو سکتی بہت صاف بات ہے کہ اگر وہ خود عقائد اسلامیہ نہ رکھتے ہوں اور اگر ان کے عقائد کی وجہ سے دنیا کے اسلام کے مشرق سے لے کر مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک کے تمام علماء نے کفر کے فتوے دیئے ہوں حتیٰ کہ علمائے حرمین شریفین نے بھی تو پھر وہ دوسروں کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنے کے کس طرح اہل سمجھے جاسکتے ہیں اس بیان سے ظاہر ہے کہ کیا اس معاملہ میں علماء دیوبند کے کفر کا کوئی سوال نہیں ہے یا علمائے دیوبند کے کفر و اسلام کا سوال ایک بڑا ہی ضروری سوال ہے۔ کیا اتنی اہم بات ایسی آسانی سے نظر انداز کی جاسکتی ہے۔

اور کیا ایک ایسا معاملہ جو اپنے نتائج کے لحاظ سے نہایت وسیع الاثر اور بغایت ہنتم بالنتان ہے بعض فریضہ دار اداؤں کے پیچ و خم اور نشیب و فراز کی بھول بھلیوں میں گم کر دیئے جانے کے لائق ہے دیوبندی علماء دوسروں کو کافر ٹھہرانے کے لیے فتوے لکھیں۔ شہادتیں دیں محشیں کریں اور کوئی امکانی کوشش اٹھانہ رکھیں لیکن جب بیثبات کرنے کے لیے کہ جو خود و مرند اور کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے گئے ہوں جن کا کفر تمام روئے زمین کے کفار سے اشد اور اعظم بتایا گیا ہو وہ کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں اس فیصلہ کے لیے تو فیصلہ کرنے والے کا خود مسلمان بلکہ اعلیٰ درجہ کا مسلمان ہونا شرط ہے تو مختار مدعیہ کو یہ کہہ کر مال دینا چاہیے کہ یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے اگر یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے تو پھر جو ٹکڑا مختار مدعیہ نے دربار معلیٰ کے فیصلہ سے چن کر پیش کیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور اس مقدمہ

کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ کیا جانا کیا مطلب رکھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ چونکہ اپنے عقائد کے لحاظ سے دیوبندی علماء خود مرتدا اور کافر قرار پا چکے ہیں نہ ایک بار بلکہ بار بار اور نہ صرف سنی حنفی علماء ہند ہی نے انہیں کافر و دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرایا ہے بلکہ علمائے حرمین شریفین نے بھی اس لیے وہ کسی کے کفر و اسلام کا ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتے اور چونکہ ان کو احمدیوں کے ساتھ پہلے سے بغض و عناد چلا آتا ہے۔ اور وہ اس مقدمہ میں شہادت دینے سے قبل احمدیوں کے ساتھ اپنے بغض و عناد کا پورا پورا اظہار کر چکے ہیں جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے چنانچہ مولوی محمد شفیع گواہ ۱ نے کتاب ختم نبوت لکھی ہے اور مولوی مرتضیٰ حسن درجھی گواہ ۲ نے اشد العذاب شائع کی ہے جس کا دوسرا نام دین مرزا کفر خالص رکھا ہے اور جس کے صفحہ صفحہ سے احمدیوں کے ساتھ بغض و عناد ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بہت سے غلط الزامات و اتہامات و بہتانات اس نے عدالت میں بھی سنائے ہیں اور مولوی نور شاہ گواہ ۳ نے بھی اپنی ایک مخالفانہ تحریر عدالت میں دکھائی تھی جس کا نام اکفار اطلحدین تھا اس لیے احمدیوں کے متعلق ان کا بیان قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور چونکہ ان کی حالت مدعیانہ حالت سے بھی بدتر جا بڑھی ہوئی ہے لہذا ان کی شہادت اور یہ مقدمہ خارج ہو جانا چاہیے۔

مختار مدعیہ نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا کہ دوسرے ممالک کی نسبت حرمین کا فتویٰ بہت ادبچا ہے لیکن باوجود اس اقرار کے دیوبندیوں کا اس ادبچے فتوے کے نیچے آنا اسے گوارا نہیں ہے بلکہ اس کے ادبچے ہونے کا اقرار بھی اسی وقت تک ہے جب تک کہ دیوبندیوں کا نام درمیان میں نہ ہو۔

اگر دیوبندیوں کا نام درمیان میں آجائے تو پھر حرمین کا فتویٰ کیا؟ خود علماء حرمین بھی ادبچے نہیں رہتے وہ بھی نیچے ٹھہرائے جاتے اور باعتبار علم و فضل اور تقویٰ اشد و خشیتہ اشد۔ دیوبندی علماء کے مقابل میں ہیچ۔ حتیٰ کہ ناقابل فتویٰ بتائے جاتے ہیں جیسا کہ فتویٰ حسام الحرمین کو علماء دیوبند کے حق میں قبول نہ کرنے اور نہایت صریح و صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں علماء حرمین کی ہجو کر کے علماء دیوبند کے مقابلہ میں انہیں خلاف شرع و بے احتیاط اور روپیہ لے کر غلط فتویٰ لکھ دینے والے قرار دینے سے ظاہر ہے چنانچہ مولوی خلیل احمد و مولوی رشید احمد کی طرف منسوبہ کتاب البراہین القاطعہ کے صفحہ ۱۸، ۱۹ سے اس بیان کی کما حقہ تصدیق ہوتی ہے ان میں لکھا ہے کہ علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب گردش ہے اور کچھ دور نہیں جس مسلمان کا دل چاہے پشتم خود دیکھے کہ ظاہر لباس و سمیت موافق شرع کے رکھنے ہیں اور نماز کو باجماعت بخوبی ادا کرتے ہیں اور امر بالمعروف میں بشرط قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتویٰ پر رعایت غنی فقیر کی نہیں حتیٰ جواب دیتے ہیں اور جو ان کو کوئی متنبہ کسی خطا پر کرے تو بشرط صحت قبول سے کبھی دریغ نہیں۔ بس و چشم

معترف ہوتے ہیں یہ سب اوصاف واضح ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے امتحان کر لیوے اور یہی قبولیت و نداشت کا نشان ہے (صفحہ ۱۱۸ البیہرین الفاطعہ شروع سطر سے) یہ تو دیوبندی علماء کی مدح جو بلا استثناء تمام علماء کے لیے ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ دیوبندی علماء میں سے ایک بھی ان صفات سے خالی نہیں ہے اب ملاحظہ ہو علماء حرمین کی جو جو انہیں حضرات اکابر دیوبند نے اسی کتاب میں اسی صفحہ اسی مقام پر عبارات منقولہ سے بالکل متصل تحریر کی ہے۔

”اور علماء مکہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے جو نہیں گیا وہ ثقافت کے بیان سے مثل مشاہدہ جانتا ہے اور اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب کیونکہ اکثر وہاں متقی بھی ہیں اس حالت میں کہ لباس ان کا خلاف شریع اسباب آستین اور دامن کا چھتہ اور قمیص میں کرتے ہیں ریش اکثروں کی قبضہ سے کم نماز میں بے احتیاطی امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر انگوٹھی پھیلے غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دے کر جو چاہو لکھو الوائے ان کے عصیان اسے کوئی مطلع کرے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لے کر ابو طالب کو مومن لکھ دیا۔ خلاف روایات صحاح احادیث کے۔“

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بمقابلہ دیوبندی علماء کے یہ علماء حرمین کی تحقیر و تذلیل اور مذمت و بھوسہ یا نہیں اور اگر کسی کو اس کی کھلی کھلی جو ہونے میں ذرا بھی تامل ہو تو خود بھج کر نے والوں کا یہ اقرار کہ درحقیقت یہ بھوسہ اس کی تسلی کے لیے موجود ہے۔ چنانچہ صاحب عبارات نے منقولہ بالا عبارت کے آگے ہی لکھا ہے ”اور علیٰ ہذا کہاں تک لکھوں کہ طول ہے اور شرم بھی آتی ہے کہ بھجو علماء حرمین کی لکھوں مگر بنا چاری لکھنا پڑا پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علماء دیوبند کو علماء حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دے دی تو کون سا غضب کیا اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابل اعتماد ہو گا یا علماء حرمین کا یہ ہے دیوبندی صاحبوں کی نظر میں دیوبندی مولویوں کے مقابلہ میں علماء حرمین کی وقعت اور ان کے فتوے کے مقابلہ میں ان کے فتوے کی عظمت اور بات یہاں تک پہنچ کر بھی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ موافق منقولہ مشہور ہے۔

بلکہ جو کئی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے رہ جلتی ہے وہ ان کے روحانی فرزند و خلیفہ اور دیوبندیوں کے شیخ الہند جناب مولوی محمود حسن صاحب اپنے مصنفہ مشیہ میں پوری کر دیتے

ہیں چنانچہ فرماتے ہیں سے

پھر میں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کار ستمہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

جب کعبہ میں دیوبندیوں کے شیخ الہند کے نزدیک فقدان عرفانی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق و شوق عرفانی رکھنے والے ہیں ان کو گنگوہ کار ستمہ پوچھنے کے لیے مارا مارا پھرنا پڑتا ہے تا جو عرفانی کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا اور جس کا نام و نشان نظر نہ آیا تھا وہ گنگوہ پہنچ کر حاصل کریں کہ کعبہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے تو گنگوہ ہونی رشید احمد صاحب کا یہ ہے کعبہ شریف کے متعلق جو بیت اللہ سمجھا جاتا ہے موجودہ دور کے سب سے بڑے دیوبندی اور تمام دیوبندیوں کے مسلمہ شیخ الہند اور امام کا نقطہ نظر جو بیت اللہ کے متعلق نقطہ نظر یہ ہے تو بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کے متعلق جو کچھ ہو گا وہ محتاج بیان نہیں اب رہی مدینہ منورہ کی حالت تو اس کے متعلق موصوف الصدور دیوبندی شیخ الہند صاحب کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے فرماتے ہیں سے

تمہاری تربت اور کو دے کر طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار آرنی میری دیکھی بھی نادانی!

مختار مدعیہ نے دیوبندیوں کو علمائے حرمین کے فتویٰ کفر کی زد سے بچانے کے لیے مذکورہ بالا عذر کے بعد دوسرا عذر یہ پیش کیا ہے کہ علماء حرمین نے وہ فتوے واپس لے لیے۔ اس عذر سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ان فتوؤں کے دیوبندیوں کی بابت ہونے سے تو مختار مدعیہ کو بھی انکار کی گنجائش نہیں مل سکتی ہے۔ اور اتنا تو اسے بھی ماننا پڑا ہے کہ وہ فتوے دیئے تو دیوبندیوں ہی کے لیے گئے تھے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اب ان کا کوئی اثر باقی نہیں با کیونکہ علمائے حرمین نے وہ فتوے واپس لے لیے۔ بہت خوب؟ اب میں اس امر کی تحقیق شروع کرتا ہوں کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ فتوے درحقیقت علمائے حرمین نے واپس لے لیے تھے یا یہ بھی منجملہ اور مخالفوں کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ مذکور فتوؤں کے واپس لے جانے کے ثبوت میں رسالہ المہند پیش کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ علمائے حرمین نے پچیس^{۲۶} سوالات دیوبندیوں کے عقائد کی بابت دیوبندی بھیجے تھے جن کے جوابات دیوبندی سے لکھے گئے اور علماء حرمین نے ان جوابات کے صحیح اور مطابق عقائد اہلسنت ہونے کی تصدیق کر دی اور اس طرح وہ کفر کے فتوے جو علمائے حرمین کی طرف سے دیوبندیوں پر دیئے گئے اور حسام الحرمین میں چھپے تھے

واپس ہو گئے لیکن یہ بالکل غلط ہے اور وہ فتوے ہرگز واپس نہیں کیے گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جن سوالات کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ علماء حرمین شریفین نے اہل دیوبند کے عقائد کی تحقیقات کے لیے دیوبند بھیجے تھے وہ علمائے حرمین نے نہیں۔ بلکہ بعض دیوبندی مولویوں نے جو اس زمانے میں وہاں گئے ہوئے تھے۔ اس غرض سے بھیجے تھے کہ ان کے جواب اپنے دیوبندی عقائد کے خلاف اور اہلسنت والجماعتہ کے عقائد کے مطابق لکھ دیئے جائیں نا علمائے حرمین شریفین ان کو اپنے عقائد کے مطابق پا کر ان کی تصدیق میں اپنے اپنے دستخط اور مہر میں ثبت کر دیں۔ اور پھر وہ جوابات مع تصدیقات علمائے حرمین ہندوستان میں شائع کئے جائیں اور یہ مشہور کیا جائے کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ دھوکے سے دیا تھا کیونکہ دیوبندیوں کے مخالفوں نے غلط عقائد پیش کر کے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ دیوبندیوں کے عقائد ہیں لیکن جب علمائے حرمین کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ ہم کو دھوکہ دے کر فتویٰ لیا گیا ہے تو انہوں نے دیوبندیوں کے عقائد کی بابت سوالات لکھ کر دیوبند سے جواب طلب کئے۔ اور جب جواب دیکھے تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ دیوبندیوں کے عقائد صحیح ہیں اور اس پر دستخط اور مہر میں کر دیں پس ثابت ہو گیا کہ جو فتوے حاکم الامین میں چھپے تھے وہ غلط تھے اور ان کا اب کوئی اثر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سوالات بھیجے گئے اور پھر ان کے ایسے جوابات دیئے گئے جو دیوبندیوں کے خلاف اور اہلسنت والجماعتہ کے عقائد کے مطابق تھے اور کئی موقعوں پر دیوبندیوں کی کتابوں میں جو عبارتیں تھیں اور جن کی بنا پر پہلے علماء حرمین ان پر کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ تبدیل کر کے پیش کر دیں یعنی جو عبارتیں کتابوں میں تھیں وہ تو پیش نہیں کیں۔ بلکہ ان کی جگہ اور عبارتیں اہلسنت والجماعتہ کے عقائد کے مطابق اپنی طرف سے وضع کر کے پیش کر دیں پھر ان مخالف انگریجوں پر ہندوستان کے دیوبندی مولویوں سے تصدیقیں کرائیں کہ یہی ہمارے اور ہمارے اکابر کے عقائد ہیں۔ علاوہ اس کے ایک رسالہ وہابیوں کے عقائد کے رد میں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ جب ہم وہابیوں کا رد کرتے ہیں تو پھر ہم خود کہاں وہابی ہو سکتے ہیں لکھا گیا اور پھر علمائے حرمین کے سامنے حسب موقعہ کہیں مذکورہ سوالات اور کہیں وہ رسالہ رد وہابیہ پیش کر کے دستخط و مواہر حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ دستخط و مواہر اس طریقہ سے حاصل کیے گئے اور پھر وہ سب المہند میں نقل کئے گئے۔ اور تیس^{۲۳} مہر میں علامہ برزنجی کے رسالہ سے المہند میں اتاری گئیں۔ جو دیوبندیوں کے جواب پر نہیں تھیں بلکہ علامہ برزنجی کے ایک رسالہ پر تھیں اور المہند کے صلا پر درج ہیں اور یہ سب باتیں المہند سے ثابت ہیں۔

پہلی بات کا کہ سوالات مذکورہ علمائے حرمین میں سے کسی نے نہیں کیے بلکہ دیوبندی مولویوں میں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کسی نے بھیج دیئے تھے ثبوت یہ ہے کہ تیسویں^{۲۳} سوال میں مولوی رشید احمد صاحب گڑھی

کے لیے علامہ زماں کے الفاظ لکھے گئے ہیں یعنی سوال ان الفاظ میں کیا گیا۔ کہ کیا علامہ زماں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نعوذ باللہ بھوٹ بوتا ہے ” اور ظاہر ہے کہ وہ علمائے حریمین جو مولوی رشید احمد صاحب پر کچھ ہی مدت پہلے کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ از سر نو تحقیقات سے پہلے ان کو علامہ زماں نہیں لکھ سکتے تھے۔ پھر اکیسویں سوال کے جواب میں سوال کرنے والوں کو مخاطب کر کے یہ لکھا گیا ہے کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ وہیات و موضوع روایات بیان ہوتی ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جو ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں خوب دیکھے ہوئے تھے اور جو ابھی اچھی طرح سن چکے تھے کہ ان مجلسوں میں وہیات اور موضوع روایات بیان ہوا کرتی ہیں اور ایسے لوگ جو ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں شریک ہوں اور اردو زبان کی تقریروں میں وہیات اور موضوع روایات کا بیان ہونا معلوم کر لیں ہندوستانی مولوی ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ علماء حرم۔

پھر المہند کے صلاہ پر علامہ سید احمد صاحب برزنجی کی تحریر میں ان سوالات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ کسی عالم کی طرف سے صحیحے گئے تھے اور اس عالم کا نام ظاہر نہیں کیا گیا حالانکہ اگر علمائے حریمین نے وہ سوالات دیوبند کو بھیجے ہوتے تو برزنجی صاحب کو علم ہوتا مگر اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ان کا بھیجا جانا علامہ برزنجی صاحب کے علم میں تھا اور نہ مولوی خلیل احمد صاحب نے وہ رسالہ پیش کرتے وقت جن میں وہ سوالات اور ان کے جوابات تھے ان پر ظاہر کیا کہ سوالات کس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پس صرف اتنا ہی ظاہر کیا کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ علاوہ اس کے سوالات کے آخر میں بھی یہ امر ظاہر نہیں کیا گیا کہ سوالات بھیجنے والے کون حضرات ہیں اور یہ سب امور ثابت کر رہے ہیں کہ سوالات بھیجنے والے علمائے حریمین نہیں بلکہ دیوبندی مولوی صاحبان ہی تھے۔ دوسری بات یہ کہ سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ دیوبندی عقائد کے مطابق نہیں بلکہ عقائد اہلسنت کے موافق ہیں یہ ثبوت ہے کہ المہند موجود ہے دیکھ لی جائے بلا استثناء ہر سوال کے جواب کی یہی حالت ملے گی۔

نمونہ کے طور پر چند جوابوں کے متعلق میں عرض بھی کرتا ہوں۔ بارہواں سوال یہ تھا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون۔۔۔۔۔ مال اور ابرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ خوارج ایک جماعت ہے شرک والی جس نے امام پر چڑھائی کی تھی اس سے آگے چل کر والمختار، علامہ شامی سے نقل کیا جیسا کہ ہماری زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکلا حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے کو حنبلی

مذہب بتاتے تھے۔ مگر عقیدہ ان کا یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔ پھر لکھا کہ عبدالوہاب اور اس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے کسی سلسلہ مشائخ میں نہیں ہے۔

اس جواب سے یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ وہابیوں کے عقیدوں سے سخت بیزار ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو خارجیوں کی طرح سمجھتے اور تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دینے والا جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ جواب حقیقت کے بالکل ہی خلاف ہے اور عبدالوہاب کے متعلق دیوبندیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ اور یہ عقیدہ تو سنی حنفی حضرات کا ہے۔ جو دیوبندیوں نے علماء حرمین کو مخالف سے کر ان سے اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے اپنے عقیدے کی جگہ پیش کر دیا ہے ورنہ خود ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ نہایت عمدہ ہے اور عقائد میں دیوبندی اور وہابی سب متحد ہیں۔ ہاں اعمال میں کچھ فرق ہے وہ بھی ایسا ہی جیسا کہ حنفی۔ شافعی اور مالکی جنسلی میں ہے۔

چنانچہ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا اور امام جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ جلد اول ص ۱۱۹ مطبوعہ مجدد برقی پریس میں فرماتے ہیں :

”محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد دیکھا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی مالکی جنسلی کا ہے۔“

یہ وہ وہابیوں اور ان کے عقائد کے متعلق دیوبندیوں کا عقیدہ اور اسی وجہ سے کہ وہ وہابیوں کے عقیدوں کو عمدہ بتاتے اور ان کے ساتھ عقائد میں متحد ہیں۔ وہابیہ دیوبند کہلاتے ہیں۔ لیکن علمائے حرمین کے سامنے اس کے بالکل برخلاف پیش کر دیا کہ ہم محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیرو وہابیوں کو خارجیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔

اور اسی پر علمائے حرمین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح اور اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق ہے تو اس فتویٰ سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں کے عقیدے کو عقیدہ اہلسنت کے مطابق قرار دیا اور وہابیانہ عقائد کی وجہ سے جو کفر کا فتویٰ حسام الحرمین میں ان پر دیا تھا وہ اٹھایا ہے انیسواں سوال یہ تھا۔ کیا تمہاری رائے ہے کہ طعون شیلطان کا علم سید انکسنت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے۔ اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا کیا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم

علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے۔

لیکن جو میاں خلیل احمد صاحب اُلٹھی نے یہ جواب دیا ہے۔ وہی نہایت جسارت سے اپنی کتاب براہین قاطعہ کے ص ۱۱۱ میں یہ لکھ چکے ہیں کہ ”شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو موقوف قطعہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سے ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نقص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“

اس عبارت میں شیطان و ملک الموت کو علم محیط زمین کا حاصل ہونا اور ان کی یہ وسعت علم آیت سے ثابت مانی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محیط زمین اور آپ کی وسعت علم کے متعلق کسی آیت کی موجودگی سے انکار کیا ہے اور اہلسنت وجماعت سے پوچھا ہے کہ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی سے یعنی کوئی بھی نہیں ہے شیطان و ملک الموت کے لیے تو علم محیط زمین کا تسلیم کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم محیط زمین کے تسلیم کرنے کو شرک قرار دیا ہے اور یہی وہ عقیدہ تھا جس کی وجہ سے علمائے حریم نے دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اب علمائے حریم کے سامنے براہین قاطعہ کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے خلاف یہ لکھ دیا گیا کہ جو شخص نبی کریم علیہ السلام کے علم سے کسی کے علم کو زیادہ بتا دے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی عبارت بڑھادی گئی جس کا براہین قاطعہ میں کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ اگر اس جواب کو علمائے حریم نے صحیح اور درست کہا اور عقائد اہلسنت کے موافق بتایا تو اس سے دیوبندیوں کے عقیدے کو صحیح اور درست بتانا کہاں ثابت ہوا اور جو فتویٰ کفر کا ان پر حسام الحرمین میں دیا تھا۔ اس کا واپس لے لینا کس طرح لازم آیا۔ کیونکہ المہندتو علمائے حریم نے اہلسنت کے اس عقیدے کی تصویب و تصدیق کی ہے نہ کہ دیوبندیوں کے عقیدے کی جو براہین قاطعہ ص ۱۱۱ کی عبارت سے ثابت ہے۔

بیسوا سوال یہ تھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم زید بکر اور چو پاؤں کے علم کے برابر ہے یا اس قسم کے خرافات سے تم بری ہو اور مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ حفظ الایمان میں یہ مضمون لکھا ہے یا نہیں اور جو یہ عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک افتراء اور جھوٹ ہے کہ کلام کے معنی بدلے اور مولانا کی مراد کے خلاف ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک ایسی عبارت اپنی طرف سے لکھ کر اسکو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

کی عبارت کا حاصل بتا دیا ہے اور پھر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے نام سے یہ عبارت پیش کی ہے۔ پھر یہ کہ حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول زید صحیح ہو تو ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے یعنی غیب کا ہر فرد یا بعض غیب کوئی غیب کیوں نہ ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی۔ کیونکہ بعض غیب کا علم اگرچہ مقصوراً ہے۔ زید و عمر بلکہ ہر بچہ اور دیوانے بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی کسی ایسی بات کا علم ہے کہ دوسرے کو نہیں ہے تو اگر مسائل کسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق بعض غیب کے جاننے کی وجہ سے جائز رکھنا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس اطلاق کو مذکورہ بالا تمام حیوانات پر جائز سمجھے اور اگر مسائل نے اس کو مان لیا تو یہ اطلاق کمالات نبوت میں سے نہیں رہا۔ کیونکہ سب شریک ہو گئے۔ اور اگر اس کو نہ مانے تو وجہ فرق پوچھی جائے گی اور وہ ہرگز بیان نہ ہو سکے گی۔ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا۔

بڑی دلیر جی سے یہ عبارت مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی عبارت بتائی گئی ہے اور خاتمہ پر نہایت جسارت سے لکھا گیا ہے کہ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا پھر علمائے حریمین سے کہا وہ کہ خلافت پر رحم فرمائے ذرا مولانا کا کلام ملاحظہ فرماؤ۔

بدعتیوں کے جھوٹ کا کہیں پتہ بھی نہ پاؤ گے اور اس قول میں نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جو عبارت پیش کی گئی ہے وہ بلفظہا حفظ الایمان میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بالکل دروغ بے فروغ ہے اور حفظ الایمان میں عبارت مندرجہ بالا ہرگز موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف اس میں یہ عبارت ہے۔ ”آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

اور حدیث حفظ الایمان کے اسی مضمون کی عبارت ہے جس کے متعلق تمام سنی علماء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ اس میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دہلوی نے علم غیب کی دو قسمیں کی ہیں علم کل اور علم بعض۔ پہلی قسم یعنی غیب کے علم کل کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے نفی کر دی ہے۔ دوسری قسم یعنی علم بعض غیب تو یہ حضور کے لیے ثابت مانا ہے۔ مگر اسی علم بعض غیب کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے مانا ہے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ یہ صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بچوں۔ دیوانوں اور جانوروں

کے علم کے برابر بتانا ہے علمائے حریمین کے فتویٰ کے بموجب جو اسناد درجہ کافر ہے اور علماء ہند و عرب بالخصوص علمائے حریمین نے اسی وجہ سے بھی دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب انٹھی دیوبندی نے اپنے جواب میں حفظ الایمان کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی جو میں نے نقل کی ہے اور جس پر علمائے حریمین وغیرہ نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک عبارت گھڑ کر پیش کر دی کہ حفظ الایمان میں یہ عبارت لکھی ہے پس مولوی خلیل احمد کی گھڑی ہوئی عبارت پر علمائے حریمین نے جو رائے ظاہر کی وہ مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان کے کفریہ مضمون کی بابت نہیں ہو سکتی اور اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حفظ الایمان کے مضمون کی بنا پر علمائے حریمین نے حسام الحرمین میں دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ واپس لے لیا ہے۔ کیونکہ علمائے حریمین کا فتویٰ کفر تو حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق تھا۔ نہ کہ اس عبارت کے متعلق جو مولوی خلیل احمد نے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کی ہے۔

ایک سوال سوال: مجلس مولود شریف یعنی ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا کہ تم اس کو ٹھہرا قبیح اور بدعت بیستہ اور حرام سمجھتے ہو یا کچھ اور۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حاشا ہم تو کیا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر ملکہ آپ کی جوتیوں کے بخارا اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح و بدعت بیستہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا سا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز اور نشت و برخاست اور بیداری خواب کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے رسالہ براہین قاطعہ میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتاویٰ میں مسطور ہے۔

پھر اس کی تائید میں مولوی احمد علی صاحب سہانپوری کے فتوے کی عبارت اس ذکر کے ساتھ درج کی ہے کہ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجلس شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقہ سے ناجائز تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجہہ سے خالی ہوں۔ ان کیفیات سے جو صحابہ کرام اور اہل قرون ثلاثہ کے طریقہ کے خلاف نہ ہوں۔ جن کے خیر ہوئے شہادت حضرت نے دی ہے ان عقیدوں سے جو شرک و بدعت کے موہم نہ ہوں اور ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرۃ کے مخالف نہ ہوں جو حضرت کے ارشاد مانا علیہ و اصحابی کی مصداق ہے ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں بدبخی و برکت ہے بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدے سے کیا جائے کہ یہ بھی منجملہ دیگر افکار حسنہ کے ذکر حسن ہے۔ کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں

پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا الخ۔

مولوی احمد علی صاحب کا یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد مولوی خلیل احمد دیوبندی انبٹھی لکھتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ ہم ذکر ولادت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ وہ ایسات و موضوع روایات بیان ہوتی ہیں۔ مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے چراغوں کے روشن کرنے اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے۔ اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہو اس پر طعن و تکبر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ادر منکرات شریعیہ ہیں جن سے شائد ہی کوئی مجلس میلاد خالی ہے۔ پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہے تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قول شیخ کا کسی مسلمان کی طرف کیونکر گمان ہو سکتا ہے۔ پس ہم پر یہ بہتان بھوٹے ملحد جالوں کا افترا ہے۔ المہند ص ۲۳، ۲۵۔

اس جواب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کا مخالفت ہونا اور اس کو قبیح و بدعت یا حرام کہنا تو کیا معنی۔ دیوبندی تو آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کے تذکرے کو بھی قبیح و بدعت یا حرام نہیں کہتے۔ اور جن حالات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذرا سماجی تعلق ہو۔ وہ دیوبندیوں کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و بلاذ وغیرہ کا تذکرہ اور اپنے اس خیال کی تصدیق کے لیے دو تحریریں پیش کی ہیں ایک وہ فتویٰ جو اس سوال کے جواب میں کہ مجلس میلاد شریف کس طریقہ سے ہونی چاہیے۔ مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے دیا ہے اور دوسری براہین قاطعہ جس میں متعدد جگہ اپنے عقیدہ مذکورہ کے مسطور ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اب میں یہ دکھانے کے لیے کہ اس معاملہ میں درحقیقت دیوبندیوں کا عقیدہ کیا ہے، ان کی مسلمہ کتب کی طرف متوجہ ہونا اور سب سے پہلے براہین قاطعہ ہی کو لینا ہوں۔

اس کے صفحہ ۱۴۸ میں مجلس میلاد شریف اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر آنے کے وقت قیام کرنے یعنی کھڑے ہو جانے کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ درج کیا گیا ہے اور اس قیام کے متعلق تو یہ بتایا ہے کہ اگر وہ اس لیے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح دنیا میں آئی ہے تو قیام معاذ اللہ کنھیا کے سوانگ کی طرح ہے۔ جو ہنود دہر سال بناتے ہیں اور ایک ہندوئی خرافات ہے اور حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق ہے اور ایسا کرنے والے کنھیا کا سوانگ بنانے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں اور پھر قیام کے متعلق کئی صورتیں قائم کر کے لکھا ہے۔

”الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت و منکر اور دوسری صورت میں حرام و فسق اور تیسری

صورت میں کفر و شرک اور چھٹی صورت میں اتباع ہوا اور کبیرہ ہوتا ہے یہ فتویٰ تو قیام کے متعلق تھا اور مجلس مولود شریف کو مجلس پر اثر اور معاصی وغیر مشرکات، مجمع فساق و فجار اور محض بدعات و شرور لکھا ہے اور مجلس میلاد شریف منعقد کرنے والوں کو مبتدع فاسق و فاجر و مرتکب حرام و کفر و شرک قرار دے کر آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانے کی بدعت و منکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کے نہیں ہو سکتی۔ المراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی علماء حرمین کے سامنے جو جواب پیش کیا گیا ہے۔ اس میں تو آنحضرت صلعم کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہنے سے نفرت و بیزاری اور اس سے اپنی بریت ظاہر کی گئی ہے۔ اور اس کی تصدیق و تائید کے لیے براہین قاطعہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور براہین قاطعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو نہیں بلکہ جس مجلس میں خود حضور کا ذکر و ولادت شریف کیا جائے۔ اس مجلس کو بحیثیت مجموعی معاذ اللہ کنیسا کا سوانگ اور حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق قرار دیا ہے اور اس کے منعقد کرنے اور شریک ہونے والوں کو مجمع فساق و فجار کہا اور کفار سے بدتر ٹھہرایا ہے اور قیام کو حرام و فسق اور کفر و شرک تک پہنچایا ہے اور بالآخر مجلس ذکر میلاد شریف کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور دیوبندی صاحبوں کے اس جواب میں جو علماء حرمین شریفین کے سامنے پیش کیا ہے اور اس بیان میں جو براہین سے میں نے نقل کر دیے ہیں۔ جو فرق ہے وہ ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

لیکن اس کے متعلق ایک عذر ناواقفوں کو مخالطہ دینے کے لیے کیا جاتا ہے کہ مجلس ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کی گئی ہے۔ اس کو حرکت قبیحہ قابل لوم اور کنیسا کا سوانگ نہیں کہا ہے اس کی عینیت نہیں کی ہے اور وہ شرعاً ناجائز نہیں بتائی گئی ہے۔ بلکہ اس میں جو غیر مشروع باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب ان کے متعلق اور ان کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یہ عذر بڑی کثرت سے پیش کیا جا چکا ہے اور برابر۔ پیش کیا جاتا ہے۔ مگر فی الحقیقت اس کی بھی اصلیت نہیں ہے۔ اور یہ بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اگر مجلس ذکر میلاد شریف میں کوئی بات بھی غیر مشروع نہ ہو اور وہ بالکل اس طریقہ سے کی جائے جس طریقہ سے دیوبندی صاحبوں کے مسلم مقتدا مولوی حاجی شاہ امداد اللہ صاحب یا اور بزرگان دین کرتے رہے ہیں۔ تو بھی ان حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کے لیے میں مسلم مقتدا و پیشوائے دیوبندی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ پیش کرتا ہوں۔

سوال کیا گیا کہ مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود و عرس کیا کرتے تھے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب پوری توجہ کے بعد جواب ملاحظہ ہو۔ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں۔

جواب

۱۔ ”عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو۔ مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی ہے۔ لہذا اس زمانے میں درست نہیں۔ وعلیٰ ہذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیاء کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے“ فقط رشید احمد لنگوہی عنی عنہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۹۲۔

۲۔ پھر سوال کیا گیا کہ انعقاد مجلس میلاد بدوں قیام بروایات صحیحہ بھی درست ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں :

”انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔“ فقط

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۸۳

۳۔ پھر سوال کیا گیا ہے محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف و گزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے۔

اس کا جواب مولوی صاحب نے صاف یہ دیا ہے کہ ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔

و فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۱۵

اب ان تمام فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ مولود دیوبندیوں کے نزدیک ہر حال میں ناجائز ہے۔ لیکن المہند میں صریح اس کے خلاف لکھا گیا ہے۔ پس علماء حرمین کا جو فتویٰ دیوبندیوں پر فحشہ اپنی صورت پر باقی رہا۔ اور جو عذر مختار مدعیہ نے پیش کیا تھا۔ کہ ہم پر فتویٰ تو لگا یا گیا لیکن وہ علماء حرمین نے واپس لے لیا تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے بالکل غلط ثابت ہوا اور علماء حرمین کے نزدیک وہ ان عقائد کی بنا پر جو ان کے مقتداؤں کی کتابوں میں موجود ہیں کافر ہوئے اور کافر بھی ایسے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ لہذا ان کی شہادتیں مفدہ ہذا میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں بلکہ رو کرنے کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ علماء اسلام سے نہیں ہیں۔

۳۵ گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب

مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر تنقید کرتے ہوئے گواہ سا کے متعلق کہا ہے کہ اس نے یکم مارچ کو مختار مدعیہ کے سوال بجز کے جواب میں کہا کہ سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر میری نظر سے نہیں گذرا جو اس وقت تک شائع ہوا ہے اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کو مسلم ہے کہ حکم کسی پر اس وقت لگایا جائے گا جب کہ اس کی تصنیفات سے آگاہی

حاصل ہو۔ لہذا مرزا صاحب کے مسلمان ہونے کے بارے میں ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ کسی کا اسلام ثابت کرنے کے لیے سب باتوں کا علم ہونا چاہیے اور چونکہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لیے ایسا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے سلسلہ احمدیہ کی تمام کتابوں سے ناواقفیت کا اعتراف گواہان مدعیہ پر عائد نہیں ہو سکتا۔

جواب

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کی عبارت محرف کر کے پیش کی ہے اور اس سے یہ مطلب نکالنا چاہا ہے کہ گویا گواہ مذکور کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے واقفیت کا انکار ہے لیکن یہ مختار مدعیہ کا صریح مخالف ہے جو اس نے عدالت کو دینا چاہا ہے مدعا علیہ کے گواہ نے جو کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس وقت تک جس قدر لٹریچر شائع ہو چکے ہیں وہ سب کا سب میری نظر سے نہیں گزرا۔“

اور ظاہر ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام لٹریچر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے علاوہ دوسرے بہت سے احمدی مصنفین کی کثیر التعداد کتب اور جرائد اور جلدات سب شامل ہیں جن کا پڑھنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے پیروں کا اسلام ثابت کرنے کے لیے ہرگز ضروری نہیں۔ بلکہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا پڑھ لینا کافی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مدعا علیہ کے اسلام ثابت ہونے کا دار و مدار حضرت مسیح موعود کی کتب پر ہے اور مدعا علیہ انہی معتقدات کا پابند ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تھے اور جو قرآن مجید و احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہیں۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ کسی کے عقیدے کو کفر یہ عقیدہ یہ ثابت کرنے کے لیے اس کی تمام تصانیف کا دیکھا جانا ضروری نہیں قطعاً باطل ہے کیونکہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی مبہم یا ذوالوجہ عبارت غلط فہمی کا موجب ہو اور خلاف منشا متکلم معنی لے لینے کی وجہ سے موجب کفر سمجھ لی جائے۔ حالانکہ درحقیقت وہ موجب کفر نہ ہو۔ پس کسی کے کلام کو موجب کفر قرار دینے کے لیے بہت بڑی ضرورت ہے کہ اس کے ماسبق والی خبریں بھی خوب غور سے نظر کی جائے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہ کر کے اس کی دوسری تصانیف بھی اچھی طرح دیکھ لی جائیں تا اس امر کے متعلق کہ درحقیقت اس کے کلام کا مطلب اور اس کا عقیدہ کیا ہے۔ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے اور کسی کے متعلق کفر جیسے نازک اور خطرناک امر کی بابت رائے دینے میں غلطی نہ ہو جائے۔ مختار مدعیہ کا اس کے خلاف بیان کرنا اور جس کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا ہو۔ اس کے اسی کلام کی بابت جو موجب کفر معلوم ہوتا ہو یہ تحقیق کرنے کے لیے کہ درحقیقت وہ موجب کفر ہے بھی یا نہیں اس کی اور تصانیف کے دیکھنے کو غیر ضروری بتانا عقل و انصاف کے خلاف ہونے کے علاوہ گواہ مدعیہ کے بیان پر بھی پانی پھیر دینے والا ہے۔ کیونکہ

اس نے ۲۸ اگست کو بحوالہ جرح یہ اصل بیان کیا ہے۔

”ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کرایا جائے اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کردینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔“

اور واضح رہے کہ فتویٰ دینے کے بارے میں گواہ مدعیہ مل کا قول بہ نسبت مختار مدعیہ کے قول کے زیادہ معتبر اور ماننے کے قابل ہے کیونکہ گواہ مدعیہ مل بلفول اس کے دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہیں اور مختار مدعیہ ایک معمولی آدمی ہے جو کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں ہے۔ پس کسی کے عقیدے کو کفر یہ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا ماسبق و مالحق اور اس کی دوسری تصانیف کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ لیکن گواہان مدعا علیہ مل نے بحوالہ جرح اقرار کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح نو بود علیہ السلام کی کتب کا سوائے ان عبارات کے جو پراختر ارض کئے اسے مطالعہ نہیں کیا۔ اور یہ صورت ایسی ہے کہ ان کی شہادت کو قابل التفات نہیں رہنے دیتی۔

(۲)

دربارِ معلیٰ کی توہین

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مدعا علیہ کے گواہ مل نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ گواہان مدعیہ نے فتویٰ تکفیر کی بنیاد بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے اور اس میں دربارِ معلیٰ کی صریح توہین ہے۔

”ممولوی صاحب موصوف نے بطور دلائل کئی ایک آیات قرآن شریف پیش کیں جن میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ الجامعہ کی شہادت کے متعلق دربارِ معلیٰ کی مذکورہ بالا رائے ایک طرف رائے ہے جو قانوناً کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ دربارِ معلیٰ میں مدعا علیہ کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اُسے اس پر جرح کا موقعہ دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ مدعا علیہ کی طرف سے ایک عالم جرح کے لیے پیش بھی ہوئے۔ مگر دربارِ معلیٰ نے اسے جرح کرنے سے روک دیا۔ ان حالات میں دربارِ معلیٰ کی مذکورہ بالا رائے قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مختار مدعیہ مل کے مذکورہ بالا قول کو دربارِ معلیٰ کی توہین کا موجب بتانا اپنے آپ کو مدعیہ مسست گواہ چسٹ کی مثل کو اصلی کر دکھانا ہے۔ کیونکہ دربارِ معلیٰ خود بھی اپنی رائے کو ایک طرف سمجھتے ہوئے قطعی نہیں فرار دیتا۔ چنانچہ نقلی تجویز اجلاس خاص منقذہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۱ء منظور شدہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے

دو گروہم اس مقدمہ کو فیصلہ کرنے کے لیے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جب تک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لیے ہمارے خیال میں یہ مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقوفہ دینا چاہیے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالتقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔

اور جب مدعا علیہ کی طرف سے ان تمام دلائل کو جو گواہان مدعیہ اور شیخ الجامعہ نے اس امر کے اثبات میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ غلط ثابت کر دیا اور بتا دیا گیا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت اور صحاح میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس سے یہ نکلتا ہو۔ کہ جس قسم کی نبوت کا مدعا علیہ قائل ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے اور گواہان مدعیہ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش نہیں کر سکے جس میں مدعا علیہ کے موافق عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔ بلکہ اس کو کافر ثابت کرنے کے لئے علماء کے قول پیش کئے گئے تو گواہ مدعا علیہ ملے گا یہ کہنا کہ فتوایٰ تکفیر کی بنیاد علماء کے اقوال پر رکھی گئی ہے۔ بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانیوں میں ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ کا یہ عقیدہ :

”کہ میں خدا تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو الہامی مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور توسل اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں ان پر وحی الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوتے تھے۔ ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء“

قرآن مجید اور حدیث کی رو سے بالکل درست ہے اور ائمہ سلف صالحین نے یا تو ایسی نبوت کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ نہ ہو بلکہ آپ کے اتباع میں ملے سکوت اختیار کیا ہے یا اس کے ملنے کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے۔

پس محتار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ملے پر مذکورہ بالا اعتراض بالکل باطل ہے۔

عدالت میں شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی شہادتیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ ان دونوں کی شہادتوں میں دہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو دوسرے گواہان مدعیہ نے بیان کی ہیں اور انہوں نے جو باتیں بیان کی ہیں گواہان مدعا علیہ نے ان کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ اس لیے شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی گواہیاں باطل اور

ناقابل التفات ہو گئیں اور ان کے متعلق علیحدہ جرح کی ضرورت نہ رہی۔

(۳)

گواہ مدعا علیہ مل کی معلومات پر بحث کا جواب

- ۱- مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ مل پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اس کی معلومات ناقص ہیں۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ مل نے البحر الرائق سے بہت سی عبارات نقل کی ہیں، رمارچ کو جب البحر الرائق کا اصول تکفیر دریافت کیا گیا۔ تو لا علمی ظاہر کی اور
 - ۲- فتوحات مکیہ کے متعلق یکم مارچ کو جواب جرح کہا۔ کہ میں نے بالاستیعاب یعنی پوری کی پوری نہیں پڑھی ہے اور اس طرح منصب امامت اور اشارات فریدی کے متعلق بھی کہا ہے۔
 - ۳- اور ہدیہ مجددیہ اور جامع الشواہد اور ہجو نچال پر لشکر و جال کے مصنفین کے نام نہ بتائے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے جو علماء کی شہادت کے قبول نہ کرنے کے متعلق صیوٹ کا حوالہ دیا تھا۔ اس کی بابت کہا کہ میں نے بسوٹ نہیں دیکھی۔
- مختار مدعیہ کی یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو گواہ مل کی شہادت پر ایک سر مو بھی اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ پہلی اس لیے کہ وہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ مل نے، رمارچ کو جواب جرح اس کا جواب دیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔
- دلیکن بحر الرائق میں یہ لکھا ہے۔ کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا۔ اور اگر کسی کے کلام کا محل حسن نکل سکے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے لیکن باوجود اس کے مولیوں نے اس کے خلاف فتوے دیئے ہیں۔“
- دوسری اس لیے کہ فتوحات مکیہ اتنی ضخیم کتاب ہے کہ جس فرض سے گواہ مدعا علیہ مل نے اس کا مطالبہ کیا تھا اس غرض کے لیے اسے بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں تھا۔
- دوسری کتابوں کے متعلق یہ جواب ملے کہ ان سے جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان کے خلاف ان کتب میں کوئی عبارت نہیں ہے جس سے پیش کردہ عبارت کے مفہوم میں فرق آسکے۔ اس لیے ان کتابوں کا بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں ہے۔
- گواہ مدعا علیہ مل نے ہدیہ مجددیہ کے متعلق جو سوال تھا اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ان کا مذہب مجھے

اس لحاظ سے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے آپ کو کس فرقہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے کتاب کی غرض خود بیان کر دی ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف کا نام کتاب پر لکھا ہوا ہے اس وقت مجھے یاد نہیں۔

اور مختار مدعیہ نے جامع الشواہد کے مصنف کے متعلق جو جواب گواہ مدعا علیہ مدعی کی طرف منسوب کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس کا جواب جو ۱۲ مارچ کی جرح میں درج ہے یہ ہے۔

”کہ جامع الشواہد اور بھونجال بر لشکر دجال کے مصنفین کے متعلق ان کی کتابوں سے معلوم ہوسکے گا۔

کہ وہ مقلدین تھے یا غیر مقلدین۔“

علاوہ ازیں بیسیوں کتابوں میں سے جن کا شہادت میں ذکر آیا ہے کسی کتاب کے مصنف کا نام بھول جانے سے گواہ کی معلومات پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن گواہ مدعیہ مدعا کا جو بقول دارالعلوم دیوبند کے مفتی بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل امور سے عدم علم کا اظہار کرنا ان کے معلومات کو ضرور ناقص ثابت کرتا ہے۔

- ۱۔ ۲۱ اگست کو بجواب جرح کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ دیوبندیوں نے بھی کسی کو احمدیوں کے سوا کافر کہا ہے یا نہیں۔
- ۲۔ مسئلہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ اور مجھے علم نہیں کہ قرآن شریف کے مقابلہ میں کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہیں۔
- ۳۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری۔ امام نسائی۔ سید عبدالقادر جیلانی۔ شیخ محی الدین ابن عربی پر علماء کے فتوے لگانے کا مجھے علم نہیں۔

اسی طرح گواہ مدعیہ مدعا نے ۲۲ اگست کو بجواب جرح کہا مسلم کے دونو شمار حین کو میں نہیں جانتا۔ اور اسی طرح گواہ مدعا نے ۳۱ اگست کو بجواب جرح کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کس سن میں فتویٰ دیا اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم النبیین میں خاتم کے معنی ہبر کے کس نے کئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم الاولیاء مرزا صاحب نے لکھا ہے یا نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود اس کے گواہوں پر پڑتا ہے۔

گواہ مدعا علیہ مدعی کے جوابات میں تعارض کا رد

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ مدعی پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ وہ اپنے بیان میں مکر یا ہے اور اس کے جوابات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

(۱)

مختار مدعیہ نے پہلا تعارض یہ بیان کیا ہے کہ ۹ مارچ کو جواب جرح اس نے اجماع کے متعلق کہا۔ کہ کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت بلا استثناء اجماع کرے اور پھر یہ جواب دیا کہ امت کے مسلمہ اکابر اور بزرگ اسے مانتے چلے آتے ہوں۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :

”اگر کسی منصوص مسئلہ پر تمام کی تمام امت بغیر استثناء کے اجماع کر لے تو اس کا ماننا ضروری ہے ہمارے نزدیک اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ امت کے تمام بزرگ اور مسلم اکابر اس کو مانتے چلے آئے ہوں۔“ دیکھو جواب جرح ۹ مارچ ۱۹۳۳ء۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے۔ پہلے قول میں ”تمام امت بلا استثناء“ کے الفاظ تھے اور دوسرے میں اس کی تفسیر کر دی کہ ”تمام امت بلا استثناء“ اجماع کرنے سے امت کے اکابر تمام بزرگ اور مسلمہ اکابر کا مان لینا مراد ہے۔ اس میں تعارض بتانا مختار مدعیہ ہی کا کام ہے۔

(۲)

گواہ نے ۹ مارچ کو جواب جرح کہا۔ کہ اشارات فریدی جلد سوم خواجہ محمد بخش صاحب نے مولوی رکن الدین سے سبقاً سبقاً سنی اور ۱۲ مارچ کو جواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی پس دونوں بیان میں تعارض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”میں نے جو پہلے لکھوایا ہے کہ اشارات فریدی جلد سوم جس سے حضرت مرزا صاحب کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش کی گئی ہے۔ خواجہ محمد بخش صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور اس کی تصحیح

فرمائی یہ صحیح نہیں بلکہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور تصحیح کی ہے۔“

کیا اس جواب کو پڑھ کر کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ گواہ کے بیان میں تعارض ہے۔ ہرگز نہیں! کیونکہ

گواہ نے خود ہی غلطی دور کر دی اور پہلے جواب کی تصحیح کر دی ہے۔

(۳)

گواہ مدعا علیہ نے ۱۱ مارچ کو جواب جرح کہا کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے

بعد احمدی مسلمان ہے اور گواہ ملے گا یہ جواب مرزا محمود احمد صاحب کے اس قول سے کہ جو بیعت میں داخل نہ ہو وہ احمدی نہیں ہے مناقض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جو شخص تین مہینے تک چند ہندو سے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا۔ لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔“

(ملاحظہ ہو جواب جرح ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء)

اور اس میں برلے نام بھی تناقض نہیں تھا۔ کیونکہ نظام جماعت سے خارج کر دیا جانا اور بات ہے اور احمدیت سے خارج کر دیا جانا اور بات۔ لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تناقض نظر آتا ہے حالانکہ اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۴)

گواہ مدعا علیہ ملے نے ۲ مارچ کو اقرار کیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہیں اور نبی کسی مشرک کا نہ عقیدہ پر نہیں ہو سکتا لیکن براہین میں آپ کو مسیح کہا گیا اور آپ (حیات مسیح) مشرک کا نہ عقیدہ پر قائم رہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جس وقت مرزا صاحب مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق حیات مسیح مانتے تھے۔ اس وقت

تک آپ نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مسیح موعود نبی ہیں لیکن اس وقت تک (یعنی براہین

کے زمانہ تک) آپ پر حقیقت نہ کھلی تھی“ (ملاحظہ ہو اعجاز احمدی ص ۷)

اور حیات مسیح کے عقیدہ کے مشرک کا نہ عقیدہ ہونے سے جو مراد ہے اس کی بحث ہو چکی ہے۔ پس یہاں

بھی گواہ کے جواب میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ ملے نے جواب جرح کہا۔ بخاری کی حدیثیں بھی بشرط موافقت قرآن معتبر ہیں۔ حالانکہ

گواہان اور مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔ سب حدیثوں سے صحیح بخاری کی حدیثیں ہیں۔

(۶)

گواہ مدعا علیہ ملے، راپرچ کو بجواب جرح کہا کہ اگر کوئی حکم بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہوتا تو کوئی جرح نہیں اور گواہ کا یہ قول ازالہ ادہام ۲۳ کی اس عبارت کے خلاف ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ بذریعہ جبرئیل وحی نازل ہو۔ تو یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جبرئیل کے ذریعہ سے نئے احکام اور نئی شرعی وحی بند ہے۔ اگر ایسے نبی پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہو کوئی حکم شریعت محمدیہ کا بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہوتا تو اس میں کوئی جرح نہیں۔“

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہ کتاب ازالہ ادہام میں ایسے نبی پر جس کا گواہ ملے کے جواب میں ذکر ہے وحی بذریعہ جبرئیل کے نزول سے انکار نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہاں مستقل ثبوت کا ذکر ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو ماننے سے لازم آتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مدعا علیہ ملے کے بیان میں کوئی تناقض نہیں۔

(۷)

گواہ مدعا علیہ نے، راپرچ کو بجواب جرح کہا ہے۔ کہ اولیاء اور انبیاء دونوں پر ایک قسم کی وحی ہو سکتی ہے اول تو یہ بد اہتمہ باطل ہے۔ لیکن گواہ نے بحوالہ علم الکتاب تسلیم کیا ہے۔ کہ وحی کا لفظ ولی کے اہام پر اطلاق نہیں پاسکتا۔

جواب :

اگر مختار مدعیہ کا مقصود عدالت کو مخالفت نہ دینا ہوتا۔ تو گواہ مدعا علیہ ملے کے الفاظ اس کو اس اعتراض سے باز رکھنے کے لیے کافی تھے۔ چنانچہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :

”میرے نزدیک جو وحی انبیاء کو ہوتی ہے۔ وہی وحی اولیاء کو بھی ہو سکتی ہے لیکن فرق کیفیت اور کیفیت میں ہے اور صوفیہ نے نبیوں کی حق کو بھی کہا ہے اور دوسرے اولیاء کی وحی کو وحی اہام اور کبریت احرصنا حاشیہ العواقب الجواہر کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ وہ فرشتہ کی زبان پر بھی ہو سکتی ہے۔“ ملاحظہ ہو جواب جرح، راپرچ۔

اور گواہ مدعا علیہ ۲۱ اگست کو بجواب جرح بحوالہ فتوحات تسلیم کر چکا ہے کہ اولیاء امت کو انبیاء کی

طرح دہی ہوتی ہے اور فرق تشریح اور غیر تشریح کا ہے۔
 گواہ مدعا علیہ مل کے ان الفاظ کی موجودگی میں اور گواہ مدعیہ مل کے اقرار کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کے مذکورہ
 بالا اعتراض کی جہاں تک گنجائش ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن وہ ان الفاظ کی موجودگی میں بھی اعتراض سے باز نہ رہ
 سکا۔ کہ علم الکتاب میں بھی اسی اصطلاح کے مطابق اولیاء کی وحی کو اہام کہا گیا ہے۔

(۸)

گواہ مدعا علیہ مل نے کہا ہے کہ نعمت اللہ ولی پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار نہیں ہوا اس کے لئے نبی
 نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کیسی چیز ہے حالانکہ گواہ مانتے ہیں کہ نبوت وہی ہے۔
 جواب :

نبوت کے لئے کثرت اظہار امور غیبیہ کی شرط کا ہونا اس کے وہی ہونے کے منافی نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے
 کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو از راہ موہبت نبی بناتا ہے تو اسے کثرت اظہار امور غیبیہ کی نعمت سے مشرف کرتا ہے۔

(۹)

گواہ مدعا علیہ مل نے مارچ کو جو اب جرح اہل کتاب کی تعریف یہ کی کہ جن کو کتاب ملی ہے اور گواہ مدعا علیہ
 مل نے ۲۱ مارچ کو جو اب جرح کہا کہ اہل کتاب وہ ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ پس گواہ مل کی
 تعریف گواہ مل کی تعریف سے متعارض ہے۔

جواب :

گواہ مدعا علیہ مل کے الفاظ یہ ہیں۔

” اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کا
 لفظ یہود و نصاریٰ پر بھی استعمال ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بظاہر لفظ
 اہل کتاب استعمال نہیں ہوا۔ ورنہ وہ بھی اہل کتاب ہیں۔ اور گواہ مل نے مکرر بیان میں کہا ہے کہ
 مسلمان اہل کتاب ہیں۔ پس گواہان مدعا علیہ کے بیانوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔“

(۱۰)

گواہ مدعا علیہ مل نے عبد اللہ بن مسعود کے متعلق کہا ہے کہ وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں لیکن مرزا صاحب
 نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ وہ ایک معمولی آدمی تھا۔

جواب :

حضرت برج موعود علیہ السلام کا ابن مسعود کو معمولی انسان لکھنا گواہ کے جواب کے منافی اور معارض نہیں ہے

کیونکہ آپ نے نبی اور رسول کے مقابلہ میں انہیں معمولی انسان لکھا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔
 ”حق بات یہ ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی انسان تھا نبی اور رسول تو نہیں تھا اس نے جو شہر میں آ
 کر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو ان ہوا لادھی یوحیٰ میں داخل کیا جائے؟“

لازالہ اوہام بارہم ص ۲۳۷

پس نبی اور رسول کے مقابلہ میں ابن مسعود کو معمولی انسان لکھنا ان کے جلیل القدر صحابی ہونے کے میاں
 نہیں ہے۔ علامہ محمد قاسم صاحب نانو تو فرماتے ہیں۔

”اور سنو کے نزدیک گو حضرت زید اکبر اولیا میں سے ہوں لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک سند
 نہ ہو کیونکہ معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات سنی وہ معتبر ہے کہ نہیں؟“ (بدیۃ النبی ص ۲۳۱)
 کیا مولوی قاسم صاحب کا حضرت زید کو آدمی کہہ دینا ان کے اکبر اولیا میں سے ہونے کے منافی ہے؟
 ہرگز نہیں۔

گواہ مدعا علیہ کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب

گواہ مدعا علیہ سے پوچھا گیا کہ قرآن میں ملائکہ کی تعریف ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں حالانکہ قرآن مجید
 میں ان کی تعریف بل عباد مکرمون موجود ہے۔

جواب:

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”مجھے کوئی تعریف ملائکہ کی جن طرح مختار مدعیہ چاہتا ہے معلوم نہیں۔ البتہ ملائکہ کے کاموں کا ذکر قرآن
 مجید میں ہے۔“

اور مختار مدعیہ کا بل عباد مکرمون کو ملائکہ کی تعریف قرار دینا بالکل غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں ملائکہ
 کی تعریف نہیں بلکہ ان کے اوصاف کا ذکر زیادہ موزوں معلوم دیتا ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے گذشتہ رسولوں کا
 ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما ارسلنا قبلك من رجال الاوحیٰ الیہ انہ لاله انا فاعبدون وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبحانہ
 بل عباد مکرمون۔ الایۃ

یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی مرد کو رسول نہیں بنایا۔ مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے۔ کہ خدا کے سوا کوئی معبود
 نہیں پس تم میری عبادت کرو۔ اور لوگوں نے کہا کہ رحمان خدا نے اپنے لیے ولد بنایا ہے۔ خدا اس سے پاک ہے۔

کہ اس کے لیے کوئی بیٹا نہیں بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کے مقرب اور معزز بندے ہیں وہ اس سے قول میں سبقت نہیں کرتے۔ اور وہ اس کے حکم پر عامل ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ کسی کے حق میں شفاعت نہیں کرتے مگر جس کے لیے خدا تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کی خشیت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو ان میں سے کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو بدلے میں جہنم دیں گے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ کسی فرشتہ کی طرف ایسے طور پر خدائی کا دعویٰ منسوب نہیں کیا گیا کہ کسی فرشتہ نے آکر لوگوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ اسے خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ لیکن دنیا میں ایسی اقوام موجود ہیں جو اپنے انبیاء کے حق میں کہتی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو خدا کہا اس لیے ہم پر ان کی پرستش اور عبادت لازم ہے۔ جیسے کہ عیسائی اور ہندو وغیرہ اور یہ آیت عصمت انبیاء کی زبردست دلیل ہے۔

(۲)

گواہ مدعا علیہ ملنے، رمارچ کو بحواب جرح کہا کہ اہل سنت والجماعت وہ ہے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کے کہے حالانکہ یہ تعریف صحیح نہیں۔ غنیۃ الطالبین میں اہل سنت کی تعریف رسول مقبول کا طریقہ اور صحابہ کا متفقہ طریقہ بھی ہے اور یہ اصل تعریف ہے۔

جواب:

مخار مدعیہ نے غنیۃ الطالبین کی عبارت تو پیش کر دی مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ غنیۃ الطالبین میں جو تعریف بیان کی گئی ہے۔ وہ اہلسنت والجماعت کی تعریف نہیں بلکہ سنت اور جماعت کی تعریف ہے اور گواہ مدعا علیہ سے جو سوال کیا گیا ہے۔ وہ سنت اور جماعت کے متعلق نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کے متعلق تھا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

”عام طور پر اہلسنت سے حنفی شافعی مالکی حنبلی مراد لیے جاتے ہیں۔ لیکن ہر ایک وہ شخص بھی جو کہے کہ میں سنت کا تابع ہوں اس سے مراد لیا جاسکتا ہے۔“ ملاحظہ ہو بحواب جرح، رمارچ ۱۹۳۳ء

(۳)

گواہ مدعا علیہ ملنے، بحواب جرح، رمارچ کو کہا۔ جو کسی حدیث کا واقعی طور پر قرآن کے موافق ہونا ثابت کرے اس کا قول مسلم ہے۔ پس اگر یہی اصول ہے تو یہ دین بازیچہ طفلان ہو جائے گا۔

جواب:

گواہ مدعا علیہ نے یہ نہیں کہا بلکہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”جو شخص کسی حدیث یا قول کو واقعی طور پر قرآن کریم کے خلاف ثابت کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔“
 اور گواہ کے اس قول پر ازرے عقل و انصاف کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور یہ وہ بات ہے جس کے خلاف
 اہل علم میں سے کسی کو ذرا بھی گنجائش چوں و چرا نہیں ہے اور اس کی صحت و درستی کے ثبوت کے لیے اس سے
 زیادہ اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے کہ تمام دیوبندیوں کے مسلمہ مقتدا و امام جناب مولوی محمد قاسم صاحب نالوتوی
 نے سکوت سے گواہ کے اس قول پر ان الفاظ میں اپنی ہر تصدیق ثابت فرمائی ہے۔ کہ اہلسنت
 ”کلام اللہ کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے
 دیکھتے ہیں۔ اگر موافق نکلے تو فہما ورنہ موافق مشہور کالائے زبون برلش خانداس کو رادیوں کے
 سر راتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ رادی کا قصور ہے۔“ (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۸)
 اب تمام دیوبندیوں کو کھینچ لیا مولوی محمد قاسم صاحب اہل سنت کا یہ عظیم الشان کارنامہ بیان فرما رہے
 ہیں کہ وہ قرآن شریف کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے حتیٰ کہ احادیث کو بھی قرآن شریف سے مطابق کر کے دیکھ
 لیتے ہیں۔ اگر مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں۔ اور مطابق نہ ہوں تو ردی کی ٹوکری میں بھی نہیں ڈالتے بلکہ کالائے زبون
 سمجھ کر نہایت تحفارت سے رادیوں کے سر راتے ہیں اور اس کے خلاف مختار مدعیہ یہ کہنا ہے کہ اگر یہی اصل ہے تو
 یہ دین بازیچہ طفلان بن جائے گا۔ اور اس طرح وہ گواہ مدعا علیہ پر ہی بے جا اعتراض نہیں کرتا بلکہ مولوی
 محمد قاسم صاحب کو بھی بازیچہ طفلان بنا دینے والا ٹھہرتا ہے۔

(۱۲)

گواہ مدعا علیہ نے ۱۲ مارچ کو جواب جرح کہا کہ جن احادیث کے متعلق مرزا صاحب نے ردی میں چیکنے
 کے متعلق کہا ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جو قرآن کے معارض ہیں اور صحیح احادیث کے متعلق جو دجی غیر
 متلو ہیں تسلیم کیا ہے کہ وہ قرآن کے معارض ہو سکتی ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کی دجی کے متعلق کہا کہ آپ کی کوئی دجی
 قرآن کی معارض نہیں ہے۔

جواب :

یہاں اعتراض محض قلت تدریس سے پیدا ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ثابت ہوگی وہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ غلط طور پر آپ کی طرف منسوب کی گئی اور
 وہ آپ پر افتراء ہے۔ خواہ ناواقفان حقیقت اسے کیسی ہی صحیح سمجھتے اور خیال کرتے ہوں اور کہتے ہوں۔ جب
 کہ توضیح تلویح علی التبیح ص ۲۶۳ مطبوعہ مصری فاعرضہ علی کتاب اللہ ذکر کر کے لکھا ہے۔

”عَدَلُ هَذَا الْحَدِيثِ حَلِيٌّ أَنْ كُلَّ حَدِيثٍ يَخَالِفُ كِتَابَ اللَّهِ فَانَّهُ لَيْسَ بِحَدِيثِ الرَّسُولِ

علیہ السلام وانما هو مفتوی،

یعنی اس حدیث کا مدلول اور ماحصل یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ بلکہ محض افتراء اور وضعی قول ہوگا اور دیوبندیوں کے مقتدا و امام مولوی محمد قاسم صاحب نے بھی ایسی حدیث کو راویوں کے سر بار دینے کا اظہار کیا ہے۔ پس ایک قول جو آنحضرت صلعم پر افتراء کیا گیا ہے اس کا قرآن شریف کے خلاف ہونا ذرا بھی محل تامل نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقبیوں میں سے ایک کامل فرد پر جو مسیح موعود و جہدی مہمود کے درجہ پر ممتاز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جو وحی فرمائے۔ تو وہ کسی طرح قرآن شریف کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور جو خلاف قرآن شریف ہو وہ وحی نہیں کوئی شیطانی دوسوسہ ہوگا۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ نے جو اب جرح یہ کہا ہے کہ دان من امة الاخلا فیہا نذیر کے عموم کے لحاظ سے کرشن ہونے کا دعویٰ خلاف قرآن نہیں ہے۔ پس اس اصل کی رو سے تو آیت ما اتاکم الرسول فخذوا و ما نہا کوعنه فانتهوا کوئی حدیث بھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

جواب

سوال تو یہی ہے کہ کسی روایت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا کیسے ثابت کیا جائے۔ اسی کے لیے تو یہ اصول باندھا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرآن شریف کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کوئی روایت ایسی ہو۔ جو قرآن کی نصوص کے مخالف ہو۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہوگی۔ اور زیر حکم آیت ما اتاکم الرسول فخذوا و ما نہا کوعنه کے اصل الفاظ سے کرشن ہونے کے دعویٰ کی قرآن شریف سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں۔

”کرشن ہونے کا دعویٰ آپ نے وحی الہی کی بنا پر کیا ہے۔ اور آپ کی وحی قرآن مجید کے معیار کی رو سے جو وحی من اللہ ہونے کے لیے قرآن مجید میں بیان ہوتے ہیں سچی ہے۔ لہذا آپ کے کرشن ہونے کا دعویٰ کرنا قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے و لقد بعثنا فی کل امة رسولا۔ کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے اور اسی طرح فرمایا وان من امة الاخلا فیہا نذیر کہ ہر امت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے آئے

اس لیے ہندو قوم کی اصلاح کے لیے اگر کرشن کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھ لیا جائے تو قرآن کریم کی تعلیم کے ذرا بھی مخالف نہیں چنانچہ علماء نے اس امر کو تسلیم کیا ہے اور خواجہ غلام فرید صاحب نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے؟ جیسا کہ پہلے مفضل بیان کیا جا چکا ہے۔

گواہ مدعا علیہ ۲ پر تبصرہ

(۱)

گواہ ۲ نے ۲۳ مارچ کو جواب جرح کہا۔ جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے۔ وہ قرآن و حدیث میں تطابق کر سکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔ اور ۲۱ مارچ کو جواب جرح کہا میرے نزدیک خلیفہ اول و ثانی کے اقوال سند ہیں اور اس کے سوا میرے نزدیک اور کوئی سند نہیں۔ لہذا دونوں بیانیوں میں تناقض ہے۔

جواب :

احادیث کو قرآن شریف کے مطابق کرنے کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے اور گواہ مدعا علیہ ۲ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”میرے نزدیک قرآن شریف کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں سوائے اس کے جو قرآن شریف کے ساتھ تطابق رکھتی ہو جو قرآن شریف پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے“

ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنی مطابقت کو جب اسے اس کی صحت پر یقین ہو اور اپنے واجب الاطاعت اماموں کی مطابقت کو صحیح تسلیم کرتا ہے اور ۲۱ مارچ کو گواہ مدعا علیہ ۲ نے وہ جواب نہیں دیا جو مختار مدعی نے بیان کیا ہے بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب علیہ السلام اور ان کے دونوں خلفاء کی تحریرات ان کی اپنی کتابوں سے حجت اور معتبر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا قول ہو جسکی ان کتابوں میں توجیح نہ ہو تو وہ قول حجت نہ ہوگا۔“

پس مختار مدعی نے گواہ ۲ کے جواب کو محرف مبدل کر کے اعتراض کیا ہے۔

(۲)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ضروریات دین کے معنی اپنے بیان میں دیئے ہیں لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔ پس

گواہ ۲۔ ضروریات دین کی تعریف بھی نہیں جانتا اور بالکل ناداقت ہے۔

جواب :

گواہ ۱۔ نے ضروریات دین کی تشریح اپنے بیان میں وضاحت سے کر دی ہے نیز ۲۳ مارچ کو جواب جرح ضرورت دین کی یہ تعریف بھی کی ہے۔

”ضرورت دین وہ چیز ہے جس کا ماننا اس دین کے اندر داخل ہونے کے لیے نہایت ضروری ہے قرآن شریف کی رو سے اور ان احادیث کی رو سے جن کو قرآن کریم کی بنا پر قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔“

پھر باوجود اس کے مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ ۱۔ نے ضروریات دین کی تعریف نہیں کی صریح مغالطہ ہے اگر یہ تعریف غلط تھی تو اس پر اعتراض کرنے سے پہلے لازم تھا کہ وہ اُسے غلط ثابت کر لیتا۔

(۳)

گواہ ۲۔ مدعا علیہ ۱۔ نے کہا ہے کہ نبوت کے لغوی معنی ہیں خبر دینا یعنی خدا کی طرف سے غیب کی خبر پاکر اطلاع دینا۔ یہ تعریف لغت میں نہیں لکھا۔

جواب :

نبوت کے مذکورہ بالا معنی لغت کی بڑی کتابوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ منجد میں لکھا ہے۔

”النبوة والنبوة الاخبار عن الغیب أو المستقبل بالعام من الله۔ الاخبار من الله وما

يتعلق به تعالى والنبي المخبر من الغیب أو المستقبل بالعام من الله“

یعنی نبوت خدا تعالیٰ سے بذریعہ الہام غیب یا مستقبل کے متعلق خبر دینے کو کہتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ اور جو امور اس کے متعلق ہیں ان سے خبر دینے کو اور نبی غیب یا مستقبل کے متعلق بذریعہ الہام الہی خبر دینے والوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں جس پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار ہو۔ پس گواہ ۱۔ لغوی لحاظ سے نبوت کے جو معنی بیان کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ ۲۔ نے نبوت کے جو لغوی معنی بیان کیے ہیں وہ لغت میں نہیں ہیں قطعاً باطل ہے۔

(۴)

گواہ ۲۔ مدعا علیہ ۲۔ بعض کتب کے مضمون کا نام نہ بتا سکا اور بعض کتب کے بالاستیعاب نہ پڑھنے کا انکار کیا۔ چونکہ اس سوال کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اس لیے دوبارہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ابتدائی تعارف میں تو بہت کچھ پیش کیا۔ لیکن جرح کے جواب میں کہا کہ خواجہ صاحب میرے واجب التحظیم بزرگ نہیں بلکہ احمدی ہونے کے بعد دوسروں کی طرح ہیں۔

جواب :

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک خلاف واقعہ قول ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔
 ”واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے مسلم بزرگ نہیں ہیں۔ ویسے مسلم بزرگ ہیں جیسے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اور سابقین احمدی حضرات مبر سے بزرگ ہیں“
 اور اس قول اور مختار مدعیہ کے قول میں جو فرق ہے۔ وہ معمولی اردو نواں بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۶)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ۲۱ مارچ کو جواب جرح کہا۔ احمدیت سے ارتداد اسلام سے ارتداد نہیں۔ اور سوالات مکرر کے جواب میں کہا کہ اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد ایک ہی چیز ہے۔

جواب :

اصل الفاظ گواہ کے یہ ہیں۔

”حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا انکار کرنے والا اور آپ کو مسلمان سمجھ کر کافر کہنے والا مرتد نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ مرتد کے معنی مان کر انکار کرنے والے کے ہیں۔“ دیکھو جواب جرح ۲۱ مارچ ۱۹۲۳ء اور مکرر بیان میں اس نے کہا ہے۔

”اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد بلحاظ مرتد ہونے کے تو ایک ہی ہے۔ قطعاً کوئی فرق نہیں کیونکہ احمدیت عین اسلام ہے۔ لیکن اس لحاظ سے فرق ہے کہ مسلمان کہلانے والا شخص مرتد ہو کر کسی غیر از اسلام مذہب یعنی ہندو مذہب یا عیسائی مذہب وغیرہ میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن احمدیت سے مرتد ہونے والا اسلام کے مخالف مذہبوں میں شامل ہونا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتا بلکہ عام مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔“

چونکہ ان اصل جوابات پر مختار مدعیہ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے اعتراض کرنے کی غرض سے گواہ کے جوابات حرف و مبدل کر کے پیش کیے ہیں۔

(۷)

گواہ ۲ نے ۲۰ مارچ کو جواب جرح کہا۔ ہندوستان میں احمدی کہتے ہیں جو مرزا صاحب کو ماننے ہیں اور سولہ مکر کے جواب میں کہا مولوی رشید احمد گنگوہی کو ماننے والے احمدی کہلاتے ہیں۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”میرے خیال میں جب کوئی شخص احمدی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ لکھتا یا بولتا ہے یا اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ وہ جماعت احمدیہ کا فرد ہے اور جماعت احمدیہ وہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کو مانے، ملاحظہ ہو جواب جرح ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء۔

اور مکر بیان کے الفاظ یہ ہیں۔ ”فوائد فریدیہ میں جس فرقہ کا ذکر ہے اس فرقہ احمدیہ سے مراد رشید احمد گنگوہی کے ماننے والے ہوں گے۔“

پس مختار مدعید گواہوں کے بیانات کے خلاف متناقض بیانات اپنی طرف سے ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور پھر تناقض دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ ان دونوں قولوں میں کہ ہندوستان میں احمدی سے مراد جماعت احمدیہ کے افراد لیے جاتے اور فوائد فریدیہ میں جماعت احمدیہ کے سوا کسی فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے کوئی تعارض نہیں۔

(۸)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ۲۳ مارچ کو جواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب کی وفات سے قبل تریاق القلوب اور بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور مکر بیان میں یہ کہا کہ تریاق القلوب خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی دونوں بیانات میں تناقض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”تریاق القلوب جس کے ملحقہ اشتہار میں گورنمنٹ کو مسلمان فرقہ احمدیہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے لکھی جا چکی اور چھاپ دی گئی تھی۔ بیسیوں کتابیں اس سے پہلے بھی شائع ہیں۔ جن میں جماعت کے نام احکام تھے اور مکر بیان میں اس کے یہ الفاظ ہیں۔

”اشتہار ۴ نومبر ۱۹۱۹ء جس میں احمدیوں کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ رکھا ہے۔ وہ تریاق القلوب کے ساتھ بھی شامل کیا گیا تھا۔ تریاق القلوب ۱۸۹۹ء میں تصنیف ہو کر چھپ چکی تھی لیکن شائع نہیں کی گئی تھی صرف ایک دو صفحہ اس وقت لکھے گئے اور ایک دو اشتہار جو پہلے لکھے گئے تھے

ساتھ لگا دیئے گئے۔“

پس گواہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ تریاق الغلوب خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے چھپ تو چکی تھی لیکن اس وقت شائع نہیں ہوئی تھی اور اس کی اشاعت ۱۹۰۳ء میں خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں بیانیوں میں کوئی تعارض نہیں ہے لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تعارض نظر آتا ہے۔

مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانیاں

گواہان مدعا علیہ کی پوزیشن ان تمام الزامات اور ہتانات سے جو مختار مدعیہ نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ بالکل میرا ہے۔ اور ان کے بیانیوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کی شہادت کو ذرا بھی کمزور ثابت کر سکے اب میں عدالت کی وجہ ان صریح غلط بیانیوں کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں جو مختاران مدعیہ نے اپنی بحث میں کی ہیں

(۱)

۱۱ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ؎ کے متعلق کہا کہ اس نے بحوالہ اوراق سے بہت سی عبارتیں نقل کیں۔ لیکن جب اس سے بحوالہ اوراق کا اصول دریافت کیا گیا تو لاعلمی ظاہر کی۔ اور یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ ؎ نے ۸ مارچ کو جواب جرح یہ جواب دیا ہے۔

” لیکن بحوالہ اوراق میں یہ لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا۔ اور اگر کسی کے کلام کا محل حسن نکل سکے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دیتا چاہیے۔“

(۲)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ؎ کے متعلق کہا کہ اس نے جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے بعد احمدی مسلمان ہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

” جو شخص تین ماہ تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ مختار مدعیہ نے گواہ کی عبارت محرف و مبدل کر کے پیش کی ہے۔“

(۳)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ؎ کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس نے ۸ مارچ کو جواب

جرح یہ تسلیم کیا کہ کفر جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا اور یہ مختار مدعیہ کی نہایت ہی صریح غلط بیانی ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جس چیز پر فقط کفر داخل ہوتا ہے اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا“ ملاحظہ ہو ۸ رمارچ ۱۹۳۳ء۔

”اکثر“ کے لفظ کو مختار مدعیہ نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے ترک کر دیا۔ اور گواہ کے جواب کو محرف کر کے پیش کیا۔

(۴)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں درج ہیں وہ تردید کے لیے ہیں نہ کہ تائید کے لیے یعنی مفسرین نے ان باتوں کو درج کر کے ان کی تردید کی ہے اور یہ ایک نہایت عظیم الشان غلط بیانی ہے جس کا ذکر معہ تفاسیر کے عنوان کے ماتحت آگے کیا جائے گا۔

(۵)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ کے متعلق کہا کہ اس نے ۹ رمارچ کو جواب جرح تسلیم کیا کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ محدثیت کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ گواہ کے یہ الفاظ نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیر نشریعی نبی ہونے کا دعویٰ تو توضیح المرام میں بھی کیا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پہلے آپ محدث کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے اور آپ کے اہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے۔ اور وہ اہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے اور آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر وال ہے۔“

(۶)

مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ مرزا صاحب (نحوہ باشد) میلہ کذاب سے بھی بڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علیحدہ کلمہ جاری کیا جو یہ ہے۔

لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی نیا کلمہ جاری نہیں کیا بلکہ آپ کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی تھا چنانچہ آپ ازالہ اوہام جلد اول ص ۱۲ میں فرماتے ہیں:

”ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

اور انوار الاسلام ص ۲ میں فرماتے ہیں:

ہمارا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے“

اور اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الہ الا اللہ۔
محمد رسول اللہ اور آپ اس کلمہ کو بدلنے اور نیا کلمہ بنانے والے کو ملعون و بیدین اور میلہ کذاب کا بھائی قرار
دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :

”جو شخص تحقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے
تنیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا ہے تو وہ محمدؐ بیدین
ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا۔ اور عبادت میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام
میں کچھ تبدیل و تغیر کرے گا۔ پس بلاشبہ وہ میلہ کذاب کا بھائی ہے۔“ (حاشیہ انجام اتھم ص ۲۷)

اور مضمون چشمہ معرفت میں ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لے آئیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“
(مضمون لمحہ چشمہ معرفت ص ۱۳ مطبوعہ ممی ۱۹۰۸ء)

(۷)

۱۱ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے عقائد کے متعلق جو
حوالے دیئے ہیں وہ ۱۹۰۸ء سے قبل کے ہیں۔

حالا اب کہ گواہان مدعا علیہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ مواہب الرحمن اور کشتی نوح سے عقائد کے متعلق حوالے
پیش کئے ہیں اور مواہب الرحمن ۱۹۰۳ء اور کشتی نوح ۱۹۰۲ء کی تصنیف شدہ ہیں۔ پس ان حوالوں کی موجودگی
میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جو حوالے عقائد کے متعلق دیئے ہیں وہ ۱۹۰۸ء سے پہلے کے ہیں صریح
غلط بیانی ہے۔

(۸)

مختار مدعیہ نے گذشتہ ائمہ اور اکابر پر تکفیر کے فتوئی کا ذکر کرتے ہوئے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ گواہ مدعا علیہ
ملنے، مار پھونکنا، جرح و جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ جس وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی وہ ان وجوہات سے برارت کا اظہار
کرتے رہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ نہیں بلکہ یہ ہیں۔

”باد جو دیکھ ان کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی گئی تھیں وہ ان سے برارت کا اظہار کرتے رہے
اور نیز ان باتوں کو لے کر جنہیں وہ صحیح سمجھتے تھے مولویوں نے انہیں کفر سمجھ کر انہیں کافر قرار دیا۔“

گواہ کا جواب تو یہ ہے کہ گذشتہ اماموں اور بزرگوں کی جن امور کی بنا پر مولویوں نے تکفیر کی ان میں سے بعض امور
سے تو وہ برارت کا اظہار کرتے رہے۔ اور بعض کو صحیح تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مختار مدعیہ نے گواہ کی طرف یہ منسوب کیا کہ

وہ ان دو جہات سے جن کی وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی برائت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۹)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ۱ کے متعلق یہ کہا کہ اس نے ۹ مارچ کو جو اب جرح بیان کیا۔ کہ مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں۔ حالانکہ یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ نے یہ کہا تھا۔
”کہ مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا۔“

(۱۰)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہ نے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والوں کو کافر نہیں کہا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے اپنے بیان میں یہ لکھوایا تھا کہ گواہ مدعیہ ۱ نے اپنے بیان میں تسلیم کیا ہے کہ خوارج سے جب بعض ضروریات دین کا انکار ثابت ہو تو ان کا نماز روزہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کر سکا لیکن جبکہ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۶۲، ۶۱ میں لکھا ہے اور گواہ ۱۰ جو اب جرح اس کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔
”بأفہم مومنون لیسوا کفاراً“

کہ وہ مومن ہیں کافر نہیں۔ اور لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین نے نہ ان کی تکفیر کی اور نہ ان کو مرتد قرار دیا اور اسی طرح البحر الرائق جلد ۵ ص ۱۵۱ میں لکھا ہے۔

”وانما تکفر الخوارج باستحلال الدماء والاموال لتاویلہم وان کان باطلا بخلاف المستحل بلا تاویل“

یعنی ہم خوارج کو باوجودیکہ انہوں نے مسلمانوں کے خون اور اموال کو حلال سمجھا ان کے تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بخلاف اس کے جو بغیر تاویل کے ان کو جائز سمجھے۔

بیان مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ گواہ مدعیہ ۱ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں ثابت کر دیا ہے کہ انہیں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہا گیا۔ پس گواہ مدعا علیہ ۱ کے بیان میں اس امر کے موجود ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا قول کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

(۱۱)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں کہا۔ کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف علم الکتاب کا حوالہ پیش کیا تھا کہ آیات انہیں۔ یہ بھی مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ کے

بیانات میں کتاب اثبات الالہام والبعیثۃ اور فتوح الغیب اور مقامات امام ربانی کے حوالے اسی غرض کے لیے پیش کیے گئے تھے۔ اور ان میں آیات کے اہام ہونے کا ہی ذکر ہے۔

۱۲۔ الزام خیانت کا رد

ہر اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی کی ہے۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالات میں دل کھول کر خیانت کی ہے اور اگلی اور پھلی عبارت کو ترک کر دیا ہے۔ اور اس امر کے اثبات کے لیے اس نے تین حوالے پیش کئے ہیں ان میں سے ایک حوالہ تحذیر الناس کا ہے دوسرا حج الکرامہ کا تیسرا البحر الرائق کا ہے۔

تحذیر الناس کا حوالہ

تحذیر الناس سے جو عبارت گواہان مدعا علیہ نے پیش کی ہے وہ یہ ہے۔
 ”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔
 چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے“
 (تحذیر الناس ص ۲۸)

اس عبارت سے جو نتیجہ گواہان مدعا علیہ نے اخذ کیا ہے اس عبارت کا اسبق بھی اس کی تائید کرتا ہے جو

یہ ہے۔

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی انصاف ذاتی بوصف نبوت لیجے جیسا کہ اس بیچ مدان نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مفضوود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط افراد کے انبیاء خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مفلاہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض الخ“

اب ظاہر ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتمیت کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی کا آنا تجویز کرنا خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ یہ عبارت ص ۲۸ کی ہے اور مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس کی تشریح ص ۱ میں موجود ہے ہم نہیں سمجھتے کہ ص ۲۸ کی عبارت کی تشریح ص ۱ میں کیسے ہو سکتی ہے۔ پس چونکہ عبارت بالکل واضح اور غیر مجہم ہے۔ اس لیے ص ۱ کی عبارت میں خاتمیت زمانی کے معنی ایسے نہیں لئے جاسکتے جو اس عبارت کے خلاف ہوں۔

حج الکرامہ کا حوالہ

مختار مدعیہ نے حج الکرامہ ص ۲۲۲ کے حوالہ ”در حدیث ابن عمری است کذاب“ کے متعلق یہ کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے اس میں خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ ”یا زیادہ“ کے الفاظ کو ترک کر دیا ہے اس کے متعلق میں صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مختار مدعیہ غالباً اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا کہ جس عبارت کے آگے لفظ ”ڈلے“ جاتے ہیں۔ ان سے اسی امر کا اظہار مفسود ہوتا ہے کہ وہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعا علیہ نے بھی الفاظ ”سی است کذاب“ کے بعد لفظ ”دے“ کو یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے۔ اور مسل میں بھی لفظ ”موجود ہیں۔ پس اس کو خیانت سے تعبیر کرنا اپنی لاعلمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

بیز گواہ مدعا علیہ اس حوالہ سے جو امر ثابت کرنا چاہتا ہے ”یا زیادہ“ کے الفاظ اس کو باطل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ان کا عدم ذکر اس کو ثابت کر سکتا ہے۔ کیونکہ ابن عمر کی اس روایت اور دوسری روایت جو طبرانی نے روایت کی ہے۔ جس میں کذابوں کی تعداد شتر بتائی گئی ہے۔ ان دونوں کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے اور میزان میں دعویٰ نبوت کا بھی ذکر نہیں ہے۔ پس جبکہ ”یا زیادہ“ کے الفاظ گواہ کے مدعا کے خلاف نہیں ہیں تو ان پر لفظ ”ڈال“ کر چھوڑ دینے سے گواہ پر خیانت کا الزام لگانا سراسر بے انصافی اور صریح غلط بیانی ہے۔

(۲)

اور حج الکرامہ ص ۲۳۲ کے حوالہ کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل تشریحی نبوت کا دعویٰ کیا۔ بالمقابل کا لفظ حج الکرامہ میں نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ملا کر جھوٹ بولا ہے۔ حالانکہ وہ بالمقابل لفظ حج الکرامہ میں تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حج الکرامہ کی عبارت کا یہ ترجمہ بطور خلاصہ اور مفہوم کے ہے اور بالمقابل سے یہی مراد ہے کہ اس نے شراب و زنا کو حلال قرار دیا اور فریضہ و نماز کو ساقط کر دیا۔ اور قرآن مجید کے مقابل میں سورتیں لکھیں۔ ایسی نبوت کا دعویٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بالمقابل نہیں تو اور کیا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا۔

البحر الرائق کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ان کلمات کفریہ کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے البحر الرائق سے نقل کئے تھے۔ کہا ہے کہ ان کے

نقل کرنے میں گواہان مدعا علیہ نے یہ خیانت کی ہے کہ انہوں نے البحر الرائق جلد ۵ ص ۱۳۷ سے ص ۱۳۸ تک کے جوابات پیش کیے لیکن درمیان میں ص ۱۳۳ کی عبارت چھوڑ دی ہے "کہ کفر کا فتویٰ اس وقت دیا جاتا ہے جب اس پر اتفاق ہو متفق علیہ ہو۔ کلام میں کوئی تاویل نہ ہو۔"

حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ جن علماء کے اقوال کی بنا پر گواہان مدعیہ نے مدعا علیہ کو کافر قرار دیا ہے۔ ان کی طرز افکار کے متعلق بعض فتاویٰ کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی البحر الرائق کی عبارت پیش کر دی تھی۔ کہ فتاویٰ میں جو تکفیر کے معروف الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ حقیقتاً اسلام سے ارتداد کا موجب ہیں اور بزائید میں لکھا ہے کہ جو ان کلمات کو صرف تخیف و تہویل پر محمول کرنا ہے اور کفر کا موجب نہیں سمجھتا۔ اس کا قول لغو اور باطل ہے اور جن کلمات کے موجب کفر اور باعث ارتداد ہونے میں علماء کا اختلاف تھا۔ اس کا بھی مولف البحر الرائق نے ساتھ ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ جسے پیش کرتے ہوئے گواہان مدعا علیہ نے صاف ظاہر کر دیا ہے۔ کہ یہ کلمہ بعض کے نزدیک موجب کفر و ارتداد ہے چنانچہ انہی کلمات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص تمام انبیاء پر ایمان لانے کا اظہار کرے اور آنحضرت صلعم کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم معرفت کا تو وہ بعض کے نزدیک کافر ہوگا۔ یعنی آنحضرت کا آخر الانبیاء ہونا ان ضروریات دین سے نہیں جن کے نہ جاننے کی وجہ سے انسان کافر ہو جائے اور پھر مولف البحر الرائق نے ص ۱۳۳ پر جامع الصغیر سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

اگر کوئی شخص بغیر اعتقاد رکھے عملاً کلمہ کفر کہے تو ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر ضمیر سے متعلق ہے اور اس نے کفر کی دل میں نیت نہیں کی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ وھو الصیح عندی اور یہ بعض کا قول کہ وہ کافر ہو جاوے گا میرے نزدیک صحیح ہے۔ پس بعض علماء کے نزدیک اتفاق کا ہونا ضروری ہوا۔ پس جب اس بات پر ہی علماء کا اتفاق ثابت نہ ہوا کہ کس وقت کفر کا فتویٰ دیا جانا چاہیے اور مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ مولف البحر الرائق کے نزدیک جب تک وہ مسئلہ متفق علیہ نہ ہو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا تو اس اصول کی رو سے کسی پر بھی فتویٰ کفر نہیں لگانا چاہیے کیونکہ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کب کسی پر فتویٰ کفر لگانا چاہیے۔

بہر حال جو کلمات گواہ مدعا علیہ نے پیش کیے تھے۔ ان کے متعلق مختار مدعیہ کو چاہیے تھا کہ وہ ثابت کرتا کہ ان کے موجب کفر ہونے پر علماء کا اتفاق نہیں ہے جب کہ مصنف نے خود مختلف فیہ اقوال کو نقل کرتے ہوئے اختلاف کا ذکر کر دیا تھا اور علاوہ ازیں گواہان مدعا علیہ نے شرح فقہ اکبر اور الاشباہ والنظائر کے جو حوالے پیش کئے تھے ان کے متعلق مختار مدعیہ نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے اور نیز یاد رہے کہ جو حوالے گواہان مدعیہ نے آنحضرت صلعم کے بعد نبی ماننے والوں کو کافر ہونے کے متعلق الاشباہ والنظائر اور شرح فقہ اکبر اور البحر الرائق

سے پیش کیے ہیں وہ بھی منجملہ انہی کلمات کے ہیں جنہیں گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں پیش کیا۔ اور جن کے متعلق مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کے بیان کرنے میں انہوں نے خیانت سے کام لیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے تو خیانت کوئی نہیں کی تھی۔ البتہ مختار مدعیہ کو یہ خوف دامنگیر ہوا۔ کہ اگر ہم پہلے علماء کے فتوؤں کو اب جاری کریں تو موجودہ زمانہ کے تمام مسلمانوں کے نکاح فسخ اور ان کی اولادوں کو حرام کی اولاد ماننا پڑے گا۔ پس اس ڈر سے مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالے بیان کرنے میں خیانت کی اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا ہے۔ لیکن دنیا میں کون سا عقل مند ایسا ہے۔ جو ان اقوال میں سے ایک قول کو تو موجب کفر و ارتداد ٹھہرائے اور اس کے ساتھ جو دوسرے اقوال کفریہ قرار دیئے گئے ہوں ان کو باطل اور لغو سمجھ لے۔

(۱۳)

تفسیر اول کے متعلق

مختار مدعیہ نے۔ اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعا علیہ پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے تمام تفسیرین مطلقاً غلط قرار دی ہیں۔ اور ان کے حوالے قطع و برید کر کے پیش کئے ہیں۔ اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون کا حوالہ محرف کر کے پیش کیا۔ اور گواہ نے ابن خرم کا قول بلا دلیل پیش کیا۔ اور تفسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں ہیں وہ تردید کے لیے درج کی گئی ہیں۔ نہ تائید کے لیے۔ اور گواہ نے تفسیر تفتان سے جو حوالہ۔ ہذا التفسیر انطواء کا پیش کیا ہے وہ تردید کی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں مذنیہ نظر لکھا ہے۔ یہ سب مختار مدعیہ کی مخالطہ سازیاں ہیں۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں یہ کہیں نہیں لکھوایا۔ کہ تفسیرین مطلقاً غلط ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ کتب تفسیر میں صحیح باتیں بھی ہیں اور غلط بھی اس لیے ہمیں مفسرین کے اقوال کو بلا تحقیق نہیں مان لینا چاہیے اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون سے جو حوالہ پیش کیا تھا وہ بطور مفہوم کے ذکر کیا تھا اور نقل کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

هوالتیان بقول الغیر علی ما هو علیہ بحسب المعنی مظهر انہ قول الغیر (رشیدیہ)

کہ نقل کسی دوسرے کے قول کو اس کے معنی کے لحاظ سے بیان کرنا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ غیر کا قول ہے اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون کے اصل الفاظ پیش کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس کی طرف بھی وہی الفاظ منسوب کر دیئے جو گواہ مدعا علیہ نے لکھے تھے اور معنوی لحاظ سے اصل عبارت اور گواہ مدعا علیہ نے جو بطور مفہوم پیش کیا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ گواہ مدعا علیہ نے تو یہ کہا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ متقدمین کی تفسیر میں عمدہ اور ردی دونوں

باتوں سے پر ہیں۔ اور مقدمہ ابن خلدون کی اصل عبارت کا ترجمہ جسے گواہ مدعا علیہ ۲ نے اپنے بیان میں پیش کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

”کچھ متقدمین نے تفسیری باتیں جمع کیں۔ اور ان کا خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور درج شدہ باتوں (یعنی منقولات) میں اعلیٰ و ناقص و مردود و قسم پائی جاتی ہیں“

اور ابن خلدون نے جن باتوں کے متعلق حکم لگایا ہے وہ تین ہیں۔ ناسخ و منسوخ کی شناخت۔ اسباب نزول۔ آیات کے معانی و مقاصد اور ص ۲۶۱ میں لکھا ہے۔ وصلوا الکتب۔ بهذا المنقولات (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۶۱) اور انہوں نے کتب تفسیر ان منقولات سے بھر دی ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ یہ بات احکام سے تعلق نہیں رکھتی لیکن مقدمہ متنازعہ فیہا میں احکام کے متعلق جھگڑا نہیں ہے۔ بلکہ آیات کی تفاسیر اور ان عقائد میں ہے جو ان آیات سے متنبط ہوتے ہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ تردیدی طور پر ہیں۔ غلط بیانی کے علاوہ اپنی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے۔

گواہان مدعا علیہ نے بہت سی مثالیں پیش کی تھیں۔ مگر مختار مدعیہ نے سب کو نظر انداز کر کے صرف ایک حوالہ خازن کا لے کر یہ کلی حکم لگا دیا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو بیان کیا گیا ہے۔ وہ تردیدی طور پر ہے۔ حالانکہ اگر وہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کا بغور مطالعہ کرتا تو اسے بہ آسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ گواہان مدعا علیہ کا ایک مقصد تو ان حوالجات کے ذکر کرنے سے مفسرین کا آپس میں آیات کی تفاسیر میں اختلاف دکھانا ہے نہ دوسری کتب تفاسیر سے بعض آیات کی ایسی تفاسیر دکھانا مدنظر ہے۔ جو عقل و نقل کے بالکل مخالف بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات کے بھی مخالف ہیں۔

پس مختار مدعیہ کا تفسیر خازن سے آیت حدیث دھرمجا کی تفسیر میں متقدمین کی تفسیروں کی تردید میں قول پیش کرنا ہی مدعا علیہ کے دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ مفسرین نے آیات کی تفاسیر میں اختلاف کیا ہے۔ اور خود خازن میں یہ لکھا ہے کہ امام بغوی اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ حضرت یوسف نے اپنا پاجامہ کھول دیا اور اپنے کپڑے درست کرنے لگے۔ انہی میں سے سعید بن جبیر مشہور تابعی اور امام حسن بصری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ پس خازن کا جو الہ تفسیر کبیر ان معنوں کو رد کرنا ہی مدعا علیہ کے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال بلا تحقیق قبول کرنا نہیں چاہئیں۔ نیز گواہان مدعا علیہ نے اس کے لیے ابن جریر کا بھی حوالہ دیا تھا۔ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف منہ نہیں کیا۔ اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا ادعا غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر مبنی نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابن جریر سے ان معنی کی تردید ثابت کرے جو گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں اس کی طرف منسوب کئے ہیں۔

اسی طرح آیت وجعلنا دكا اور حد موسیٰ صرعا اور آیت ما دھم علی صوته الا ذابہ الارض وغیرہ آیات کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے جو اقوال تفاسیر سے نقل کئے تھے وہ بھی تردید کے لیے نہیں ہیں پس مختار مدعیہ کی یہ ایک غلط بیانی ہے کہ تفاسیر میں جو اقوال عصمت انبیاء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ تردید کے لیے ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر جلالین میں جو یہ لکھا ہے کہ شیطان نے آنحضرت صلعم کی زبان پر تلتك انغرانیق العلی وان شفا حترهن لتسجی کے کلمات جاری کر دیئے۔ مختار مدعیہ یہ بتائے تو سہی کہ کس جلالین میں اس کی تردید کی گئی ہے۔

گواہ مدعا علیہ ۱ نے جلالین میں بین السطور سے امام ابن حرم کا قول لکھا تھا کہ انہوں نے آیت متوفیک کے ظاہر معنی لے کر مسیح کی موت کو تسلیم کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے۔ کہ یہ قول بلا دلیل پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ کا تصرف اتنا ہی فرض تھا کہ وہ تفسیر سے امام ابن حرم کا قول لکھا ہوا دکھا دیتا سو وہ اس نے دکھا دیا تھا۔ اور مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ۱ کے اتقان سے پیش کردہ حوالے کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی تردید اسی جگہ ذنیہ نظر سے کر دی گئی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ ذنیہ نظر اس قول سے کہ ابن عباس کی طرف تو لمبی لمبی تفاسیر منسوب کی گئی ہیں وہ ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی مجہول ہیں۔ متعلق نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کے قول سے جو ابن جریج کے متعلق ہے۔ اور ابن عباس کے متعلق جو قول ہے وہ مقدمہ فتح البیان میں بھی مذکور ہے۔ اور اس کی تائید اتقان جلد ۲ ص ۲۳۵ سے بھی ہوتی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا:

”ثم یشت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبہ بما آت حدیث

یعنی ابن عباس سے تفسیر میں تقریباً ایک سو حدیث کے سوا کچھ ثابت نہیں ہے“

اور نیز اس کی تائید فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

”ومن جملة التفسیر التي لا یوثق بها تفسیر ابن عباس فانه مروی من

طریق الكذابین كالکلبی والسدی ومقاتل ذکر معنی ذلك السیوطی وقد سبقه

الی معناه ابن تیمیہ۔“

اور ان تفسیروں میں سے جو غیر معتبر ہیں۔ ابن عباس کی تفسیر بھی ہے۔ کیونکہ وہ کلبی اور سدیی اور مقاتل جیسے کذابوں سے مروی ہے۔ اسی کے مطابق سیوطی نے لکھا ہے اور اس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

پس مختار مدعیہ کا گواہان مدعا علیہ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے تفسیروں کے حوالجات پیش کرنے میں قطع و برید سے کام لیا ہے۔ بالکل غلط ہے اور مفسرین کی تفسیروں کو بلا تحقیق قبول کر لینا خود مفسرین کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کو غلط ٹھہراتے آئے ہیں۔ جیسا کہ کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔

آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام

پھر مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ پر ایک یہ الزام دیا ہے کہ اس نے آیت فلما جاء نصر رسولہوا لینیات
بمعنا ہمدھ من العلم کے ترجمہ میں خیانت کی ہے کہ اس میں انبیاء کے پیروں کو لے لیتے ہیں۔ حالانکہ
اس سے مراد یہود اور کفار تھے اور یہ کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔

سو یہ بھی مختار مدعیہ کی ایک غلط بیانی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ نبی وہی ہوتا ہے جس
کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ مذکورہ بالا آیت سے یہ استدلال کیا تھا۔ کہ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ علماء ہمیشہ خدا تعالیٰ
کے فرستادوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور ان کے لیے علم حجاب اکبر بن گیا اور وہ اپنے خستک علم کی بنا پر خیال
کرنے لگے کہ ہم جیسا کوئی عالم نہیں۔ اس لیے ہم غالب رہیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ کی تائید کی۔ اور
دنیا کو معلوم ہو گیا کہ درحقیقت وہ علم حقیقی سے جاہل و بے خبر تھے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت میں یہود اور کفار کے عالم مراد ہیں نہ کہ انبیاء کے پیرو۔ بالکل بے معنی اور
غلو ہے۔ کیونکہ نہ تو آیت میں یہود کا لفظ ہے۔ اور نہ کفار کا ذکر۔ نیز کہا یہود انبیاء کے پیرو نہ تھے؟ اور ان کی طرف
انبیاء مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ پس اس آیت کا وہی ترجمہ صحیح ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے کہا ہے۔ اور جاؤ تمہو
میں ہم کی ضمیر تمام ان لوگوں کی طرف پھرتی ہے جن کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے تھے
چاہے وہ یہود ہوں یا کوئی اور۔ بہر حال اس آیت سے ثابت ہے کہ مولوی انبیاء اور خدا تعالیٰ کے فرستادوں کی
مخالفت کرتے رہے۔

(۱۴)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ مندرجہ ذیل کتب فریقین کے نزدیک صحیح ہیں۔
حج الکرامہ۔ اقرب الساعۃ۔ فتح البیان جامع الشواہد۔ بھونچال رشک درجال۔ انوار احمدیہ۔ حیات جاوید اور ادر مارچ
کی بحث میں شہاب علی البیضاوی اور روح المعانی کے متعلق یہی بات کہی ہے۔
اور یہ مختار مدعیہ نے غلط بیانی ہی نہیں کی۔ بلکہ عمدتاً عدالت کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔
فریق مدعا علیہ نے اسے کب اپنا مختار بنایا تھا۔ جو اس نے یہ کہا کہ حج الکرامہ وغیرہ فریقین کے نزدیک غیر مسلم ہیں۔

فریقین کے معنی دو فریق کے ہیں نہ کہ صرف ایک فریق کے۔ اور فریق مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کتابیں غیر مسلم ہیں بلکہ اس کے گواہوں نے بحجواب جرح ایک جامع اصول بیان کر دیا تھا کہ جو روایت قرآن مجید کے مخالف ہوگی۔ وہ قابل قبول نہیں اسی طرح اگر کسی کتاب سے کوئی حوالہ پیش کیا جائے اور وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا واقعات تابستہ کے خلاف نہ ہو تو وہ صحیح ہوگا اور اگر مارچ کو گواہ مدعا علیہ نے بحجواب جرح یہ تصریح کی ہے۔

”اگر کسی کتاب سے کوئی نقل پیش کی گئی ہے اور وہ اس اصول کی رو سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں درست ہے تو وہ ہمارے نزدیک صحیح ہے۔“

پھر یہی نہیں کہ اس نے فریق مدعا علیہ کی طرف سے بیجا و کالت شروع کی۔ بلکہ گواہان مدعیہ کے اقوال کے بھی خلاف کہا ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی اس نے غیر مسلم قرار دی ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ ۳۲۱ نے اپنی تائید میں روح المعانی کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح شہاب علی البیضاوی کا مصنف نہایت اعلیٰ پایہ کا امام شمار کیا گیا ہے۔ اور اس نے بہت سی کتب بھی تالیف کی ہیں اور وہ قاضی القضاة بھی رہا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے۔

”علامہ خفاجی شفا قاضی عیاض کی شرح میں لکھتے ہیں“ اور یہ علامہ خفاجی شیخ احمد بن محمد بن عمر الملقب تو وہی شہاب الدین الخفاجی ہیں۔ جنہوں نے تفسیر البیضاوی کی شرح کی ہے۔ پس ایسی حالت میں کہ گواہان مدعیہ نے جو عدالت کے سامنے پیش ہوئے ہیں شہاب کے مصنف کو قابل اعتبار مانا۔ یہاں تک کہ اس کی تصنیف سے حوالہ بھی دیئے ہیں۔ مختار مدعیہ کے کہہ دینے سے شہاب کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

مختار مدعیہ نے حج الکرامہ اور اقتراب الساعة اور فتح البیان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ صرف یہ بیان کی کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین کو مشرک کہتے تھے۔ لیکن مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی ان کتب کے فریق مدعیہ کے نزدیک غیر مسلم ہونے کے لیے کافی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کتب سے وحی و نبوت کے متعلق جو باتیں ذکر کی گئی ہیں جو جب کفر ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ بلکہ انہیں کافر کہنا چاہیے۔ لیکن گواہ مدعیہ نے ۲۱ اگست کو بحجواب جرح یہ کہا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کو میں مسلمان سمجھتا ہوں۔ اور ان کی کتاب میں مظاہر انست سے عبارت ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو بحجواب جرح کہا۔

حج الکرامہ ص ۳۲۲ میں جو واقعات مسیلمہ کے ساتھ نسبت کئے گئے ہیں وہ وقوع میں آئے ہوئے ہیں پس گواہان مدعیہ ۳۲ کے روبرو جب حج الکرامہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اس میں جو واقعات ذکر ہوئے ہیں ان کی تصدیق

کرتے ہیں اور اس کے مولف نواب صدیق حسن خان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ انہیں متعصب اور مقلدوں کو مشرک کہنے والا سمجھ کر ان کی کتب کو غیر مسلم قرار دے رہا ہے۔ پس یہ گواہان مدعیہ کی شہادتوں کو نظر انداز کر کے خود گواہ بنا چاہتا ہے اور ان کے گواہوں کو اپنے حق میں مفید نہ پا کر بعد از وقت ان کے فرائض کو خود ادا کرنے کے لیے ہے۔

پھر جو حوالہ حج الکرامہ سے مسئلہ وحی کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ بعینہ کتاب الاشاعتہ لاشرائط الساعۃ مصنفہ سید شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی مطبوعہ مصر کے ص ۲۲۷ میں موجود ہے اور جو حوالہ اقتراب الساعۃ سے گواہان مدعا علیہ نے لاجبی بعدی کے متعلق بیان کرنے کے لیے پیش کیا ہے وہ بعینہ کتاب الاشاعتہ لاشرائط الساعۃ کے ص ۲۲۱ میں امام ملا علی قاری سے منقول ہے۔ پس نواب صدیق حسن خان کا گناہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اس طرح جو حوالہ فتح البیان سے ذکر کیا گیا وہ دوسری تفاسیر میں بھی موجود ہے اور مولوی سید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی تائید میں نواب صاحب کی تفسیر کا حوالہ پہلے ائمہ کی تفاسیر کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”صدیق حسن خان مرحوم رئیس عاملین بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہ تفاسیر میں یہ معنی ادنی الامر کے قبول کرتے ہیں۔“ (سبیل الرشاد ص ۳۶)

اور نواب صدیق حسن خان کو جو پوزیشن علماء دیوبند کے نزدیک ہے وہ مندرجہ ذیل حوالوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۔ حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۰۷ میں لکھتا ہے۔

”مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب قنوجی رحمت اللہ علیہ روضہ الغدیہ فی شرح الدرۃ البہیہ میں فرماتے ہیں۔“

۲۔ چنانچہ نواب مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المؤمنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں تکلم ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۵۵۔

۳۔ نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں خطبہ منجملہ شعائر دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہے۔ نہ عجمی اور نشر ہونہ نظم سلف سے یہی طریقہ چلا آیا ہے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول حاشیہ ص ۱۳۳۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ اکابر دیوبند اور ان کے خاتم الحدیثین تو نواب صدیق حسن خان کے اقوال سے سند پکڑتے ہیں۔ اور مختار مدعیہ ان کے اور گواہان مدعیہ کے خلاف ان کی کتب کو ان حوالوں کی بنا پر جو دوسری کتب سے بھی ثابت ہیں غیر مسلم قرار دیتا ہے۔ اور اسی سے اس امر کی حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے جس کے اثبات کی غرض

سے یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے اور جامع الشواہد اور بھونچال بر لشکر دجال اور حیات جاوید کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کا تو سوال ہی نہیں اٹھ سکتا۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ دکھانے کے لیے کہ مسلمانوں کے فرقوں نے ایک دوسرے کو کافر قرار دیا ہے ان میں سے فتاویٰ پیش کئے ہیں اور اگر مولویوں کی تکفیر کی بنا پر کسی کو کافر اور مرتد قرار دے کر نکاح فسخ قرار دیئے جاسکتے ہیں تو پھر مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر و مرتد قرار دے کر کافر و مرتد ہو گئے۔ اس لیے ان سب کے نکاح باطل اور فسخ قرار دے کر سب کی اولاد دلدالزنا قرار دے دینی چاہیے۔ بغرض چونکہ مذکورہ کتابوں سے اس امر کی تائید میں چند فتاویٰ تکفیر یہ پیش کئے گئے ہیں۔ پس ان کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ہدیہ مجددیہ اور انوار احمدیہ کے غیر مسلم ہونے کی مختار مدعیہ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ وہ کیوں غیر مسلم ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو مخالف مولویوں نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر کئے تھے اور ان کے مصنف مولانا حکیم ذکیل احمد صاحب سکندر پوری نے جا بجا مجدد صاحب کی تحریر پڑھنے جواب میں پیش کی ہیں۔

مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق

مختار مدعیہ نے ایک یہ نظریہ بھی قائم کیا ہے کہ کسی کو محض مسلمان مان لینے سے اس کا مسلم ہونا ثابت نہیں ہو جاتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقدمہ میں بحث چونکہ کفر و اسلام پر تھی۔ اس لیے صرف ان کے مسلمان ہونے کے متعلق سوال کیا گیا۔ ورنہ وہ لوگ جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ وہ مسلمہ امام ہے۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں اکابر دیوبند کے چند حوالجات پیش کرتا ہوں۔

- ۱۔ ملا علی قاری کے متعلق۔ ملا علی قاری شرح مناسک میں فرماتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۲۸۲۲۔ اور صفحہ ۳۶ میں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضوعات کبیرہ میں تحریر فرمایا ہے
- ۲۔ حضرت شیخ ملا علی قاری نے موضوعات کبیرہ میں واضعین حدیث کے دل چسپ واقعات نقل کیے ہیں۔ القاسم جلد ۵ نمبر ۱۱ بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۸۔
- ۳۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقات میں فرماتے ہیں۔
- سبیل السلاو ص ۵ مصنف مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ مسلمہ بحوالہ برکات الاملا ص ۱۰۶۵۔
- ۴۔ بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت انبشارہ کے عقد کرنے میں اس کا پتہ بھی حدیث میں ملتا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے۔ یہ بھی درست معلوم

ہوتا ہے۔ دونوں طرح پر عمل درست ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۶۔

کیا جس شخص کے احوال سے یہ سند پکڑی جاتی ہے اور اس کے فتاویٰ بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں وہ نرا مسلمان ہی ہے یا مسلمہ امام ہوگا؟

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ شیخ الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین کو ایک خط لکھا ہے۔

(القاسم جلد ۵ ص ۳۳)

۲۔ حفظ الایمان مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی کے صفحہ ۷ میں حضرت موصوف کو شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے

۳۔ تفسیر غایتہ البرہان کے مقدمہ ص ۱۶ میں حضرت موصوف کو امام ہمام شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ عارف صمدانی امام ربانی مجدد الطریقۃ السویتی علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب البیوا قیامت اٹھا کر دیکھو کتاب المنن والاخلاق میں پڑھو کہ ابناء عصر کی ان مظالم ہائے مٹھانہ کے فسانے کن دردناک لفظوں میں ارقام فرماتے ہیں۔ القاسم جلد ۵ ص ۱۵۔

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۸ میں بھی حضرت ممدوح الصدر کو امام ربانی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

مولوی محمود حسن دیوبندی شیخ الہند خلیفہ مولوی رشید احمد گنگوہی سابق صدر المدرسین مدرسۃ العلوم دیوبند اپنی کتاب الجہد المقل ص ۲۸ میں فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت امام العارفین وقودۃ الواصلین مسجد رسول اللہ صغی عباد اللہ منبع فیض نامحدود و سرآمدانمہ کثوف و شہود و سر دفتر و تخمین امت سر حلقہ بگوشاں اتباع سنت سلطان المحققین رئیس التکلمین حاجی مشرک حامی شریعت و طریقت قبوم ربانی و مقبول سبحانی امامنا و مجتہدنا حضرت شیخ مجدد الف ثانی حشر اللہ تعالیٰ مع الانبیاء و الصدیقین و جعلنا فی اتباعہ یوم الدین آمین اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۷۹ میں حضرت ممدوح الصدر کو مولوی محمد مسعود صاحب نقشبندی خلیفہ مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تہذیب سرہ لکھ کر اپنی تائید میں

آپ کی عبارت نقل کی ہے۔

۳۔ گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ
”شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک مسلم صاحب کشف ہیں۔“

مولوی رحمت اللہ صاحب ہاجر کی

۱۔ ”مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق ہیں اور باقرار علماء مکہ اعلم ہیں۔“

البراہین القاطعہ مولفہ مولوی خلیل احمد صاحب مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۲۶۲۔

۲۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹ میں لکھا ہے

”اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ اہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔“

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ مولوی حبیب احمد کیرانوی نے اپنے خط میں جو مولوی اشرف علی صاحب کو ارسال کیا ہے۔ ابن تیمیہ کو شیخ

الاسلام ابن تیمیہ لکھا ہے۔ القاسم ۷ جلد ۵ ص ۵۔

۲۔ مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام اور ان کی کتاب کو بیش بہا لکھا ہے۔

القاسم ۹ جلد ۵ ص ۱۱۔

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ”اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم حاشیہ ص ۹۔

مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد اسمعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری

کرنے والے اور قرآن اور حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے۔ اور تمام عمر

اسی حالت میں رہے۔ آخر کار نبی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان اولیئک اولا المتفقون اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت

میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور

عمل کرنا عین اسلام ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۱۔

۲۔ حجت اللہ ابوالفتح حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور صراط مستقیم و تقویۃ الایمان

جناب مولانا محمد اسمعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۳۷۔

اور ص ۴۹ میں عالم متقی ولی اللہ اور قطعی جنتی لکھ کر لکھا ہے کہ ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے

اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے اس طرح سبیل الرشاد ص ۴۶ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔

”حجتہ اللہ البالغہ میں شیخ شیوخنا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:“
اب مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی عدالت کے سامنے کہ کسی کو مسلمان ماننا اور چیز ہے اور اس کو معلم ماننا شے دیگر اور بزرگان موصوف الصدر کو اکابر دہلویوں کا امام ہمام اور شیخ الشیوخ اور عارف راشد اور ولی اور شہید اور شیخ الاسلام و شیخ الصوفیہ اور علامہ شیخ اکبر عارف امام ربانی مجدد السطریقہ امام الصادقین و قدوة الواصلین وغیرہ تسلیم کرنا بھی عدالت کے سامنے ہے۔

مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی کی کہ مرزا صاحب کی عبارتیں آپس میں متعارض ہیں۔ اس لیے ہماری پیش کردہ عبارتوں کا جواب نہیں ہو سکتیں۔ جتنی عبارتیں موافق اسلام ہیں قابل اعتبار نہیں لیکن مخالف اسلام عبارتیں قابل اعتبار ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لیے کفریہ کلمات کہنے کی کیا ضرورت اور ۸ اکتوبر کی بحث میں اس نے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ وہ ایک وقت میں کچھ کہتے اور دوسرے وقت میں کچھ اور۔ آہستہ آہستہ جس قدر لوگ برداشت کرتے چلے گئے وہ بیان کرتے گئے۔ چنانچہ اس نے اپنی تائید میں حقیقتہ النبوة ص ۱۴۲ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض باتوں کو رفتہ رفتہ ظاہر کرتا ہے۔

جواب:

مختار مدعیہ ان اکابر اسلام کو جن میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی شامل ہیں مسلمان تو کہہ سکتا ہے مگر مسلم ہونا اور بات ہے۔ وہ ان کو مسلم ماننے کو تیار نہیں۔ شیخ محی الدین ابی زینی عارف ربانی امام عبدالوہاب شمرانی قیوم صمدانی حضرت مجدد الف ثانی کو اس کے نزدیک مسلمان کہہ دینا تو ہو سکتا

ہے مگر مسلم ہونا اور بات اس کے نزدیک نہیں کیوں مسلم نہیں اس لیے کہ ان حضرات کے اقوال سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی تائید ہوتی ہے۔ ان مقدسوں کے متعلق جو اسلام کی روح ہیں یہ کہنا کہ ان کو مسلمان مان لینا اور بات ہے اور مسلم سمجھنا اور بات تمام مسلمانوں کے لیے عموماً اور عدالت کے لیے خصوصاً قابل توجہ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے اور مختار مدعیہ نے ۸ اکتوبر کی بحث میں جو مثالیں بیان کی ہیں۔ ان میں قطعاً کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ ان کے بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے ویسے ہی معاذ سازی سے کام لیا ہے جیسا کہ عیسائی قرآن مجید اور آنحضرت صلعم کے کلام میں تعارض ثابت کرنے کے لیے لیا کرتے ہیں۔ میں بطور نمونہ ایک دو مثالوں کا جواب دے دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔

۱- مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے تحفہ گوٹروی میں توبہ لکھا کہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں۔ جس کے متعلق نبیوں کی پیش گوئیاں ہیں۔ لیکن ازالہ اوہام میں یہ لکھا کہ اس عاجز نے جو قبیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس سے کم فہم لوگوں نے مسیح موعود سمجھ لیا ہے۔ یعنی ازالہ اوہام میں تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ صرف قبیل مسیح ہونے کا لیکن جب زمانہ گذر گیا تو تحفہ گوٹروی میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اور یہ مختار مدعیہ کا زرا مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں بھی مسیح موعود ہونے کا ویسا ہی دعویٰ کیا ہے جیسا کہ تحفہ گوٹروی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔
” واضح ہو کہ وہ مسیح موعود جس کا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پا چکا تھا۔ وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آگیا۔ اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ جو خدا تعالیٰ کی مقدس پیش گوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔“ ازالہ اوہام ص ۱۶۲ بار پنجم۔

۲- اور پیش نبی موسیٰ آنحضرت صلعم کا یہ اپنی سولہ میں اور دوسرے تمام نتائج میں جو قوم میں ان کی طاقت میں انکی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہو گئے اس مسیح سے مشابہ ہو گا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا اب جو امر کہ خدا نے تعالیٰ نے میرے پر سنکشف کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود ہیں جو آج
۳- لیکن یہ ایک خاص پیش گوئی کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ مسیح موعود کے نام پر آیا ہے۔ ازالہ ص ۶۹۔

۴- اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں پائی جاتی ہیں ص ۲۸ ان عبارات کی موجودگی میں حضرت اقدس کی عبارت کے قول میں ”اس عاجز نے جو مثل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں“ کا یہ مطلب لینا جو مختار مدعیہ نے لیا ہے معکلم کی منشاء کے صریح مخالف ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ اس جگہ آپ نے اپنے مخالف علماء کے عقیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ

کے ذریعہ کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب الہ فیصل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو۔ اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا اور حقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض متبعین فنا فی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ رتبہ ظلی طور پر بخش دیوے۔ جو ہمیں نختا تو اس صورت میں بلاشک ان کا ساختہ پر داختہ ہمارا ساختہ پر داختہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلنا ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں۔ اور جو ہمارے مقاصد اور ہم میں سے ہو کر پورا کرنا ہے۔ وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے۔ اس لیے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیش گوئی میں بھی شریک ہے۔ کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں۔ پس اگر ظلی طور پر وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے نسیل مسیح کا نام پائے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ گویا مسیح موعود ایک ہی ہے۔ مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود کے روحانی یگانگت کی راہ سے منم و مکمل ہیں۔ اور ان کو ان کے پھلوں سے شناخت کر دے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں کبھی تو بلا واسطہ اور کبھی بالواسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔“ ازالہ صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴۔

پس جو دعویٰ مسیح موعود ہونے کا آپ نے تحفہ گولڈویہ میں کیا ہے وہی ازالہ ادہام میں بھی موجود ہے۔

(۲)

ازالہ ادہام میں تو یہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں آگئے اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر ہے۔

جولب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ ادہام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ اس معنی کے لحاظ سے امتی ہیں جن معنی کے رد سے آپ نے ضمیمہ براہین پنجم میں حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر لکھا ہے بلکہ ازالہ ادہام میں بھی آپ نے بالتفصیح بیان فرما دیا ہے کہ وہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”بیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرقوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا مخصوص قرآنہ اور حدیثہ کی رو سے نکلی متع ہے۔“ ازالہ صفحہ ۲۳۵

پس جس خیال کا اظہار آپ نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں کیا ہے وہی ازالہ ادہام سے ثابت ہے۔

ازالہ ادہام میں مرزا صاحب نے کہا ہے کہ وہ ابن مریم جو آنے والا ہے۔ نبی نہیں ہوگا۔ لیکن حقیقتہً الوحی میں لکھا ہے "بعض آنے والے مسیح کا پستہ چلتا ہے۔ اس کا یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی ہوگا۔"

جواب :

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جیسے حقیقت الوحی میں آپ نے آنے والے مسیح کا نشان اس کا نبی ہونا قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ازالہ ادہام میں آپ نے فرمایا۔

"ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح مولود جو آنے والا ہے۔ اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پلنے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت نامہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت نامہ کاملہ بدرمہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ جو منکواۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے" ازالہ ادہام ص ۲۸۵

اور فرماتے ہیں۔

"اور مسلم میں اس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ مسیح نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتنی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدث من و جبر نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے؟" ازالہ ادہام ص ۲۴۲

ازالہ ادہام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے اور بدھ مارچ میں لکھتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں

جواب :

بدھ مارچ ۱۹۰۹ء میں جو یہ لکھا ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ تو ساتھ ہی نبی کی تشریح بھی کر دی ہے کہ "ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریحی نہیں۔ جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نبی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو ہم کفر سمجھتے ہیں؟"

اور ازالہ ادہام میں جو آپ نے فرمایا کہ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نبوت سے مراد نبوت مستقلہ ہے۔ اور جس قسم کی نبوت کے دعویٰ کا اظہار بدرمہ میں کیا ہے۔ اس سے آپ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ پھر جیسے

ازالہ کے حوالوں سے اور ثابت کیا جا چکا ہے۔ نیز ایک غلطی کے ازالہ میں آپ نے بالتقریح ذکر فرما دیا ہے کہ آپ نے جہاں کہیں نبوت سے انکار کیا ہے تو اس سے مراد نبوت مستقل اور شریعت والی نبوت ہے۔ البتہ مشنڈ سے پہلی کی تحاریر میں آپ نے اس قسم کی نبوت کو تحدیث سے بھی تعبیر کیا ہے۔ لیکن جب کثرت سے خدا تعالیٰ کے الہامات میں نبی اور رسول کا لفظ آپ کے حق میں استعمال ہوا اور آپ پر یہ حقیقت کھلی کہ اس قسم کی نبوت رسالت پر بھی نبی اور رسول کا اطلاق کرنا درست ہے اور یہ کہ نبی اور رسول کا نام پلنے کے لیے ضروری نہیں کہ شریعت لائے یا شریعت کے بعض احکام کو نسخ کرے جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال ہے۔ تو اس وقت آپ نے نبی اور رسول کے الفاظ کو بتا دیل محدث لینے کی بجائے اپنے حق میں نبی اور رسول کا استعمال شروع کر دیا۔ پس آپ کا ایک جگہ نبی ہونے سے انکار کرنا اور دوسری جگہ نبی ہونے کا اقرار کرنا مختلف معانی کے لحاظ سے ہے اور اگر معانی اور نسبتوں کے لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر قرآن مجید اور احادیث میں بھی بکثرت اختلاف پیدا ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ مختار مدعیہ کی طرح عیسائیوں نے بھی مختار مدعیہ کے اصول کے مطابق قرآن مجید میں اختلافات اور تعارضات نکالے ہیں۔ میں ان آیات اور احادیث میں سے جنہیں عیسائیوں نے مختار مدعیہ کی طرز پر آپس میں متعارض قرار دیا ہے چند بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اصحابہم الالٰہی ولد ذہم وانہم لیقولون منکرًا من القول ذرورا (مجاولہ) یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ کر پکارتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور برا قول کہتے ہیں۔ ان کی مائیں تو صرف دہی ہیں۔ جنہوں نے انہیں جنا ہے۔

لیکن سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وازولجاہم اہاتہم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

ایک جگہ تو کہا کہ کسی کی ماں صرف دہی ہوتی ہے جو اسے جنے۔ لیکن سورہ احزاب میں نبی کی بیویوں کو جنہوں نے مومنوں کو جنا نہیں ان کی ماں قرار دیا۔

۲۔ سورہ نجم میں فرمایا ما ضل صاحبکم دماغواہی۔ کہ آنحضرت صلعم گمراہ نہیں ہوئے لیکن سورہ والضحیٰ میں فرمایا۔ وجدک ضالًا فہدئی کہ تجھے گمراہ پایا تو ہدایت دی۔

۳۔ سورہ طہ میں فرمایا۔ ونحشرہ یوم القیامۃ اعلیٰ کہ ہم اس شخص کو جو خدا کے فکر سے اعراض کرے گا۔ قیامت کے روز اٹھا اٹھائیں گے اور سورہ ق میں فرمایا فبھزک الیوم حدید اس دن نظریں تیز ہوں گی۔ اور ہر ایک چیز کی حقیقت کا وہ پچشم خود مشاہدہ کریں گے۔

۴۔ یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها۔ یعنی جس دن ہر نفس اپنے نفس سے دفاع کے لیے جھگڑے گی اور دوسری جگہ فرمایا ہذا الیوم لا ینطقون ولا یؤذن لہم قیعتا دنوں۔ یعنی یہ وہ دن ہوگا

جس میں نہ وہ بولیں گے اور نہ انہیں عذر خواہی کی اجازت ہی دی جاوے گی۔

۵۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا۔ فلا نسأب بینہم لیومئذ ولا یصلوا لہون۔ یعنی وہ اس دن ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسری جگہ فرمایا و قبل بعضہم صلی بعض یتسألون۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

۶۔ اسی طرح ایک مقام پر فرمایا۔ و قضوہم انہم مسؤلون۔ کہ انہیں ٹھہراؤ۔ ان سے پوچھا جائے گا اور دوسری جگہ فرمایا۔ فیومئذ لا یسأل عن ذنبہ انسان ولا جان۔ یعنی اس دن جن وانس سے اپنے گناہوں کے بارہ میں پوچھا ہی نہیں جائے گا۔

رہا مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دعویٰ میں لوگوں کی برداشت مد نظر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے۔ سو یہ بھی کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ پہلے انبیاء پر بھی کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب میں بھی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ انبیاء پر تمام امور کی حقیقت کیوں نہیں کھول دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا انبیاء کی بعثت سے لوگوں پر تمام حجت کرنا ہوتا ہے تا وہ لوگ جن میں رشد و ہدایت پائی جاتی ہے۔ اس نبی کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہوں اور دوسرے لوگ تمام حجت ہو کر خدا کے عذاب اور سزاؤں کے مورد بنیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے مامور جو نہایت رحیم و کریم ہوتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ لوگ ہلاک ہوں اس لیے جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام صراحت کے ساتھ ان پر کسی چیز کی حقیقت نہ کھول دی جائے۔ وہ اسی پر قائم رہتے ہیں جو لوگوں کے خیالات کے قریب ہوتا وہ جلدی میں آکر انکار نہ کریں۔ لیکن دنیا دار لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مکر ہوتا ہے اور ایسے لوگ اگر خود لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایسا طریق اختیار کریں تو وہ اسے حکمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ بندوں پر رحم کرنے کے لیے اپنے مامور پر آہستہ آہستہ حقائق ظاہر کرے تو وہ اسے مکر اور فریب سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے حکیم ہے پھر کیونکر وہ حکمت کو اختیار نہ کرے اور چونکہ انبیاء کو اپنی بڑائی کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ ان خطبات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں ملتے ہیں۔ اپنے لیے استعمال کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ہم پہلو پر

غور کرتے ہیں اور ابتدا میں ڈرتے ہی ہیں۔ کہ میا دایہ آپ کے متعلق کا ہی دھوکہ ہو۔ اور اگر ان کی ایسی تاویل ہو سکتی ہو جو لوگوں کے خیالات کے اقرب ہو تو وہ اس کی تاویل کر لیتے ہیں۔ اور اسی پر قائم رہتے ہیں۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ اس کثرت الہام کے ذریعہ سے یہ واضح نہیں کر دیتا۔ کہ اس کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب یہ وضاحت و صراحت ہو جائے تو پھر کوئی پروا نہیں

کرتے اور بلا خوف و ہمتہ لائم وہ خطابات بھی نئے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ تدریجی دعوت کی مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں بھی ہمیں ملتی ہے۔ سب سے پہلے جب آپ پر فارصہ میں فرشتہ کا ظہور ہوا اور اس نے آپ کو خوب بھینچا اور تین بار پڑھنے کے لیے کیا اور اقرا باسم ربك الذی خلق کی وحی آپ پر نازل ہوئی تو آپ کا پنتے ہوئے دل کے ساتھ خدیجہ رحمہ کے پاس آئے اور کپڑا اوڑھانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور جب کچھ تسلی ہوئی تو فرمایا کہ ولقد خشیت علی نفسی (بخاری جلد ۱ ص ۲) یعنی میں ڈرا ہوا میرے نفس کا ہی یہ دھوکا ہو۔ یا اپنی جان کا صرف ہو۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

جس نے اپنا حال سن کر بتایا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے پاس فرشتہ آتا ہے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو اس معاملہ کی حقیقت و ورقہ بن نوفل سے معلوم ہوتی ہے۔ رادر ولقد خشیت علی نفسی کے معنی امام ملا علی قاری نے یہ کئے ہیں کہ میں ڈرا کہ مجھے جنون نہ ہو جائے یا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ پھر اس کے بعد کچھ دیر کے لیے وحی کا آنا بند ہو گیا تو آپ کی جو حالت ہوئی وہ امام بخاری کے نزدیک مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

وذاد البخاری حتی قرن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بلغنا حرتا عدا متہ سوارالی من روشی شواہق انجیل نکلما و فی بذ رواتہ جیل لکی یلقی نفسہ منہ تبدی لہ جبریل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقانیکن لذلک جاشہ و تقر نفسہ (مشکوٰۃ ص ۵۲۲)

یعنی وحی کے بند ہونے کے بعد آپ ایسے سخت تلگین ہوئے کہ آپ نے بار بار پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے گرنے کی خواہش کی۔ پس جب کبھی کسی پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر آپ سے کہتے کہ اے محمد تو درحقیقت خدا کا رسول ہے۔ تو اس سے آپ کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ سو جبریل علیہ السلام کا بار بار ظاہر ہو کر آپ سے یہ کہنا کہ تو سچ مچ خدا کا رسول ہے۔ بتاتا ہے کہ بندہ میں خدا تعالیٰ کے مومنین کو اپنے دعوتی کی شناخت میں کیسی مشکلات ہوتی ہیں۔ پس وہ اس وقت تک اس کو ظاہر نہیں کرتے جب تک کہ بارش کی طرح وحی کے ذریعہ انہیں اس کی صحت کا علم نہیں دیا جاتا۔ دیکھنا چاہیے کہ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے کس حکمت سے آہستہ آہستہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ پہلے آپ پوشیدہ طور پر تین سال تک اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کو دعوت دیتے رہے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے فاصلہ مہما تو مروض عن المشرکین کا ارشاد فرمایا تو آپ نے علانیہ طور پر اپنی دعوت کا اظہار کیا۔

(زاد المعاد جلد اول صفحہ ۲) آپ کی ترتیب دعوت کا ذکر امام ابن تیم نے اس طرح کیا ہے
 ”پہلے تو آپ کو یہ حکم ہوا اقدرا باسم ربك الذي خلق ذلك اذل نبوة يرايها في اول ما
 ہے اس وقت آپ کو اپنے آپ پڑھنے ہی کا حکم دیا گیا۔ تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپ پر آیات یا ایہما
 المدشرقہ فانذرنازل ہوئیں۔ اس میں آپ کو دوسروں کے ڈرانے کا بھی حکم دیا گیا۔ ثم
 امر ان یبذروا عشیرتہ الاقریبین پھر آپ کو اپنے قریبی خاندان والوں کے ڈرانے کا حکم دیا گیا
 (جیسا کہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین سے ظاہر ہے) ثم انذر قومک ثم انذر
 من حولک من العرب ثم انذر العرب قاطبۃ ثم انذر العالمین پھر آپ
 نے اپنی قوم کو ڈرایا پھر اس کو جو اس کے ارد گرد عرب میں رہتے تھے پھر تمام عربوں کو (جیسا کہ آیت
 تشذروا عما اتاہم من نذیر من قبلك سے ظاہر ہے) پھر اس کے بعد تمام جہانوں کو
 (جیسا کہ آیت لتکون للعالمین نذیرا میں ظاہر ہے) فاقام بضع عشرة سنة بعد نبوة
 بالذعوة بغير قتال ولا خيوة و لیومر بالکف والصبر والصفح ثم اذن له فی
 الهجرة و اذن له فی القتال المشرکین حتی یکون الدین کلامه لله الی آخره“

(زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۳۲)

پھر اپنی نبوت کے تیرہ سال بغیر قتال کے لوگوں سے کہ اپنا دعویٰ سنا کر ڈرنے رہے اور آپ کو جنگ سے
 رکے رہنے اور صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ پھر آپ کو ہجرت کی اجازت ہوئی اور اس کے بعد قتال کی پھر آپ
 کو حکم ہوا کہ جو آپ سے لڑے اس سے قتال کیا جاوے اور جو نہ لڑے اس سے قتال نہ کیا جاوے
 پھر آپ کو مشرکین سے قتال کرنے کا ارشاد ہوا یہاں تک کہ تمام دین الٹ کر کے لیے ہو۔ مذکورہ
 بالا ترتیب سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے تدبیر فرمائی اور پھر آپ سے اپنا دعویٰ لوگوں تک پہنچانے کے لیے
 ارشاد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ دعوت میں مذکورہ بالا طریق اختیار کرنے کی وجہ سے آپ پر عیسائیوں
 نے وہی اعتراض کیا ہے جو مختار مدعی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیا ہے۔
 اسی طرح پہلے تو آپ نے اپنی نبوت اپنی ذات تک محدود رکھی پھر آپ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرنے
 کی خواہش کی۔ یہاں تک کہ ہر بار حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا کہ آپ واقعی خدا کے رسول ہیں (یعنی کسی تردید کی
 اس میں ضرورت نہیں) پھر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کی تبلیغ کی۔ مدینہ میں پہنچ کر جہاں بیوک کثرت
 سے آباد تھے۔ فرمایا:

لا تخیرونی علی موسیٰ فان الناس یعمنون لیوم القیامتہ فاکون اول من یفقی فاذا

موسیٰ باطش فجاہت العرش (بخاری جلد ۴ ص ۸۸)

کہ تم مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ کیونکہ لوگ قیامت کے روز جب بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پہلو کو کپڑے کھڑے ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ وقت آیا کہ آپ نے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کیا اور فرمایا۔

والذی نفسی محمد بیدہ لو بد ملکھ موسیٰ فأتبعوہ وتروکتھونی لضللتھن من سواہ
النسیل ولو کان حیا وادرك تنوتی لا تبغی (مشکوٰۃ ص ۳۲) یعنی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تہاے لیے موسیٰ ظاہر ہوں اور تم اس کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو۔ تو تم سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے ایک اور حدیث میں ہے۔
لو کان موسیٰ حیاً لما وسعہ الا نبأھی کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ ایک وقت میں تو یہ فرمایا لا تفضلوین انبیاء اللہ (مشکوٰۃ ص ۳۰)

یعنی تم خدا کے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ لیکن پھر دوسرا زمانہ وہ آیا جب کہ آپ نے فرمایا
فضلت علی الانبیاء بیست (مشکوٰۃ ص ۱۵۲ بحوالہ مسلم) یعنی مجھے تمام انبیاء پر چھ بائوں میں فضیلت دی گئی ہے
اسی طرح ایک وہ زمانہ تھا کہ آپ نے علی الاعلان فرمایا۔ من قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب۔
(بخاری جلد ۳ ص ۸۳) یعنی جو کہے کہ میں یونس بن متی سے اچھا ہوں تو اس نے جھوٹ کہا۔ لیکن آپ نے اپنے متعلق فرمایا۔

انا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۵۴ بحوالہ ترمذی و دارمی)

یعنی میں پہلوں اور پچھلوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اشرف اور مکرم ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

نیز فرمایا:

انا سید ولما دم یوم القیامۃ ولا فخر و بیدہ لواء الحمد ولا فخر و ما من نبی

یومئذ آدم فمن سوره تحت لوائی (مشکوٰۃ ص ۵۳ بحوالہ ترمذی)

یعنی میں قیامت کے روز تمام نبی آدم کا سردار ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس میں فخر نہیں اور آدم اور ان کے سوا جس قدر انبیاء ہیں تمام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ نیز فرمایا۔

انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا شافع و مشفع

ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۵۴ بحوالہ دارمی)

یعنی میں بغیر کسی فخر کے رسولوں کا قائد ہوں۔ اور خاتم النبیین اور شافع ہوں اور ایسا شافع ہوں

جس کی شفاعت قبول کی جاوے گی۔

حضرت مسیح موعود کا برابر ابن احمد یہ ہیں آپ کو شیل مسیح ہونے کا الہام ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ کو مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق اس وجہ سے کہ آپ پر وفات مسیح کی فضیلت منکشف نہ ہوئی تھی زندہ لکھ دینا اور اسی طرح باوجودیکہ الہامات میں آپ کے حق میں نبی و رسول کے الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ نبی اور رسول کے معنی یہ سمجھے جاتے تھے کہ جو نبی شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور یہ تعریف آپ پر صادق نہ آئی تھی۔ اس لیے آپ کا لفظ نبی اور رسول بنا دلیل بمعنی محدث لینا جلئے اعتراض نہیں ہے لیکن جب آپ پر اللہ تعالیٰ نے بار بار کے الہام سے یہ حقیقت منکشف کر دی کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں۔ اور جب آپ نے یہ سمجھا کہ وہ جس پر کثرت امور غیبیہ کا اظہار ہو رہا ہے بنی ہوتا ہے۔ چاہے وہ نبی شریعت نہ لائے اور نہ ہی پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے اور نہ ہی وہ مستقل ہو بلکہ پہلے نبی کا پیر و پسر تو آپ نے وفات مسیح کا اعلان کر دیا اور لفظ نبی اور رسول کو بنا دلیل محدث لینے کی بجائے اپنے آپ کو امتی نبی اور رسول کہنا شروع کر دیا۔ کہ میں نبی ہوں یعنی خدا سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والا اور رسول یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے تصریح فرمادی کہ

”ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا وہ حالی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“ (ایک غلطی کا ازالہ)

حضرت مسیح موعود کا دعویٰ

۱۔ اکتوبر کی بخت میں مختار مدعیہ نے ایک یہ اعتراض کیا ہے کہ آج تک یہ پتہ نہیں کہ مرزا صاحب کیا چیز لے کر آئے اور نہ مرزا صاحب کے صحابہ ہی ثابت کر سکے اور دعویٰ کی تعیین نہیں۔ متعدد عادی کئے ہیں۔ مبلغ اسلام مجدد مصلح وغیرہ ذلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ اظہر من الشمس ہے۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے مامور کئے گئے۔ باقی جس قدر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاب دیئے گئے ہیں۔ وہ اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ آپ مجدد تھے اور مصلح تھے اور ہر نبی مجدد اور مصلح ہوتا ہے۔ آپ مبلغ اسلام بھی جیسے کہ آنحضرت صلعم بھی مبلغ اسلام تھے۔ اور آپ کو ہی سب سے اول دیا جاتا ہے۔ رسول۔ بلغ ما انزل الیک (تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ محدث بھی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کلام کی آپ نبی بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کثرت سے امور غیبیہ پر آپ کو اطلاع دی۔ آپ رسول بھی ہیں۔ ان معنوں میں کہ آپ خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے۔ آپ ان پیش گوئیوں کے بھی مصداق ہیں جو انبیاء کی کتابوں اور احادیث میں پائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی اصلاح کے

یہے مبعوث ہونے کی وجہ سے آپ ہمدی اور عیسائیوں کے لیے مسیح اور ہندوؤں کے لیے کرشن ہیں۔ پس آپ کو مختلف اقباب اور اسماء دیئے جانے سے آپ کے دعادی متعدد نہیں ہو گئے ورنہ اس طرح تو یہی اعتراض آنحضرت صلعم پر بھی آئے گا کہ آپ کے دعودوں کا پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ آپ کے دعادی متعدد ہیں۔ نبی۔ رسول۔ خاتم النبیین۔ حانی۔ حاشتر عاقب وغیرہ۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ آپ کی کتب سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

گواہان مدعیہ کی شہادتیں

بوجہ بات ذیل حضرت مسیح موعود و ہمدی معہود اور آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں

وجہ اول :

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور ہمدی معہود ہونے کا ہے۔ اور گواہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں نحو الحج اکر امہ ص ۳۶۳ اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۵۵ جلد ۲ ص ۱۱۱ یہ ثابت کر دیا ہے کہ مولوی لوگ جو تقلید اور اپنے بزرگوں کی اقتدا کے نوکر اور کفر کا فتویٰ دینے کے عادی ہونگے۔ ہمدی موعود کو کافر اور گمراہ اور دین کو تباہ کرنے والا قرار دیں گے اور علماء ظواہر مسیح موعود کے باریک اجتہادات کا انکار کریں گے اور اپنی مخالف کتاب و سنت جان لیں گے۔ اور قرآن مجید بھی یہی شہادت دیتا ہے کہ جزو آ۔ نداد اعانی کی طرف سے آتے ہیں مدعیان علم ان کی تکذیب کیا کرتے ہیں جیسا کہ آیت فلما جاء قہر رسولہم بالبینات فخرحو اباعندھم من العلم راہمون سے ظاہر ہے اس لیے حضرت مسیح موعود و ہمدی معہود کے کفر اور اسلام کے متعلق مولویوں کی شہادت قرآن و حدیث کی رو سے قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ دوم :

گواہان مدعیہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت سے اپنے حسد و بغض اور تعصب و عدالت کا اظہار کسی نہ کسی رنگ میں کر چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اگر گواہان کی شہادتوں کو دیکھا جائے تو اس میں احمادیوں اور ان کے امام کے خلاف جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اور باوجودیکہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا احمدی ہونا اسلام سے ارتداد ہے یا نہیں۔ عدالت کا حق حقا نہ کہ گواہوں کا گواہوں نے بار بار حضرت مسیح موعود اور احمادیوں کے حق میں کافر اور مرتد اور محد وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے ان کی جماعت احمدیہ اور مدعا علیہ سے عدالت و بغض بالکل واضح ہے اور ایسے شخص کی گواہی جس کی عدالت مدعا علیہ سے روز روشن کی طرح آشکار ہو چکی ہے کوئی عدالت چھوٹی ہو یا بڑی قبول نہیں کرتی۔ چنانچہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ہدیہ مجددیہ ص ۱۱۱ میں لکھا ہے۔

”ذکر فی البسوط فی مذہب مالک اندلا یجوز شہادۃ الفقاری یعنی العلماء لا نھمو
اشد الناس تحاسدا و تنبا غضا“

یعنی بسوط میں امام مالک کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مخالف علماء کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ
اول درجہ کے حاسد اور بغض رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے فاضل حجان مدراس ہائیکورٹ نے بھی مقدمہ پر عنوان
میں مولویوں کی شہادت Narantahath Avullah VS Parahuhial Mammur and Others. کو
کو اجمدوں کے خلاف اسی وجہ سے رد کیا ہے چنانچہ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

But we can not accept their opinion as settling the question, as argued for
the accused, particularly as they are interested as orthodox Mohammadans in
denouncing the members of the new sect as unbelievers. Indian Cases Vol. 71

اس لیے گواہان مدعیہ کی شہادتیں حضرت مسیح موعود و آراپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں۔
وجہ دوم :

گواہان مدعیہ کے بیانات اصولی مسائل ہیں ایک دوسرے کے متناقض ہیں چنانچہ
۱۔ گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح کہا ”عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں اس کے سوا جو وحی ہے وہ
وحی نبوت نہیں ہے لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ ۱ نے ۳۱ اگست کو
جواب جرح کہا۔ وحی نبوت نہیں آئے گی نہ کسی نئے نبی پر نہ پرانے نبی پر۔
پس گواہ مدعیہ ۱ تو حضرت عیسیٰ پر وحی نبوت کے نزول کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن گواہ مدعیہ ۱ کہتا ہے کہ
وحی نبوت پرانے نبی پر بھی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ گواہ مدعیہ ۱ نے جواب جرح ۲۱ اگست کو یہ تسلیم کیا ہے۔ ”مسیح علیہ السلام پر اگر کوئی جبرئیل علیہ السلام کے
نازل ہونے کا قائل ہے تو اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ اور پھر حج الکرامہ کی عبارت ”ظاہر است کہ آئندہ وحی
سوتے“ (یعنی مسیح علیہ السلام شمس جبرئیل علیہ السلام باشند بلکہ بہ ہمیں یقین داریم و دران ترددی کنیم) کی
تردید نہیں کرتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول جبرئیل کو جائز قرار دیتا ہے لیکن برخلاف اس
کے گواہ مدعیہ ۱ نے ۳۱ اگست کو جواب جرح یہ کہا ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے
بعد اب کسی شخص پر نازل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے۔“
۳۔ گواہ مدعیہ ۱ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ کتب لغت میں سے کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا کہ جس سے
قطعا یقیناً یہ ثابت ہو کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے ہی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف گواہ مدعیہ

۳۱ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔

”کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح الخا ہر کے معنوں میں بھی ہے“

پس گواہ ۳۱ کے اس قول کے مطابق لغت کی رو سے برخلاف گواہ ۳۲ بیویوں کی ہر کے معنی ہو سکتے ہیں۔

۴۔ گواہ مدعیہ الف و گواہ مدعیہ ۳۱ اپنے بیانوں میں کہتے ہیں کہ وہی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ نبوت نہیں کیونکہ وہی لازمی چیز ہے۔ لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ ۳۱ نے نجواب جرح ۴۱ اگست کو یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق وہی کے دعویٰ کو کفر نہیں کہا گیا۔ اور گواہ مدعیہ ۳۱ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر وہی نبوت ہوگی اور اس کے سوا جو وہی ہے وہ وہی نبوت نہیں۔ پس گواہان مدعیہ الف وہی تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت مسلم کے بعد وہی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہی لازمہ نبوت ہے لیکن گواہ مدعیہ ۳۱ ۲۱ اگست کو نجواب جرح بحوالہ فتوحات اور گواہ مدعیہ ۳۱ اور گواہ مدعیہ ۳۲ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی ہو سکتی ہے اور نیز گواہ ۳۱ نے ۳۱ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر غیر تبلیغی وہی ہوگی۔

۵۔ گواہ مدعیہ ۳۱ نے ۲۴ اگست کو نجواب جرح کہا کہ حضرت عیسیٰ رسول الی بنی اسرائیل تھے اور میں نہ پہلے وہ ہمارا ہی طرف مبغوث ہوئے تھے اور نہ اب۔ اور جب آئیں گے تو وہ منصب نبوت پر نہ ہوں گے۔ لیکن برخلاف اس کے گواہ مدعیہ ۳۱ نے ۳۱ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ موجب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور ان کے نزول کے وقت ہوتی شخص ان کو نہ مانے گا وہ مسلمان نہ ہوگا۔

۶۔ گواہ ۳۱ نے ۲۱ اگست کو نجواب جرح کہا کہ آیت دماحان بشر میں جو طرق وہی کے بیان کیے گئے ہیں وہ امت محمدیہ پر بند ہیں مگر گواہ ۳۱ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ ام موسیٰ اور مریم پر جو وحی ہوئی وہ قرآن کے بیان کردہ نہیں طرق میں داخل ہے اور گواہ ۳۱ اور مختار مدعیہ کے نزدیک وہ وحی جو وہی نبوت نہ ہو وہ امت محمدیہ کے افراد کو ہو سکتی ہے جیسے کہ حضرت مریم اور ام موسیٰ کو ہوئی کیونکہ وہ نبی نہ تھیں اور وہ وحی گواہ ۳۱ کے نزدیک آیت دماحان بشر میں مذکورہ طرق میں داخل ہے جو گواہ مدعیہ ۳۱ کے قول کے بالکل مخالف ہے۔

گواہان مدعیہ کے بیانات میں ایسے تناقضات اور بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کرتے ہوئے میں ان تناقضات کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہوں۔ جو ہر گواہ کے اپنے بیان میں پائے گئے ہیں مثلاً گواہ مدعیہ ۳۱ نے ۲۱ اگست کو نجواب جرح حدیث من تراء الصلوٰۃ متعمداً فقد كفر کے متعلق کہا کہ امت اس کے یہ معنی سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا۔ یعنی عمداً نماز کا تارک امت کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ لیکن پھر اس کے بعد یہ اقرار کیا کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر قرار دے کر ان سے نکاح وغیرہ معاملات کو حرام قرار

دیا ہے۔ اور ان دونوں قولوں میں مخالفت پایا جاتا ہے اور اسی طرح گواہ ۳ نے اپنے بیان مورخہ ۲۵ اگست کو کہا کہ مسیح نسخ بروز دینہ یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ لیکن اس نے ۲۹ اگست کو بحجاب جرح تسلیم کیا کہ آیت کو نواقرۃ غاسئین کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ مسیح ہو گئے تھے جس ان دونوں قسم کے تناقضات کی موجودگی میں گواہان مدعیہ کی شہادتیں قابل قبول نہیں ہیں۔

وجہ سوم ۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب کا سوائے ان عبارات کے جس پر انہوں نے اعتراض کیا ہے مطالعہ نہیں کیا۔

گواہان مدعیہ نے جیسا کہ شاہد مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو بحجاب جرح تسلیم کیا ہے۔
 ”کہ میں نے مرزا صاحب کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس قدر کہ مجھے حکم دینے کے لئے ضرورت ہوئی اس قدر میں نے مطالعہ کیا۔“

اور گواہ مدعیہ ۱ نے ۳۱ اگست کو بحجاب جرح کہا میں نے تمام کتابیں مرزا صاحب کی مطالعہ نہیں کیں اور مختار مدعیہ نے بھی ۲ اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعیہ کے اس نقص کو چھپانے کے لیے یہ کہا کہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لیے اس کی دوسری کتابوں کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے دوسری کتابوں کے دیکھنے کا اعتراض گواہان مدعیہ پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۹ اگست کو بحجاب جرح یہ اصل تسلیم کیا ہے۔

”کہ ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعدا جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کر لیا جائے۔ اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اور اس طرح گواہ مدعیہ ۱ نے ۳۱ اگست کو بحجاب جرح کہا
 ”کہ متکلم کے مفہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر عمل کیا جائے گا“

پس اس اصل کے مطابق کسی کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دوسری کتابوں کو دیکھا جائے اور اس کے تمام اقوال کو یکجائی نظر سے دیکھ کر پھر اس پر حکم لگایا جائے۔ لیکن گواہان مدعیہ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے معترف ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا محققہ مطالعہ نہیں کیا۔ اس لیے ان کی شہادت حضرت مسیح موعودؑ کے کفر و اسلام کے متعلق کوئی وزن نہیں رکھتی اور رد کرنے کے لائق ہے۔
 وجہ چہارم :

رد باہلی نے اپنے فیصلہ میں علماء اسلام کی آراء حاصل کرنے کے متعلق لکھا تھا۔ اور علماء اسلام کہلانے کے وہی مستحق ہو سکتے ہیں جنہیں مسلمانوں کے تمام فرقے عالم اسلام سمجھتے ہوں۔ مگر گواہان مدعیہ عالم اسلام تو کجا رہے علماء عربین اور علماء ہند کے نزدیک مسلمان بھی نہیں ہیں۔ بلکہ مرزا اور خارج از دائرہ اسلام ہیں جیسا کہ پہلے

ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس لیے ان کی شہادتیں رد کرنے کے لائق ہیں۔
وجہ پنجم :

گواہان مدعیہ کے صریح کذب

چونکہ گواہان مدعیہ اپنے اکابر علماء و ائمہ کی تعلیم کے مطابق ایسے معاملات میں کذب صریح کو جائز خیال کرتے ہوئے اپنے بیانیوں میں جا بجا کذب صریح کے مرتکب ہوئے ہیں اس لیے ان کی شہادت ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے صریح کذبات سے چند بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)

پہلا کذب صریح

گواہ مدعیہ الف نے اپنے بیان میں یہ کذب صریح استعمال کیا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو خالق جانا اور حوالہ آئینہ کمالات اسلام کا دیا ہے۔ حالانکہ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ واقعہ میں نے خواب میں دیکھا اور وہیں اس کی تعبیر بھی حضور نے بیان فرمادی ہے۔

(۲)

دوسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ الف نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف بحوالہ البشری جلد ۲ ص ۶۹ یہ بھی منسوب کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان سے کہا۔

”جس طرح میں قدیم ادرازی ہوں۔ اس طرح تیرے لیے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے۔“

اور یہ گواہ مذکور کا نہایت ہی صریح کذب ہے۔ کیونکہ عبارت البشری میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

(۳)

تیسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ ب نے اپنے بیان میں بحوالہ توضیح مرام ص ۳۷ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا ہے۔

کہ آپ ملائکہ کو مکاروں کی ارواح مانتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے جیسا کہ ملائکہ کی بحث میں ذکر آچکا ہے۔ پس گواہ ۱ کا آپ کی طرف یہ عقیدہ منسوب کرنا اس کا ایک کذب صریح ہے۔

(۴)

چوتھا کذب صریح

گواہ مدعیہ ۱ نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بحوالہ توضیح مرام ص ۵۷ یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے نجوم کی تاثیر سے ہو رہا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہ ہے کہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ بحث ملائکہ میں ذکر آچکا۔ پس گواہ مذکور کا یہ ایک بھوٹ ہے۔

(۵)

پانچواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۱ اگست کو بحوالہ جرح یہ صریح جھوٹ بولا کہ مسیلمہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں تھا۔ اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ قرآن شریف کے مقابلہ میں اس نے کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہ مجھے علم نہیں وہ شریعت قرآن شریف کا متبع تھا یا نہ مجھے معلوم نہیں۔ حالانکہ نہایت قلیل علم رکھنے والا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے نماز روزہ وغیرہ کو ترک اور شراب و زنا وغیرہ کو جائز کر دیا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۹ اگست کو بحوالہ جرح تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا اور حج اکرامہ ص ۲۳۳ میں جو واقعات رحیل غم اور تیغ نماز روزہ اور قرآن کے مقابلہ میں سورتیں بنانے کے (مسیلمہ کی طرف نسبت کئے گئے ہیں یہ وقوع میں آئے ہیں۔

(۶)

چھٹا کذب صریح

گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۱ اگست کو بحوالہ جرح کہا ہم احمد رضا خان بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خان کو بھی ہم کافر نہیں کہتے اس کے اقوال کا تاویل کرتے ہیں: "حالانکہ یہ سراسر غلط اور قطعاً کذب صریح ہے

(۷)

سأوال کذب صریح

گواہ مدعیہ ۷ نے ۲۱ اگست کو جواب جرح حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقل کفر یہ کہا کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا یعنی عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہوگا۔ لیکن جب اور زیادہ جرح کی گئی تو حق بات بیان کرنی پڑی کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر کہا ہے۔ اور اس اقرار سے اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس کا پہلا جواب کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہوگا۔ جھوٹ تھا۔

(۸)

آٹھواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۷ نے ۲۲ اگست کو جواب جرح کہا: ”مرزا صاحب نے اپنی کسی ایک کتاب میں وحی کو جمع نہیں کیا۔ اور نہ انہوں نے کسی خاص کتاب کو شریعت قرار دیا۔ لیکن ان کی جو وحی جس جس کتاب میں درج ہے وہ وحی شریعت جدیدہ ہے۔“

حالانکہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تصانیف کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ کی وحی کو وحی شریعت جدیدہ قرار دینا ایک کذب صریح کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۹)

نواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۷ نے ۲۳ اگست کو جواب جرح یہ صریح کذب استعمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے بعد قرآن کو آخر الکتب نہیں مانا اور اس قول کے صریح کذب ہونے میں حضرت مسیح موعود کی کتب سے ذرا بھی مس رکھنے والے شخص کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔

دسواں کذب صریح (۱۰)

گواہ مدعیہ ۲ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح کہا۔

”مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۹۹ مکتوب ۱۵ میں جو کچھ لکھا ہے وہ کشفی ہے یا الہامی“
لیکن جو شخص اس مکتوب کی عبارت پڑھے گا اسے گواہ مدعیہ کو مذکورہ جواب دینے کی وجہ سے کاذب کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ اس مکتوب سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس بات کا وہم بھی نہیں گذرتا ہے کہ یہ کلام کشفی یا الہامی ہے۔ امام صاحب اس مکتوب کو ان الفاظ سے شروع کرتے۔

”اعلم ایہا الانح الصدیق ان علامہ سبعاہ و تعالیٰ مع البشر قد یکون شفاہا و ذلك الافراد من الانبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات و قد یکون ذلك لبعض الکل من متابعیہم بالبتعیة و الوراثة ایضاً و اکثر هذا القسم من الکلام مع واحد منہم سبی محدثا کما کان امیر المؤمنین عمرؓ و هذا غیر الہام و غیر الاتقاء فی الروح و غیر الکلام اللہی مع الملک انسا ینحاطب بهذا الکلام الانسان الکامل“

یعنی اے برادر صادق جان لے کہ خدا تعالیٰ کا انسان سے مکالمہ کبھی تو بالمشافہ ہوتا ہے اور وہ انبیاء کرام کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ایسا کلام انبیاء علیہم السلام کے کامل فرمانبرداروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو انبیاء کی پیروی کی برکت سے بطریق وراثت ہوتا ہے۔ پس جب ایسے کلام بکثرت ان کا دل میں سے کسی کے ساتھ ہوتا تو اس کا نام محدث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے اور یہ کلام الہام سے اولیٰ الاتقاء فی الروح کے علاوہ ہوتا ہے۔ اور اس کلام سے بھی علاوہ ہوتا ہے جو فرشتہ کے ذریعہ ہوا ایسے کلام سے صرف انسان کامل ہی مخاطب ہوتا ہے۔“

اب بتاؤ کیا اس مکتوب کی عبارت کو کشفی یا الہامی کہنا صریح کذب نہیں ہے؟

گیارہواں کذب صریح (۱۱)

گواہ مدعیہ ۳ نے ۱۸ اگست کو جواب جرح مسلم الثبوت جلد ۲ ص ۱۹ کی عبارت ”واما فی مستقبلات کا شروط السامۃ و امور الاخرة فلا مند العنیة لان الغیب لا مدخل فیہ للاجتہاد“ کا یہ مفہوم لکھوایا کہ :

تیرہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ اگست کو تجواب جرح حدیث علماء ہمرشرمن تحت ادیہرالسباء کے مفہوم میں یہ لکھوایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے وقت علماء یہود ان کے مخالف ہوں گے۔ احادیث کی کتابوں میں یہودیوں کا ذکر ہے۔ وہ مخالف ہوں گے نہ کہ رسول اللہ کی امت یہود بن جائے گی۔ اور یہ گواہ مدعیہ کا صریح جھوٹ ہے کیونکہ احادیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے۔ حدیث علماء ہم میں علماء سے مراد مسلمانوں کے ہی علماء ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اسلام کا ذکر ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کے بھی صرف حروف و نقوش باقی رہ جائیں گے اور مسجدیں بہت ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان کے علماء بدترین مخلوق ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ مراد مسلمانوں کے مولوی ہیں۔ یہود کا اس حدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور اس طرح دوسری احادیث میں بھی صاف وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا یقین علی امتی ما آتی علی نبی اسرائیل حفظ النعل بالنعل (مشکوٰۃ ص ۲) کہ میری امت پر بھی وہ تمام حالات آئیں گے جو نبی اسرائیل پر آئے اور فرمایا کہ لیجھی سنن من قبلکم الحدیث (بخاری جلد ۲ ص ۱۷) کہ تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بالشت پیروی کرو گے۔ صحابہ نے عرض کیا یہود اور نصاریٰ کی تو آپ نے فرمایا کہ اور کون یعنی یہود اور نصاریٰ کی پیروی کرو گے اور تمام علماء اور ائمہ ان احادیث سے یہی مراد لیتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے علماء کی حالت بگڑ جائے گی چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں۔

”اگر نمونہ یہود و نواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دینا باشند“ (اعزاز الکبیر ص ۳۱) گواہ مدعیہ ۴ نے کذب صریح کو استعمال میں لاکر احادیث کا ایسا مفہوم بیان کیا ہے جو بالکل ہی غلط ہے۔

چودھواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ اگست کو تجواب جرح یہ کہا کہ

”مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۱۷ میں علماء نظر ۱ ہر کے متعلق جو لکھا ہے وہ مکاشفہ ہے“ اور یہ بالکل ایسا ہی کذب صریح ہے جیسا کہ منہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس میں بھی کوئی لفظ کشف یا الہام کا نہیں ہے۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نسل نے ۹ مارچ کو بحجاب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں بلکہ صرف محدثیت کا آیا ہے غلط ہے۔ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔
 در حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیر تشریحی نبی ہونے کا دعویٰ تو تو ضیح مرام میں بھی کیا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ پہلے آپ محدث کا بھی لفظ استعمال کرتے تھے لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے۔ اور اپنے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے۔ اور جب وہ الہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر دال ہیں۔

اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب نے خواجہ صاحب کی وفات کے بعد دعویٰ نبوت کیا ہے تو بھی یہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ خواجہ صاحب آپ کے مصدق تھے کیونکہ آپ کی زندگی تک جو دعویٰ حضرت مرزا صاحب کے آپ کے سامنے پیش ہوئے آپ نے ان کی تصدیق کی۔ سو اگر آپ مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کرنے کے وقت بھی زندہ ہوتے تو آپ ضرور اس کی تصدیق کرتے۔ جیسا کہ وہ صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اور صرف دعویٰ نبوت کر ہی انہوں نے پایا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت کے وقت بھی موجود ہوتے تو وہ اس کی تصدیق کرتے۔ اور اس پر ایسا ہی ایمان لاتے جیسا کہ آپ کے دعویٰ نبوت پر ایمان لائے تھے۔ لیکن یہ بات ہی سرے سے غلط ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے پاس مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کے الہامات میں جا بجا رسول اللہ نبی کے الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ الہامات خواجہ صاحب کی زندگی میں ہی حضرت مسیح موعود کی کتب میں شائع ہو چکے تھے۔ اور خواجہ صاحب کو ان سے اطلاع تھی۔

اعتزازی

مولوی رکن الدین نے مولوی غلام احمد اختر کو اغویم لکھا ہے جس سے ان کی آپس میں دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔

جواب

(۱) اگر اغویم کہنے سے دوستی کا اظہار ہوتا ہے تو خواجہ صاحب نے حضرت مسیح موعود کے حق میں جو القاب تحریر فرمائے ہیں۔ ان سے لاشائمانا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود خواجہ صاحب کے نزدیک ایک برگزیدہ اور شہلا رسیدہ انسان تھے۔

(۲) کیونکہ وہ دونوں خواجہ صاحب کے مرید تھے۔ اور دینی بھائی تھے اس لیے مولوی رکن الدین صاحب نے انہیں اغویم لکھا۔ جس کے معنی میرے بھائی کے ہیں۔

(۳) دوستی اس لیے تھی کہ خواجہ صاحب کے نزدیک مولوی غلام احمد صاحب اختر کا ایک خاص مقام تھا چنانچہ اشکلات فریدی جلد ۳ صفحہ ۱۷۳ میں لکھا ہے۔

دربعد انراں برادر مولوی غلام احمد اختر را فرمودند کہ تو ہم بنویس دے نوشتن نشست و حضور انور از سر شرفقت و عنایت فرمودند کہ ایں میان اوچہا ماست ازین شب برادر مولوی غلام احمد اختر گاہ حضور خواجہ الباقہ اللہ تعالیٰ یلقب اوچہا سرفراز و ممتاز گردید۔ باید دانست کہ اوچہا در لغت ہندی اہل ہنود معلم و اسناد را گویند۔

اختر تہن

مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا ان کے کسی مرید اور خلیفہ نے مرزا صاحب کو نہیں مانا۔

جواب

مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا اور مریدوں نے بھی حضرت مسیح موعودؑ کو برحق مانا اور اگر یہ تسلیم بھی کیا جاوے۔ کہ اختر کے سوا اور کسی نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی تصدیق اور نایمید نہیں کی۔ تو کیا اس سے یہ لازم آجائے گا۔ کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کی تصدیق نہیں کی تھی کیونکہ یہود کے انبیاء اور اولیاء اس امر کی خبر دینے نہیں آئے تھے کہ ایک نبی عرب میں مبعوث ہوگا۔ پھر کیا یہود نے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کے کہ یہ وہی نبی ہے تسلیم کر لیا تھا؟ نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ انبیاء نے آپ کی تصدیق کی ہے نگار کر دیا تھا۔ اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیانت کرنے پر یہود نے کہا خیرنا واین خیرنا واین افضلنا واین افضلنا کہ وہ ہم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اچھا اور اچھوں کی اولاد اور ہم میں سے صاحب فضیلت اور ہم سے افضل کی اولاد ہے لیکن جب انہوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ تو ان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے ان کو یہودیوں میں سب سے بلا قرار دیا۔ اور خیرنا واین خیرنا کی بجائے شرنا واین شرنا کہنا شروع کر دیا۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مصر)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لو آمن بی عشرة من الیہود لا من بی الیہود۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ مصر) یعنی اگر مجھ پر دس یہود بھی ایمان لے آتے تو پھر سب یہود مجھے مان لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دس یہود نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی تھی۔ پس خواجہ صاحب کے خلفاء کا حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کو صحیح تسلیم نہ کرنا یہ نہایت نہیں کرنا۔ کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہ کی تھی۔ اور اب جب کہ اس شہادت فقہ کا پرچا ہوا ہے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتے ہیں۔ کہ حضرت خواجہ صاحب

کے ساتھ تعلق رکھنے والے اور آپ کی پیردی کے شائقوں میں سے بہت سے نیک لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق کریں گے اور بناغت امدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔

اعتراض

خواجہ محمد محنت صاحب کے مولوی رکن الدین صاحب کو برادر دینی کہنے سے ان کی توثیق نہیں ہوتی۔

جواب

(۱) کوئی عقلمند انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اگر مولوی رکن الدین صاحب کے مولوی غلام احمد صاحب اختر کو اخیر کتب سے درستی ثابت ہوتی ہے تو خواجہ محمد محنت صاحب کے مولوی رکن الدین کو برادر دینی کہنے سے بھی ضرور درستی ثابت ہوتی ہے۔ امد جو خواجہ صاحب اور ان کے خلفاء کا درست جو اس کو لا محالہ فقہ شخص ماننا پڑے گا۔

(۲) مولف مناقب فریدی جو حضرت خواجہ صاحب مغفور کے مرید اور خلفائے مقررین میں سے ہے یعنی مولوی احمد اختر صاحب انہوں نے مولوی رکن الدین صاحب کو مولانا سلمہ ربہ عزیز القدر مولانا کے القاب سے یاد کیا ہے۔

(سوانح عمری فرید ثانی صفحہ ۱۰)

(۳) اور لکھا ہے۔ پھر بارگاہ فریدی سے ۱۳۱۵ھ کو انہیں ختمِ خلافت عطا ہوا۔

(سوانح عمری فرید ثانی صفحہ ۲۸)

(۴) پھر مولانا رکن الدین صاحب کی کتاب کی توثیق مولوی احمد اختر صاحب کے قول سے بھی ہوتی ہے جو خواجہ صاحب کے خلفاء دین میں سے تھے۔ بلکہ وہی مثال خلافت تیار کر اگر بجا اگر حضور کے دستخط خاص سے مزینہ، کرا کر خدمت خلیفہ صاحب میں سپرد کرتے تھے۔

(سوانح عمری فرید ثانی صفحہ ۳۰)

وہ لکھتے ہیں :-

اب اے مفلوذاً ختمِ ریف (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے) مقاب میں المجالس السی باشارات فریدی سے ظاہر ہے۔ جو عزیز القدر مولانا رکن الدین صاحب نے اٹھ برس حاضرہ کر جمع کیا ہے۔

(سوانح عمری فرید ثانی صفحہ ۱۰)

اسی طرح خواجہ محمد محنت صاحب نے کتاب اشارات فریدی جلد سوم کے آخر میں جو تقریر لکھی ہے اس میں یہ ظاہر کر کے کہ اشارات فریدی میرے والد ماجد خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں فرمایا ہے اور کہ آنرا برادر دینی مولانا رکن الدین پیراوضوکی سلمہ ربہ در مدت نہ سال ہمہ تن گوش گردیدہ جمع کردہ است۔ یک نسخہ بود وہم مریدان و معتقدان و عملہ طالبان طریقت و سالکان حقیقت بہر طرف بویان و جویان اس خیمہ معارف نورد

پس بصرف زر کثیر باہتمام خان صاحب والا شان محمد عبدالعلیم خان صاحب بہادر سکندر ریاست ٹونک طبع کنائدم
تادرا اطراف واکاف عالم شائع کردو دہر کے مطالعہ اں نسخہ متبرکہ ہمت برگاردو جو اہر معارف بدست آرد فقط فقیر
محمد بخش بقلم خود۔

ان کلمات سے ظاہر ہے۔ کہ مریدوں کے نہایت اصرار کے بعد یہ کتاب شائع کی گئی۔ خواجہ محمد بخش
صاحب کی اجازت سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ پس یہ اشارات فریدی اور اس کے مولف کی توثیق کے متعلق
اتنی بڑی شہادت ہے جس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مختار مدیر کہتا ہے کہ یہ تقریظ بھی
قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ خواجہ محمد بخش صاحب نے تعمیر اپنے والد صاحب کے ملفوظات پڑھنے کی تقریظ لکھ دی
ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے بغیر پڑھے ملفوظات مندرجہ اشارات فریدی اپنے والد صاحب
کی طرف منسوب کر دیئے ہیں مختار مدیر نے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب پر تو یہ طعن کی تھی کہ انہوں نے
(حضرت اقدس) مرزا صاحب کی کتابیں مطالعہ کئے بغیر ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اور ان کے فرزند احمد حضرت خواجہ
محمد بخش صاحب پڑھکر الزام لگا دیا۔ کہ انہوں نے بغیر اشارات فریدی پڑھنے کے اس پر تقریظ لکھ دی ہے۔ اور اس کو
اپنے والد صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ قرار دے دیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب جیسے بزرگ دیر گزیدہ خدا کے ملفوظات طبع کئے جاتے ہیں۔ مریدوں کی طرف سے
بہت سا اصرار ہونے پر ان کے فرزند و خلیفہ خواجہ محمد بخش صاحب اس پر تقریظ لکھتے ہیں۔ اور پھینکے کی اجازت
دیتے ہیں۔ ٹونک کے ایک رئیس اعظم اس کی طباعت پر رقم صرف فرماتے ہیں۔ معتقدین خواجہ صاحب اس کو
ترجیح دیتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ اور خواجہ محمد بخش صاحب کی تقریظ بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی یہ
نہیں کہتا۔ کہ یہ ملفوظات یا ان سے کوئی حصہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کا نہیں ہے۔

کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے۔ کہ اگر حضرت خواجہ صاحب کے مریدوں اور معتقدوں میں سے اشارات
فریدی کے متعلق کسی کو ذرا سادھی شبہ ہوگا کہ اس کا کوئی حصہ خواجہ صاحب کی طرف نہیں ہے تو وہ خاموش بیٹھا رہتا
نہیں نہیں یہ بات کسی طرح سمجھ میں آنے کے لائق نہیں ہے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی یہ شہادت ایک ایسی
شہادت ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی۔ اور وہ اس کو کوئی مشتبہ کر سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس میں
کچھ غلط ڈالنا یا غلط ثابت کرنا اب انسانی طاقتوں سے بالکل باہر کر دیا ہے شہادت دینے والے اس کو علم بند کرنے
والے۔ ان کی تصدیق کرنے والے اور طبع کر لے والے سب فوت ہو چکے ہیں۔ اور اب اس کے خلاف نہ کسی کا
عذر قبول ہو سکتا ہے نہ کسی کی شہادت۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اور اب اس کو بدل دینے والا کوئی نہیں۔
پھر اسی کتاب یعنی جلد ۳ اشارات فریدی میں جس سے حضرت مسیح موعود کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش

کی گئی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸۷ میں لکھا ہے۔ "روایں جلد سوم از اول تا آخر پنجاب اقدس حضور خواجہ بقاہ اللہ تعالیٰ بقاہ سبق بہ سبق خواندہ ام و حضور خواجہ بقاہ اللہ تعالیٰ بکمال عنایت و توجہ سماع فرمودند و تصحیح و اصلاح معہ تحقیق تام نموده اند۔"

اس عبادت سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ کتاب بغور سبقتاً سبقتاً سنی ہے اور اس کی بعض جگہ تصحیح بھی فرمائی ہے۔ پس اس میں جو ملفوظات ہیں وہ یقیناً خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جگہ اشارات فریدی خواجہ صاحب کی طرف منسوب کی ہے۔ اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر اس سے قبل یہ لکھ کر تشریح کر دی ہے کہ اشارات فریدی خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں۔ لیکن گواہان مدعا علیہ نے اسے مولوی رکن الدین صاحب کی کتاب اس لیے قرار دیا کہ وہ اس کے مرتب اور جمع کنندہ تھے اس لیے حضرت مسیح موعودؑ اور گواہان مدعا علیہ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے خیال کیا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کو جب اس کا کچھ جواب ذہن پڑا تو یہ کہہ دیا۔ کہ گواہ مدعا علیہ نے بجواب جرح یہ کہا کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے اسے سبقتاً سبقتاً اور اشارات خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب اور شائع ہوئی۔ حالانکہ گواہ نے ملکہ جرح کے جواب میں یہ بات صاف کر دی تھی۔ کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے نہیں سنی بلکہ خود حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے یہ سبقتاً سبقتاً سنی ہے۔ اور خواجہ صاحب کی وفات کے ایک سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی۔

اور نیز مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مرید کا قول مطلقاً بیبر کے حق میں معتبر نہیں۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ نے اصل الفاظ یہ تھے۔ کہ مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی یقینیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا اور مولوی رکن الدین جس کے متعلق یہاں بحث ہے وہ معمولی انسان نہیں بلکہ حضرت خواجہ صاحب کے خلفاء میں سے ہیں۔

اعتراف

اس خط میں یہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی عربی کلام طاقت بشری سے خارج ہے پس یہ خواجہ صاحب کا قول نہیں ہو سکتا۔

جواب

قول نہیں ہو سکتا کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ شواہد یقینہ اور دلائل قویہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ قول حضرت خواجہ صاحب کا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ عربی کلام قرآن مجید کی طرح ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ اگر تائید الہی نہ ہوتی تو بعض انسانی طاقت کا یہ کام نہیں تھا۔ کہ اتنی

جلدی ایسا فیض اور بلیغ اور پورا معارف عربی کلام لکھ سکے ہیں اس میں خواجہ صاحب نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تائید الہی تھی۔ اس لیے آپ کا عربی کام طاقت بشری سے خارج تھا۔

اعتراض

اس وقت بعض علمائے تکفیر کی تھی۔ کل نے نہیں کی تھی۔

جواب

کل نے تو اب بھی نہیں کی۔ بہت سے نیک اور راستباز علمائے حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی تصدیق کی۔ اور خود دیوبند کے تعلیم یافتہ عالم جلیل و محدث کبیر حضرت سید مولوی سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ امدیہ اور مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی جو بائیں مدرسۃ العلوم دیوبند کے شاگرد تھے اور مولانا مولوی انوار حسین شاہ صاحب رئیس شاہ آباد وغیرہ علمائے جو دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور مولوی احمد علی صاحب محدث بہار بنوری کے شاگرد رشید غلام قاضی امیر حسین صاحب مرحوم جو کہ علم حدیث و فقہ میں عظیم الشان دسترس رکھتے تھے اور دیگر ایسے علمائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی اور سلسلہ میں داخل ہوئے اور نہایت عظیم الشان قربانیاں کیں۔

۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء کے بعد تکفیر کا نیا فتنہ کوئی نہیں اٹھا۔ بلکہ سب سے زیادہ فتنہ اوائل میں ہی اٹھا۔

جب کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ۱۹۰۰ء میں ہندوستان کے تمام علماء کے پاس فتویٰ کفر حاصل کرنے کے لیے گئے۔ لیکن ان سب سے فتویٰ حاصل نہیں کر سکے۔ بعض ایسے علماء بھی تھے جنہوں نے فتویٰ نہیں دیا اور ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے فتویٰ دیا تو لیکن بعد کو اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے حضرت اقدس کے غلاموں میں داخل ہو گئے۔

اگر مختار مدعیہ کا یہ قول درست ہے کہ خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے تو بعض علمائے تکفیر کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد کل نے کی۔ تو وہ اس لیے مشہور علماء کے نام پیش کر کے جنہوں نے ۱۸۹۹ء تک تو حضرت مسیح موعودؑ کو کافر نہیں کہا تھا۔ لیکن بعد میں کافر کہا میں مختار مدعیہ کے اس دہم کو غلط اور باطل ثابت کرنے کے لیے بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو وجوہ گواہان مدعیہ نے تکفیر کی پیش کی ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھیں۔ چنانچہ نفع صورت اور قیامت کے انکار کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے حوالے پیش کئے ہیں۔ وہ شہادت القرآن اور انزالہ اوہام کے ہیں۔ اور انزالہ اوہام ۱۹۱۰ء کی اور شہادت القرآن ۱۸۹۳ء کی ہے اور توہین انبیاء کے متعلق جو حوالے پیش کئے ہیں۔ وہ زیادہ تر ضمیمہ انجام آتھم کے ہیں۔ اور وہ ۱۸۹۶ء کی تصنیف ہے۔ اور آپ کے دعویٰ مسیحیت اور ہدایت کی بنا بھی وہی پر ہے۔

رہا نبوت کا مسئلہ تو اس کے لیے میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”فتح اسلام میں تو اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ توحیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اور علاوہ برائے بہت سے عقائد کفریہ کا اظہار کیا۔ اور ازالہ ادہام میں ان سے دعویٰ مسیحیت اور نبوت کے ساتھ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے“ (فتویٰ علما نے پنجاب و ہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان ۱۸۹۰ء ٹائٹل پیج صفحہ ۲ اور اشاعت السنۃ نمبر ۱۳ جلد ۱۳۱۹۰ء کے صفحہ ۲۸، ۲۹ میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت خلیفہ اول حکیم مولوی نور الدین صاحب رنسے اپنی گفتگو لکھی ہے جس میں بطور سوال و جواب لکھتے ہیں۔

خاکسار۔ نبوت ختم ہو چکی ہے یا نہیں

حکیم صاحب۔ نبوت تشریحی ختم ہو چکی ہے۔ کوئی شخص شرع جدید نہیں لاسکتا۔

خاکسار۔ کوئی جدید نبی ہو سکتا ہے۔ جو تشریح جدید نکرے۔ شرع محمدی کے تابع ہو اور نبی کہلائے۔ جیسے

انبیاء بنی اسرائیل تو رات کا اتباع کرتے تھے اور نبی کہلاتے تھے

حکیم صاحب۔ کوئی بعید نہیں۔ ہو۔

خاکسار۔ آیت خاتم النبیین نبوت کو ختم کرتی ہے۔ اب نبی جدید کی تجویز پر کیا دلیل رکھتے ہیں۔

حکیم صاحب۔ خاتم النبیین کی آیت تشریحی انبیاء کے ختم کی دلیل ہے۔ نبی بلا تشریح کے وجود کی مانع نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود پہلے جس قسم کے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے تو وہ ایسے دعویٰ نبوت سے ہی انکار تھا۔ جس کے متعلق آپ نے ایک غلطی کے ازالہ میں فرمایا ہے۔ کہ

”جس میں جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر

کوئی شریعت لایا ہوا لانا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقصد

سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے ان کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔

رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طے کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار کیا۔ بلکہ اسی معنوں

سے خدا نے مجھے نبی اور رسول پکارا ہے۔ سواب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

اور میرا یہ قول کہ ”من نیستم رسول دنیا و دہ۱۴۱۱ م۔ کتاب“ اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب

شریعت نہیں ہوں۔

یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود کے قول ”ہر نبوت را بردشدا انتقام“ سے مراد بھی یہی ہے۔ کہ ہر قسم کی

نبوت شرعی ہو یا غیر شرعی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ ہے چنانچہ ایک غلطی کا ازالہ کے صفحہ ۲ میں

آپ فرماتے ہیں۔

و نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی یعنی فخرانی الرسول کی باقی ہے۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی بھاد پہنٹائی جاتی ہے۔ جو نبوت محمدی کی چاؤ ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں۔ بلکہ اپنے نبی کے چہنمہ سے لیتا ہے۔ اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اس لیے اس کا نام آسمان پر محمد واحد ہے اور یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس نظم میں جو تواجہ صاحب کے نام سلسلہ خط میں درج ہے۔ تحریر فرمائی ہے جس کا ایک مصرعہ ہر نبوت را بروشد اتمام مختار مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

من ہمام من ہمام من ہمام	بکہ من در عشق او ہستم نہاں
از گریبانم عیان شد آں ذکا	جان من از جان او یابد غدا
اسم من گردید اسم او چید	احمد اندر جان احمد شد پدید

(اشارات فریدی صفحہ ۹۸ جلد ۳)

اور وہ اقوال جن کے متعلق مختار مدعیہ نے۔ اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ وہ کفریات جو حقیقت الہی سے میں نے پیش کی ہیں۔ اگر اس وقت موجود نہیں تو یہ شہادت مسیح ہے ان کے متعلق میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ اقوال جن کو مختار مدعیہ کفریات کہتا ہے آپ کی کتاب بلائین احمدیہ اور اربعین اور ازالہ ادہام اور انجام اتحم وغیرہ میں تھے اور انجام اتحم میں مندرجہ الہامات کے متعلق خواجہ صاحب کی شہادت ہے۔ کہ وہ آپ کے کمال پر دال ہیں۔ حالانکہ ان میں وہ الہامات بھی ہیں۔ جنہیں مختار مدعیہ نے کفریات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ چند ان میں سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

انت مسقی بمنزلة لا یعلمون الخلق۔ انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی ہوالذی
ارسل رسولہ بالہدای و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔ قل انکنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحکم
اللہ۔ سبحان الذی امری بعبادہ لیللا۔ انا اعطینک الکوثر۔ انا فتحناک فتحاً مبیناً۔
پھر ان الہامات میں آپ کو داؤد۔ ابراہیم۔ مسیح ابن مریم علیہم السلام وغیرہ ناموں کے ساتھ بھی خطاب
کیا گیا ہے۔

پس جب کہ وہ امور جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفریات ہیں۔ خواجہ صاحب کے علم میں تھے اور آپ نے ان میں موجب تکفیر سمجھنے کی بجائے مرزا صاحب کے کمال کی دلیل ٹھہرائی۔ تو مختار مدعیہ کے مذکورہ بالا اعتراف کی

رو سے یہ بانٹا چاہیے کہ آپ کی یہ شہادت کہ حضرت مرزا صاحب کے مسلمان صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ بالکل صحیح درست ہے۔

اعتراف

فوائد فریدیہ کے صفحہ ۲۹ و ۳۰ میں خواجہ صاحب نے فرقہ احمدیہ کو ناری فرقوں میں سے شمار کیا ہے۔

جواب

حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے تبعین کو ناری ہرگز نہیں کہا۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی مراد فرقہ احمدیہ سے ”فوائد فریدیہ“ میں جماعت احمدیہ ہرگز نہیں ہے۔ اول اس لیے کہ فوائد فریدیہ ۱۲۸۳ھ کی تصنیف ہے ملاحظہ ہو فوائد فریدیہ صفحہ ۶۰ مرقومہ و مصنفہ ۱۲۸۳ھ صحیحہ۔ اور ۱۲۸۳ھ میں حضرت مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ نہ تھا۔ اور نہ ہی آپ کو الہامات کا سلسلہ فوائد فریدیہ میں جس فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے اس سے کسی طرح حضرت مسیح موعود کی جماعت مراد نہیں ہو سکتی۔

دوم۔

فوائد فریدیہ کے متعلق صفحہ ۳ میں لکھا ہے ”دبعد از تالیف شریف در کتب خانہ عالیہ موجود بود“ اور پھر کتب خانہ سے لے کر ۱۸۹۵ء میں چھاپی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود کے سامنے والوں کا نام فرقہ احمدیہ ہم نومبر ۱۹۱۹ء کو تجویر کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہارِ مرقومہ نومبر ۱۹۱۹ء ملحقہ تریاقِ القلوب میں فرماتے ہیں۔

”اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لیے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے پسند کرتے ہیں۔ وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے“
آگے چل کر فرماتے ہیں۔

اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لیے رکھا گیا۔ کہ جہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تھے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسم محمد جلالی نام تھا۔ اور اس میں یہ معنی پیشگوئی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے۔ جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدمہ مسلمانوں کو قس کیا۔ لیکن اسم احمد جلالی نام تھا۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دونوں ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی۔ کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے مہربان اور شکیبانی کی تعلیم تھی۔ اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا

ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیش گوئی کی گئی تھی۔ کما تزی
نمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا۔ جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی بھائی صفات
ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اس دہرے سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ
احمدیہ رکھا جائے۔ تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں اُستی اور صلح پھیلانے
آیا ہے۔“

(۱) پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام فرقہ احمدیہ فائدہ فریدیہ کی تالیف کے وقت
تو کہاں اس کے سن طباعت کے بھی بعد کا ہے۔ اس لیے یہ کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ فائدہ فریدیہ میں فرقہ
احمدیہ سے مماثلت احمدیہ مراد ہے۔

(۲) فائدہ فریدیہ کی طباعت کے بعد کی شہادتیں جو اشارات فریدی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ
کے دعویٰ کے متعلق درج ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عربی خط جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ابتدا سے آپ کی تعظیم کرتا ہوں۔ اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ
کے فضل کے مورد ہیں۔ آپ میری حسن عاقبت کے لیے دعا فرمادیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ خدا
تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے ہیں۔ اور یہ خط آپ نے رجب ۱۳۱۴ھ کو لکھا ہے۔ اور ضمیمہ انجام آتمم
اور اشارات فریدی جو موسم کے صفحہ ۱۴۱ میں درج ہے۔

(۲) ۲۸ رجب ۱۳۱۴ھ کو آپ نے فرمایا۔

وہ سرزما صاحب مردے نیک و صالح امت و فرد من کتابے از ہجرات خود فرستادہ است
کمال اوزال کتاب ظاہر است دے مرد صادق و مفری و کاتب نیست۔

(اشارات فریدی صفحہ ۴۳ جلد ۳)

(۳) ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے خواجہ صاحب کو ایک خط عربی میں
ضمیمہ انجام آتمم جس میں خواجہ صاحب کا عربی خط درج ہے پونہچا اور وہ خط بجنہ اشارات میں
درج ہے۔

(اشارات فریدی صفحہ ۶۵، ۶۶ جلد ۳)

(۴) ۲۹ شعبان ۱۳۱۴ھ کو بھی عشاء کے وقت حضرت مسیح موعود کے متعلق آپ کی مجلس میں گفتگو ہوئی۔
پنانچہ لکھا ہے۔

وہ بجنہ در ذکر مرزا غلام احمد قادیانی و در بیان رد و قدح و ذم منکرین افتادہ بود۔ دانشمندے حاضر بود دے

صفت و ثناء مرزا صاحب کرد حضور خواجہ البقاء اللہ تعالیٰ ببقائہ بدرجہ غایت خوش و مسرور شدند بعد از آن فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خدا عز و جل میگذازانند..... و تمام کلام او مملو از معارف و حقائق و ہدایت است و از عقائد اہل سنت و جماعت و ضروریات دین ہرگز منکر نیست۔

بعد از آن فرمودند کہ مرزا صاحب بر مہدویت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر از انہا دو علامات کہ در کتاب خود درج ساختہ بیان نمودہ است برتر و بدرجہ غایت بر دعویٰ مہدویت او گواہ اند۔

آگے وہ علامات لکھے ہیں جن میں سے ایک کسوف اور خسوف کی علامت تھی جو اپریل ۱۸۹۴ء میں یورپی ہوئی ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

پس مرزا صاحب بلائے تمام حجت خود در اطراف و کاناف عالم اشتہارات باہی معنی ارسال کرو کہ ای پیش گوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائے ظہور مہدی موعود فرمودہ بودند اکنون تمام شدہ است برہمہ واجب کہ مہدویت من اعتراف کنید و اقرار نمایند پس مولویان دقت طفلانہ سوال کردند کہ از حدیث شریف ای معنی ہے آید کہ از اول شب رمضان خسوف فرم شود درینہ رمضان کسوف شمس گردد۔ مولویوں کے اس سوال کو طفلانہ قرار دے کہ پھر آپ نے حضرت مرزا صاحب نے جو اس حدیث کے صحیح معنی بتائے تھے ذکر کر کے فرمایا۔

یہ تک حنی حدیث شریف ای چنین است کہ مرزا صاحب بیان کردہ چہ خسوف قمریہ بتاریخ سیمبر ۱۸۹۴ء یا چہاردہم۔ یا پانزدہم ماہ واقع ہوا کسوف شمس ہمیشہ در تاریخ بیست و ہفتم یا بیست و ہشتم یا بیست و نہم ماہ بوقوع آید۔ پس خسوف قمریہ کہ بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء عیسوی واقع شدہ است قرآن بتاریخ سیمبر ۱۸۹۴ء اول شب از شب ہائے خسوف است بوقوع آمدہ و کسوف در میان روز از روز ہا کسوف شمس واقع گشتہ است۔ اشارات فریدی صفحہ ۶۹ تا ۷۲ جلد ۳ میں خواجہ غلام فرید صاحب کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کو اس حدیث کے مطابق مہدی موعود کو دعویٰ میں صلیق اور راست باز جانتے تھے۔

(۵) ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو بھی حضرت مرزا صاحب کے بارہ میں ذکر آیا۔

سخن در حال مرزا صاحب ہمدان اثناء بود و شخصی گفت کہ مرزا صاحب عم کسر عقیدہ تثلیث نصاریٰ داشتہ است و علمائے زمان او شان را مخالف شدہ۔ روئے حکم تکفیر دادہ و مقصد جدال دارند حضور خواجہ البقاء اللہ تعالیٰ ببقائہ۔ و لفظنا وایاکم ببقائہ فرمودند کہ حق غالب است طرف حق غالب است۔

(اشارات صفحہ ۷۵ جلد ۳)

حضرت خواجہ صاحب نے جب یہ فرمایا ہے کہ حق غالب یعنی حق غالب ہی کو ہوگا اس وقت حضرت

بلکہ جاہم شد نہاں دریاں من
نور حق داریم زیر چادرے
برائے یار آمد ازین گلزار من
اگر بیانم برآمد و لیرے
اجہ آخر زمان نام من است
آخرین جاے ہیں جاہم من است

(ملاحظہ ہوا اشارات فریدی صفحہ ۹۱ تا ۱۰۴ صفحہ ۱۰۳)

ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو جب کہ آپ تشریف فرما تھے۔

درحفاظ گلوں مکنتہ حدود گلگڑھی اختیار خان یہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادریانی سقط و ناسزا گفتن آغاز کرد ہمیکہ چہرہ انور حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بیقرارہ تغیر گردید و برآں حافظ بانگ زوند و زجر نمودے عرض کرد کہ قبلہ پیوں حالات و صفات حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام و اوصاف مہدی موعود در مرزا صاحب یافتہ نے شونہ چگونہ اعتقادہ کیم کہ اوست عیسیٰ و مہدی۔

حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ فرمودند در حدیثے وارد شدہ است کہ عیسیٰ و مہدی یکے است بعد ازآں فرمودند کہ بشرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال و فہم مردم کہ در دلہائے خود بنداشتہ اند ظاہر شونہ بلکہ حافظ امر دیگرگون است اگر چنین بودے کہ مردم خیال می کنند پس ادا ہمہ خلق مہدی برحق دانستہ باو ایمان آوردے۔ چنانچہ پیغمبران کہ امت ہر نبی چند گروہ شدے ہر بعضے کسان کہ حال آں پیغمبر مشتبہ مے شدہ بر بعضے کسان ہرگز حال آں پیغمبر مکشوف نہ مے گشت ازین سبب بچہیں گروہ انکار آوردہ مکافر شدہ اگر بر تمام امت پیغمبر حال آں پیغمبرے مکشوف شدے ہمہ مسلماناں بوندے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر شدند و بعوث گردیدند۔ بعض علامات را مطابق پندار دہم دہم خود ہا نیاقتند پس برآں کسان کہ امر آنحضرت مکشوف شدہ اوشاں ایمان آوردند و برآں گروہ کہ مکشوف نشد انکار کردند ہم چنین حال مہدی پس اگر مرزا صاحب مہدی باشد کلام امر مانع است۔

(اشارات فریدی صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴ جلد ۲)

کہنے کو تو چھکاجی چاہے کھبے سکتاے کسی کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کیا حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ بالا ملفوظات مبارکہ کی موجودگی میں کسی عقل و انصاف سے پھر رکھنے والے کو بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ فرائد فریدی میں آپ نے جماعت احمدیہ کو فرقہ ناریہ میں سے شمار کیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت مخفی نہیں کی جا سکتی کہ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کی نہایت صراحت و وضاحت سے تصدیق و تائید کی ہے۔ اور مصدق ہونے کی حالت ہی میں آپ نے وفات پائی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اپنی کتاب حقیقت الوحی صفحہ ۲۰۷ میں اس کا اظہار کیا ہے چنانچہ آپ

فرماتے ہیں۔ مرزا صاحب۔

اس بنا پر کتاب اشادات فریدی میں جو خواجہ صاحب موصوف کے ملفوظات ہیں۔ جا بجا خواجہ صاحب موصوف میری تصدیق فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔ پس چونکہ خواجہ غلام فرید صاحب پیر صاحب العلم کی طرح پاک باطن تھے۔ اس لیے خدا نے ان پر میری سچائی کی حقیقت کھول دی۔۔۔۔۔۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا خاتمہ مصدق ہونے کی حالت میں ہوا۔ چنانچہ وہ خطوط جو آپ نے میری طرف لکھے ان سے مجھے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر میری محبت ان کے دل میں ڈال دی تھی۔

اور صفحہ ۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔ ”غرض خواجہ غلام فرید صاحب کو خدا تعالیٰ نے یہ نور باطن عطا کیا تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں صادق اور کاذب میں فرق کر لیتے تھے۔ خدا ان کو غزنی رحمت کرے اور اپنے قرب میں جگہ دے۔“

پس ہزہائی نس فرزندائے بہادر پور دام انبیا لہم کے پیر و مرشد۔ برگزیدہ خدائے وحید حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ و نور اللہ مرقدہ کی حضرت مسیح موعودؑ کے اسلام پر شہادت ایک ایسی قطعی و یقینی شہادت ہے جس کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ مختار مدعیہ نے اس شہادت کی صحت و عدم صحت پر جو جسوج کی ہے۔ اس میں کبھی تو اس نے یہ کہا کہ مولوی رکن الدین نقرا آدمی نہیں۔ کبھی یہ کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے آدمی بیسج کر جو چاہا خواجہ صاحب سے لکھو لیا اور کبھی یہ کہا کہ چونکہ یہ شہادت خواجہ صاحب نے بغیر تحقیق کے دی اس لیے قابل قبول نہیں۔ اور اس کا یہ مخالف اور منطرب بھی اس کے بیان کی حقیقت کا آئینہ ہے۔ اور اس سے اچھی طرح ثابت ہے کہ یہ شہادت ایسی صاف قوی موثقت ہے۔ جس کی تزوید و تغلیط ہرگز ممکن نہیں۔ پس اس شہادت کے موجود ہوتے ہوئے گواہان مدعیہ کی شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ اور وہ اس قابل ہیں کہ انہیں روکنا جاوے۔ اور ہزہائی نس نواب صاحب دایئے ریاست بہادر پور کے پیر کی اس شہادت کو قبول کیا جاوے جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صراط مستقیم پر قائم اور پاکا مومن اور مسلمان تسلیم کیا ہے۔ بس جس کے مطابق ہزہائی نس نواب صاحب کی محترمہ پھر بھی صاحبہ کی شادی ایک معزز مخلص احمدی سے ہوئی۔

خلاصہ بحث

گواہان مدعیہ نے اپنے بیانات میں اور مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں کتب فقہ کے حوالے سے یہ امر تسلیم کیلئے کہ اگر کسی مسلمان کے قول میں ننانوے وجوہ کفر کے اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو کفر کا فتویٰ دینے

سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ الاسلام بعلو اولیٰ علی۔

اور گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے اس امر کے متعلق شرح فقہ اکبر ملا علی قاری اور البحر الرائق جلد ۱ کا حوالہ دیا تھا لیکن میں اس کی اصلی عبارت اور اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں تا عدالت کو اس کا مفہوم سمجھنے میں سہولت ہو۔

”وقد ذکر دان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر واحتمال واحد في تفيده فالاولى للمفتي والقاضي ان يعمل بالاحتمال الثاني۔ اور پھر لکھتے ہیں۔“

د في المسئلة المذكورة تصريح بأنه يقبل من صاحبها التأويل خلافاً لما ذكره بعضهم على خلاف هذا القيل هذا كله اذا صدر عنه تعميماً۔“

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۴۶)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہوا۔ اور علماء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو۔ جو کفر سے متعلق ہے اور اس میں تنازعے احتمال کفر کے ہیں۔ اور ایک احتمال نفی کفر کا تو مفتی اور قاضی کو چاہیے کہ وہ اس احتمال پر عمل کرے جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو۔ اور اس مسئلہ مذکورہ میں اس امر کی بخلاف بعض لوگوں کے تصریح ہے۔ کہ ایسے کفریہ قول کے نائل کی تاویل قبول کی جائے گی۔

اور مختار مدعیہ نے اکثر تبرکی بحث میں الرائق کے حوالہ سے کہا ہے۔

”کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے جب اس پر اتفاق ہو۔ متفق علیہ ہو کلام میں کوئی تاویل نہ ہو“ اور مولف البحر الرائق نے لکھا ہے۔

”والذی تحورانہ لا یفتی بتکفیر مسلمہ أمکن حمل کلامہ علی محمد حسن اوکان فی کفرہ اختلاف دلور وایة ضعیفة۔“

(البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)

یعنی کسی مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ جب کہ اس کلام کا عمل حسن نکل سکے یا اس کے کفر میں اختلاف ہو۔ اگرچہ کوئی ضعیف روایت ہی ہو۔

اور یہ ایک ایسا اصل ہے جسے حوزہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اپنے مخالفوں کے سامنے

بطور حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ سزا جو مختار مدعیہ بھی ہے، لکھا ہے۔

”اگر کسی مسلم مل کی طرف ایسا قول منسوب کیا جائے جو خلاف شرح ہو تو ہم پر لازم ہے کہ اس قول کی

نفی کریں۔ اور اگر وہ فعل یا قول معتبر ذریعہ سے ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی ایسی تاویل کرنی چاہیے جو ان کی نشان کے مناسب ہو۔ اور شرع شریف کے خلاف نہ ہو۔

(سبیل السداد صفحہ ۵)

اور بحوالہ برکات الامداد صفحہ ۲۷ و ۲۸ گواہ مدعیہ نمبر ۲ اپنی کتاب تزکیۃ الخواطر کے صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں۔

”علماء کرام فرماتے ہیں۔ کلمہ گو کے کلام میں ننانوے معنی کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو۔ تو واجب ہے کہ اس تاویل کو اختیار کریں۔ اور اُسے مسلمان ٹھہراؤ۔ اور یہ کہ حدیث میں آیا ہے۔ الا سلام یعلو ولا یصلی۔ اسلام غالب رہتا ہے۔ اور مغلوب نہیں کیا جاتا۔ رواہ الریائی والدارقطنی والبیہقی والیعنا والتمحلیل عن عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہ بلاوجہ محض منہ زوری سے صاف ظاہر واضح معلوم معروف معنی کا انکار کر کے اپنی طرف سے ایک ملعون مردود مصنوع مطرود احتمال گھرے اور اپنے لیے علم غیب والاطلاع حال قلب کا دعویٰ کر کے زبردستی وہی نپاک مراد مسلمانوں کے سر باندھے۔

(بحوالہ برکات الامداد تزکیۃ الخواطر صفحہ ۷)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بزرگ مسلمان ہونا دعویٰ سے پہلے مسلم تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریلویو براہین احمدیہ میں لکھا ہے۔

”مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی روش سے شریعت محمدیہ پر

قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔

(اساعتہ السنۃ جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲۸۴)

اور جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹ میں لکھتے ہیں۔

”اور اس (براہین احمدیہ) کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلبی و لسانی و حلی و قالی نصرت میں ایسا ثابت

قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں ہمہت ہی کم پائی گئی ہے۔“

اور گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے بمشال عدالت ۲۴ اگست کو تسلیم کیا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اہام صفحہ ۱۳ تقطیع

خورد میں ہمارے مذہب کے عنعان کے ذیل میں جو عبارت لکھی تھی۔ وہ مسلمان ہونے کی حالت میں لکھی تھی۔ اس

وقت تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مسلم مسلمان تھے۔ تو ہر شخص کو آپ کے تمام اقوال کا اسی بکوار

بالاصل کی رد سے دیکھا اور ایک مسلمان پر جو حسن ظنی کی شریعت اسلامیہ نے تعلیم دی ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا اور

مکفیہ کرنے سے محترز رہنا لازم ہے۔

گواہان مدعیہ نے جو وجوہ تکفیر پیش کی تھیں۔ انہیں سے ایک وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دجی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی بند ہے اور مختار مدعیہ نے اس کے متعلق اکثر ترہ کی بحث میں کہا ہے۔ کہ گواہان مدعیہ نے پھر آیات اور ۲۵ احادیث السنہ ادویٰ پر ادرا سات آیتیں اور سترہ حدیثیں خاتم النبیین کی تفسیر میں ادرا سنی امر یعنی خاتم النبیین کے متعلق ابن جریر سے ہم صحابہ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ حالانکہ گواہان مدعیہ نے نہ تو پچیس حدیثیں السنہ ادویٰ پر پیش کی ہیں۔ نہ اور پھر اور سات تیرہ آیتیں السنہ ادویٰ اور خاتم النبیین کی تفسیر کے لیے اور نہ ابن جریر سے تفسیر خاتم النبیین میں چونٹھ صحابہ کے اقوال پیش کئے۔ اور نہ ہی اس میں اس آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں ان اقوال کا نام و نشان ہے۔ چونکہ مختار مدعیہ کے بیان کردہ تعداد بالکل غلط ہے اس لیے میں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریحی باقی رہنے کے سلسلہ میں سات آیات قرآن شریف سے یہ ثبات کرنے کے لیے پیش کیں کہ دجی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریحی بند ہے۔ اور وہ آیات اور تین احادیث اور سات بڑے بڑے ائمہ کے اقوال پیش کئے تھے۔ ادرا اس کے خلاف جو باتیں گواہان مدعیہ نے بیان کیں۔ ان کا مفصل جواب دینے کے علاوہ حضرت مسیح موعود کے متعدد اقوال سے یہ ثبات کیا ہے۔ کہ آپ کو شریعت جدیدہ والی وحی کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو جو مرتبہ ملا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں ملا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ عیسیٰ پر نبوت وحی آئے گی لیکن اس کے سوا جو ہو۔ اس پر لفظ وحی کا اطلاق ہوگا۔ اور گواہان مدعیہ نے منجملہ وجوہ تکفیر کے ایک وجہ حتم نبوت کا انکار اور دعویٰ نبوت کرنا بیان کی تھی۔ جس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے متعدد حوالہ جات بتائے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اقرار موجود ہے۔ پھر احادیث اور اقوال صحابہ اور سلف صالحین کے متعدد اقوال سے یہ ثبات کیا۔ کہ خاتم النبیین کے جو معنی حضرت مسیح موعود نے کئے ہیں۔ وہ سلف صالحین کے معنی کے موافق ہیں اور مخالف نہیں ہیں پھر آپ نے خاتم النبیین کے سیاق و سباق کے لحاظ سے بحوالہ تفاسیر احادیث اور لغت اور محاورات عرب کی رو سے یہ ثبات کیا کہ خاتم النبیین میں خاتم کے معنی مہر کے لینا مجازی نہیں بلکہ آخر کے معنی لینا مجازی ہے۔ اور پھر اقوال ائمہ سے یہ ثبات کیا کہ تاویل کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اور جو آیات اور احادیث گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کی تھیں۔ ان کا مدلل جواب اقوال سلف صالحین سے دیا ہے۔ کہ جو معنی انہوں نے کئے ہیں وہ ہمارے معنی کے مطابق ہیں اور مخالف نہیں۔ اور بحوالہ کتب اصول فقہ جماع

کی حقیقت بتا کر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ صحابہ رضہ کا خاتم النبیین کے ان معنی پر کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ قطعاً اجماع نہیں ہے۔ اور مذکورہ کتب تواریخ بتایا۔ کہ مسیلہ کذاب وغیرہ سے قتال کی اصل وجہ نبوت کا دعویٰ نہ تھی۔ اور جن مدعیان نبوت کو گواہان مدعیہ نے پیش کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے تاریخ اور کتب علماء سے ثابت کیا ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت مستقلہ کا دعویٰ تھا۔ اور گواہان مدعیہ نے جو اقوال فقہ اور تفاسیر سے اپنی تائید میں پیش کئے تھے۔ ان کے متعلق بھی گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ انہوں نے اسے نبی کے آنے کا ہی انکار کیا ہے۔ جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو۔ اور اسلامی شریعت کو منسوخ کرے اور ثابت کیا ہے کہ خود گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے ان حوالجات کو جن میں نبی اور رسول کا لفظ تھا۔ اس عنوان کے ذیل میں کہ اپنے شرعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پیش کر کے اقرار کیا کہ ان کے نزدیک رسول اسے کہتے ہیں۔ جو شریعت لائے جو شریعت کے بعض احکام منسوخ کئے لیکن حضرت مسیح موعود نے چونکہ اس قسم کی رسالت و نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے علماء و سلف صالحین کے اقوال جو گواہان مدعیہ نے پیش کئے تھے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ امام ملا علیقلاری وغیرہ کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ ایسا نبی ہو سکتا ہے۔ جو امتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قسم کی نبوت کا باقائیت کرنے کے لیے گواہان مدعا علیہ نے آٹھ آیات اور پانچ احادیث پیش کیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن عبارات سے گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان سے آپ کا نئی شریعت لانے کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ بدلائل قریبہ ظاہر کر دیا۔ کہ ان سے ایسا استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے فیصلہ کی ایک ہنایت آسان راہ بتا دی کہ

» میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نوح و بالئہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں کھڑا ہوں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مہاکمات و مخالفت الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ الہیہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الہی نبوت رکھتا ہوں۔ و لکل ان یعطلم۔»

(تمہ حقیقہ الہی صفحہ ۶۸)

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی قیامت اور نفع صور کا انکار پیش کی تھی جس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے یہ ثابت کر دیا کہ آپ قیامت اور نفع صور وغیرہ کے ہرگز منکر

نہیں ہیں۔

اور ایک دوسرے تکفیر کی گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء بھی پیش کی تھی۔ اور جس طرز پر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبادت کو بگاڑ کر باوجود تصریحات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہ میں نے یہ باتیں بطور الزام اور فرضی مجال کے طور پر فرضی بیسوع کے متعلق بیان کی ہیں۔ توہین مسیح علیہ السلام دیکر انبیاء نکالی ہے۔ اس سے ان کی دشمنی اور تعصب بالکل عیان ہے۔ جس وجہ سے ان کی شہادتیں ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ اور جن جن عبارات کو انہوں نے مثبت توہین خیال کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثبات کر دیا۔ کہ وہ عبارات الزامی طور پر ہیں۔ یا ان سے توہین نہیں نکلتی اور اپنے ہر قول کی تائید میں حضرت مسیح موعود کے متعدد اقوال اور پہلے علماء کے اقوال پیش کئے۔

غرضیکہ جو امور گواہان مدعیہ یا مختار مدعیہ نے باعث تکفیر و ارتداد قرار دیے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا مفصل مدلل جواب دے دیا گیا ہے۔ اور ثبات کر دیا ہے کہ ایک وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے احمدیوں کو مرتد قرار دیا جاسکے اس لیے گواہان مدعیہ کی یہ رائے اور شہادت کہ۔ ”جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود مانے وہ بھی اس کے حکم میں ہے اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت کے ساتھ جائز نہیں (شہادت گواہ مدعیہ ص ۷۷)

(۲) مرد مرزا صاحب کافر و مرتد ہے۔ اور ان کے عقائد معلوم ہونے کے بعد جو مرزا صاحب کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر۔ کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی مرزائی مرد و عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر نکاح ہوگا تو فوراً فسخ ہو جائے گا۔ گواہ مدعیہ ص ۷۷)

(۳) مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ اس کو حرمہ یا لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے (گواہ مدعیہ ص ۷۷)

بالکل باطل اور ناقابل التفات ہے۔ کیونکہ احمدی خدائے تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمودہ پر صمیم قلب سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان کے مطابق تمام اعمال بجالاتے ہیں۔ اور اسی میں اپنی نجات بستھتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں سے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے میں خدام ختم المرسلین